معارف القرآن (تکملہ)
تالیف
حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
اور
شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
جلد ہشتم مشتمل تفسیر پارہ ۲۸ ۲۹ ۳۰
بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر پسر شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما
شائع کردہ
مکتبۃ المعارف
دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان
باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۲۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ

مسمّٰی بہ

معارف القرآن (تکملہ)

تالیف: حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابن

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ہشتم مشتمل بر تفسیر پارہ (۲۸) (۲۹) (۳۰)

بہ ترجمۂ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۸

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رح ابن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ۸ ۶۰۰

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- سنہ ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- سنہ ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہداد پور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہِ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جا سکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن بنام مکتبہ المعارف شہداد پور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ
جو کہ دار العلوم الحسینیہ (رجسٹرڈ) شہداد پور والے حضرات نے خود دوبارہ
لکھوایا ہے اور چھاپا ہے۔
ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپوائیں اور فروخت کریں۔

27/1/99

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
نبیرہ حضرت مصنفؒ

فہرست معارف القرآن جلد ہشتم (تکملہ)

مشتمل بر پارہ نمبر ۲۸ ۲۹ ۳۰

از سورۂ مجادلہ ۔۔۔ تا ۔۔۔ سورۂ والناس

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تفسیر سورۃ المجادلہ	۱
	آغاز پارہ ۲۸ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ	۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶	اختتام سورۃ المجادلہ	۱۷
	تفسیر سورۃ الحشر	۱۸
۷	جلا وطنی یہود از ارض حجاز وغلبۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر باغات وقلعہائے بنی نضیر	۲۲
۸	جزیرۂ عرب سے یہود کی جلا وطنی	۲۴
۹	غنیمت اور فیئ کے درمیان فرق	۲۵
۱۰	مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں	۲۶
۱۱	استحقاق مہاجرین وانصار ومحبین ومخلصین صحابہ کرام رضؓ در مال فیئ	۲۹
۱۲	ذوی القربیٰ یتامیٰ اور ابن السبیل میں مستحقین فیئ کی قسم اول فقراء و مہاجرین	۳۲
۱۳	مستحقین کی قسم دوئم انصار اور انکے خصوصیات	؍؍
۱۴	قسم سوم عام اہل اسلام	۳۳
۱۵	مستحقین ومصارف مال فیئ	۳۴
۱۶	مال فیئ اور مال غنیمت میں فرق	۳۵
۱۷	استحقاق کی اقسام	۳۶
۱۸	احوال منافقین وکاذبین بعد بیان اوصاف مخلصین وصادقین	۳۸
۱۹	دعوت تقویٰ وفکر آخرت برائے اہل ایمان مع ذکر عظمت رب ذوالجلال والاکرام	۴۲
۲۰	اسماء حسنیٰ وصفات خداوندی	۴۶
۲۱	اللہ رب العزت کے ننانوے اسماء حسنیٰ	۴۸
۲۲	اختتام تفسیر سورۃ الحشر	۵۴
	تفسیر سورۃ الممتحنہ	۵۵
۲۳	حاطب کے خط کا مضمون	۵۸
۲۴	حکم خداوندی برائے ترک محبت ودوستی از دشمنان اسلام وتکمیل اقتضاء ایمان الخ	۶۱
۲۵	ترغیب اہل اسلام برائے اتباع اسوۂ حسنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام	۶۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۵۳	طلاق ثلٰث باجماعِ امت تین طلاق ہیں	۶۳
۱۵۴	مسئلۂ طلاق ثلٰث میں حدیث عبداللہ بن عباسؓ کی تحقیق	۶۴
۱۵۷	تنبیہ وتحذیر بر نافرمانی رب العالمین ودرس عبرت بر بیان ہلاکت قریہائے مجرمین	۶۵
۱۵۹	سات آسمانوں اور سات زمینوں کے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اور اسکی تحقیق	۶۶
۱۶۰	تاویل اول	۶۷
//	تاویل دوم	۶۸
۱۶۱	تاویل سوم	۶۹
//	جدید فلاسفہ کا نظریہ	۷۰
۱۶۲	**تفسیر سورۃ التحریم**	
۱۶۵	تعلیم صبر واستقامت وعدل وانصاف در حقوق وامور معاشرت	۷۱
۱۶۸	خطاب خاص برائے ازواج مطہرات	۷۲
۱۷۰	حکم توبہ وانابت الی اللہ باخلاص قلب ووعدۂ معافی خطایا وبشارت حصول نعمتہائے جنت	۷۳
۱۷۱	توبۃً نصوحًا کی تفسیر	۷۴
۱۷۲	میدان حشر میں اہل ایمان کا نور	۷۵
۱۷۴	نمونۂ ایمان وکفر وہدایت وشقاوت برائے خواتین عالم	۷۶
۱۷۶	آسیہ امرأۃ فرعون کے ایمان کا واقعہ	۷۷
۱۷۷	اختتام تفسیر سورۃ التحریم	۷۸
۱۷۸	**تفسیر سورۃ الملک**	
۱۷۹	**آغاز پارہ ۲۹ تَبَارَكَ الَّذِي**	
۱۸۰	شان عظمت وقدرت خداوندی مع بیان جزائے اہل سعادت وتنبیہ وتہدید بر اہل شقاوت	۷۹
۱۸۲	توحید ذات وصفات خداوندی ایمان کی اساس ہے	۸۰

کتابت ع۔ھ شہدادپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ المُجَادَلَہ

سورۃ المجادلہ مدنی سورت ہے جس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے ابتداء سورت اس مجادلہ اور جھگڑے کے قصہ سے فرمائی گئی جو خولہ بنت ثعلبہؓ کا اپنے خاوند سے پیش آیا تھا کہ ان کے خاوند اوس بن صامتؓ نے ظہار کر کے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تو خولہ بنت ثعلبہؓ شکایت کرتی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت تک کوئی حکم شرعی اس بارہ میں نازل نہیں ہوا تھا زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے پر حرام کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو کہہ دیتا "انتِ علیَّ کظھرِ اُمّی"، کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ تو یہ آہ وزاری کرتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا بس تو اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے خولہؓ بار بار کہتی رہی یا رسول اللہ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کرتی رہیں اور اس دوران یہ بھی کہا یا رسول اللہ میرے خاوند نے میرا مال بھی کھایا میری جوانی بھی گذر گئی عمر بڑی ہو چکی میری اولاد مجھ سے جدا ہو چکی اب میں کیا کروں پھر پروردگار کی طرف رُخ کر کے دعا مانگی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنے رنج وغم کا شکوہ پیش کرتی ہوں تو ہی اس کو دور فرمانے والا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ الخ کہ اے ہمارے پیغمبر! اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی ہے۔ جو آپؐ سے جھگڑ رہی ہے[ع] اپنے خاوند کے معاملہ میں اور اللہ کی طرف وہ اپنی شکایت پیش کر رہی ہے تو ابتداء سورت میں ظہار کر لینے پر کفارہ اور کفارۂ ظہار کا حکم بیان فرمایا گیا۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضری کے آداب واحکام بیان کیئے گئے اور یہودیوں کی اس بیہودگی کو بھی ذکر کیا گیا جو وہ آپؐ کی مجلس میں آکر کیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہوتی تھی اسی کے ساتھ منافقین کے بھی احوال ذکر کیئے اور اخیر سورت میں ایمان کی اصل بنیاد و اساس کا ذکر کیا گیا کہ وہ حُبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے اور جب تک کوئی شخص ایمان کے ان تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکتا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کا عملی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرمایا کیسی بابرکت اور عظمت والی وہ ذات ہے جو

ع تفسیر روح المعانی۔ ابن کثیر جلد رابع۔

تمام عالم کی آوازوں کو سُننے۔

یہ عورت جھگڑا لے کر آئی اور میرے حجرہ کے گوشے میں بیٹھی وہ جھگڑ رہی تھی بات کر رہی تھی اور میں حجرہ کے گوشہ میں ہونے کے باوجود اس کی کچھ باتیں نہیں سُن سکی تھی مگر سبحان اللہ کہ ربُّ العزت سات آسمانوں کی بلندی سے اس کی باتیں سُن رہا تھا جب وہ یہ کہہ رہی تھی اللّٰھمّ انی اشکو الیک۔ چنانچہ تھوڑی دیر گذری کہ جبریل امینؑ یہ آیات لے کر نازل ہوئے عہ

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، اور اس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِھَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَی

سُن لی اللہ نے بات اس عورت کی، جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند پر اور جھینکتی ہے

اللّٰہِ ۖ وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

اللہ کے آگے، اور اللہ سُنتا ہے سوال جواب تم دونوں کا۔ بے شک اللہ سُنتا ہے دیکھتا۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِھِمْ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ ؕ

جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں تم میں اپنی عورتوں کو وہ نہیں ان کی مائیں۔

اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَھُمْ ؕ وَاِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

مائیں وہی جنہوں نے اُن کو جنا۔ اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِیْنَ

بات اور جھوٹ - اور اللہ معاف کرتا ہے بخشنے والا - اور جو

عہ صحیح بخاری۔ ابن ماجہ

يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ

ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو، پھر وہی کام چاہیں جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا

رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

ایک بردہ، پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگادیں۔ اس سے تم کو نصیحت ہوگی۔ اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پاوے، تو روزہ دو مہینے کا

مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

لگاتار، پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی نہ کر سکے تو

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

کھانا دینا ہے ساٹھ محتاج کا۔ یہ اس واسطے کہ حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾

اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی۔ اور منکروں کو دُکھ کی مار ہے۔

شکوہ و التجا خاتون پریشان حال در بارگاہِ رب العزت ذی الجلال

ونزولِ حکمِ ظِہار

قال اللہ تعالیٰ۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ ---- الیٰ ---- عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان کے ذریعہ عالم دنیا کے لیے سامانِ ہدایت و رحمت کا ذکر تھا اب اس سورت کی ابتداء اس مضمون سے کی جارہی ہے کہ اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسے ہدایات و احکام نازل فرماتا ہے جن سے لوگ اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتے ہیں اگر وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی کسی وقت پریشان و مضطرب ہوں تو خدا تعالیٰ کس طرح اُن کی التجاء سُنتا ہے اور احکام شریعت کے ذریعہ کس طرح ان کی پریشانیاں دُور فرماتا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔

بے شک اللہ نے سُن لی ہے اس عورت کی بات جو اے ہمارے پیغمبر آپ سے جھگڑ رہی تھی اپنے خاوند کے حق میں اور شکایت کر رہی تھی اپنی مصیبت و پریشانی کی اللہ کے سامنے اور اسی کی بارگاہ میں التجا کر رہی تھی اور اللہ سُن رہا تھا تم دونوں کے سوال و جواب کو اور آپس کی رد و قدح کو کہ خولہؓ کہہ رہی تھی یارسول اللہ اُس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" میں حرام ہوگئی۔ اور آپؐ کہتے تھے کہ مجھ پر تو کوئی اور حکم اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ خوب سُنتا دیکھتا ہے تو اس نے ایک دُکھی عورت کی آواز و التجاء کو سُنا اور اس کی مصیبت و پریشانی سے نجات پانے کا راستہ پیدا کر دیا اور آئندہ کے لیے اس قسم کی بات کرنے والوں کے واسطے یہ حکم نازل کر دیا کہ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں سے اور ان کو اپنی ماں کہہ بیٹھیں اور ماں کے بدن سے تشبیہ دیدیں تو وہ نہیں ہو جاتیں انکی مائیں ــــ اُن کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا اور یقیناً وہ بول رہے ہیں ایک بہت ہی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہ جس عورت نے ان کو جنا نہیں وہ کیسے ان پر ماں کی طرح حرام ہوسکتی ہے یہ بیہودہ بات ایسی تو نہ تھی کہ اس پر درگذر کیا جاتا لیکن اللہ بہت ہی درگزر کرنے والا ہے جو اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے تو اب ایسی صورت حال میں قانونِ خداوندی اور حکم شرعی یہ ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرلیں اور پھر وہ لوٹنا چاہیں اسی چیز کی طرف جس کے واسطے انہوں نے یہ کہا یعنی حرمتِ تعلق اور وہ پھر اس علاقۂ زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں ع۔

اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کی نصیحت تم کو کی جارہی ہے۔ اور اس حکم کا تم کو پابند کیا جارہا ہے۔

اور اللہ تو خوب خبر رکھنے والا ہے ان تمام کاموں کی جو تم کرتے ہو پھر اگر کوئی شخص نہ پائے غلام اور اس کی

ع حنفیہ کے یہاں ظہار میں یہی حکم ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے قبل مرد و عورت آپس میں نہیں مل سکتے جماع اور دواعی جماع سب ممنوع ہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ زہریؒ نے تصریح کی ہے کہ لمس و تقبیل وغیرہ بھی جائز و حلال نہیں ہے جب تک کہ کفارہ نہ ادا کرے عکرمہؓ۔ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ میں نے اپنی عورت سے قربت کرلی قبل اس کے کہ میں کفارہ ادا کروں۔ آپؐ نے اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا اس بات پر آخر تجھے کس بات نے آمادہ کیا اس نے اپنا عذر بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا لا تقربها حتیٰ تفعل ما امرك اللّٰہ عز و جل کہ تو اس کے قریب بھی نہ جا جب تک کہ تو اس بات کی تکمیل نہ کرلے جس کا اللہ عز وجل نے تجھے حکم دیا ہے یعنی کفارہ ادا کرلے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح فرمایا ہے اور امام ابوداؤد و نسائی نے اس کو عکرمہؓ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ظہار کے تفصیلی احکام کے لئے کتب فقہ کی مراجعت فرمائی جاوے ۱۲۔

قدرت نہ ہو کہ غلام آزاد کرے تو پھر دو مہینہ کے روزے ہیں پے در پے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں پھر اگر کوئی اس کی بھی کوئی استطاعت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم مذکورہ بالا کفارہ کی تین صورتوں میں ہے اس لیے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور تابع دار رہو اللہ کے ہر حکم کے اور اس کے رسول کے اور یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر مقرر کر دی ہیں ان پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اللہ کے حکم سے روگردانی درحقیقت انسان کا خود اپنے اوپر ظلم ہے جس کی سزا سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی وجہ سے اللہ نے حدود مقرر کر دیں تاکہ ان سے کوئی تجاوز نہ کرے۔

ظہار کا مفہوم اور اُس کا حُکم شرعی

جیسا کہ تفسیری کلمات سے معلوم ہو چکا ظہار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی عورت کو یہ کہے انتِ علیّ کظھر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں ظہار اپنی بیوی کو یا اس کے کسی ایسے جزء شائع کو جس سے سارے جسم کو اور ذات کو تعبیر کیا جا سکتا ہو۔ اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے حصّہ سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر محرماتِ ابدیہ سے تشبیہ دینا ظہار ہے لفظ ظہار ظَہر بمعنی پشت سے مشتق ہے یہ لفظ اگرچہ تلفظ اور ذکر کیا جاتا ہے مگر مراد مجازاً پیٹھ یا مقامِ مخصوص ہوتا ہے۔ حیاءً لفظ ظہار بولنا اختیار کیا گیا۔ کلام عرب میں اس طرح کا مجازاً استعمال شائع اور معروف ہے۔ ان آیات کے نزول سے پیشتر ظہار کو قطعی طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس وقت اسلام میں اس صورتِ خاص کا کوئی حکم بھی نازل نہ ہوا تھا اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً فرما دیا تھا کہ اَب تو اس پر حرام ہو چکی اور اب کوئی صورت تیرے واسطے نہیں یہاں تک کہ یہ کفارہ کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو گیا اب ظہار کرنے پر شریعت کے نزدیک کفارہ کی یہ شکل نکل آئی اور اس طرح کفارہ ادا کر کے مرد اپنی بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک یہ بات تو بالاجماع ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے ظہار ہو جائے گا۔ لیکن ان الفاظ یعنی "انتِ علیّ کظھرِ امی" کے علاوہ اور کوئی لفظ کہے اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً "ظھر" تو کہے لیکن "ام" کا لفظ نہ کہے تو اگر ام کے علاوہ کسی غیر محرم کا ذکر کیا یعنی محرم سے تشبیہ نہیں دی تو اس صورت میں بالاتفاق ظہار نہ ہو گا۔ اس لیے کہ اپنی عورت سے قربت کو اگر ایسی عورت کی قربت سے تشبیہ دی جس سے نکاح ہو سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں خواہ نسبًا ہوں مثلاً بہن۔ پھوپھی۔ بیٹی۔ نواسی یا رضاعت کے رشتہ سے مثلاً جیسے کہ رضاعی بہن اور رضاعی بیٹی وغیرہ تو ان صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار ہو گا امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ تھا کہ ظہار نہ ہو گا۔ دوسرا یہ کہ ظہار ہے۔ دوسری شکل یہ کہ ماں کی پشت سے تو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا

حرام نہیں مثلاً ہاتھ۔ پاؤں۔ چہرہ۔ آنکھ تو اس میں ظہار نہیں اور اگر ایسے اعضاء سے تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا حرام ہو مثلاً ران۔ سرین اور پیٹ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار ہے۔

تیسری شکل یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو اور نہ پشت کا بلکہ یہ کہے کہ تو مجھ پر میری بہن یا بیٹی کی طرح ہے تو اس شکل میں فقہاء حنابلہ وشافعیہ ظہار نہیں کہتے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شکل میں بھی ظہار ہے لفظ مِنْكُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہار مسلمان کر سکتا ہے۔ کافر ذمی کو ظہار کا حق نہیں۔

تفصیل کے لئے کتب فقہ کی مراجعت فرمائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ

جو لوگ مخالف ہوتے اللہ سے، اور اس کے رسول سے، وہ رد ہوئے جیسے کہ رد

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ

ہوئے ان سے پہلے، اور ہم نے اُتاری ہیں آیتیں صاف۔ اور منکروں کو

عَذَابٌ مُهِينٌ ۝٥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

ذلت کی مار ہے۔ جس دن اٹھا دے گا اللہ ان سب کو، پھر جتا دے گا ان کو

عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

انکے کیئے۔ اللہ نے وہ گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے۔ اور اللہ کے سامنے ہے

شَهِيدٌ ۝٦

ہر چیز۔

تنبیہ و وعید بر بغاوت و نافرمانی از حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں کفارۂ ظہار کا حکم بیان فرما کر اخیر میں فرما دیا گیا تھا یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ اور حدود خداوندی سے تجاوز کرنا اللہ کو ہرگز گوارا نہیں ہو سکتا تو اب ان آیات میں احکام خداوندی سے بغاوت

کرنے والوں اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں پر وعید و تنبیہ ہے فرمایا۔

بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ ذلیل و خوار ہوئے جیسا کہ ذلیل ہوئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتار دی ہیں کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام جن کے بعد نہ کوئی تردد ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ابہام باقی رہ سکتا ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔ جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر کھول کر رکھ دے گا ان کے سامنے ان کے وہ کام جو انہوں نے کیئے۔ اللہ نے تو اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہوں نے اس کو بھلا دیا ہے ہر انسان اور اس کا عمل اور اس کی ہر حالت خدا کے احاطہ میں ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں گو انسان اپنے اعمال اور احوال کو بھلا دیتا ہے اور نہ ہی اس کو قیامت یاد رہتی ہے۔ اور اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے کوئی ذرّہ آسمانوں اور زمین میں اس سے پوشیدہ نہیں۔ ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھول کر رکھ دیا جائے گا زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے۔ الغرض اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی نا فرمان اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے کہ وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بچ جائے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

تو نے نہ دیکھا! کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ

کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا، جہاں وہ نہیں ان میں چوتھا، اور نہ پانچ

إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا

جہاں وہ نہیں ان میں چھٹا، اور نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ نہیں

هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ج ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ

ان کے ساتھ، جہاں کہیں ہوں۔ پھر جتاوے گا ان کو جو انہوں نے کیا قیامت

الْقِيٰمَةِ ط إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى

کے دن۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھے؟

الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ

جن کو منع ہوئی کانا پھوسی، پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے۔

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَ

اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی، اور زیادتی کی، اور رسول کی بے حکمی کی۔ اور

اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ

جب آویں تیرے پاس تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے، اور کہتے ہیں

اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

اپنے دل میں، کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ؟ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔ بس ہے انکو دوزخ

يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

پیٹھیں گے اس میں، سو بُری جگہ پہنچے ۔ اے ایمان والو! جب

تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

کان میں بات کرو، تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

بے حکمی کی، اور بات کرو احسان کی اور ادب کی اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ

کے پاس جمع ہوگے ۔ یہ جو ہے کانا پھوسی، سو شیطان کا کام ہے کہ دلگیر کرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ

ایمان والوں کو، اور وہ ان کا کچھ نہ بگاڑے گا بن حکم اللہ کے۔ اور

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اللہ پر چاہیئے بھروسا کریں ایمان والے ۔ اے ایمان والو! جب تم کو کہئے

قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ

کھل بیٹھو مجلسوں میں، تو کھل جاؤ، اللہ کشادگی

لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ

دے تم کو۔ اور جب کہئے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ اونچے کرے ان کے جو ایمان

آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

رکھتے ہیں تم میں، اور علم، بڑے درجے۔ اللہ خبر

تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ

رکھتا ہے جو کرتے ہو۔ اے ایمان والو! جب تم کان میں بات

الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ

کہو رسول سے تو آگے دھرلو، اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات۔ یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

بہتر ہے تمہارے حق میں، اور بہت ستھرا، پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ ۚ

کیا تم ڈر گئے! کہ آگے رکھا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں۔

فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ

سو جب تم نے نہ کیا، اور اللہ نے معاف کیا تم کو تو اب کھڑی رکھو نماز اور

آتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ

دیتے رہو زکوٰۃ، اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے،

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ

تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ ع

تم کرتے ہو۔

بیانِ عظمتِ خداوندی و آداب حاضری دربارگاہ رسالت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔

(ربط) اس سے قبل ان غافلوں اور نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے رسول کے احکام سے بغاوت کریں روزِ قیامت اور اپنے اعمال کے نتیجہ کو فراموش کر دیں ان کو آگاہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وجلال کا ذکر ہے اور یہ کہ اس کے رسول کی خدمت میں حاضری کے آداب کیا ہیں اور جو منافقین و یہود آپ کے پاس محض آپ کا وقت ضائع کرنے یا آپ کو ایذاء پہنچانے کی غرض سے آتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں پر کچھ احکام آداب وعظمت کے بیان فرمائے گئے تاکہ مخلص کا فرق ظاہر ہو سکے۔ ارشاد فرمایا اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے انسانوں کے اعمال تو کیا ہر ذرّہ کائنات اس کی نظروں کے سامنے ہے کوئی بھی سرگوشی اور مشورہ تین آدمیوں کا نہیں ہوتا ایسا کہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہ ہوتا ہو ان کا چھٹا اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زائد کا کوئی مشورہ وسرگوشی مگر یہ کہ وہ پروردگار ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی کہیں وہ ہوں غرض کوئی مکان وزمان اور کوئی حالت اور مجلس وسرگوشی اور کوئی مخفی سے مخفی عمل ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کا علم اس کو محیط نہ ہو چھپ کر مشورے کرنے والوں کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہئے کہ ہم خدا کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں اس کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ ہر چیز محفوظ رکھتا ہے۔ اس لیے پھر ان کو آگاہ کر دے گا اور جتلا دے گا قیامت کے روز ان اعمال کو جو انہوں نے کیے بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس بناء پر نہ تو کسی کو حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی سے غفلت برتنی چاہئے جیسا کہ کچھ منافقین ویہود کرتے تھے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو آپس میں سرگوشیوں سے منع کیے گئے لیکن پھر وہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جس کی ان کو ممانعت کی گئی اور آپس میں سرگوشی کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں اے پیغمبر یہ لوگ آپ کے پاس تو تحیہ وسلام کرتے ہیں اس طرح سے کہ اللہ نے آپ کو تحیہ نہیں کیا اور ان الفاظ سے آپ کو دعاءِ سلامتی نہیں دی۔ اللہ نے تو اپنے رسولوں کو سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ فرمایا اور سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى کہا اور اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ التحیات میں فرمایا مگر یہ منافق اور یہودی جب آپ کو تحیہ کرتے تو السلام علیک کے بجائے السام علیک کہتے اور سام کے معنی موت ہیں تو اسی طرح نازیبا الفاظ کہہ کر آپ کو سلام کرتے ہیں[ع]۔ اور

ع حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

مؤمنین کو ایذاء بھی پہنچاتے ہیں اور خود اپنی باطنی گندگی و خبث کی وجہ سے اپنے دلوں میں کہتے ہیں کیوں نہیں ہم کو اللہ عذاب دیتا ہمارے اس کہنے پہ اگر ہم اس کے پیغمبر کی توہین و دل آزاری کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ عالم دنیا میں اس طرح کا نظام اللہ کی حکمت کے پیش نظر ممکن نہ تھا کہ جو گستاخ اور یہودی یا کافر کوئی بھی بیہودہ لفظ زبان سے نکالے تو فوراً ہی اس پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے ایسی صورت میں تو پھر ایمان بالغیب کا کوئی درجہ نہیں رہتا اس وجہ سے فرمایا بس کافی ہے ان کو دوزخ جس میں یہ داخل ہوں گے قیامت کے روز سو وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جس کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ کس قدر خباثت تھی کہ باوجود اس طرح سرگوشیوں کی ممانعت کے پھر بھی سرگوشیاں کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھنے والے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور عجیب عجیب قسم کے آنکھوں سے اشارے کنائے کرتے تو اس کے بالمقابل مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے سے کوئی پوشیدہ بات کرو تو ہرگز کسی گناہ کی بات کی سرگوشی نہ کرو اور نہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی۔ اور سرگوشی و مشورہ کیا کرو نیکی اور تقوٰے کے کاموں کی اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب اٹھائے جاؤ گے ہر عمل و اخلاص کا بدلہ روزِ محشر ہر ایک کو مل جائے گا اگر یہود اور منافقین مسلمانوں اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کے واسطے ایسی حرکتیں کرتے ہیں تو اس پر مسلمانوں کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے ان کو یہ بات ہر وقت پیش نظر ہی رکھنی چاہیئے کہ یہ جو کچھ سرگوشی اور کانا پھوسی ہے وہ صرف شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ غمگین کردے اہل ایمان کو اور حال یہ ہے کہ وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا

؏ حضرت شاہ عبدالقادرؒ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں "مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں"

احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا -۱۲

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ؏ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے اسی لفظ سے آپؐ کو مخاطب کیا۔ السام علیک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سن رہی تھیں ان کو غصہ آیا اور فرمانے لگیں بل علیک السام واللعنۃ۔ کہ بلکہ تجھ ہی پر موت اور لعنت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ نرمی کرو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپؐ نے کیا نہیں محسوس فرمایا کہ اس نے کیا کہا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے کیا جواب دیا میں نے اس کو کہہ دیا وعلیک، یعنی اس کی بات اسی پر لوٹا دی اور میری بات تو اس کے حق میں قبول ہوگی۔ اور اس کی بات میرے حق میں قبول نہ ہوگی -۱۲

بجز اللہ کے حکم کے کہ اگر کسی بات کے متعلق اسی کا حکم ہوا تو وہ بہرکیف ہو جائے گی اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اور اللہ پر بھروسہ کرنے سے ان پر اس قسم کی دل آزار حرکتیں زیادہ اثر انداز نہ ہوں گی۔ اور ان کا یہ اعتقاد "کہ کوئی چیز اور کوئی بھی سازش بغیر اذنِ الٰہی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی"، ان کے دلوں کے ایمان و تقویٰ کو اور مضبوط کر دے گا اگر منافق و یہود برائی کی باتوں کی سرگوشیوں میں مصروف ہیں تو اہلِ ایمان کو نیکی اور تقویٰ کے مشوروں میں لگ جانا چاہیئے۔ ان آداب و ہدایات کے ساتھ اس ادب کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ

اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے کھل کر بیٹھو مجلس میں تو کھل جاؤ اللہ تعالےٰ تمہارے واسطے کشادگی فرمائے گا۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ منتشر بیٹھیں اور دوسرے آنے والوں کے لیئے جگہ کشادہ نہ رہے بلکہ قریب قریب حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور اگر کہا جائے اٹھ جاؤ تو اُٹھ کھڑے ہو جایا کرو حلقہ بنانے اور جگہ کشادہ کرنے کے لیئے یا مجلس میں بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کے لیئے اللہ تعالےٰ بلند کرتا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور علم والوں کے درجات حقیقت یہی ہے ایمان۔ اخلاص اور تہذیب و شائستگی جہاں انسان کو تواضع سکھانے کا ذریعہ ہے اسی کے ساتھ مراتب و درجات کی بلندی کا بھی باعث ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو اے لوگو تم کرتے ہو۔ اس وجہ سے ہر ایک کو اس کے اخلاص اور صلاحیت کے اعتبار سے اجر و ثواب ملے گا ایمان اور علم یہی دو نعمتیں ہیں جن سے انسانوں کی صلاحیتوں اور استعداد میں جلا اور خوبی حاصل ہوتی ہے تو ان ہی پر درجات و مراتب کی بلندی مرتب فرمائی گئی۔

منافق چونکہ ہر طرح اسی کی کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچے اور اسی طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے مستفیض نہ ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غیر ضروری باتیں کرنے لگتے اور وقت ضائع کرتے اور آپؐ اپنی مروت و اخلاص کے باعث کسی کو منع نہ فرماتے تو اس وجہ سے یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ آنحضرتؐ سے جو بھی کوئی خصوصی مجلس کی طرح مشورہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ پہلے وہ ان غرباء کے واسطے صدقہ دے جو اصحابِ صفہ اور دیگر غرباء مسجد نبوی میں شب و روز رہتے ہوں تاکہ ان غرباء کی اعانت بھی ہو اور اس کے باعث جو درحقیقت ضرورت مند اور مخلص ہوگا وہی خصوصی مشورہ اور سرگوشی کے لیئے حاضری چاہے گا تو فرمایا اے ایمان والو جب تم کوئی سرگوشی اور مشورہ کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے کوئی صدقہ بھیج دیا کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ کیونکہ صدقات سے انسان کی باطنی کدورتوں اور کثافتوں کا ازالہ ہوتا ہے اور تقویٰ و طہارت کے آثار رونما ہوتے ہیں۔ پھر اگر تم نہ پاؤ کوئی چیز صدقہ کی پہلے بھیج دینے کے لیے تو بس اللہ بڑا ہی بخش دینے والا مہربان ہے۔ اس طرح غیر مستطیع لوگوں کے حق میں پہلے ہی سہولت فرما دی گئی۔

یہ جو کچھ مقرر ہوا تھا محض نفس کے تزکیہ اور منافق و مخلص کے امتیاز کے لیے۔ منافقین نے تو بخل کی وجہ سے پہلے ہی مجلس میں خصوصی سرگوشی کا سلسلہ بند کر دیا اور جو مسلمان بلا وجہ ہی خصوصی ملاقات کا ارادہ کرتے

تھے۔ انہوں نے بھی یہ سوچ کر کہ یہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں بالآخر اس طرح اس حکم کو تبدیل فرما دیا گیا کہ تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات بھیجا کرو۔ بہر حال جب تم نے ایسی بات نہیں کی اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو اب تم قائم رکھو نماز اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتے رہو اسی میں تمہارے واسطے نجات و کامیابی اور فلاح و سعادت ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ نہ کسی کا عمل خدا سے مخفی ہے اور نہ کسی کے اخلاص اور سعادت سے اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ہر ایک کو اس کے اخلاص و عمل کا ضرور پورا پورا اجر و ثواب دے گا۔

مناجات و سرگوشی پر جو صدقہ کا حکم تھا وہ عارضی تھا اور اس کی غرض پوری ہوگئی تو اس کو تو اٹھا لیا گیا ہاں جو احکام ابدی اور دائمی ہیں وہ ہمیشہ قائم و باقی رہیں گے سو ان کو قائم رکھو نماز پڑھتے رہو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری میں مستعد و تیار رہو۔

استاذی محترم شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے امت میں صرف میں ہی ایک شخص ہوں جس نے اس حکم پر عمل کیا (باقی اور کسی کو نوبت ہی نہیں آئی)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ

تو نے نہ دیکھے ؟ وہ جو رفیق ہوئے ہیں ایک لوگوں کے، جن پر غصے

عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ

ہوا ہے اللہ، نہ وہ تم میں ہیں نہ ان میں ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ

اور خبر رکھتے ہیں ۔ رکھی ہے اللہ نے ان کو سخت مار ۔ بے شک وہ

سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا

بُرے کام ہیں جو کرتے رہے ہیں ۔ بنایا ہے اپنی قسموں کو ڈھال ، پھر روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ

اللہ کی راہ سے ، تو ان کو ذلت کی مار ہے ۔ کام نہ آویں گے

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے ہاتھ سے کچھ۔ وہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ

ہیں دوزخ کے۔ اسی میں رہ پڑے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ انکو

جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

سارے، پھر قسمیں کھاویں گے اس کے آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے، اور خیال رکھتے ہیں کہ

عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ

وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے۔ قابو میں کر لیا ہے ان کو

الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ

شیطان نے پھر بھلائی ان کو اللہ کی یاد۔ وہ لوگ ہیں جتھا شیطان کا۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

سنتا ہے جو جتھا ہے شیطان کا۔ وہی خراب ہوتے ہیں۔ جو لوگ مخالف

يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ

ہوتے ہیں اللہ سے اور رسول اس کے سے، وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں۔ اللہ

اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا

لکھ چکا کہ میں زبر رہوں گا اور میرے رسول۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔ تو نہ

تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ

دیکھے گا کوئی لوگ، جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر، پھر دوستی کریں

مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ

ایسوں سے، جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے، پڑے وہ اپنے باپ ہوں یا بیٹے ہوں

اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے۔ ان کے دلوں میں لکھ دیا ہے

الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

ایمان، اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔ اور داخل کرے گا انکو باغوں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ

میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، سدا رہیں ان میں۔ اللہ ان سے راضی

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ

اور وہ اس سے راضی۔ وہ ہیں جتھا اللہ کا۔ سنتا ہے جو

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

جتھا ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے۔

تنبیہ و وعید بر موالات و دوستی از قوم مغضوب علیہم و ذلت و ناکامی حزب الشیطان و فلاح و کامیابی حزب اللہ

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا .... الیٰ ..... اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں ان منافقین و یہود کا ذکر تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر آپؐ کو اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے اور مختلف طریقوں سے یہی چاہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و بےحرمتی کی جائے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے گستاخوں اور مغضوب علیہم لوگوں کے ساتھ کسی طرح موالات و دوستی نہ رکھی جائے مقصود یہ کہ جو اسلام اور اللہ کے پیغمبرؐ کے دوست ہیں ان کے واسطے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ایسے گستاخوں اور اسلام دشمن عناصر سے تعلقات و دوستی قائم کریں اسی کے ضمن میں ان کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان حربوں کو بیان کیا جارہا ہے جو وہ اختیار کیا کرتے تھے تو ارشاد مبارک ہے اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں۔ اس

قوم کو جس پر غصہ ہوا اللہ کا، اور ان کو خدا نے مغضوب علیہم قرار دیا اور یہ گروہ منافقین ہے جنہوں نے یہود سے دوستی اور موالات قائم کی جو نہ تو تم میں سے ہیں کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں محض زبانی اسلام کا دعویٰ ہے اور نہ ان کافروں سے ہیں جو کھلم کھلا کفر و انکار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ زبان سے کہنے والے ہیں "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" اور حقیقت یہ ہے کہ "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" اور قسم کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان منافقوں کے واسطے ایک سخت عذاب جو "درك الاسفل من النار" ہے بے شک بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ نفاق دھوکہ ایذاء رسانی اور لوگوں کو راہِ ہدایت سے روکنے کی پوری پوری کوشش۔ یقیناً یہ کام عقل اور فطرت کی رو سے بدترین کام ہیں جس کے باعث یقیناً ان کے واسطے دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی شدید عذاب ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اپنے بچاؤ اور اعتراض و گرفت سے بچنے کے لیے پھر اس ڈھال اور رکاوٹ کے ساتھ روک رہے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے تو یقیناً ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ان کو اس گمان میں نہ رہنا چاہیئے کہ کوئی تدبیر اور ذریعہ ان کو عذاب خداوندی سے بچا دے گا ان کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ کے مطابق ذرّہ برابر بھی اور یہ لوگ جہنم والے ہوں گے ہمیشہ عذاب جہنم میں ہی رہیں گے جس روز اللہ ان سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا تو دنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی یہی کریں گے کہ پھر اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح دنیا میں اے مسلمانو! تمہارے سامنے قسمیں کھایا کرتے تھے اور کہیں گے اے پروردگار ہم تو ایسے نہیں تھے ہم تو ایمان و یقین رکھتے تھے اور گمان کریں گے کہ وہ کسی راہ پر ہیں خبردار ہو جاؤ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہی ہیں۔ ان کی کسی بات میں صداقت کا امکان ہی نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ یہ کسی صحیح راستہ پر ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے شیطان ان پر مسلّط ہو چکا پھر ان کو خدا کی یاد سے قطعاً غافل بنا دیا۔ ایسے ہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ آگاہ ہو جانا چاہیئے کہ شیطان کے گروہ والے ہی وہ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں اور ناکام و ذلیل ہوں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شیطان اور شیطان کے گروہ کے منصوبے نہ دنیا میں کامیاب ہوں گے اور نہ ہی آخرت میں ان کو نجات نصیب ہوگی اور نہ عذاب شدید و مہین سے چھٹکارے کی کوئی سبیل ہوگی۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت و دشمنی کرتے ہیں یہ سب ذلیل ہونے والوں میں شامل ہیں۔ حق و صداقت کے خلاف جنگ اور مقابلہ ذلت و ناکامی ہی کا سبب ہوگا۔

فیصلہ لکھ دیا ہے اللہ نے اس بات کا کہ یقیناً میں غالب ہوں گا اور میرے رسول کامیاب و غالب ہوں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوت و عزت والا ہے۔ خدا کی طاقت کو نہ کوئی زیر کر سکتا ہے اور نہ کوئی باطل کی طاقت خدا کے ارادوں کو مغلوب کر سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کے اس فیصلہ اور قانون کے پیش نظر اے ہمارے پیغمبر ہم آپ پر یہ بات واضح کر رہے ہیں۔ آپ ہرگز کسی بھی ایسی قوم کو جو اللہ پر اور روز قیامت پر

ایمان لانے والی ہے نہیں پائیں گے کہ وہ دوستی کریں ایسی قوم سے جو اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتے ہوں اور ان کے احکام سے بغاوت کر رہے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی ہوں یا ان کے قبیلے وخاندان ہوں ایسے ہی لوگ ہیں وہ جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ایمان راسخ ہے اور تائید کی ہے ان لوگوں کی اپنی طرف سے ایک غیبی فیض سے اور روحانی برکات سے ان کو ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں اور ہر مخالفت اور مانع کی دور کرنے کی ہمت اپنے میں پاتے ہیں اس تائید غیبی یا جبریل امین (جن کا لقب روح الامین ہے) کی مدد سے ان کو ایک خاص معنوی حیات وقوت نصیب ہوتی ہے۔ کفر اور کافروں کے مقابلہ میں اس تائید غیبی سے مؤمن کامیاب وغالب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرمایا کرتے تھے کہ کفر وشرک کا رد کرو اور کفارِ مکہ کی ہجو میں وہ اشعار پڑھتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے اللّٰھم ایدہُ بروح القدس کہ اے اللہ تو ان کی مدد فرما روح القدس کے ذریعے۔ اور داخل کرے گا اللہ ان کو جنت کے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہیں ان انعامات وکرامتوں پر مزید انعام یہ ہوگا کہ راضی ہوگا اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے اس کے انعامات پر خوش ہوں گے یہ اللہ کی رضا وخوشنودی اور اہل ایمان کا اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا اس بات کا ثمرہ ہوگا کہ خدا ایسے ایمان والوں سے دنیا میں بھی راضی ہوا اور وہ مؤمنین بھی اس کی اطاعت وفرماں برداری پر راضی رہے تو اس کا نتیجہ آخرت میں رضائے الٰہی کی صورت میں رونما ہوا اور اہل ایمان اس کے انعامات پر خوش ہوئے جب کہ ان کو اپنے اعمال کی نسبت سے بہت زیادہ گراں قدر نعمتیں ملیں جن کا یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہی لوگ ہیں حزبُ اللہ (خدا کا گروہ) بے شک خدا کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے اور خدا کے گروہ والے ہی دنیا میں بھی غالب آتے ہیں اپنی مراد پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ان ہی کو کامرانی وخوشی نصیب ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جن اللہ کے برگزیدہ بندوں نے خدا کی رضا وخوشنودی کے لیے اپنے خویش واقارب کو ناراض کیا ان کی دشمنی مول لی بلاشبہ اس کا بدلہ یہی ہونا چاہیئے کہ وہ خداوندِ عالم کی خوشنودی ورضا سے سرفراز فرمائے جائیں اور ایسی نعمتیں اور راحتیں ملیں کہ وہ خود بھی خوش ہو جائیں۔ اللّٰھم اجعلنی منھم آمین یا ربَّ العٰلمین۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔ کی تفسیر میں سعید بن عبد العزیزؒ کی سند سے روایت کیا کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے مشرک باپ کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مجلس شوریٰ قائم فرمائی تو ان چھ حضرات کی خاص خصوصیت میں یہ فرمایا اُولٰٓئِکَ السِّتَّۃُ الَّذِیْنَ رضی اللہ عنھم کہ یہ وہ چھ حضرات ہیں جن سے اللہ راضی ہوا۔ تو ابوعبیدہؓ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ کا مصداق ہوئے اور اَبْنَآءَھُمْ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے جب کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن جو اس وقت مشرکین مکہ کی فوج میں تھے کہ اگر سامنے آجائے

قتل کر دوں گا اور اِخْوَانَهُمْ کا مصداق حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو بدر میں قتل کیا اور عَشِيْرَتَهُمْ کا مصداق عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جب کہ انہوں نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو قتل کیا۔

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب کہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہو جائے گا مزید یہ لوگ جب کہ خود اپنے عشیرہ وقبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام واحسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ مگر عمر فاروق رضی نے فرمایا یا رسول اللہ میری یہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی کی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ یا رسول اللہ یہ لوگ ائمۃ الکفر ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی طاقت وشوکت پامال ہو مجھے آپ اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور علی رضی کو فرمایئے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے اور فلاں کو فرمائیے کہ فلاں کو قتل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور خدا کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ قصہ کی تفصیل کے لیے کتب سیرت کی مراجعت فرمائی جاوے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ روح المعانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحَشْر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اس سورت کو سورۂ بنی النضیر بھی کہا کرتے تھے اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں بنو نضیر کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

حشر کے معنی لغت میں جلا وطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلا وطنی اور ذلت وخواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافات مدینہ سے جلا وطن کیے گئے جو قدرتِ خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلّط اور غلبہ عطا فرمایا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتنزیہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال وجلال کو بھی ذکر فرما دیا تاکہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی مجاہد اور زہری رح سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ اور مضافات مدینہ میں بسنے والے یہود سے صلح ومعاہدہ فرما لیا تھا۔ معاہدہ کی اصل بنیاد یہ تھی کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف کوئی اقدام فرمائیں گے نہ خود قتال کریں گے اور

نہ کسی قتال کرنے والی قوم کی مدد کریں گے۔ اسی طرح یہودی نہ قتال کریں گے اور نہ قتال کرنے والی کسی قوم کی مدد کریں گے مگر یہودیوں نے فوراً نقضِ عہد کیا قریشِ مکہ سے سازباز شروع کی اور ان کو جنگ پر آمادہ کیا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن الاشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ کے سامنے قریشِ مکہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ اُحد کے بعد ان یہودیوں کی خباثت و رعونت میں اور اضافہ ہوگیا جب یہ دیکھا کہ اُحد میں مسلمانوں کو پریشانی اٹھانی پڑی اور بظاہر شکست کی صورت پیش آئی تو اپنی سازشیں اور زیادہ کردیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خون بہا کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بنو نضیر کے یہود کے یہاں تشریف لے گئے تو ان خبیثوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپؐ جس جگہ تشریف فرما ہیں وہاں اُوپر سے بڑے بڑے پتھر گرا کر آپؐ کا اور آپ کے چند رفقاء کا خاتمہ کر دیا جائے جس پر اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کردیا اور آپ وہاں سے اُٹھ کر واپس آگئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اب ہمارا اور تمہارا کوئی عہد باقی نہ رہا اور تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ پھر جہاد و قتال ہے اِن مغروروں نے قریش سے خفیہ معاہدہ اور در پردہ منافقوں کے تعاون کے دھوکہ میں اپنے احاطوں اور قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور سمجھے کہ ان محفوظ قلعوں سے ہمیں کوئی نکال نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو لے کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ جب یہودی اپنے مکانوں اور قلعوں میں محصور ہوگئے تو مرعوب و خوفزدہ ہوکر صلح کی التجا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اپنے یہ علاقے خالی کردیں یہ زمین اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہے کسی کی جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ مال و اسباب کوئی ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے مگر اب یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتا۔

محاصرہ کے دوران ان کے باغات و کھیتوں کو کاٹا اور جلایا بھی گیا اس طرح اس قوم بنو نضیر کو پہلی مرتبہ جلا وطن کیا گیا اور اریحاء و تیماء شام کے علاقوں میں جا کر بسے اور کچھ یہودی جیسے ابوالحقیق اور حُیَیّ بن اخطب خیبر چلے گئے اور یہ زمین و باغات مہاجرین و انصار کو تقسیم کیے گئے۔ تو اس سورۂ مبارکہ میں بنو نضیر کی جلا وطنی انکی ذلت و شکست کا ذکر ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح ان کو ان کی زمینوں قلعوں اور باغات سے نکالا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا وارث بنایا۔ جب کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے خدا تعالےٰ نے انہی کا حشر اور جلا وطنی کا منظر ان کو دکھلا دیا اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ حشر مقرر ہوا۔

(صحیح بخاری۔ تفسیر ابن کثیر۔ رُوح المعانی۔ قرطبی)

آیاتہا ۲۴ ۵۹ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ١٠١ رکوعاتہا ۳

سورۂ حشر مدنی ہے اور اسکی چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا،

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

حکمت والا ۔ وہی ہے جس نے نکال دیئے، جو منکر ہیں کتاب والوں سے

الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا

ان کے گھروں سے پہلے ہی بھیڑ ہوتے۔ تم نہ اٹکلتے تھے کہ وہ نکلیں گے

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ

اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے، پھر پہنچا ان پر اللہ

مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

جہاں سے ان کو خیال نہ تھا، اور ڈالی ان کے دل میں دھاک،

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا

اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، سو دہشت مانو

يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ

اے آنکھ والو! اور اگر نہ ہوتا کہ لکھا تھا اللہ نے ان پر اجڑنا

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

تو ان کو مار دیتا دنیا میں ۔ اور آخرت میں ہے ان کو آگ کی مار۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ

اس پر کہ وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اسکے رسول سے، اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا پیڑ، یا

تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ

رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر، سو اللہ کے حکم سے اور تا رسوا کرے

الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ

بے حکموں کو۔ اور جو ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو ان سے، سو تم

اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

جتا دیتا ہے اپنے رسولوں کو، جس پر چاہے۔ اور اللہ سب چیز کر

قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى

سکتا ہے۔ جو ہاتھ لگا دے اللہ اپنے رسول کو بستیوں والوں سے

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور ناتے والے کے اور بن باپ کے لڑکوں کے اور

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ

محتاجوں کے اور مسافروں کے تا نہ آوے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم

مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ

میں سے۔ اور جو دے تم کو رسول، سو لے لو۔ اور جس سے منع کرے

فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

سو چھوڑ دو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ کی مار سخت ہے۔

جلاوطنی یہود از ارضِ حجاز و غلبۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر باغات و قلعہائے بنی نضیر

قال اللہ تعالیٰ۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

(ربط) گزشتہ سورت کے اختتامی مضمون میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والوں پر وعید تھی اور ان کی ذلت و رسوائی کا بیان تھا اور خداوند عالم کی عزت و قدرت اور کبریائی کا ذکر تھا تو اب اس سورۂ حشر میں اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ اور دشمنی کرنے والوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ اور یہودیوں کی ذلت و رسوائی ذکر کی جارہی ہے کہ ان کی طاقت و شوکت اور ان کے محفوظ قلعے ان کو عذاب خداوندی سے نہ بچا سکے ارشاد فرمایا۔

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہی زبردست قوت و عزت و حکمت والا ہے اسی کی عزت و حکمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اسی نے نکال دیا کافروں کو اہل کتاب میں سے ان کے گھروں سے پہلی مرتبہ جلاوطن کرنے کے لیے کہ ان سب کو اجتماعی طور پر اپنے گھروں اور آبادی سے نکلنے کا حکم دے دیا گیا اور وہ سرمایہ دار اور بڑے بڑے جتھوں والے یہودی جو بنو نضیر تھے اپنے گھروں سے جلاوطن کرکے اریحاء اور تیماء کے علاقوں میں آباد کیے گئے یہ پہلا حشر اور جلاوطنی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی دوسری جلاوطنی جس کا اشارہ لفظ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ میں کردیا گیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جب کہ یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی خیبر سے نکال کر شام کی طرف جلاوطن کیے گئے۔ اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" کی تکمیل فرمائی گئی۔

اے لوگو! تم گمان نہ کرتے تھے کہ وہ لوگ نکلیں گے اور ظاہری اسباب میں اس کی توقع نہ تھی اور ان لوگوں نے یہ خیال کیا ہوا تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور ان کی حفاظت کرلیں گے خدا کے فیصلہ سے لیکن خدا کا فیصلہ ان پر آپہنچا ایسی صورت سے کہ وہ گمان بھی نہ کرتے تھے اور سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس طرح محصور ہو کر بے بس و مجبور ہوجائیں گے اور ذلیل و مغلوب ہو کر نکلنا پڑے گا ان کے قلعے، ہتھیار اور سازوسامان کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود ہی اپنے گھروں کو اجاڑنے

لگے اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے سردار کعب بن الاشرف کے قتل سے پہلے ہی خوفزدہ ہوچکے تھے مگر پھر ناگہانی مسلمانوں کے حملے سے بچے کھچے ہوش وحواس بھی جاتے رہے۔ خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے مکانوں کے دروازے کڑی تختے اکھاڑنے لگے جب کہ مسلمانوں کا لشکر بھی ان کے قلعوں کو مسمار کر رہا تھا تو یہ ایسے حقائق وواقعات ہیں کہ عبرت حاصل کرو اے آنکھ والو کہ خدا کی نافرمانی کا انجام کس طرح دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر اللہ نے ان پر یہ جلاوطنی کا فیصلہ نہ لکھ دیا ہوتا تو پھر ان کو دنیا میں عذاب دیتا جیسا کہ پہلی امتوں قوم عاد وثمود پر دنیا میں عذاب نازل کیا گیا اور ہوسکتا تھا کہ بنو قریظہ کی طرح مارے جاتے اور آخرت میں ان کے واسطے تو ہے ہی جہنم کا عذاب۔ جس سے ان کو کسی صورت میں بھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوسکتا یہ سب کچھ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو بھی کوئی مقابلہ کرے گا اللہ کا تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ بڑا سخت عذاب والا ہے جو مجرموں اور نافرمانوں پر واقع ہوتا ہے۔ تو بنو نضیر کے یہودیوں کے محاصرہ کے دوران اے مسلمانو! جو بھی کچھ تم نے کاٹا کسی نرم کھینی یا کھجور کے درخت کو یا تم نے رہنے دیا اس کو اپنی جڑوں پر کھڑا ہوا سو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے اور اس لیے کہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔ اس وجہ سے کافروں کے یہ طعن واعتراض لغو ہیں جو انہوں نے کرنے شروع کیے کہ دیکھو مسلمانوں نے کیسا ظلم کیا کس طرح کھیتیاں اجاڑیں اور کس طرح کھجور کے درخت کاٹ ڈالے اور اس صورت سے کیسا فساد برپا کیا حالانکہ خود یہ مسلمان فساد سے منع کرتے ہیں تو سُن لینا چاہیئے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ کافروں کا غرور ونخوت پامال کردیا جائے کہ جس دولت وجائیداد پر ان کو غرور تھا وہ ان کے ہی سامنے ڈھائی جارہی ہے۔ یہ باغات اور کھیتیاں جن کے نشے نے ان کے دماغ خراب کر رکھے تھے ان کے سامنے جلائی جارہی ہوں تاکہ وہ دیکھ لیں یہ ہے ہماری عزت اور یہ ہے ہمارے غرور وسرکشی کا متاعِ باطل جو آگ کے شعلوں کی نذر ہو رہا ہے یہود کی اس شکست ومغلوبی اور مسلمانوں کی فتح وکامرانی کی صورت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور جو کچھ مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان لوگوں سے سو وہ ایسا مال ہے کہ نہیں دوڑائے ہیں تم نے اس پر گھوڑے اور نہ ہی اونٹ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ دے دیتا ہے جس پر چاہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے تو یہ ہے حقیقت مال فئے کی اور اس کے مصارف واحکام یہ ہیں جو مال بھی لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان بستیوں والوں سے وہ اللہ کے واسطے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ان سب کے حصے مال فئے میں مقرر کردیئے ہیں تاکہ نہ رہے یہ چیز گردش کرنے والی ایک دولت تمہارے میں سے مالداروں کے درمیان بلکہ ان سب مصارف میں تقسیم ہو کر ان سب اقسام وانواع کے افراد کے لیے اعانت وامداد کا ذریعہ بنے اور اس لینے میں کسی شخص کو یہ نہ سوچنا چاہیئے کہ یہ میرا حق ہے میں اس کو جس طرح سے چاہوں لوں بلکہ تمہیں قناعت اختیار کرنی چاہیئے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیئے اور جو کچھ تم کو رسول خدا دیں وہ لے لو اور جس چیز سے

تمہیں منع کر دیں اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ کسی بھی مرحلہ پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی نہ ہو سکے بے شک اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی عطا ہو یا احکام ہوں اور اوامر و نواہی جو بھی کچھ دیا جائے اس کو لینا چاہیئے اس پر عمل کرنا چاہیئے اور جس سے روکا جائے اور منع کیا جائے سعادت یہی ہے کہ اس سے باز رہا جائے اس کی خلاف ورزی بدنصیبی اور شقاوت ہے۔

جزیرۂ عرب سے یہود کی جلاوطنی

اس سورت کی ابتداء هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ ان کے گھروں سے جلاوطنی کا مضمون ادا کر رہی ہے اور لفظ اَوَّلِ الْحَشْرِ سے ظاہر کر دیا گیا کہ اس پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کے بعد پھر بھی کوئی اور وقت آئے گا کہ وہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں گے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے موسیٰ بن عقبہؒ کی سند سے نیز امام بخاریؒ نے دوسرے موقعہ پر باسناد عبدالرزاق عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر پر حملہ کیا اور قریظہ پر بھی۔ تو بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور قریظہ پر احسان و کرم کرتے ہوئے ان کو رہنے دیا۔ لیکن جب قریظہ نے بھی بغاوت کی تو ان پر بھی حملہ کیا گیا ان کے مردوں کو قتل کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا یا گیا البتہ جن بعض اہل کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لی تو آپؐ نے ان کو پناہ دے دی اور وہ لوگ اسلام لے آئے۔ ؏

پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کا ذکر اس سورت میں وضاحت و تفصیل کے ساتھ کیا گیا اور دوسری مرتبہ کی جلاوطنی جو فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ہوئی صرف لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس طرح نکالا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا گویا جس کام کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کی تکمیل فاروق اعظمؓ کے ہاتھوں ہوئی جو ان کی فضیلت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا۔ یہاں تک کہ یہود بنو نضیر مجبور و بے بس ہو گئے تو ان لوگوں نے اپنی عاجزی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہے بشرطیکہ آپؐ ہماری جان بخشی کر دیں تو آپؐ نے ان کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی زمینوں۔ مکانوں اور وطن سے نکل جائیں اور شام کے علاقہ میں جا کر بس جائیں آپؐ نے ہر تین کو ایک مشکیزہ اور ایک اونٹ کی اجازت دی تاکہ وہ اس پر سفر کر سکیں اور پینے کے لیے

؏ تفسیر ابن کثیر۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ روح المعانی۔ ۱۲

پانی رکھ سکیں تو یہ پہلی مرتبہ کی جلا وطنی تھی۔

غنیمت اور فیئ کے درمیان فرق

بنو نضیر کے اموال شریعت کے نزدیک مال فیئ ہوئے اور اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں قرآن کریم نے فیئ کا مفہوم متعین کر دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ۔ کہ فیئ وہ مال ہے جس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے ہوں اور نہ اونٹوں سے حملہ کیا ہو بلکہ کافر مرعوب و مغلوب ہو گئے ہوں۔ اور مرعوب و مغلوب ہو کر کافروں نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں تو اس قوم سے حاصل شدہ اموال خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ مالِ فیئ کہلاتے ہیں۔ غنیمت تو اس مال کو کہا جائے گا جو قوت استعمال کرنے کے بعد بصورتِ فتح حاصل ہو۔ مال غنیمت کا حکم۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ میں بیان کر دیا گیا تھا کہ خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار خمس مجاہدین کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے لیکن فیئ میں خمس بھی نہیں نکالا جائے گا اور یہ بھی لازم نہیں کہ ہر مجاہد کو برابر دیا جائے استعداد و صلاحیت کے پیش نظر حصوں میں کمی زیادتی کی جا سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، یہی فرق رکھا ہے غنیمت اور فیئ میں جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اور اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانے میں رہے۔ جو اُن ہی پر صرف کیا جائے۔

حضرات فقہاء نے بیان فرمایا ہے اگر ابتداء میں کچھ صورت جنگ کی ہوئی لیکن پھر کافروں نے مرعوب ہو کر قبل اس کے کہ جنگ کا کوئی فیصلہ ہو صلح کی طرف سارعت کی اور مسلمانوں نے اس کو قبول کر لیا تو اس صورت میں بھی جو اموال حاصل ہوں گے وہ بھی "فیئ" کے حکم میں شمار کیے جائیں گے اور بنو نضیر کے واقعہ میں صورت ایسی ہی پیش آئی۔

مال فیئ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی حکم تھا کہ وہ خالصتاً آپ کے اختیار و تصرف میں آجاتے ہیں اور ان اموال پر آپ کا تصرف بعض فقہاء کی رائے کے مطابق مالکانہ تھا جیسا کہ الفاظ آیت سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ جو صرف آپ کے حق میں مخصوص تھا اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق آپ کا تصرّف متولیانہ تھا۔ یہ احتمال و بحث صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مخصوص و محدود تھی اس کے بعد اس امر پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی خلیفہ اور امام کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا بلکہ متولیانہ ہے، جو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مناسب مواقع پر مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کر سکتا ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف ان ہی مجاہدین پر تقسیم کیا جائے جو اس مہم میں شریک تھے جس کے نتیجہ میں یہ فیئ حاصل ہوا برخلاف مالِ غنیمت کے کہ وہ خمس نکالنے کے بعد صرف انہی مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے جو اس

لشکر اور جہاد میں شامل تھے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی مجاہد خود ہی اپنا حق چھوڑ دے یا کسی اور کو ہبہ کر دے۔

قاضی ابوبکر جصاص احکام القرآن میں بیان فرماتے ہیں "یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو یہ اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو بجائے تقسیم کرنے کے مصالح عامہ کے لیے رہنے دے جیساکہ سوادِ عراق میں حضرت عمر فاروق نے بعض جلیل القدر صحابہ کے مشورہ سے یہی عملدر آمد رکھا اسی مسلک اور رائے کے پیش نظر قاضی ابوبکر جصاص نے "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ" کو اموال منقولہ پر اور سورۃ حشر کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا۔ اس طرح کہ یہاں پہلی آیت وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ کا حکم فیئ سے متعلق ہے اور دوسری آیت مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کا حکم غنیمت پر محمول ہے اور لغۃً غنیمت کو فیئ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (از فوائد عثمانی)

علامہ ابن الاثیر جزری نے مال غنیمت اور فیئے میں فرق کا یہی معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بغیر قتال و جہاد کافروں سے حاصل ہو وہ مال فیئے ہے جیساکہ سورۃ حشر کی ان آیات میں ہے لیکن قاضی ابوبکر جصاص اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ وہ جہاد و قتال سے ہو یا بغیر جہاد و قتال کے وہ ہمارے نزدیک مال فیئے ہے۔ (احکام القرآن ص۸۴ ج۳) اس لحاظ سے مال فیئے عام ہوا اور مال غنیمت خاص۔ غزوۂ حنین میں جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ بلاشبہ مقابلہ اور شدید مقاتلہ کے بعد حاصل ہوا تھا لیکن آپ نے اس میں سے مؤلفۃ قلوبہم پر تقسیم فرمایا جیساکہ مال فیئے تقسیم کیا جاتا ہے اور پہلے معنی کے لحاظ سے حنین کی غنیمت تھی اس پر فیئ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپ نے اپنے واسطے محفوظ رکھی اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا۔ صحیح روایات میں اس پر بھی فیئے کا اطلاق آیا ہے اور فدک اور وادی القریٰ کی جو زمینیں آپ کو صلح سے ملی تھیں ان پر بھی فیئ کا اطلاق آیا ہے تو ان نقول در روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو مال یا زمین کسی بھی صورت سے مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فیئے کہیں گے نصوص کتاب اللہ اور سنت سے یہی عموم معلوم ہوتا ہے اور بعض فقہاء مثلاً صاحب ہدایہ کے کلام سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکرِ رسالت میں

آیتِ مذکورہ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ میں لام لِلّٰہِ پر تملیک کے لیے ہے جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ ربّ العزّت ان اموال کا حقیقی مالک ہے اور للرسول پر لام تولیت کا ہے کہ مالکِ حقیقی نے اپنی عطا اور مِلک یا امانت بطور نیابت و تولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمائی اور قانون مقرر ہو گیا کہ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا تو ولایت و نیابت کا یہ مقام اور تولیت ایک

برزخی مقام ہوا جو ملک حقیقی اور ملک مستعار کے درمیان ہے اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو یہ اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اسی طرح بوجہ خلافت خداوندی یہ مرتبۂ متوسطہ یعنی مرتبۂ تولیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جس کے واسطے آیت مبارکہ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ ناطق ہے۔

جو تولیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافتِ الٰہیہ کے ضمن میں من جانب اللہ حاصل تھی اس کا ماحصل خلافت کی تقسیم ہے کہ آپ کے بعد خلفائے راشدین وہ خدمت انجام دیتے رہیں جو ان کے سپرد کی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافتِ خداوندی حاصل تھی تو خلفائے راشدین کو خلافتِ نبوت حاصل تھی اور اس کا اصل سبب تولیت ہے نہ کہ ملکیت۔ اس لیے نقل خلافت میں وراثت وقرابت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ فرماکر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ یہ ظاہر فرما دیا کہ ہر عطا خواہ مال فئی وغنیمت ہو یا خلافت ونیابتِ رسالت ہو اس میں کسی کا استحقاق و دخل نہیں بلکہ رسول خدا کا فیصلہ اور ان کی عطا اور تعیین ہی بنیاد ہے جس کو چاہیں اپنی صوابدید سے عطا فرمادیں تو اسی معیار سے آپ نے جس ہستی کو حضراتِ صحابہ میں خلافت نبوت کا سب سے پہلا مستحق سمجھا اسی کو خود اپنی حیاتِ مبارکہ میں جانشین بنادیا اور حکم دے دیا مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ کہ ابوبکرؓ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ مگر ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ وحفصہؓ نے بہت کوشش کی کہ ابوبکرؓ کے بجائے کسی اور کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے لیکن آپ نے پوری قوت اور سختی سے ان کی بات رد کرتے ہوئے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آپ کا اپنے مصلے پر ابوبکرؓ کو کھڑے ہونے کے لیے فرمانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ خداوندی فیصلہ تھا کہ اب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت وجانشینی صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ کے واسطے بارگاہ خداوندی سے طے ہو چکی ہے۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو امامت کے لیے فرمایا یہ بات نہیں کہ ہم غائب تھے بلکہ موجود تھے ہماری موجودگی میں یہ حکم صادر ہو رہا تھا اور ہم تندرست تھے بیمار نہ تھے کہ کوئی یہ گمان کرنے لگے شاید علیؓ بیمار ہوں گے اس وجہ سے یہ بات ہوگئی ورنہ علیؓ ہی امام بنائے جاتے (نہج البلاغہ)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ

جو نکالے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ

ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے کو اللہ کی

وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ

اور اس کے رسول کی۔ وہ لوگ وہی ہیں سچے - اور جو گھر پکڑ رہے

الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ

ہیں اس گھر میں، اور ایمان میں ان سے پہلے، محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ

وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ

آوے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو ان کو ملا، اور مقدم رکھتے ہیں

عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ قف وَ مَنْ یُّوْقَ

ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک - اور جو بچایا گیا

شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ

اپنے جی کے لالچ سے، تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۔ اور واسطے ان کے جو

مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ

آئے ان سے پیچھے کہتے ہوئے، اے رب! بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو جو

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ

ہم سے آگے پہنچے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان

اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؏ ﴿۱۰﴾

والوں کا، اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان -

استحقاق مہاجرین و انصار و محبین مخلصین صحابہ کرامؓ در مالِ فیئ

قال اللہ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا .... الیٰ .... اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں بنو نضیر کی جلاوطنی کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کے اموال جو بطور فیئ حاصل ہوئے ہیں ان کا متولی و متصرف کلیۃً اللہ نے اپنے پیغمبر کو بنایا پیغمبر ہی کو ان پر تسلط و غلبہ عطا کیا گیا اب ان ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں کسی کو اس میں ذرہ برابر نکتہ چینی کا حق نہیں اور اللہ نے ان اموال کے مستحق ـ ذوی القربیٰ ـ یتامیٰ و مساکین اور ابن السبیل بنائے ہیں ان مصارف کے ذکر کے بعد خاص طور پر اب ان آیات میں مہاجرین و انصار اور حضرات مہاجرین و انصار سے محبت رکھنے والوں کا استحقاق بیان کیا جا رہا ہے ساتھ ہی مہاجرین و انصار کے ایسے عظیم فضائل اور وہ بلند پایہ قربانیاں ذکر فرمائیں جن کے سامنے ہر شخص گرویدہ ہو جائے جس کے دل میں ادنیٰ درجہ کا بھی ایمان ہو اسی ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو بھی شخص یا گروہ مہاجرین و انصار سے العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ بغض رکھتا ہے درحقیقت وہ ایمانی جذبات اور تقاضوں سے قطعاً محروم ہے اور بے بہرہ ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے والوں اور اس کی وجہ سے اپنے وطن جائیداد و مال اور خاندانوں کو چھوڑ دینے والے محبوب نہ ہوں اسی طرح وہ شخص بھی ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا جو ایمان اور پیغمبر خدا کو ٹھکانا دینے اور مدد کرنیوالوں کو محبوب نہ رکھتا ہو تو ارشاد فرمایا۔

یہ مال فیئ ان فقراء و مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے انہوں نے اپنی زندگی کی ہر محبوب چیز قربان کی صرف اللہ کا فضل اور رضا مندی چاہتے ہوئے اور اس لیے کہ مدد کریں اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی بے شک یہی لوگ سچے ہیں جن کی صداقت پر ان کی بے مثال قربانیاں و جانثاریاں اور اپنے جان و مال سے اللہ اور اس کے رسول کی امداد و اعانت کے سورج سے زیادہ روشن دلائل و شواہد ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانا بنایا اس گھر کا یعنی مدینہ منورہ کہ جس میں وہ بستے تھے اور اس سرزمین میں ایمان کو بھی بسایا ان مہاجرین کی مدینہ منورہ آمد سے قبل جن کی حالت یہ ہے کہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئے ہیں نہ صرف محبت بلکہ کمال اخلاق اور بلندی حوصلہ کی نوبت یہاں تک ہے کہ اور اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد اور تنگی بھی محسوس نہیں کرتے اس شرف فضیلت سے کہ جو ان مہاجرین کو دی گئی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو فاقہ ہی ہو اور سب پاکیزہ خصلتیں اس بنیاد پر قائم ہیں کہ ان حضرات کے قلوب حرص اور حب مال سے پاک ہیں اور بے شک جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچایا گیا تو بس ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اور یہ مال فیئ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد آئے۔ یہ

کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرما ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ اور کینہ ایمان والوں کے لیے اے پروردگار اے ہمارے رب بے شک تو بہت ہی نرمی کرنیوالا مہربان ہے۔

تو یہ ہیں مصارف اور مستحقین اموال فئی جن کے اوصاف ایمان و اخلاص کے یہ ہونے چاہئیں۔ سب سے مقدم اور اعلیٰ مستحق مہاجرین و انصار ہیں کیونکہ وہ اصل اسلام کی عمارت ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کی اور ایمان کو اپنی بستی "مدینہ پاک" میں بسایا۔ پھر ان کے بعد جو لوگ ان کے ساتھ اخلاص و محبت رکھنے والے ہوں ان کو دعائیں دیتے ہوں ان کے قلوب ان نفوس قدسیہ سے بغض و حسد سے پاک ہوں وہ مستحق ہوں گے۔

اسی آیت مبارکہ کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔" اُوصی الخلیفة بعدی بالمهاجرین الاوّلین اَنْ یَعْرِفَ لهم حقهم و یحفظ لهم کرامتهم و اوصیه بالانصار خیرًا الذین تبوّؤُ الدار و الایمان من قبل ان یقبل من محسنهم وَاَن یعفوا عن مسیئهم" کہ میں وصیت کرتا ہوں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اس بات کی کہ مہاجرین اولین کے ساتھ بہتر معاملہ کرے۔ ان کا حق پہچانے اور ان کی عظمت و کرامت کو محفوظ رکھے اور اسی طرح اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو انصار کے بارہ میں بھی وصیت کرتا ہوں خیر اور بھلائی کے لیے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو مدینہ کو پہلے سے مرکز ایمان بنا چکے ہیں اور اس بستی میں پہلے ہی انہوں نے ایمان کو بسا لیا تھا اس امر کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کی بھلائیاں قبول کرے۔ (اور ان کو سراہے) اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر کرے۔ (صحیح بخاری)

وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا. مکارم اخلاق کی بلند ترین تعلیم ہے اور انسان کا اصل شرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ کسی دوسرے کی فضیلت و برتری پر حسد نہ کرے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے انس بن مالکؓ کی روایت نقل فرمائی کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! ابھی ایک شخص اہل جنت میں سے تمہارے سامنے رونما ہوگا۔ تو ناگہاں ایک انصاری صاحب نظر آئے۔ سامنے سے آرہے ہیں اور ان کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہیں اور بائیں ہاتھ میں انہوں نے اپنا جوتا لٹکایا ہوا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب آئندہ روز ہوا تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا۔ اور پھر وہی شخص اسی شان کے ساتھ رونما ہوئے۔ پھر تیسرا دن ہوا تو بھی آپؐ نے ایسا ہی فرمایا اور پھر وہی شخص اسی طرح سامنے سے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلے اور ان سے الحاح و اصرار سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ تین روز رہنے کی اجازت دے دیں انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔ تو عبداللہ بن عمروؓ نے ان کے ساتھ تین راتیں گزاریں

تو کوئی خاص قابلِ حیرت عمل نہ دیکھا بجز اس کے کہ رات کو آرام کر کے کچھ حصہ عبادت میں گزارتے اور پھر صبح کے لیے اُٹھ جاتے۔ تین راتیں گزارنے پر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے بندۂ خدا میں نے تین روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سُنا جس کے باعث تجسّس میں رہا کہ دیکھوں تمہارا خاص عمل کیا ہے۔ لیکن میں نے تمہارا کوئی حیرت ناک عمل نہیں دیکھا۔ اس پر ان صاحب نے جواب دیا بس میرے پاس یہی کچھ ہے جو تم نے دیکھا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب واپس ہونے لگا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا۔ اے بندۂ خدا میرے پاس بیشک کوئی خاص عمل تو نہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں کسی شخص سے کوئی حسد اور دل میں قطعاً کوئی بغض نہیں رکھتا۔ عبداللہ بن عمرؓ اس کو سُن کر فرمانے لگے بس یہی تو وہ خوبی ہے جس کی ہر شخص طاقت نہیں رکھتا۔ [۱] حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ کا تو یہ مقام تھا کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ آئے تو انصار نے کہا اے ہمارے مہاجر بھائیو! آجاؤ ہم اپنا مال زمینیں نصف نصف برابر اپنے اور تمہارے درمیان تقسیم کر لیں حتیٰ کہ کسی کے پاس دو بیویاں تھیں وہ کہنے لگا میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تم اس سے شادی کر لو جو تم کو مناسب معلوم ہو بتاؤ اس ایثار و اخوّت کی دنیا میں ظاہر ہے کیا مثال مل سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ مہاجرین نے بھی عزت نفس اور استغناء کا وہ ثبوت پیش کیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ فرمایا خدا تعالٰے تمہارے مال تمہیں مبارک فرمائے بس آپ لوگ ہمیں بازار بتا دو یعنی تعارف کرا دو ہم محنت و مشقت سے کما لیں گے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کی تفسیر میں حضرات مفسرینؒ نے وہ معروف روایت بیان کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہٗ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں فاقہ کی مشقت میں مبتلا ہوں میری مدد فرمایئے۔ آپؐ نے ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف کسی کو بھیجا شاید کچھ مل جائے لیکن کچھ نہ مل سکا آپؐ نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص جو آج رات اس کی مہمانی کر سکے تو ایک انصاری شخص کھڑے ہو گئے اور عرض کیا میں حاضر ہوں اور اپنی اہلیہ کی طرف گئے اور بتایا کہ یہ صورت حال ہے۔ اہلیہ نے کہا آج تو بس بچوں ہی کے کھانے کے بقدر ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ انصاری نے کہا جب رات ہو تو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دینا اور پھر جب مہمان کھانے پر بیٹھے تو چراغ بجھا دینا تاکہ یہ بات مہمان کو نظر نہ آ سکے کہ ہم نہیں کھا رہے ہیں چنانچہ ایسا ہی کیا صبح کو جب یہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپؐ نے فرمایا اللہ کو اس مرد اور عورت کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور ان ہی کے متعلق اس نے یہ فرمایا۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ [۲] یہ صحابی ابوطلحہؓ تھے۔ ایسا ہی وہ مشہور قصہ ہے جو جنگ یرموک میں پیش آیا تھا کہ چند زخمی لب دم تھے۔ ان میں سے جس کسی کے سامنے پانی لایا گیا اُس نے یہ چاہا کہ بجائے میرے یہ پانی میرا بھائی پی لے اور اسکی جان بچ جائے تو اچھا ہے۔ ہر ایک دوسرے کی

---

[۱]: تفسیر ابن کثیر ج ۴ - [۲]: صحیح بخاری۔ مسلم۔ نسائی - ۱۲۔

طرف لوٹا تار ہا کسی نے بھی نہ پیا اور سبھی سب اسی طرح پیاس میں تڑپتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ارضاہم)

ذوی القربیٰ یتامیٰ اور ابن السبیل میں مستحقین فیئ کی قسم اوّل فقراء و مہاجرین

آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ میں عمومی طور پر ان اصناف و اقسام کا مال فیئ میں استحقاق بیان فرمانے کے بعد ان مستحقین میں سب سے اعلیٰ اور مقدم جو گروہ ہے اس کو ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ فقراء مہاجرین کا گروہ ہے ان کے اوصاف میں سب سے پہلے تو ان کی مظلومیت کو اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ سے ظاہر فرمایا گیا کہ ان کو ان کے مکانوں سے نکالا گیا اور ان کے اموال ضائع کیے گئے۔ پھر یہ مظلومیت ان کی محض اللہ کی رضا کے لیے واقع ہوئی تو جس طرح ہر مظلوم کے لیے خواہ وہ کسی طرح بھی مظلوم ہو ہمدردی اور اعانت کا جذبہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے پھر جائیکہ وہ مظلوم اللہ کی راہ اور اس کی رضا تلاش کرتے ہوئے مظلوم ہوا ہو تو اس فرد پر جس کو خدا سے ذرّہ برابر بھی تعلق ہے۔ ضروری ہے کہ وہ ان مظلومین کے ساتھ ہمدردی اور مدد کے لیے پوری طرح مستعد ہو جائے۔ مزید برآں یہ مظلوم باوجود مظلوم و بے سہارا ہونے کے وہ ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسول کی مدد کی اور اسی جرم میں ان کو ان کے مالوں اور گھروں سے نکالا گیا۔ مظلومیت اخلاص اور اللہ و رسول کی نصرت کے علاوہ ان کے کردار اور مجموعہ عملی زندگی نے یہ ثابت کیا کہ وہ راست باز اور سچے ہیں اور جب وہ لوگ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کا مصداق ہیں تو ہر ایمان و تقویٰ والے پر یہ حکم خداوندی عائد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اس کی تعمیل میں ہر صاحب ایمان کو ان صادقین کے ساتھ ہو جانا ضروری ہے جن کے صادق ہونے کا اعلان خداوند عالم نے فرما دیا۔

مستحقین کی قسم دوئم انصار اور اُنکی خصوصیات

استحقاق مہاجرین کے بعد انصار کا استحقاق اور ان کے اوصاف میں سب سے پہلے تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا وصف بیان فرمایا کہ انہوں نے ایمان و اسلام کو اپنے شہر مدینہ میں ٹھکانہ دیا۔ دوسری صفت یہ کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ کہ حسد سے ان کے قلوب پاک ہیں کہ مہاجرین کو جو شرف و فضل ملا اس پر ذرّہ برابر حسد یا ملال نہیں۔ چوتھی صفت کہ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں خواہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں اور پانچویں صفت یہ کہ وہ مال کی حرص سے منزہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہی اوصاف رشد و فلاح کے ضامن ہیں۔ لہٰذا یہ گروہ

مفلحین اور کامرانوں کا ہوا۔

قسم سوم عام اہل اسلام

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ میں گروہ مہاجرین و انصار کے بعد عامۃ المسلمین کو بیان فرمایا کہ وہ مال فئی کے مستحق ہیں اور اس تیسری جماعت کو مال فئی میں حصہ ملنے کے اوصاف و وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ سابقین اولین اور مفلحین کی توقیر و تعظیم کریں ان کے واسطے دعائے مغفرت کریں اور ان کے دل میں ان حضرات صحابہ کی طرف سے کسی قسم کی کدورت یا بغض نہ ہو۔ ان اوصاف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس کسی کے دل میں مہاجرین و انصار کی عظمت و محبت و خیر خواہی کا جذبہ نہ ہو بلکہ بغض و نفرت یا تکدر یا طعن و تشنیع اور تحقیر و توہین ہو۔ وہ کبھی ان حقوق میں شامل نہیں ہوسکتا جو حقوق اللہ رب العزت نے اہل اسلام کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان آیات کو تلاوت کر کے فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم جو شخص مہاجرین کی طرف سے کدورت رکھتا ہو وہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہوسکتا[1] جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا اور حق تعالیٰ شانہ نے مدح فرمائی۔

چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "منہاج السنۃ" جلد اول میں ان آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

وَ هٰذِهِ الآيات تتضمن الثناء على المهاجرين والانصار وعلى الذين جاءُوا من بعدهم يستغفرون لهم و يسئلون الله عزو جل ان لا يجعل فى قلوبهم غلاً لهم۔ وتتضمن ان هؤلاء الاصناف هم المستحقون للفئ۔ ولا ريب ان هؤلاء الرافضة خارجون عن الاصناف	اور یہ آیتیں مہاجرین و انصار کی مدح پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی بھی تعریف پر مشتمل ہیں جو انصار و مہاجرین کے بعد آئیں گے اور یہ بعد میں آنیوالے سابقین اولین کے لیے دعاء مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے دلوں کو مہاجرین و انصار کے کینہ سے بالکل پاک و صاف رکھ۔ نیز ان آیات میں یہ مضمون بھی ہے کہ مال فئی کی مستحق یہ تین جماعتیں ہیں (ان کے سوا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان تینوں قسموں سے خارج ہیں

[1] ازالۃ الخفاء۔ ہدیۃ الشیعہ ۱۲۔

الثلثة فانهم لم يستغفروا للسابقين و في قلوبهم غل عليهم۔ ففي الآيات الثناء على الصحابة و على اهل السنة الذين يتولونهم واخراج الرافضة من ذٰلك۔ وهذا يقتضى مذهب الرافضة۔	اس لیے کہ وہ مہاجرین وانصار کے لیے دعاءِ مغفرت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں تو مہاجرین و انصار کا کینہ بھرا ہوا ہے۔ تو ان آیات میں صحابہ کرام کی فضیلت و مدح ہے اور اسی طرح اہلسنت کی مدح ہے جو صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں اور یہ آخری قید رافضیوں کے خارج کرنے کے لیے ہے اور یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔

اور ان کے اس عیب وخبث کی پردہ دری کر رہی ہے جو ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے۔ اللّٰھم جَنِّبْنَا عَنْ کُلِّ رفضٍ وسوءٍ واملأ قلوبنا عن حبّ اصحٰب نبیك صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ ۔۔۔۔ اجمعین۔

مستحقین ومصارف مال فئی

حق تعالیٰ شانہٗ نے مال فئی کے مصارف اور ان کا استحقاق بیان فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ الخ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جیسے مال غنیمت کے مصارف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ الخ وہاں بھی تین لام ہیں۔ لام کلام عرب میں استحقاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ متعلق کے فرق سے استحقاق کی صورتوں میں بھی فرق ہو گا۔ اللہ کے لیے مال غنیمت اور مال فئی ہونا ملکیت کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی مالک الملک اور حقیقی مالک ہے اور للرسول میں تولیت کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان اموال کے اصل متولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مالک حقیقی کی امانت کو بطور امانت ونیابت صرف کرنے کا حق آپ کو حاصل ہے کہ آپ مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق خرچ فرمائیں گے اور لِذی القربیٰ کا لام صرف محل صرف ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ مال فئی کے یہ مستحق اور مصرف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مالِ فئی اللہ اور اس کے رسول کے اور قرابت داروں۔ یتیموں اور مسافروں کے لیے ہے۔ فللہ میں خدا کی مالکیت کا بیان ہوا اور للرسول کا مطلب یہ ہوا کہ آپ رسولِ خدا ہیں۔ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کمائیں اور اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں تو جب وہ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں

تو بمقتضائے قدر شناسی رسول کا نان و نفقہ بھی خدا ہی کے ذمہ ہونا چاہئے اس سے بہتر اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ جو مال خاص خدا کا دیا ہوا ہے اور بغیر مِنّتِ غیر حاصل ہوا اس میں سے کچھ اس پروردگار کے رسول کے لیے تجویز کیا جائے اور یتیم و مسکین اور ابن السبیل اس وجہ سے کہ ان سے اسباب رزق منقطع ہوئے ہیں موردِ رحم ہیں تو ان کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو دینے کا حکم دیا گیا خواہ وہ ذوی القربیٰ ہوں یا ان کے علاوہ۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا۔ فقراء مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین اور ان مہاجرین سے محبت رکھنے والوں کے لیے جن کی کوئی تحدید نہیں بلکہ ان کے بعد آنے والے ان مؤمنین کے لیے جو ان حضرات کے واسطے دعاءِ مغفرت کرتے ہوں اور ان کے دلوں میں مہاجرین و انصار کے لیے بے پناہ جذبات محبت و عظمت ہوں۔

مالک[عہ] بن اوس بن حدثانؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آیت مبارکہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ۔۔ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ آیت مصارف صدقات کو بیان کر رہی ہے اور وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صدقات کے مستحق ہیں؛ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور فرمایا اس آیت نے ان لوگوں کو بیان کیا ہے جو مال غنیمت کے مستحق ہیں اس کے بعد سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى ...... الیٰ --------- لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اور فرمایا کہ یہ آیت مالِ فیئ میں مہاجرین کا حق بیان کر رہی ہے۔ پھر آیت وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے مال فیئ میں انصار کا حق بیان کیا ہے اور اخیر میں وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ بیت المال اور مال فیئ میں ہر مسلمان کا حق ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھ لینا کہ ایک چرواہے کا حق بھی اس کے گھر پہنچا کرے گا بغیر اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی آئے ہر مسلمان کا حق اس تک پہنچ کر رہے گا خواہ وہ کسی بھی دور دراز مقام پر ہو۔

مال فیئ اور مال غنیمت میں فرق

مالِ فیئ شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے قبضہ سے مسلمانوں کو بغیر جہاد اور قتال کے حاصل ہو جائے کفار محض رعب سے یا صلح کر کے ان اموال اور علاقوں سے دست بردار ہو جائیں تو ان اموال کو فیئ کہا جائے گا۔ مال غنیمت وہ ہے جو جہاد و قتال کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوا اور مسلمانوں کی

عہ صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر۔

جانفشانیوں سے ملے پہلا مال یعنی فیئ مجاہدین کو ان کی سعی اور کوشش کے بغیر محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اللہ نے اس میں تصرف کا حق کلیتہً اپنے پیغمبر کو عطا فرمادیا کہ جس طرح چاہیں وہ بیان کردہ مصارف میں اس کو خرچ کریں برخلاف مال غنیمت کے کہ وہ مجاہدین کی محنت اور مشقت سے حاصل ہوتا ہے تو اس میں مجاہدین کا حصہ رکھا گیا اور خمس کے علاوہ وہی اس کے مستحق قرار دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مال فیئ کا کوئی مصرف متعین نہیں۔ جمیع مصالح مصلحین مسلمین امیر و فقیر سب پر خرچ کیا جاسکتا ہے بخلاف زکوٰۃ۔ خمس اور مال غنیمت کے کہ مصارف متعین اور محدود کر دیئے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ان کی وضاحت اور تعیین کر دی۔

استحقاق کی اقسام

اصول شریعت کی رو سے استحقاق دو قسم کا ہے۔ ایک استحقاق قوی جس کو استحقاق فعلی اور استحقاق شخصی بھی کہا جاتا ہے اور یہی استحقاق حقیقی ہے۔ دوسرا استحقاق ضعیف ہے جس کو استحقاق انفعالی اور استحقاق نوعی بھی کہا جاسکتا ہے اور یہ استحقاق مجازی ہے۔ استحقاق قوی وہ ہے جس کا منشاء امر وجودی ہو جیسے مال غنیمت میں مجاہدین اور غانمین کے استحقاق کا منشاء ان کا جہاد ہے جو کہ امر وجودی ہے اسی بناء پر وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ میں غنیمت کو مجاہدین کی طرف منسوب کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ غنیمت کی تحصیل مجاہدین کی سعی اور جدوجہد کے باعث ہے۔

استحقاق ضعیف وہ ہے کہ جس کا منشاء امر عدمی ہو جیسے صدقات میں فقراء و مساکین کا استحقاق انکی ناداری اور مفلسی کی وجہ سے ہے جو کہ امر عدمی ہے۔ اسی وجہ سے فقراء کو دعویٰ کا حق نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ کسی خاص شخص معین کو فقراء و مساکین میں سے دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ہٰذا من افاضات حضرۃ الوالد مولینا محمد ادریس کاندھلویؒ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

تو نے دیکھے وہ جو

نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

دغا باز ہیں، کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو، جو منکر ہیں کتاب

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا

والوں میں سے، اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ، اور کہانہ

نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَ

مانیں گے کسی کا تمہارے حق میں کبھی، اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور

اللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ

اللہ گواہی دیتا ہے وہ جھوٹے ہیں ۔ اگر وہ نکالے جاویں گے، یہ نہ نکلیں گے

مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ

ان کے ساتھ، اور اگر ان سے لڑائی ہوگی یہ نہ مدد کریں گے انکی۔ اور اگر مدد کریں گے تو

لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنتُمْ أَشَدُّ

بھاگیں گے پیٹھ دے کر، پھر کہیں مدد نہ پاویں گے ۔ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے

رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

ان کے دل میں اللہ سے ۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ

لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى

بوجھ نہیں رکھتے ۔ لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر، مگر بستیوں کے

مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ

کوٹ میں، یا دیواروں کی اوٹ میں ۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے ۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

تو جانے وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل پھوٹ رہے ہیں ۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ عقل

لَّا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا

نہیں رکھتے ۔ جیسے کہاوت ان کی، جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے پاس ہی چکھی

وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ

سزا اپنے کام کی۔ اور ان کو دکھ کی مار ہے ۔ جیسے کہاوت شیطان کی،

اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ

جب کہے انسان کو تو منکر ہو - پھر جب وہ منکر ہوا، کہے میں الگ ہوں

مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ

تجھ سے، میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا - پھر آخر ان دونوں کا یہی کہ

اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

وہ دونوں ہیں آگ میں، سدا رہیں اس میں - اور یہی ہے سزا گناہگاروں کی -

احوال منافقین و کاذبین بعد بیان اوصاف مخلصین و صادقین

قال اللہ تعالیٰ - اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا .... الیٰ .... وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں مال فئی اور اس کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے ان اہل ایمان و اخلاص کا بیان فرمایا جو اپنے ایمانی اوصاف میں وہ عظمت و بلندی حاصل کرنے والے ہیں کہ ان کو قرآن کریم نے "الصادقون" اور "المفلحون" کے لقب سے یاد کیا۔ ان کے برعکس اب ایک گروہ منافقین و کاذبین کا بیان ہے جن کے قبائح اور بدترین خصلتوں کو ذکر کرکے ان کی ذلت و ناکامی کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے نفاق کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ منافق کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ اگر تم کو اپنے گھروں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں گے کبھی بھی۔ اور اس طرح ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے یہود بنی نضیر کو یہ خفیہ پیغام بھیجا تھا اور تاکید سے کہلوایا کہ ہرگز نہ گھبرانا اور اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالنا چاہا تو ہم بھی احتجاجاً تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اگر جہاد و قتال کی نوبت آئی تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے یہ ہمارا ایسا قطعی اور یقینی فیصلہ ہے کہ اس کے خلاف ہم کسی کی بات ماننے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ ان کے اس طرح کے باطل دعوؤں پر قرآن کریم نے رد کرتے ہوئے فرمایا اور خدا گواہی دے رہا ہے کہ بیشک یہ منافق جھوٹے ہیں۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے اور ورغلانے کے لیے یہ باتیں بنا رہے ہیں۔ آگاہ ہو جانا چاہیئے اگر وہ اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ کبھی بھی ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر کچھ تھوڑی بہت دکھاوے کے طور پر مدد بھی کی تو

پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر کہیں سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی کسی اور کی کیا مدد کرتے اس طرح پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے بعد تو یہ خود بھی ایسے بے یار و مدد گار ہو جائیں گے کہ ان کی بھی کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ چہ جائیکہ یہ دوسروں کی مدد کریں۔ ان کی اس منافقانہ روش سے معلوم ہوتا ہے کہ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے یہ اس وجہ سے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ سمجھ نہیں رکھتے۔ کیونکہ اللہ کی عظمت و ہیبت اور قدرت و کبریائی کی کوئی حد نہیں اس سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ورنہ تو نفاق کیوں اختیار کرتے اس کے بالمقابل مسلمانوں کی قوت و شجاعت سے ڈر رہے ہیں اور ان سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر نفاق اختیار کیا اور کھلم کھلا کفر کے اعلان کی جرأت نہیں۔ تو ان کے اس طرز عمل نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ڈر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زیادہ ہے۔ ان کے مرعوب اور خوفزدہ ہونے کی تو یہ حالت ہے کہ یہ لوگ نہیں لڑ سکیں گے تم سے ایک جگہ جمع ہو کر اس طرح جیسے میدان جنگ میں کوئی فوج کسی فوج کا مقابلہ کرتی ہو مگر ایسی بستیوں میں جو احاطہ بندی کے ساتھ محفوظ ہوں اور قلعے کی شکل میں کہ اندر چھپ جانے والوں کو پناہ دے سکیں یا دیواروں کے پیچھے سے تو جو قوم اس قدر بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی اور نہ ہی مسلمانوں کو ایسی بزدل قوم سے خائف ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بظاہر متحد نظر آتے ہیں اور اے مخاطب! گمان کرتا ہے تو ان کو اکٹھا اور باہم متحد، لیکن ان کے دل جدا جدا ہیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی غرض اور خواہش جدا ہے اگرچہ مسلمانوں کی مخالفت میں سب متفق اور متحد ہیں مگر ہر ایک اپنی اغراض و خواہشات کے باعث مختلف اور متفرق ہے تو ایسے عناصر کے ظاہری اتحاد سے مسلمانوں کو فکرمند و پریشان نہ ہونا چاہیئے اس صورتِ حال میں یہ دشمنانِ اسلام بلاشبہ کمزور ہیں اور اسلام کا مقابلہ ہرگز نہ کر سکیں گے اگر انسان میں عقل ہو تو سمجھ سکتا ہے اگر اندر سے دل پھٹے ہوئے ہوں تو ظاہری اجتماعیت کچھ کام نہیں آتی۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض و خواہشات سے کنارہ کش ہو کر سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور اپنا مرنا جینا سب اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے بنالیں۔

ان منافقین کی یہ حالت تو بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسے کہ مثال ہے ان لوگوں کی جو ان سے پہلے قریب ہی وقت میں گذرے کہ مزہ چکھ لیا اپنے کام کا دنیا میں بھی ذلیل و ناکام ہو کر اور مختلف قسم کے عذاب میں ہلاک و تباہ ہو کر اور آخرت میں بھی ان کے واسطے ایک دردناک عذاب ہے۔ چنانچہ یہود بنی قینقاع نے اپنی غداری کا مزہ چکھ لیا۔ جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکّہ والے "بدر،، میں سزا پا چکے ہیں ایسا ہی انجام بنو نضیر کا دیکھ لو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب اپنی جگہ باقی ہے۔

یہ حالت بالکل شیطان کے قصّہ کی طرح ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کفر کر پھر جب انسان کفر کرتا ہے اور عذاب خداوندی اس کے سامنے ہوتا ہے اور شیطان پر وہ کافر ذمہ داری ڈالتا ہے کہ مجھ سے کفر تو اس نے کرایا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو

رب ہے سارے جہانوں کا، پھر آخر کار انجام ان دونوں کا۔ کافر ہو یا کافر کو گمراہ کرنیوالا شیطان کہ وہ دونوں جہنم میں ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کسی وقت یہ نہ ہوگا کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اور یہی سزا ہوتی ہے ظالموں کی اس لیے ان منافقوں کو اپنی ان حرکتوں سے باز آ جانا چاہیئے اور مسلمانوں کو ایسی باتوں سے رنجیدہ اور پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ ایسے گمراہوں کا انجام ذلت و ناکامی طے ہو چکا ہے جس سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی شیطان اوّل انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے جب انسان دام اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں اور تیرے کام سے بیزار ہوں۔ مجھے تو اللہ سے ڈر لگ رہا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری ہوگا) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا"

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "شیطان آخرت میں یہ بات کہے گا اور بدر کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لڑواتا تھا جب فرشتے نظر آ جاتے تو بھاگ جاتا (تفصیل سورۂ انفال میں گزر چکی) تو یہی مثال منافقوں کی ہے کہ وہ بنو نضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلا دلا کر بھرّے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو آپ الگ ہو بیٹھے۔ کیا وہ اس مکر و عیاری کے بعد عذاب سے بچ گئے؟ ہرگز نہیں دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ (فوائد عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیئے دیکھ لے کوئی جی، کیا بھیجا ہے

لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ وَلَا

کل کے واسطے؛ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ اور مت

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہو ویسے جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو، پھر اُس نے بھلا دیئے اُن کو اُنکے جی۔ وہ لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ

وہی ہیں بے حکم ۔ برابر نہیں لوگ دوزخ کے اور لوگ

الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا

بہشت کے۔ بہشت کے لوگ وہی ہیں مراد کو پہنچے ۔ اگر ہم اتارتے یہ

الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

قرآن ایک پہاڑ پر، تو تو دیکھتا دب جاتا پھٹ جاتا اللہ

خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

کے ڈر سے۔ اور یہ کہاوتیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو، شاید وہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ

دھیان کریں۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، جانتا

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ

ہے چھپا اور کھلا، وہ ہے بڑا مہربان رحم والا۔ وہ اللہ ہے

الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ پاک ذات چنگا

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ

امان دیتا پناہ میں لیتا زبردست دباؤ والا صاحب بڑائی کا۔ پاک ہے

اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ

اللہ اس سے جو شریک بتاتے ہیں۔ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا،

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ

اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

زمین میں، اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

حکمت والا۔

دعوتِ تقویٰ و فکرِ آخرت برائے اہلِ ایمان مع ذکرِ عظمتِ ربِّ ذوالجلال والاکرام

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ..... الیٰ .... وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ سرگرمیوں کا ذکر تھا۔ تو اب ان آیات میں اہل ایمان کو تقویٰ اور فکرِ آخرت کی دعوت دی جارہی ہے اس لیے کہ ایمان و تقویٰ اور فکرِ آخرت ہی مسلمان قوم کے لیے ہر عزت و غلبہ اور ترقی کا باعث ہے یہی وہ عظیم وصف ہے جس کے باعث مسلمان اپنے دشمن کی ہر سازش سے محفوظ رہتا ہے تو ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! ڈرتے رہو خدا سے اور ہر متنفّس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کیا بھیجا ہے کل آنے والے دن کے واسطے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ہی روزِ آخرت کام آنے والا ہے اور روزِ آخرت بس کل آنیوالا ہی دن ہے تو اس کے واسطے تیاری کرنی چاہیئے۔ دیکھنا اور سوچنا چاہیئے کہ اس کے واسطے اعمال صالحہ کا کیا ذخیرہ مہیا کیا ہے اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا۔ تقویٰ ہی اساس ہے ایمان و عمل کی۔ بے شک اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اگر کسی متنفس کے قلب میں یہ اعتقاد راسخ ہے کہ خداوندعالم کے سامنے بندہ کا ہر کام اور اس کا ہر حال عیاں ہے تو بلاشبہ خوف و تقویٰ پیدا ہو جائے گا یہ اعتقاد ہی تقویٰ کی بنیاد ہے جس کا لازمی اثر انسانی زندگی میں احتیاط اور فکر کی صورت میں رونما ہوگا اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر ایمان اور اخلاص مرتب ہے اور نفاق کی گندگی سے پاک رہنے کا باعث ہے۔

اور نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں سے جنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور شب و روز اپنی نفسانی شہوتوں اور دنیوی لذتوں میں منہمک رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا اور اس طرح اللہ کی توفیق اور خیر کے کاموں کی صلاحیت اور اس کا احساس بھی ان سے مفقود ہوگیا۔ اور آخرت کے فکر و تصوّر سے بھی غافل ہوگئے۔ یہ لوگ اللہ کی فرماں برداری سے خارج ہیں کیونکہ ان کی اس غفلت و لاپرواہی اور انہماک فی الدنیا کی وجہ سے وہ صلاحیت اور جوہر ہی ختم ہوگیا جس کے ذریعے انسان سعادت اور انابت الی اللہ حاصل کرسکتا ہے۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ برابر نہیں ہیں جہنم والے اور جنت والے جہنمی عذاب جہنم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ عذاب جس کا انسان تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ اور اہل جنت اللہ تعالےٰ کے انعامات اور جنّت کی راحتوں اور نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں تو یقیناً جنت والے ہی کامیاب ہیں اور اپنی مراد پانے والے ہیں۔ فلاح و سعادت کے اصول اور قوت نظریہ و عملیہ کی اصلاح کے ضابطے اللہ ربّ العزّت نے قرآن کریم کی صورت میں دنیا کے انسانوں کے واسطے نازل کیے۔ اسی سے انسانی زندگی فلاح و سعادت سے ہمکنار

ہوسکتی ہے۔ اس کلام الٰہی کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو لے مخاطب یقیناً تو دیکھتا اس پہاڑ کو ہیبت الٰہی سے پارہ پارہ ہو جانے والا۔ اگر اس پہاڑ میں انسان کی طرح عقل ہوتی شعور عطا کر کے اس پر قرآن نازل کیا جاتا تو وہ سمجھتا اور عظمت و ہیبت خداوندی سے ایسا متاثر ہوتا کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن افسوس کہ یہ انسان جس پر یہ کلام الٰہی اتارا گیا ایسا سخت دل واقع ہوا ہے کہ نہ اس کا دل کانپتا ہے اور نہ خشیت و تقویٰ کے آثار اس میں نظر آتے ہیں انسان کو چاہیئے کہ اس امانت الٰہیہ کی عظمت کو پہچانے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے آخر اس انسان کو یاد کرنا چاہیئے کہ روز میثاق اس امانت کو جب اللہ نے آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تھا اور آسمان و زمین نے اس کی عظمت و ہیبت سے گھبرا کر انکار کر دیا تھا تو اس حضرت انسان نے اس بوجھ کو اٹھایا تھا اور اس امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنے کا اقرار کیا تھا۔ کما قال اللہ تعالٰے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے شاید وہ نصیحت حاصل کر لیں اور جس سعادت ابدیہ کا حصول انسان کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے اس کو حاصل کر سکیں اور فلاح و کامیابی کی منزل تک پہنچنے کی جو صلاحیتیں اس کو عطا کی گئی ہیں ان کو بروئے کار لا سکے اور قوت نظریہ درست کرنے کے بعد قوائے عملیہ کو اس کے تابع کر دے۔ جو صرف حق تعالٰے شانہٗ کی ذات و صفات کی معرفت اور دل و دماغ میں اس عقیدہ کو راسخ کر لینے پر موقوف ہے تو جان لینا چاہیئے کہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے جو چیز انسانی ادراک و شعور سے ماوراء ہو اس چیز کو نہ انسانی حواس ادراک کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہاں تک عقل کی پرواز ہے۔ وہ صرف خدا ہی جانتا ہے اور ہر ظاہر چیز کو بھی

عہ "الغیب" بڑا ہی وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کی حس بصر سے لیکر حواس خمسہ تک ہر حس سے جو چیز غائب ہے اس کو غیب کہا جائے گا۔ اضافہ کردہ الفاظ میں بھی اشارہ کر دیا گیا کہ غیب کا اطلاق حواس ظاہرہ سے غائب ہی چیز پر نہیں بلکہ جو انسانی ادراک اور عقل و فکر کی پرواز سے بالا و برتر ہے وہ بھی غیب ہے چنانچہ آخرت اور احوال آخرت جیسی جملہ چیزیں غیب کا مصداق ہیں۔ انسان ہی کیا بلکہ ملائکہ اور جنوں کے ادراک و شعور سے بھی پوشیدہ چیزیں اس میں شامل ہیں۔

چنانچہ ملاءِ اعلیٰ اور ملکوت السمٰوٰت کی بہت سی چیزیں فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہیں الغرض ہر وہ چیز جو مخلوق کے ادراک و شعور سے بالا ہو یا بُعد مکانی سے حواس بصریہ وغیرہ سے مستور و پوشیدہ ہو اس کو غیب کہا جائے گا۔ جو ایک وسیع عالم ہے۔ اور اس کے بے شمار مراتب و درجات ہیں جیسا کہ حضرات عارفین و صوفیاء بیان کرتے ہیں اسی طرح عالم شہادت کے بھی بے شمار مراتب و درجات ہیں۔ ۱۲

خدا ہی جانتا ہے جب کہ انسان بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود اس کے جاننے سے عاجز رہتے ہیں۔ وہی بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جس کی عنایات و رحمتیں انسان کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ صرف اسی رحمٰن و رحیم کی عبادت و بندگی کرے۔ اس کے خزائن رحمت بے پایاں ہیں دنیا میں وہ اپنی رحمتوں سے مؤمن و کافر۔ انسان و حیوان۔ شجر و حجر سب ہی کو نوازتا ہے اس طرح کہ اس کی رحمت و عنایت رحمت و مہربانی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی پیکر تکلیف و شدت میں اس کی یہ رحمت اس کے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان ظاہری و باطنی رحمتوں کو اس پروردگار نے اپنے مؤمن بندوں کے لیے آخرت میں مخصوص کر دیا۔ غرض وہ پروردگار ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے تمام کائنات کا اسی کی سلطنت و حکمرانی کائنات پر جاری ہے بر و بحر زمین و آسمان پر بسنے والی ہر مخلوق اس کے فرمان کے تابع ہے کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے عدول کر سکے یا بغاوت کر سکے۔ وہی بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں تمام خزانے ہیں جن کی کوئی حد و انتہاء نہیں اور اس کی بادشاہت دنیا و آخرت میں ایسی کامل اور مضبوط بادشاہت ہے کہ اس کے حکم سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔ جس کو نہ کسی کی بغاوت کا خطرہ ہے اور نہ کسی کی خیانت کی فکر اور نہ کسی کی معاونت و امداد کا محتاج۔ وہ پاک ہے ہر عیب سے اور ایسی ہر بری بات سے جو اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ جو ہر نقصان و زوال سے محفوظ و سالم ہے اور اپنی مخلوق و بندوں کو سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ وہی امن و پناہ دینے والا ہے خواہ دنیا کی کوئی مصیبت و پریشانی ہو یا آخرت کی وہی محافظ و نگہبان ہے اپنی مخلوق پر کہ ہر آفت و مصیبت سے بھی وہ ہی محفوظ رکھتا ہے اور وہی بندوں کے ہر عمل کا نگران اور ان کے احوال کا رقیب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا۔

وہ بڑی ہی عزت والا۔ غالب و قاہر اور زبردست دباؤ والا صاحب عظمت[ع] ہے۔ پاکی ہے

ع لفظ "المتکبر" کا ترجمہ صاحب عظمت سے کیا۔ لفظ کبر بڑائی اور عظمت کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے تو باب تفعل میں استعمال ہونے سے مفہوم ہو گا علو و بلندی اور عظمت کو اختیار کرنے والا یعنی اس سے متصف امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تکبر انسانوں کی صفات میں مذموم ہے۔ اور تکبر کو صفت ذم شمار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ متکبر کے معنی جب یہ ہوئے کہ وہ اپنی ذات سے کبر و بڑائی ظاہر کرنے والا ہو تو مخلوق تو سراسر عاجز ہے۔ ہزاراں ہزار عیب ہر انسان میں ہوتے ہیں تو ایسے نقائص اور عیوب کے ہوتے ہوئے انسان کا کبر اور بڑائی کرنا یقیناً مذموم ہو گا اور وہ اس میں جھوٹا ہو گا۔ اس کو تذلل و تواضع اور اظہار پستی ہی زیب دیتا ہے لیکن اس کے برعکس اللہ رب العزت کی ذات تو ہر کمال و بلندی سے متصف ہے اس لیے جب وہ اپنی بڑائی اور علو کو ظاہر کرے گا تو حقیقت کے عین مطابق ہو گا۔ اور بندوں کو یہ بات رہنمائی کرنے والی ہو گی کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ و عم نوالہٗ کی جلالت شان اور اس کی عظمت و برتری کو پہچانیں۔

اللہ رب العالمین کی ان تمام چیزوں سے جو وہ شرک کی کرتے ہیں اس لیے کہ جو پروردگار ان صفات کا مالک اور صاحب عظمت ہوگا اس کا کون شریک ہوگا۔ لہٰذا وہ ہر شرک اور شریک سے پاک ہے وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا۔ ایجاد کرنے والا۔ صورت بنانے والا جیسا کہ ایک قطرۂ آب پر انسان کی شکل وصورت اور اس کے جسم کی ساخت اور اس کے اعمال و اخلاق اور کردار کی ہیئت و تصویر وہی کھینچتا ہے اسی کے واسطے ہیں سب پاکیزہ نام جس کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ہر چیز شجر و حجر بہائم وطیور اور وحوش ہر ایک اس کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ۔ وہی زبردست حکمت والا ہے۔ کیونکہ جو ذات ان جملہ اوصاف کی حامل ہوگی وہ بلا شبہ بڑی ہی قدرت وقوت والی بھی ہوگی اور بڑی ہی حکمت والی بھی ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر صفت اس کی کمال حکمت کی دلیل ہے اور ہر صفت کا ظہور اس کی مخلوقات میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا ثبوت وظہور عالم کے ایک ایک ذرہ سے ہو رہا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور ترمذیؒ نے معقل بن یسار رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر یہ تین آخری آیات سورۂ حشر کی تلاوت کرے تو اللہ تعالےٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو اس پر دعاء رحمت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اسی طرح اگر شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک یہ تعداد فرشتوں کی اس پر رحمت کی دعا کرتی رہے گی اور اگر وہ اس دن مرے گا تو اس حالت میں انتقال کریگا کہ وہ شہید ہوگا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں آیت لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کی عظمت وہیبت کا جب یہ مقام ہے کہ پہاڑ اپنی سختی وغلظت اور قوت کے باوجود اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اگر ان میں وہ فہم وشعور ودیعت رکھ دیا جائے جو انسانوں کو عطا ہوا ہے تو وہ اپنی اس عظمت وسختی کے باوجود خداوند عالم کی خشیت وہیبت سے پارہ پارہ ہوجاتا تو انسان کی حالت قابلِ افسوس ہے کہ وہ انسانی شعور واحساس رکھتے ہوئے خدا کی خشیت سے متاثر نہ ہو حالانکہ وہ کتاب الٰہی کو سمجھتا ہے اس میں تدبر اور غور وفکر کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔[۱]

میرے شیخ محترم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فوائد قرآن کریم[۲] میں فرماتے ہیں کہ میرے والد مرحومؒ نے ایک طویل نظم کے ضمن میں یہ تین شعر کہے۔ ؎

سنتے سنتے نغمہائے محفل بدعات کو کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ [۲] فوائد قرآن کریم۔ ۱۲

آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی — پارہ جس کے لحن سے طور ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اسکی تیرے دل پر کچھ نہ ہو — کوہ جس سے خاشعًا متصدعًا ہونے کو ہے

حضرات عارفین اور علماء ربانیین کی تحقیق یہ ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی اللہ رب العزت نے احساس و شعور کی صلاحیت رکھی ہے چنانچہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی شقاوت اور قساوت قلبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

چنانچہ جمادات کے احساس و شعور کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جب منبر تیار کیا گیا اور آپؐ نے پہلی مرتبہ اس پر خطبہ دینا شروع فرمایا وہ کھجور کے درخت کا تنا جو ستون کی طرح مسجد میں گڑا ہوا تھا اور آپؐ اسی پر ٹیک و سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ ستون بیقرار ہو کر اس طرح رونے لگا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہو یہ آواز سب نے سنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اس ستون کو تھپکا تسلی دی۔ جیسے بچے کو تھپک کر تسلی دی جاتی ہو اور اس کو خاموش کیا جاتا ہو۔ حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ ستون اپنی آواز ضبط کرنے لگا۔ راوی حدیث اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے "لما کان یسمع من الذکر والوحی" کہ وہ ستون اس وجہ سے رو پڑا کہ وہ جو ذکر اور وحی الٰہی سنا کرتا تھا اب اس سے بعد ہو گیا ع اسی وجہ سے اس ستون کا نام ستون حنانہ رکھا گیا۔

حسن بصریؒ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں اے مسلمانو! دیکھو جب ایک لکڑی کا تنا اور ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق و محبت میں بے قرار ہو کر آہ و زاری کرنے لگا تو تم انسان ذی عقل ہو تمہیں چاہیئے کہ تم بھی اپنے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق اور محبت اس لکڑی کے ستون سے زائد پیدا کرو یہی وہ چیز ہے جس کو حضرت رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

فلسفی کو منکر حنانہ است — از حواس انبیاء بیگانہ است

اسمائے حسنیٰ و صفات خداوندی

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔

ع صحیح بخاری جلد ۱۔ ابواب الخطبہ۔ ۱۲

ارشاد مبارک ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات عُلیٰ ہیں انہی کے ذریعے خدا تعالیٰ سے دعا مانگا کرو مثلاً یا اللہ اور یا رحمٰن اور یا غفار کہہ کر دعا مانگو اور یا ذاتُ یا موجودُ یا شیئ کہہ کر دعا مت مانگو اللہ تعالیٰ کے اسماء حُسنیٰ کو سوال اور دعا کا ذریعہ بناؤ خود تراشیدہ ناموں سے اللہ کو مت پکارو۔

اسماءِ حُسنیٰ سے اللہ کے نام اور اوصاف مراد ہیں جو اس کی ذات پاک پر یا اس کی کسی صفت پر دلالت کریں لفظ "اللہ" ذاتِ خداوندی کا اِسم عَلَمْ ہے اور اسم ذات ہے جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور باقی اوصاف سب اس کے تابع ہیں اور بعثتِ نبوی سے پہلے عرف عرب میں "اللہ" ذاتِ خداوندی کے لیئے بولا جاتا تھا۔ شریعت نے اسی نام کو بحال رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اس کے کمالات کی کوئی حد نہیں مگر اللہ پر صرف ان اسماء کا اطلاق درست ہے جو شرع شریف سے ثابت ہیں اپنی رائے سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔

علماء متکلمین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع کے واقف کرانے اور بتلانے پر موقوف ہیں شرع میں جس اسم کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات پر آیا ہے اس اسم کا اطلاق کرنا تو جائز ہے۔

اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ اس میں معنی کمال کے پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد اور کریم کا اطلاق جائز ہے اس لیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو سخی کہنا جائز نہیں اس لیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کو ان ناموں سے پکاریں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے نام تجویز نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اسماء من احصاھا دخل الجنّۃ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ سو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بے شمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام۔ تمام اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عُلیٰ کی اصل ہیں کہ دنیا میں اہلِ عقل کے نزدیک جس قدر صفاتِ کمال متصور ہو سکتی ہیں وہ سب انہی ننانوے اسماء حسنیٰ کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حُسنیٰ بے شمار صفات کمالیہ کے لیئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصاء سے محض زبانی یاد کر لینا مراد نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنیٰ اور صفات عُلیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ رب العزت کے ننانوے ۹۹ اسماء حسنیٰ

۱۔ **اَللّٰہُ** معبود برحق اور موجود مطلق۔ یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ حقیقۃً نہ مجازاً۔

۲۔ **اَلرَّحْمٰنُ** نہایت رحم والا۔

۳۔ **اَلرَّحِیْمُ** بڑا مہربان۔

۴۔ **اَلْمَلِكُ** بادشاہ حقیقی۔ اپنی تدبیر اور تصرف میں مختار مطلق۔

۵۔ **اَلْقُدُّوْسُ** تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزّہ، فضائل اور محاسن کا جامع اور معائب اور مخلوقات کی صفات سے معرّا اور مبرّا۔

۶۔ **اَلسَّلَامُ** آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔

۷۔ **اَلْمُؤْمِنُ** مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔

۸۔ **اَلْمُهَیْمِنُ** ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔

۹۔ **اَلْعَزِیْزُ** عزت والا اور غلبہ والا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔

۱۰۔ **اَلْجَبَّارُ** جبر اور قہر والا ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ **اَلْمُتَكَبِّرُ** انتہائی بلند اور برتر، یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔

مر اورا رسد کبریاء و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

۱۲۔ **اَلْخَالِقُ** مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا، اور کسی کو انسان اور کسی کو حیوان۔ کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر، ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔

۱۳۔ **اَلْبَارِئُ** بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔

۱۴۔ **اَلْمُصَوِّرُ** طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت کو دوسری سے جُدا اور ممتاز بناتا ہے۔

۱۵۔ **اَلْغَفَّارُ** بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا اور پردہ پوشی کرنے والا۔

۱۶۔ **اَلْقَهَّارُ** بڑا قہر اور غلبہ والا کہ جس کے سامنے سب عاجز ہوں ہر موجود اس کی قدرت کے سامنے مقہور و عاجز ہے۔

۱۷۔ **اَلْوَهَّابُ** بغیر غرض اور بغیر عوض کے بخشنے والا۔ بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور

ناتمام ہوتی ہے بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

۱۸۔ اَلرَّزَّاقُ رزق دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔

۱۹۔ اَلْفَتَّاحُ رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

۲۰۔ اَلْعَلِيْمُ بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر و باطن کو محیط ہے۔

۲۱۔ اَلْقَابِضُ تنگی کرنے والا۔

۲۲۔ اَلْبَاسِطُ فراخی کرنے والا۔ یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے کسی پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

۲۳۔ اَلْخَافِضُ پست کرنے والا۔

۲۴۔ اَلرَّافِعُ بلند کرنے والا۔ جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

۲۵۔ اَلْمُعِزُّ عزت دینے والا۔

۲۶۔ اَلْمُذِلُّ ذلت دینے والا جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کردے۔

۲۷۔ اَلسَّمِيْعُ بہت سننے والا۔

۲۸۔ اَلْبَصِيْرُ بہت دیکھنے والا

۲۹۔ اَلْحَكَمُ حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کرسکتا ہے۔

۳۰۔ اَلْعَدْلُ انصاف کرنے والا۔ اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور و ستم عقلاً محال ہے۔

۳۱۔ اَللَّطِيْفُ باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

۳۲۔ اَلْخَبِيْرُ بڑا ہی آگاہ اور باخبر ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے ہر چیز کی اس کو خبر ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔

۳۳۔ اَلْحَلِيْمُ بڑا ہی بُردبار۔ علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔

۳۴۔ اَلْعَظِيْمُ بڑا ہی عظمت والا جس کے سامنے سب ہیچ ہیں اور کسی کی اس تک رسائی نہیں۔

۳۵۔ اَلْغَفُوْرُ بہت بخشنے والا۔

۳۶۔ اَلشَّكُوْرُ بڑا قدردان۔ تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔

۳۷۔ اَلْعَلِيُّ بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

۳۸۔ اَلْكَبِيْرُ بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصوّر نہیں۔
۳۹۔ اَلْحَفِيْظُ نگہبان مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔
۴۰۔ اَلْمُقِيْتُ مخلوق کو قوت یعنی روزی اور غذا دینے والا۔ روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا۔ اور بعض نسخوں میں "اَلْمُغِيْثُ" ہے یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔
۴۱۔ اَلْحَسِيْبُ ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔
۴۲۔ اَلْجَلِيْلُ بزرگ تر۔ یعنی کمال استغناء اور کمال تقدس اور کمال تنزیہ کے ساتھ موصوف ہے۔
۴۳۔ اَلْكَرِيْمُ کرم اور بخشش والا بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔
۴۴۔ اَلرَّقِيْبُ نگہبان اور نگران کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی شے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔
۴۵۔ اَلْمُجِيْبُ دعاؤں کا قبول کرنے والا اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔
۴۶۔ اَلْوَاسِعُ فراخ علم والا۔ جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔
۴۷۔ اَلْحَكِيْمُ حقائق اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ۔ فعل اور عمل کا عمدہ ہونا اور پختہ ہونا یعنی اس کی کار اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔
۴۸۔ اَلْوَدُوْدُ نیک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر اور احسان کو پسند کرنے والا۔
۴۹۔ اَلْمَجِيْدُ ذات اور صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔
۵۰۔ اَلْبَاعِثُ مُردوں کو زندہ کرنے والا اور قبروں سے اٹھانے والا اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔
۵۱۔ اَلشَّهِيْدُ حاضر و ناظر اور ظاہر و باطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور امور باطنہ کے جاننے والے کو خبیر کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔
۵۲۔ اَلْحَقُّ۔ ثابت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔
۵۳۔ اَلْوَكِيْلُ کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔
۵۴۔ اَلْقَوِيُّ غیر متناہی قوت والا یعنی توانا اور زور والا جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔
۵۵۔ اَلْمَتِيْنُ استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔
۵۶۔ اَلْوَلِيُّ مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔
۵۷۔ اَلْحَمِيْدُ سزاوار حمد و ثناء ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

۵۸۔ اَلْمُحْصِیُ کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا زمین کے ذرّے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اُس کو معلوم ہیں۔

۵۹۔ اَلْمُبْدِئُ پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

۶۰۔ اَلْمُعِیْدُ دوبارہ پیدا کرنے والا۔ پہلی بار بھی اس نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔

۶۱۔ اَلْمُحْیِیْ زندہ کرنے والا۔

۶۲۔ اَلْمُمِیْتُ مارنے والا۔ جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی موت اور حیات کا مالک جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدّر کر دی۔

۶۳۔ اَلْحَیُّ بذاتِ خود زندہ اور قائم بالذات جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔

۶۴۔ اَلْقَیُّوْمُ کائنات عالم کی ذات وصفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔

۶۵۔ اَلْوَاجِدُ غنی اور بے پرواہ کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانیوالا جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔

۶۶۔ اَلْمَاجِدُ بڑی بزرگی والا مطلق بزرگ۔

۶۷۔ اَلْوَاحِدُ ایک، کوئی اس کا شریک نہیں۔

۶۸۔ اَلْاَحَدُ ذات وصفات میں یکتا اور یگانہ یعنی بے مثال اور بے نظیر[1]

۶۹۔ اَلصَّمَدُ سردار کامل۔ سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج۔ یعنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایسا کامل مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اسکے محتاج ہوں۔

۷۰۔ اَلْقَادِرُ قدرت والا اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں عجز اور بے چارگی سے پاک اور منزّہ۔

۷۱۔ اَلْمُقْتَدِرُ بذاتِ خود کامل القدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

۷۲۔ اَلْمُقَدِّمُ دوستوں کو آگے کرنے والا۔

۷۳۔ اَلْمُؤَخِّرُ دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

۷۴۔ اَلْاَوَّلُ سب سے پہلا۔

---

[1] احد کا لفظ ترمذی کی روایت اور بیہقی کی دعوات کبیر میں نہیں آیا۔ البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار ص ۲۱۵ ج ۳۔

۷۵۔ اَلْاٰخِرُ سب سے پچھلا یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اُس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۷۶۔ اَلظَّاھِرُ آشکارا

۷۷۔ اَلْبَاطِنُ پوشیدہ: یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرّہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اور باعتبار کُنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

۷۸۔ اَلْوَالِیُ کارساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

۷۹۔ اَلْمُتَعَالِیُ عالیشان اور بہت بلند اور برتر، کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

۸۰۔ اَلْبَرُّ نیکی اور احسان کرنے والا نیکو کار۔

۸۱۔ اَلتَّوَّابُ توبہ قبول کرنے والا، اور توجہ کرنے والا۔

۸۲۔ اَلْمُنْتَقِمُ سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳۔ اَلْعَفُوُّ گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگذر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

۸۴ اَلرَّءُوْفُ بڑا ہی مہربان جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

۸۵ مَالِكُ الْمُلْكِ خداوند جہان و ملک کا جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرّف کو نہ روک سکے۔

۸۶۔ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ صاحب عظمت وجلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے۔ اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم و تکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزّت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

۸۷۔ اَلْمُقْسِطُ عادل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

۸۸۔ اَلْجَامِعُ تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت و حکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کیا۔

۸۹۔ اَلْغَنِیُّ بے پرواہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

۹۰۔ اَلْمُغْنِیُ مخلوق کو بے پرواہ کرنے والا۔ یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت و مصلحت اس کو بے پرواہ کر دیتا ہے اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱۔ اَلْمَانِعُ روکنے والا اور باز رکھنے والا جس چیز کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

۹۲۔ اَلضَّارُّ ضرر پہنچانے والا۔

۹۳۔ اَلنَّافِعُ نفع پہنچانے والا۔ یعنی نفع اور ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے خیر و شر نفع و ضرر سب اسی کی طرف سے ہے۔

۹۴- اَلنُّوْرُ وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔ نُور اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہر بنفسہٖ ہو اور دوسرے کے لیے مُظہر ہو۔ آسمان و زمین سب ظلمتِ عدم میں مستور تھے اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نورِ وجود عطا کیا جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لیئے وہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ سہ

درظلمت عدم ہمہ بودیم بےخبر — نورِ وجود سر شہود از تو یافتیم۔

۹۵- اَلْهَادِیُ راہ دکھانے والا اور بتلانے والا اور چلانے والا کہ یہ راہِ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

۹۶- اَلْبَدِیْعُ بے مثال اور بے نمونہ عالم کا پیدا کرنے والا۔

۹۷- اَلْبَاقِیُ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فناء نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں اللہ تعالےٰ واجب الوجود ہے ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت و جہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے اور بقاء اور اِبقاء میں فرق ہے۔

۹۸- اَلْوَارِثُ تمام موجودات کے فناء ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو وہ خود ہی فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ اور خود ہی جواب دے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

۹۹- اَلرَّشِیْدُ رہنمائے عالم یعنی دینی اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔

۱۰۰- اَلصَّبُوْرُ بڑا صبر کرنے والا۔ کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں اور دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سَو کا عدد پورا ہو جاتا ہے[۱]۔ اور جنت کے سو درجے ہیں۔ سو جو اِن اسماءِ حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کے معنی کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالےٰ ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعے اپنی حاجتیں مانگے۔ یعنی جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ سے دعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجتمند

[۱] الاسماء الحسنیٰ مائة علی عدد درجة الجنة والذی یکمل المائة "الله" دیکھو شرح کتاب الاذکار ص ۲۰۲ ج ۳۔

ہو وہ یَا رَزَّاقُ کو کہہ کر دعا مانگے اور طالب علم دین یَا عَلِیْمُ کہہ کر دعا مانگے۔ اور گم گشتۂ راہ یَا ھَادِیُ کہہ کر دعا مانگے وغیرہ وغیرہ جو ایسا کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے نام ترمذی وغیرہ کی روایت میں آئے ہیں جن میں اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اللہ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں مگر مشہور حدیثوں میں ان ننانوے ناموں کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ یہ نام تمام صفات کمالیہ کی اصل اور جڑ ہیں باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً قاہر اور شاکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور علام اور ملیک اور اکرم اور مدبر اور رفیع اور ذی الطول اور ذی المعارج اور ذی الفضل اور خلاق اور سید اور حنان اور منان اور دیان وغیرہ وغیرہ ؎

اس لیے ہم نے اُن ننانوے ۹۹ ناموں کی شرح پر اکتفا کیا جو سلف صالحین میں بطور ورد معروف و مشہور ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان اسماء الحسنیٰ کو یاد کرے اور ان کو ورد اور وظیفہ بنائے اور ان تمام اسماء حسنیٰ میں اسم اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دعا قبول ہوتی ہے اور اسم اللہ۔ ذات واجب الوجود اور معبود برحق کا نام ہے۔ اور یہ نام سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور پر اطلاق نہیں کیا جاتا نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً۔

حضرات اہل علم اگر اسماء حسنیٰ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو امام بیہقیؒ کی کتاب الاسماء والصفات از ص ۶ تا ص ۹۴ دیکھیں اور امام غزالیؒ کی کتاب المقصد الاسنیٰ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اور شرح کتاب الاذکار از ص ۱۹۹ تا ص ۲۲۶ جلد ۳ دیکھیں۔

غرض ان آیات مبارکہ میں ابتداء میں حکم تقویٰ فرمایا گیا اور آخرت کی فکر اور تیاری کے لیے متوجہ کیا گیا۔ اس مقصد کا حصول چونکہ عظمت وحی اور خداوند عالم کی ذات وصفات کی معرفت پر موقوف تھا تو قرآن کریم کی شان عظمت بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنی صفات عظیمہ کے بیان پر اس مضمون کو ختم فرمایا۔

تم تفسیر سورۃ الحشر و للہ الحمد والمنۃ
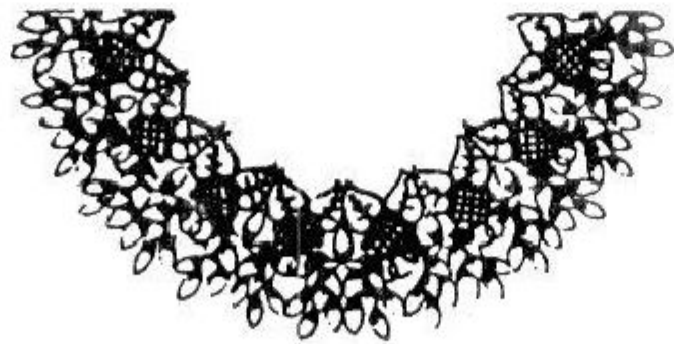
؎ المقصد الاسنیٰ شرح اسماء الحسنیٰ للامام الغزالیؒ۔ اسم اعظم کی تفصیل کے لیے شرح حصن حصین اور شرح کتاب الاذکار کی مراجعت فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡمُمۡتَحِنَۃ

اس سورت کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہؓ کا وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے لیے فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپؐ کے اس ارادہ کی اطلاع قریش مکہ کو کر دی تھی اور ایک عورت کے ذریعے ایک خط روانہ کیا تھا جس پر بذریعہ وحی اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا۔

حافظ ابن کثیرؒ بیان فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ مہاجرین میں سے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد اور بچے تھے قریش سے کوئی نسبی قرابت نہ تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا قریش مکہ نے جب اس کو توڑ ڈالا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو حاطب بن ابی بلتعہؓ نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں اگر میرے اہل وعیال کی وہاں کوئی حفاظت کی صورت ہو جائے تو اچھا ہے قریش مکہ کو قافلہ کی روانگی کی اطلاع کر دی۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور زبیر بن العوامؓ اور مقداد بن الاسودؓ کو حکم فرمایا تم لوگ روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو تاآنکہ تم روضۂ خاخ نامی مقام تک پہنچ جاؤ تو اس جگہ تم کو ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا۔ بیان کرتے ہیں ہم گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ روضۂ خاخ پر جب پہنچے تو ایک عورت ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال کر ہمیں دے دے۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس پر سختی کی اور کہا یا تو خط دیدے ورنہ تجھ کو کپڑے اتار کر برہنہ کر دیں گے اور وہ خط کسی نہ کسی طرح ہم تجھ سے لے ہی لیں گے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور اس کو لینے کے ہم مامور ہیں! تو اس نے ایک خط اپنے بالوں کے جوڑے سے نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی طرف روانگی کی اطلاع تھی آپؐ نے دریافت فرمایا اے حاطبؓ یہ کیا ہے۔ حاطبؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اظہار حقیقت کی مہلت عنایت فرمائیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کے خاندانوں کے ساتھ وابستہ تھا اور میری ان کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہ تھی جیسا کہ دوسرے مہاجرین کی ان کے ساتھ قرابتیں ہیں میں نے خیال کیا یہ ایک ظاہری سلوک ان کے ساتھ کر دوں تاکہ وہ میرے بچوں کی (ایسے زمانہ میں) کچھ دیکھ بھال کر لیں (خدا گواہ ہے) میں نے یہ

بات کفر اور اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ میں اسلام کے بعد کفر سے کوئی وابستگی رکھ سکتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاطبؓ نے سچ کہا۔ اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ظاہری عمل پر برافروختہ ہونے کے باعث کہنے لگے یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپؐ نے فرمایا۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں (اور بدریینؓ کا مقام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نفاق سے پاک فرمایا ہے تو حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ اے عمرؓ یہ بات نفاق کی وجہ سے نہیں ہے البتہ رائے اور فہم کی غلطی ہے کہ یہ صورت کی) اور فرمایا اے عمرؓ ! تمہیں خبر بھی ہے ؟ اللہ نے تو اہل بدر کو اپنی خاص شان عنایت سے جھانک کر یہ فرمایا ہے۔ "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" (اے بدریو! اب تم جو کچھ چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے) یہ سُن کر عمر فاروقؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جاننے والے ہیں اور انہی کے فرمان پر میرا ایمان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہوسکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا۔ خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چُور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہوسکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہِ خداوندی سے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ کا زرّیں تمغہ ان کو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے۔ ان کی معافی کو صیغۂ ماضی سے بیان فرمایا یعنی فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ بصیغۂ ماضی فرمایا اور فاغفر لکم بصیغۂ مستقبل نہیں فرمایا تاکہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ انکی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور اعملوا ما شئتم کا خطاب۔ خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرۂ عفو اور دائرۂ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے اعملوا ما شئتم کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لیے نہ تھا۔ ایسا خطاب الٰہی محبین اور مخلصین کو ہوسکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو وہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ سے باہر نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہ اس علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں

صحیح بخاری ومسلم۔ جامع ترمذی۔

اس لیے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ان سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس ازلی اور ابدی علم کے پھر ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

وإذا الحبيب أتى بذنب واحد جاءت محاسنه بألف شفيع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لا کر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی۔ بلکہ قلب کی قوتِ ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ	مگر جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور
وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ	ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے
یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ	لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ (القرآن الحکیم)	اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کرکے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا تو خداوند ذوالجلال نے اس کی سیئات کو حسنات سے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

مرکبِ توبہ عجائب مرکبست بر فلک تازد بہ یک لحظہ زپست

چوں برآرند از پشیمانی انین عرش لرزد از انین المذنبین

یہ آیت عامہ مؤمنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار اطاعت و عبادت بھی اس کے لیے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم باعوراء۔ خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوءِ مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القویٰ اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لیے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطبؓ کی اس غلطی کو فسادِ مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیلِ اطباءِ روحانی فداہُ روحی وجثمانی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمرؓ، حاطبؓ کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہوگئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہوگئی ہے صحیح المزاج کو کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آجاتی ہے جس کے لیے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطبؓ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (مَا هٰذَا یا حاطبؓ) اے حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لیے یہی جوشاندہ کافی تھا پیتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہُ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ اسکندریہ کے نام دعوتِ اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ سبحان اللہ کیا بارگاہ تھی۔ ایک جانب حاطبؓ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطابؓ کو امراضِ روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمرؓ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔ [1]

حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہؓ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذاً باللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا۔

اَمّا بعد یا معشر قریش	اے گروہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فان رسول اللہ صلی اللہ	رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر
علیہ وسلم جاءکم بجیشٍ	آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا
کاللیل یسیر کالسیل فواللہِ	خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر
لو جَاءَکم وَحدَہٗ لنصرہ	کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ
اللہ وَانجز لہٗ وَعدَہٗ۔ فانظروا	ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت
لانفسکم ۔ والسلام۔	کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا لا تَقُولُوا لَہٗ اِلَّا خَیرًا کہ ان کے حق میں خیر کے

---

[1] من افاداتِ حضرت الوالد المحترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

سوا اور کچھ مت کہو۔ علامہ زرقانیؒ اور بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان و تقویٰ ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے یَا معشر قریش اِنّ محمداً یجیئ الیکم بجیشٍ کاللیل ویسیر الیکم کالسیل واللّٰہ لوجاء وحدہٗ لانجزاللّٰہ وعدہ وَنصرَ نبیّہٗ وانظروا لانفسکم والسلام[1]

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جانب ایک ایسا لشکر لے کر آرہے ہیں جو رات کی تاریکی کی طرح پھیل جانے والا ہے اور اس طرح تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں جیسے کوئی طوفانی سیلاب ہو (میں تو یہ کہتا ہوں) خدا کی قسم اگر وہ تن تنہا بھی تمہاری طرف آئیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح و کامیاب فرمائے گا۔ الغرض معاف تو فرما دیا گیا لیکن غلطی بہر کیف تھی اس وجہ سے اس واقعہ پر سورت نازل ہوئی۔

اس سورۂ مبارکہ کے مضامین خاص طور پر الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ کی بنیاد پر دائر اور مبنی ہیں۔ ابتداء سورت میں حاطب بن ابی بلتعہؓ کی بات پر عتاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ کسی بھی مسلمان کے واسطے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست بنانے کی اجازت نہیں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ایمانی غیرت کے منافی ہے پھر یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قیامت کے روز یہ قرابتیں اور اس قسم کی دوستیاں ہرگز کام نہ آئیں گی وہاں تو صرف ایمان و عمل صالح ہی کام آسکتا ہے اس کے بعد اس معیار ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے واضح اور مؤکد کیا گیا کہ مسلمان کو چاہیئے کہ ان کا طرز زندگی اختیار کرے کہ انہوں نے کس طرح اپنی مشرک قوم سے برأت و بیزاری کا اعلان کر دیا تھا پھر اہل شرک میں سے ان لوگوں کے متعلق حکم بیان فرمایا جنہوں نے مسلمانوں سے نہ تو دشمنی کی اور نہ قتال کیا اسی کے ساتھ اِن اسلام لاتے والی عورتوں کا ذکر کیا جو ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں تو ان کی تحقیق حال اور امتحان کس طرح ہو

---

[1] یہ خط یحییٰ بن سلامؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانیؒ نے شرح بخاری۔ کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اسی طرح البدایہ والنہایہ ص ۲۸۴ میں اور فتح الباری جلد ۷ میں اس خط کے مضمون کو نقل کیا ہے ۔۔۔۔۔۔ واقدیؒ کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمروؓ۔ صفوان بن امیہؓ اور عکرمہ بن ابی جہلؓ کے نام تھا اور بظاہر اس خط سے مقصد ہی یہ تھا کہ جن کو اطلاع ہو وہ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ یہ تینوں فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوئے۔

اور واقدیؒ کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں۔ ان محمداً قد نفر فاما الیکم او الیٰ غیرکم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہرحال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لیے آمادہ کرنا تھا۔

اور پھر ان کے متعلقہ احکام کیا ہیں۔ ان احکام کے بعد سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات و ہمدردی پر تنبیہ کردی گئی جس سے مضمونِ سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ حشر میں منافقین کے خصائل ذمیمہ کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اس کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں سے آگاہ کیا جارہا ہے جس سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان چیزوں کی مذمت کی جارہی ہے جو نفاق کی خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں۔

آیاتُها ۱۳ ۶۰ = سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ = ۹۱ فِيهَا رُكُوعَانِ

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست،

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ

ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے، اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تم کو آیا

الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

سچا دین۔ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس پر کہ تم مانو اللہ اپنے

رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ

رب کو۔ اگر تم نکلے ہو لڑائی کو میری راہ میں اور چاہ کر

مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ

میری رضامندی۔ تم اُن کو چھپے پیغام بھیجتے ہو دوستی کے۔ اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو

اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ

چھپایا تم نے اور جو کھولا تم نے۔ اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے، وہ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَكُمۡ

بھولا سیدھی راہ ۔ اگر تم کو وہ پاویں دشمن ہوں تمہارے

اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ

اور چلاویں تم پر اپنے ہاتھ ، اور زبانیں برائی کو۔

وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَؕ ﴿۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ

اور چاہیں کسی طرح تم منکر ہو جاؤ۔ ہرگز کام نہ آویں گے تم کو تمہارے ناتے اور نہ

اَوۡلَادُكُمۡ ۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

تمہاری اولاد ، قیامت کے دن ۔ وہ فیصلہ کرے گا تم میں ۔ اور اللہ جو کرتے ہو

بَصِيۡرٌ ﴿۳﴾

دیکھتا ہے۔

حکمِ خداوندی برائے ترکِ محبّت و دوستی از دشمنانِ اسلام و تکمیلِ اقتضاء ایمان بصورتِ بغض و نفرت از کفّار

قال اللہ تعالیٰ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ

(ربط) حاطب بن ابی بلتعہؓ اگرچہ ایک مخلص صحابی تھے جن کو غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہوئی تھی اور جملہ اہلِ بدر خدا کی نظر میں وہ مقدس ہستیاں تھے جن کے لیے بارگاہِ خداوندی سے پروانۂ مغفرت جاری ہو چکا تھا مگر بہر کیف غلطی خواہ کسی سے بھی ہو اچھی بات نہیں ہے اس سے بچنا ہر ایک کے لیے لازم ہے تو حکم خداوندی نازل ہوا کہ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خدا کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے قلب میں کفر اور کافروں کی نفرت اور بغض ہو اور یہ بات تو انسانی حمیت بھی چاہتی ہے کہ جب کافر مسلمان سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے دشمن سے محبت کرے۔ اسی حکم اور ہدایت کو اس طرح ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اے ایمان والو! ہرگز نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست کہ بھیجتے ہو تم ان کو پیغام دوستی کے ساتھ اور ایسی باتیں ان کی طرف بھیجتے ہو جن سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تم ان سے محبت و دوستی کرتے ہو۔ اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھا رہے ہو۔ حالانکہ وہ انکار کر چکے ہیں اس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے نہ انہوں نے اس حق کو مانا اور نہ ایمان لائے بلکہ دشمنی ہی پر کمر بستہ رہے ایسی صورت میں تو عقلاً و طبعاً یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ ان کی دشمنی کی یہ انتہا ہے وہ نکال رہے ہیں رسول کو اور تم کو تمہارے گھروں سے۔ اور ہجرت پر مجبور کیا اور اب تک بھی وہ اسی روش پر قائم ہیں محض اس وجہ سے کہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے، حالانکہ یہ کوئی قصور نہیں بلکہ حق و ہدایت کو قبول کرنا تو عقلاً مستحسن بات ہے پھر بھی وہ تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے تو پھر دشمنوں کو دشمن سمجھو۔ اور جن کے ساتھ مقابلہ اور جہاد کے لیے نکلے ہو ان کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرو۔ یہ بات قابل تعجب ہے کہ پوشیدہ طور پر تم ان کو بھیجتے ہو دوستی کا پیغام کوئی تصوّر کرنے والا یہ نہ سوچے کہ کسی خفیہ بات کا مجھے علم نہ ہوگا۔ حالانکہ میں تو خوب جاننے والا ہوں ان باتوں کا جو تم چھپاتے ہو اور ان باتوں کا بھی جو تم ظاہر کرتے ہو چنانچہ حاطبؓ کی بات کا پتہ چل ہی گیا حالانکہ اس کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ الغرض یہ بات انتہائی خطرناک اور ناپسندیدہ ہے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائے گا۔ انسان کی یہ فطرت ہے اور حمیّت کا تقاضا ہے کہ اپنے دشمن سے نفرت کرے۔ پھر جب کہ یہ دشمن تو ایسے ہیں اگر یہ تم پر قابو پالیں اور ان کا کسی طرح تم پر بس چل جائے تو یہ تمہارے کھلم کھلا دشمن بن جائیں اور دراز کریں تمہاری طرف اپنے ہاتھ ظلم و تعدی کے اور زبانیں بھی برائی کے ساتھ اور یہی چاہیں کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔ اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ ایسے دشمنوں سے بھلائی کی امید رکھی جائے تو آخر پھر یہ مسلمان ایسے دشمنوں سے کیوں روا داری برت رہے ہیں یہ تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ بلا شبہ ایسے خبیث اور بدباطن دشمن اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو پیغام دوستی بھیجا جائے اور کافر تو غایت دشمنی میں یہی چاہتا ہے اور اس کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ تم کو کافر بنا دے جو کافر تمہاری عزت و عظمت اور دین و ایمان کا دشمن ہے ان سے ہمدردی یا دوستی کا معاملہ کیسے عقل و فطرت کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے۔

اہل و عیال کی محبت میں ایسی غلطی کر بیٹھنا جس طرح کہ حاطبؓ سے ہوئی۔ اے مسلمانو! ہرگز تم سے ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہونا چاہیئے۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس اولاد و خاندان کی محبت میں تم اس قسم کی غلطی کرو گے ہرگز کام نہ آئیں گی تمہاری قرابتیں اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ رب العزت تو ہر ایک کا عمل دیکھتا ہے۔ وہ فیصلہ کریگا تمہارے درمیان اسی کے مطابق۔ اور اللہ تعالےٰ خوب دیکھتا ہے ہر وہ کام جو تم کرتے ہو پھر سوچو اور فیصلہ کرو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل و عیال یا خاندان کی محبت میں ایسا کام کر بیٹھے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ناراض کر دینے والا ہو حالانکہ مؤمن کی زندگی میں تو ہر چیز سے مقدم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ہے اس کی رضا سے وہ سب پریشانیاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ جن کے باعث بسا اوقات

انسان ایسا کر گزرتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ

تم کو چال چلنی ہے اچھی ، ابراہیم کی

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

اور جو اس کے ساتھ تھے، جب کہا اپنی قوم کو، ہم الگ ہیں تم سے ، اور جن کو

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ

تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ، ان سے۔ ہم منکر ہوئے تم سے، اور کھل پڑی ہم میں اور

بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو، جب تک تم یقین نہ لاؤ اللہ

وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ

اکیلے پر ، مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو، میں مانگوں گا معافی تیری ، اور

أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ

مالک نہیں میں تیرے بھلے کو اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا۔ اے رب ہمارے! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور

إِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر آنا۔ اے رب ہمارے نہ جانچ ہم پر

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ

کافروں کو اور ہم کو معاف کر، اے رب ہمارے! تو ہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

حکمت والا۔ البتہ تم کو بھلی چال چلنی ہے اُن کی ، جو کوئی امید

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ

رکھتا ہو اللہ کی، اور پچھلے دن کی ۔ اور جو کوئی منہ پھیرے، تو

اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶

اللہ وہی ہے بے پرواہ خوبیوں سراہا۔

ترغیب اہلِ اسلام برائے اسوۂ حسنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ. قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ....الیٰ.... هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

(ربط) سورۂ ممتحنہ کی گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی پر وعید و مذمت تھی اور اس طرح کا ایک واقعہ حاطبؓ کے ساتھ پیش آگیا تھا اس پر تنبیہ کر کے فرما دیا گیا تھا کہ مسلمان کو اپنے اور خدا کے دشمن کے ساتھ دوستانہ روابط و مراسم قائم کرنے کی قطعی اجازت نہیں۔

تو اب ان آیات میں دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ خدا کے ساتھ جو بغض و نفرت کے جذبات مسلمان کے قلب میں ہونے چاہئیں ان کی ہدایت و تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ فرمایا اے مسلمانو! بے شک تمہارے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کی زندگی میں اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں جب کہ انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے کہ اے لوگو ہم تم سے بیزار اور الگ ہیں اور ان سے بھی کہ جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ ہم نے بلاشبہ تمہارا انکار کیا اور ہم ہر چیز میں تمہارے سے نفرت و قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اور کھل گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض و نفرت ہمیشہ کے لیے۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ اور شرک چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان نہ لے آؤ اس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بغض ونفرت اور عداوت قائم رہے گی۔ اسوۂ ابراہیمی یہی ہے اور مسلمانوں کو اسی کا اتباع کرنا چاہیے۔ لیکن ابراہیم کا یہ کہنا اپنے باپ کے لیے کہ اے باپ میں تیرے واسطے ضرور بالضرور استغفار کروں گا اور میں تیرے واسطے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں۔ خدا کے سوا وہی جو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے میں تو صرف دعا ہی کر سکتا ہوں اصل عطا کرنے والا تو وہی رب ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اس اسوۂ ابراہیمی کے خلاف نہ تھی جس کا اے مسلمانو تم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کافروں سے اعلان دشمنی اور نفرت کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اوّل تو ابراہیمؑ کی یہ دعا استغفار اس وقت تھی کہ جب ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ کافر کے لیے بخشش کی دعا کرنا درست نہیں لیکن جب معلوم ہو گیا تو ہر قسم کے جذبۂ محبت اور اس کے تصوّر یا طلب سے براءت و بیزاری ظاہر کی جیسا کہ ارشاد فرما دیا گیا۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا

تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔
ثانیاً یہ بھی امکان ہے کہ یہ دعاءِ استغفار بمعنی طلب ایمان اور دعاءِ ہدایت ہو۔ اور کسی کافر کے واسطے ہدایت کی دعا مانگنا کفر اور کافر سے عداوت و نفرت کے منافی نہیں ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو دعا مانگی یہ اعلان بغض و برات کے خلاف نہ تھی اس وجہ سے کسی کو ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ کافر سے ہمدردی اور دوستی درست ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تو اسوۂ حسنہ میں یہ جذبات اور دعائیں بھی ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا کہ ہر چیز میں تو ہی کارساز ہے اگر ہم کافروں سے دشمنی و برات اختیار کریں گے تو ان کی دشمنی کا اور ان سے علیحدگی کا ہمیں کوئی خوف و اندیشہ نہیں اس لیے کہ ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کر لیا اور ہر پریشانی اور ضرورت کے لیے ہم نے دنیا سے اپنا رُخ موڑ کر تیری ہی طرف اپنا رخ کر لیا اور کیوں نہ کریں جبکہ تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے اللہ ہم کمزور ہیں مصائب و شدائد برداشت کرنے کی طاقت نہیں تو اے پروردگار تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختۂ مشق نہ بنانا اور ہم کو معاف کر دینا اگر کسی وقت صبر و استقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اے ہمارے رب بے شک تو بڑی ہی عزت و حکمت والا ہے کہ تیری ہی عزت و قوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہو سکتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختۂ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مذاق اڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح و تنبیہ کے لیے ہو گا۔

یقیناً اس بیان کردہ ضابطہ میں اے مسلمانو! ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے اس میں ایک عظیم سامان ہدایت و استقامت ہے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور قیامت کے روز کی تو بے شک ایسے لوگ ابراہیم علیہ السلام کی روش اختیار کریں گے اور ان کو اس بات کی ذرہ برابر پرواہ نہ ہو گی کہ دنیا ایسے لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہے وہ دنیا کے موحد اعظم ہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنے ایمان و اعتقاد سے اسی بات پر یقین و اعتماد رکھیں گے کہ مستقبل کی کامیابی اور عزت و عظمت کفر اور کافروں سے اعلان برات و بیزاری ہی میں ہے وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر کافروں سے دوستی گانٹھنا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لیے مہلک اور خطرناک ہے۔ یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمان کی فلاح و کامیابی اور عظمت و ترقی موقوف ہے جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہو گا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل و نا کام بنائے گا بس اللہ تو ہر حال میں بے نیاز قابل تعریف ہے۔ اس کو نہ کسی کی اطاعت کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ

امید ہے کہ کر دے اللہ

بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ

تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں دوستی ۔ اور اللہ

قَدِيْرٌ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

سب کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے، جو

لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

لڑے نہیں تم سے دین پر، اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے، کہ

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک ۔ اللہ چاہتا ہے

الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

انصاف والوں کو ۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے

فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓي

دین پر، اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے، اور میل باندھا تمہارے

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

نکالنے پر، کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے، سو وہ لوگ وہی

الظّٰلِمُوْنَ ۝

ہیں گنہگار ۔

تسلّی اہل ایمان بذکر بشارت و کامیابی مسلمین بر اعدائے اسلام و اجازت حسن سلوک از کافران امن پسند و مصالحین

قال اللہ تعالیٰ. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ.... الیٰ.... فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار و مشرکین کے ساتھ بغض و نفرت اور برات و بیزاری کا ذکر تھا کہ یہی اسوۂ ابراہیمی ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسی کو اختیار کریں۔ اب ان آیات میں مستقبل قریب میں پیش آنے والے غلبہ اور کامیابی کا ذکر ہے اور ضمناً اشارہ ہے کہ کچھ تو بیں کافروں میں سے ایمان لے آئیں گی اور یہ اجازت دی جا رہی ہے کہ جس کسی کافر قوم نے اب تک مسلمانوں کے ساتھ کوئی قتال نہیں کیا اور نہ دشمنی کا کوئی معاملہ کیا اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ان کے ساتھ مسلمانوں کو رواداری اور حسن سلوک کی اجازت دی جاتی ہے۔ فرمایا۔

امید ہے کہ اللہ (تعالیٰ) دوستی قائم کر دے تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اور اس طرح سے تمہارے اور ان کے درمیان رشتہ محبّت و مودت قائم ہو جائے کہ وہ اسلام لے آئیں چنانچہ فتح مکّہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ ساری عمر دشمنی کرنے والے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور وہ ابوسفیانؓ جو بدر و اُحد میں کافروں کی فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔ اب وہ مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار ہو گئے اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے تو ان الفاظ میں ذہنی و طبعی طور سے تسلی دی گئی کہ قوم سے علیحدگی اور بیزاری کا ہمیشہ کے لیئے تصور کر کے نہ گھبرانا چاہیئے۔ بیزاری اور باہمی بغض کی یہ فضا بہت جلد ختم ہو کر باہمی مودّت اور اخوت کی فضا قائم ہو جائے گی اور اللہ تعالےٰ بڑی ہی مغفرت و مہربانی فرمانے والا ہے۔ اور ایک عرصہ کفر کے بعد جو لوگ اسلام لے آئیں۔ خُدا کی رحمت و مغفرت سے ان کو بھی نواز دیا جاتا ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ماضی میں اس نے کیا کیا بلکہ اس کی بارگاہ سے تو یہی اعلان ہے۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔

دوستی اور ہمدردی کے رشتے اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے قائم کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی۔ اس کے برعکس اللہ (تعالیٰ) تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے جنہوں نے تمہارے سے نہ تو قتال کیا دین کے معاملے میں اور نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور اس پر مجبور کیا تو اللہ تعالےٰ تم کو منع نہیں کرتا ہے اس چیز سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرو اور ان سے انصاف کا سلوک کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تو صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی اور اچھا سلوک کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے قتال کیا دین کے معاملہ میں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور دوسروں کی بھی مدد کی تمہارے نکالنے پر اور گھروں سے تم کو اجاڑنے پر کہ ایسے لوگوں سے تم دوستی کرو ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں اور دشمنوں سے دوستانہ برتاؤ بہت ہی بدترین چیز اور خود اپنے اوپر سخت ظلم ہے اس بناء پر یہ اصول فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اور جو بھی ایسے ظالموں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں

اور گناہگار ہیں اس لیے کہ ظالموں کے ساتھ دوستی کا انجام خود ہی اپنے اوپر ظلم اور اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے۔ ہر برائی کا انجام صاحب عمل ہی کی طرف لوٹا کرتا ہے۔

ابن ابی حاتمؒ بروایت ابن شہاب زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن صخرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے کسی علاقہ پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا جب آنحضرتؐ کی رحلت ہوئی تو یہ واپس لوٹے راستہ میں ذوالخمار سے مقابلہ ہوا جو مرتد ہوچکا تھا اور اس سے قتال کی نوبت آئی تو یہ مثال ہوئی ان لوگوں کی جن سے قتال ہوا۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابوسفیانؓ (جب فتح مکہ کی رات ایمان لے آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ تین چیزیں میں آپؐ سے چاہتا ہوں مجھے عطا کر دیجئے آپؐ نے فرمایا (اچھا مانگو وہ کیا ہیں) ان میں ایک یہ بھی درخواست تھی کہ آپؐ مجھے اب اجازت دیجئے کہ میں کافروں سے اسی طرح قتال کروں جیسا کہ میں (پہلے) مسلمانوں سے قتال کرتا تھا تو یہ ہے وہ بات جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا امید ہے کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے تم سے قتال کیا اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرما دے۔

ہشام بن عروہؓ فاطمہ بنت المنذرؒ سے بیان کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ایک دفعہ میری ماں مشرکہ میرے پاس آگئی اس زمانہ میں جب کہ قریش مکہ سے معاہدہ ہوا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپؐ نے فرمایا ہاں تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو یہ بات وہی ہے جس کی قرآن کریم کی یہ آیت اجازت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے لڑے اور نہ انہوں نے کوئی دشمنی کی یہ ممانعت صرف دشمنی اور قتال کرنے والوں سے ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ

اے ایمان والو! جب آویں تم پاس ایمان والی عورتیں

مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ

وطن چھوڑ کر، تو ان کو جانچ لو - اللہ بہتر جانے ان کے ایمان -

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ

پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں، تو نہ پھیرو ان کو کافروں کی طرف۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُمْ مَا

نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان مردوں کو، اور نہ وہ مرد حلال ان عورتوں کو اور دے دو

اَنْفَقُوْا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

ان مردوں کو جو ان کا خرچ ہوا اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو اُن عورتوں سے، جب انکو

اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ

دو اُن کے مہر۔ اور نہ رکھو قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے، اور مانگ لو جو

اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۚ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۚ يَحْكُمُ

تم نے خرچ کیا، اور وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ تم میں

بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ

فیصلہ کرتا ہے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے

مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

کوئی تمہاری عورتیں کافروں کی طرف، پھر تم گہا مارو، تو دو ان کو جن کی عورتیں جاتی

اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ

رہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس پر تم کو

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ

یقین ہے۔ اے نبی جب آویں تیرے پاس مسلمان عورتیں، اقرار کرنے کو

عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ

اس پر، کہ شریک نہ ٹھہراویں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں، اور بدکاری نہ کریں،

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ

اور اپنی اولاد نہ ماریں، اور طوفان نہ لادیں باندھ کر

بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ

اپنے ہاتھوں میں، پاؤں میں، اور تیری بے حکمی نہ کریں کسی بھلے کام میں،

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

تو اُن سے اقرار کر، اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ

مہربان ہے۔ اے ایمان والو! مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصے ہوا

اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ

اللہ اُن پر، وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے، جیسے آس توڑی منکروں

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

نے قبر والوں سے،

حکمِ امتحانِ مہاجراتِ مومنات و احکامِ بیعت و اطاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات کے کچھ احکام بیان کیے گئے تھے اور یہ تلقین کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں اسوۂ ابراہیمی اختیار کرنا چاہیئے اور نہایت واضح طور پر منع کر دیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح موالات و دوستی جائز نہیں اسی کے ساتھ ان کافروں سے بہتر سلوک کرنے کی اجازت دے دی گئی جو نہ تو کبھی مسلمانوں سے لڑے اور نہ کسی قسم کی دشمنی کی۔ اب ان آیات میں بعض خاص احکام ایسی عورتوں کے متعلق بیان کیے جا رہے ہیں جو ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا اور جو شرائطِ معاہدہ طے ہوئی تھیں ان میں یہ تھا " علٰی ان لا یاتیك منّا رجلٌ وان كان علٰی دینك الّا رددتهٗ الینا" (ہم قریش مکہ اس پر معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بھی مرد ہمارے پاس سے تمہارے پاس پہنچ جائے تو مسلمان اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ اگرچہ وہ تمہارے دین پر ہو) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کی رو سے جو مرد مسلمان مکہ سے مدینہ نکل کر آئے ان کو واپس فرمایا جیسے ابوجندل بن سہیل کو قریشِ مکہ کے حوالے فرما دیا جب کہ وہ کفار کی قید سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے تھے لیکن معاہدہ میں لفظ مرد تھا اس وجہ سے عورتوں کا واپس کرنا اس میں شامل نہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے ایسی مہاجر خواتین کی واپسی کا انکار فرما دیا جو کفار کی قید سے چھوٹ کر

آپ کے پاس پہنچیں۔ جیسے قبیلہ اسلم کی سبیعہ بنت حارث ان کا خاوند مسافر مخزومی دوڑا ہوا مقام حدیبیہ پہنچا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جب ام کلثوم ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچیں تو ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید مکہ سے فوراً آپ کے پاس پہنچے اور واپسی کے لیے گفتگو کی تو آپ نے واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرما دی فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ اور اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ حکم عورتوں کے متعلق نہیں اور یہ حکم بھی اتارا گیا کہ ان کا امتحان لے لیا کرو تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمنات ہیں اور احکام بیعت بھی نازل فرمائے تو ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس آجائیں ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئی تو ان کا امتحان کر لو خُوب جانچ لو کہ وہ ایمان اور اخلاص کیساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں اللہ تو خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو لیکن مسلمانوں کو اپنے درمیان احکام اسلام کسی پر جاری کرنے کے لیے یہ قانون نازل کیا جا رہا ہے بہرحال اگر امتحان و تحقیق کے بعد جان لو کہ یہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت واپس کرو اب جب کہ یہ ایمان لا کر اور ہجرت کر کے دارالاسلام آگئیں تو نہ یہ عورتیں ان کافروں یعنی اپنے کافر خاوندوں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مردان مہاجر عورتوں کے لیے حلال ہیں اور دیدو ان مردوں کو جو کچھ انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا اور اس وجہ سے کہ اب وہ عورتیں اسلام لا کر ہجرت کرتی ہوئی دارالاسلام آگئی ہیں ان کا نکاح پہلے کافر شوہروں سے ختم ہوگیا تو عدّتِ فسخ گزرنے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب کہ تم ان کے مہران کو دے دو جو بھی مہر اس نکاح کے وقت مقرر کیا جائے وہ بہرحال مرد کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور نہ رکھو تم اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کی اور طلب کر دو جو کچھ تم نے خرچ کیا اور چاہیئے کہ وہ بھی طلب کر لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہی ہے تمہارے واسطے اے لوگو! اللہ کا حکم جس حکم سے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑا ہی علم والا صاحب حکمت ہے۔ اس وجہ سے اس کا ہر حکم صحیح اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہے تو جب اللہ نے یہ حکم مقرر فرما دیا کہ کافر عورتوں کی ناموس وعصمت نہ روکے رکھو اور اپنے قبضہ میں تھامے نہ رکھو تو اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ کسی مسلمان کو اپنی ان بیویوں کو جو اسلام نہیں لائیں اور کفر پر قائم رہیں ان کو اپنی منکوحہ کی طرح روکے رکھنا درست نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ پھر جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

زہری بیان کرتے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی دو بیویاں جو مکہ میں مشرک رہ گئی تھیں چھوڑ دیں ایک کا نام قریبہ تھا جو امیۃ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے بعد میں مکہ مکرمہ میں معاویۃ بن ابی سفیان سے نکاح کر لیا تھا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی اور عبداللہ بن عمر کی ماں تھی اس نے ابوجہم بن حذافہ سے نکاح کر لیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے ؎۱

؎۱ تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں تمہاری ازواج میں سے کافروں کی طرف پھر تمہاری نوبت آئے تو تم اے مسلمانو! دے دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا اور اب وہ عورتیں ان کے پاس نہیں رہیں اس وجہ سے کہ وہ دارالکفر سے ہجرت کرکے مسلمانوں کے پاس نہ آسکیں اور سابق نازل کردہ حکم کی رُو سے یہ درست تھا کہ مسلمان اپنی بیویوں پر خرچ کیے ہوئے خرچ کا مطالبہ کریں جیسا کہ مسلمانوں نے ان کافر خاوندوں کو ان کا کیا ہوا خرچ واپس کیا جن کی عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آگئی تھیں [۱] اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

---

[۱] اصل حکم یہ نازل ہوا تھا کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک مسلمان ہو کر ہجرت کرکے دارالاسلام میں آجائے اور دوسرا شرک وکفر پر قائم رہتے ہوئے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرے تو اختلاف دارین کے بعد نکاح قائم نہ رہے گا ایسی صورت میں اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ یہ کیا گیا تھا کہ اس مسلمان عورت کے پہلے خاوند کافر نے جو مہر دیا ہے یہ مسلمان نکاح کرکے پہلے کافر شوہر کا دیا ہوا مہر واپس کردے اور اس کے بعد جو اس نکاح میں مہر طے پائے وہ اپنی جگہ ادا کرے اس کے بالمقابل۔ صورت میں کہ اگر کسی مسلمان مرد کی عورت کافرہ گئی اور وہ ہجرت کرکے دارالاسلام میں نہیں آئی اور یہی معنی ہیں وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ کے کہ اگر تم سے تمہاری بیویوں میں سے جاتی رہیں کافروں کی طرف یعنی تم سے ضائع ہو گئیں اور کافروں کے پاس رہ گئیں نہ یہ کہ دارالاسلام سے العیاذ باللہ کسی مسلمان کی بیوی کافروں کی طرف چلی گئی کیونکہ نہ ایسا ممکن تھا اور نہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا۔ جس پر تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اگرچہ بعض مفسرین نے محض لفظی وسعت کے باعث اس معنیٰ کو بیان کیا کہ کوئی مسلمان عورت العیاذ باللہ مرتد ہو کر چلی جائے۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے کہ وہ عورتیں بحالت کفر وہیں رہ جائیں اور یہی مفہوم "جاتی رہنے" کا بلاشبہ ہے تو اس صورت میں یہ حکم تھا کہ وہ کافر جو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے پہلے خاوند کو اس کا ادا کردہ مہر واپس کردے۔ اس حکم کے نازل ہونے پر مسلمان تو تیار ہو گئے کہ اسلام لانے والی مہاجر عورتوں کا مہر ادا کردیں۔ مگر کافر تیار نہ ہوئے اور اس صورت میں کہ دارالکفر میں رہ جانے والے اس عورت سے نکاح کریں جس کا خاوند اسلام لاکر دارالاسلام میں آچکا ہے اس مسلمان کو اس کا دیا ہوا مہر دینے سے انکار کردیا اس پر آیت نازل ہوئی وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ان الفاظ میں ایسی ہی صورت کا ذکر کرتے ہوئے گویا سابق حکم منسوخ کردیا گیا۔ اب وہ مسلمان جن کی بیویاں دارالکفر میں رہ گئی ہیں ان کا اپنا ادا کردہ مہر کافروں سے وصول نہیں ہو رہا ہے۔ تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ دارالکفر سے ہجرت کرکے آنے والی مسلمان عورتوں کے ان خاوندوں کو کچھ نہ دیں جو دارالکفر میں رہ گئے ہیں (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا دیا ہوا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

حکم بیعت مہاجرات مؤمنات

اے ہمارے نبی جب آئیں آپ کے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئیں تو وہ بیعت کریں آپ سے اس بات پر کہ نہ تو وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور نہ کسی پر وہ ایسا بہتان لگائیں جس کا افتراء و الزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں اور نہ وہ کسی بھی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی کریں تو آپ ان کو بیعت کر لیجیے اور طلب مغفرت کیجیے ان کے لیے اللہ سے۔ ان کی ہر قسم کی اس کوتاہی اور غلطی پر جو ان سے سرزد ہو چکی یا بیعت کے بعد کوئی خطا و غلطی نادانستہ طور پر ہو جائے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اللہ رب العزت آپ کے استغفار و دعا کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے گا اور اپنی عنایات و رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ جملہ احکام جن میں مردوں اور عورتوں

(بقیہ حاشیہ) خرچ واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے ادا کر دیا جائے سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف ہے) الغرض فَعَاقَبْتُمْ کا مفہوم یہی راجح ہے کہ پھر تمہاری نوبت آئے یعنی مہر لینے کی۔ دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اور مال غنیمت حاصل ہو تو اس مال غنیمت سے ان مسلمان مردوں کو وہ خرچ اور مہر ادا کر دو جو انہوں نے اپنی بیویوں پر کیا تھا جو اسلام نہیں لائیں اور دارالکفر میں رہ گئیں کیونکہ کافر تو یہ خرچ واپس نہیں کر رہے ہیں تو اب یہی صورت ہو سکے گی کہ مال غنیمت سے یا بیت المال اس کی تلافی کر دے۔

یہ آیت یعنی وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا۔ منسوخ ہے یا اپنے حکم پر باقی ہے؟ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم چونکہ دوطرفہ ذمہ داریوں پر مشتمل تھا جو صلح حدیبیہ میں طے کردہ معاہدہ کی رو سے تسلیم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے تو بلا کسی تردد اور تامل اس پر عمل کیا لیکن کفار مکہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی اس پر عمل نہ کیا اس وجہ سے یہ حکم خود بخود منسوخ ہو گیا اور برقرار نہ رہا یا یہ کہہ لیجیے کہ یہ حکم ابتداء ہی سے محدود اور مؤقت تھا کفار مکہ کے لیے بموجب عہد نامۂ حدیبیہ۔ کفار عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا اور وہ عورت کو پہلے ہی دے دیا جاتا تھا۔ اولاً تو کفار کی طرف سے اس حکم کی پابندی نہیں ہوئی پھر فتح مکہ کے بعد اس حکم کی ضرورت ہی نہ رہی۔ قبائل عرب کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور دارالاسلام میں بسنے والے مسلمانوں سے ان کے نکاح ہوئے - ۱۲

واللہ اعلم بالصواب۔

ملخص من احکام القرآن للجصاصؒ۔ وتفسیر روح المعانی۔ تفسیر حقانی۔ تفسیر ابن کثیر و مما افادنی شیخی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ و حضرت الوالد المحترم محمد ادریس الکاندھلویؒ - ۱۲۔

کے احکام تفصیل و تحقیق سے ذکر کیے گئے ان ہی میں سعادت و فلاح مضمر ہے ایمان والوں کو چاہیئے کہ وہ ان احکام پر عمل کریں اگر وہ روگردانی کریں گے تو ان کو اپنے انجام کی تباہی و بربادی سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

اللہ کے احکام کی فرماں برداری اور اس کے دین پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے ان سے دوستی اور روابط قائم کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے اس لیے سن لینا چاہیئے کہ اے ایمان والو! ہرگز دوست نہ بناؤ ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہے جو مایوس ہو چکے ہیں آخرت سے اور آخرت کا تصور ہی دل سے نکال دیا جیسا کہ کافر قبر والوں سے ناامید ہو چکے ہیں۔ اور ان کو کوئی توقع نہیں کہ قبر والے اپنی قبروں سے پھر اٹھیں گے بلکہ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بعث بعد الموت کا بھی ان کو کوئی تصور نہیں۔

قصۂ بیعت نساءِ مؤمنات

عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نساء مؤمنات سے بیعت لینے کا ذکر اس طرح فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت مبارکہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الخ نازل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں کا امتحان لینے اور پھر ان باتوں پر ان سے عہد لیتے جن کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ نہ شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا و بدکاری اور نہ افتراء و بہتان اور کسی بھی حکم شرعی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو جو عورت اس بات کا عہد وا قرار کرلیتی آپ اس کو بیعت فرما لیتے اور صرف زبان مبارک سے فرما دیتے "اچھا میں نے تمہیں بیعت کر لیا"، فرمایا کرتی تھیں آپ کے دست مبارک نے خدا کی قسم کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں عید الفطر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی دیکھا ہے یہ سب حضرات خطبہ سے قبل نماز عید پڑھا کرتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے اور اس کے بعد منبر سے اترتے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ گویا یہ منظر آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجمع میں سے جو لوگ اٹھ کر منتشر ہو رہے تھے آپ ان کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے پھر آپ مردوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے اور اس جگہ تک پہنچے جہاں عورتوں نے نماز پڑھی تھی آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے آپ وہاں تشریف لائے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تلاوت کے بعد ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس پر قائم ہو اور اس کا عہد کرتی ہو مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ جو گویا سب کی طرف سے یہ کہہ رہی تھیں اور بظاہر اسی وجہ سے کسی اور نے جواب نہ دیا سب خاموش رہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور نے جواب نہ دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا یہ اعلان کر دیں اے مسلمان عورتو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بیعت لینا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تم نہ شرک کرو گی نہ چوری نہ زنا و بدکاری اور نہ بہتان طرازی اور نہ رسول خدا کی نافرمانی کرو گی۔ تو ان عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بھی تھی جس نے غزوۂ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے شکم مبارک کو چاک کر کے جگر کا ٹکڑا چبانا چاہا تھا اگرچہ اب اسلام لا چکی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے ہوئے چھپی ہوئی تھیں اور کسی کونہ میں بیٹھی تھیں۔ جب فاروق اعظمؓ نے یہ کہا کہ عہد کرو چوری بھی نہ کرو گی۔ تو کہنے لگی میں ابوسفیانؓ کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل انسان ہیں (تو گھر کے مصارف وغیرہ کے لیے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے) ابوسفیانؓ ان کے خاوند بھی وہاں موجود تھے فوراً بولے اے ہندہ تو نے آج تک جو کچھ لیا یا آئندہ لے گی وہ سب تیرے واسطے حلال ہے۔ جب عمر فاروقؓ نے یہ کہا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی تو کہنے لگی ہم نے تو ان کو پالا تھا مگر تم نے انہیں بدر میں قتل کر دیا۔ اس جملہ پر فاروق اعظمؓ کو بہت ہنسی آئی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ کچھ عورتوں نے کہا کہ ہم تو اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے ان کے باپ قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف ایسے بچہ کی نسبت کرے جو درحقیقت اس شوہر سے نہیں جیسا کہ یہ فعل جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ منیٰ کی گھاٹی میں قبل از ہجرت آپؐ نے انصارِ مدینہ سے بیعت لی تو یہی وہ امور تھے جن پر ان سے عہد لیا اور فرمایا بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللہ الا بالحق۔ الخ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان وَفَّيْتُمْ فلکم الجنۃ اگر تم ان باتوں کو پورا کرو گے تو تمہارے واسطے جنت[عہ] ہے (باسناد ابن ابی حاتم)

(تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الممتحنہ)

عہ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔
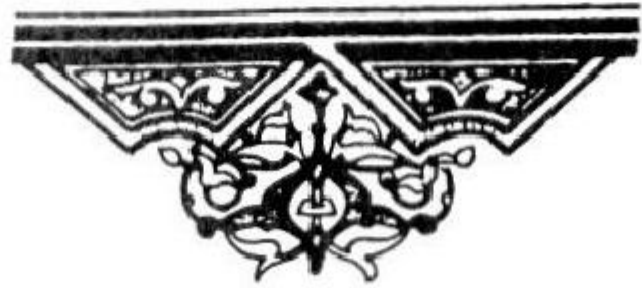
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الصَّفِّ

اس سورۂ مبارکہ کے فضائل میں حافظ ابن کثیرؒ نے ایک روایت باسناد عبداللہ بن سلامؓ نقل کی ہے۔ بیان کیا میں صحابہ کے ایک مجمع میں موجود تھا کہ ہم باہم یہ گفتگو کرنے لگے کاش اگر ہماری حاضری رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں ہو تو ہم یہ دریافت کریں کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ خود حاضر ہو کر یہ پوچھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع کے ایک ایک شخص کو بلایا اور جب سب جمع ہو گئے تو ہمارے سامنے یہ سورۂ صف تلاوت فرمائی اور گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اللہ کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے۔

سورت کا آغاز اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح و پاکی و حمد و ثناء سے کیا۔ پھر اس بات پر وعید فرمائی گئی کہ انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی نازیبا ہے کہ وہ جس بات کا عہد کرے اس کو پورا نہ کرے اور اس کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کے بعد مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام سے جہاد و قتال کی ترغیب دی گئی اور ان کو اس کے لیئے ہمت دلائی گئی کہ پوری طاقت اور بہادری کے ساتھ کافروں کے مقابلہ کے لیے متحد و متفق ہو کر ڈٹ جائیں اور اتحاد و اخوت میں انکو چاہیئے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار کے مانند ہو جائیں۔ ساتھ ہی حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا دعوۃ الی اللہ میں اسوہ و نمونہ بھی بیان کیا گیا اور یہ کہ انہوں نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں اور اہل ایمان کو اس امر کے متعلق اطمینان دلایا گیا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور دین کے مددگاروں کو غالب و کامیاب فرماتا ہے اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی ہر سازش اور کوشش ناکام ہوتی ہے۔ ان مضامین کو ذکر کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں اہل ایمان کو ایک کامیاب اور نفع بخش تجارت کی دعوت دی گئی اور اس کی وضاحت کی گئی کہ وہ نفع بخش تجارت کون سی ہے جس سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت کی سعادت و فلاح بھی اس کو نصیب ہوتی ہے۔

تسبیح وتحمید خداوندی مع ترغیب اہل ایمان برائے جہاد فی سبیل اللہ

قال اللہ تعالیٰ۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں کافروں سے موالات و دوستی پر تنبیہ و وعید تھی اور واضح طور پہ یہ فرما دیا گیا تھا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کہ اے مسلمانو! ہرگز ایسی قوم کو اپنا دوست نہ بناؤ جن پر خدا کا غضب ہے۔ اب اس سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ اپنی پاکی اور بے نیازی کا ذکر کرتے

ہوئے فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہو کر کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے اُٹھ کھڑے ہونا چاہیئے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوگا جب مسلمان اپنے قول و فعل میں مطابقت اور یکسانیت پیدا کرلے۔ اس زمانہ میں عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ ہو رہا تھا اور مسلمان باوجود اپنی قلت اور ضعف کے ہمت و جوانمردی سے کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس سورت میں بالخصوص جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کائناتِ آسمان و زمین کی ہر چیز کا اس کی پاکی اور تسبیح میں مشغول ہونا اس کی عظمت و کبریائی کی واضح دلیل ہے بے شک وہی زبردست عزت و حکمت والا ہے ایسی ذات سراپا عزت و عظمت کے حامی یقیناً نہ دنیا کی طاقت سے مغلوب و مرعوب ہو سکتے ہیں اور نہ ناکام۔ لیکن انسانوں کی عزت اور کامیابی ایمانی اوصاف و کمالات پر ہی موقوف ہے جس کے لیے قول و فعل کی مطابقت و یکسانیت چاہیئے قول و فعل میں تضاد نفاق کی علامت ہے۔ اس لیے اے مسلمانو! اے ایمان والو کیوں کہتے ہو اپنے منہ سے وہ بات جو تم نہیں کرتے ہو بڑی ہی ناراضگی کی بات ہے اللہ کے نزدیک کہ تم وہ چیز کہو جو نہیں کرتے ہو اس طرح کے دعوے اور لاف زنی جھوٹوں اور منافقوں کا کام ہوتا ہے اور نفاق انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی کمزوری کے بعد دشمن کا کیا خاک مقابلہ کرے گا اور فتح و کامرانی کیونکر توقع ہو سکتی ہے ایمان والوں کو تو چاہیئے کہ صداقت اور عزم و ہمت کے حامل بن کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور بڑی قوت و ہمت سے ایک آہنی دیوار بن کر دشمن کے مقابلہ کے لیے میدانِ جہاد میں نکل آئیں ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے اپنے بندوں کو جو قتال و جہاد کرتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح کہ گویا وہ ایک دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔ یہی صفت اور حالت ان کے اخلاص و سعادت کی دلیل ہوگی۔ محض دعوؤں کے بعد میدانِ جہاد سے بھاگنا منافقوں کا وہ شیوہ ہے جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا مطالبہ کرتے رہے لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ۔ یہی حال قوم موسیٰ علیہ السلام کا تھا جب جہاد کا حکم ہوا نہایت ہی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اے موسیٰ اس بستی میں بڑی طاقت والی قوم ہے اور ہم اس بستی میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں۔ البتہ اگر وہ لوگ اس بستی کو خالی کر کے وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور اس میں داخل ہو جائیں گے اور ٹکا سا جواب دے دیا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ کہ اے موسیٰ بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ اور تم دونوں جا کر کافروں سے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں تو حق تعالیٰ نے جہاد کے لیے اہل ایمان کو ترغیب دی اور یہی وہ اخلاص باطن کا رنگ ہے جو اس طرح حضرات صحابہ کی زندگیوں میں نمودار ہوا جب سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان کیا تو آپ کے جانثار صحابہ کا یہ جواب تھا یا رسول اللہ آپ جہاد کا حکم دیجیے ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی دائیں اور بائیں بھی اور ہم اس قوم کی

طرح نہ ہوں گے جنہوں نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دے دیا تھا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

جہاد فی سبیل اللہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب ترین عمل

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ ۔ آیت مبارکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا محبوب ترین عمل بیان کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل اللہ کو محبوب ہے تو مجاہدین بھی یقیناً اس کی نظروں میں محبوب ترین بندے ہوں گے اسی کو یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے ایک وہ جو رات کو بیدار ہو کر نماز میں مشغول ہو جائے۔ دوسری وہ قوم جو جماعت میں نماز کے لیے صف بستہ ہیں۔ تیسری وہ جماعتِ مجاہدین جو میدان جہاد میں کافروں سے قتال کے لیے صف بستہ ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ ربُّ العزّت خود اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس طرح بیان فرماتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندہ متوکل ہیں۔ پسندیدہ و برگزیدہ جو نہ سخت دل ہیں نہ بدمزاج۔ اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگذر اور معاف کرتے ہیں جن کا مولد (جائے پیدائش) مکہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہے۔ اور ان کا ملک سلطنت شام ہوگا۔ ان کی امّت حمّاد ہوگی جو ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا کرتی ہوگی۔ ان کی سحر کے وقت خشیتہ خداوندی سے فضا میں ایک آواز ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو جو اپنے اطراف اعضا دھوتے ہوں گے (یعنی وضو) اور نصف پنڈلیوں پر اپنی ازار باندھتے ہوں گے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا الخ [1] اس عمل کی محبوبیت کا تو یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ وَدِدْتُ انی اُقتل فی سبیل اللّٰہِ ثُمَّ اُحیٰی ثُمَّ اُقتل ثم اُحییٰ ثم اُقتل ۔ [2]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، اے قوم میری! کیوں ستاتے ہو مجھ کو؟ اور جانتے ہو کہ

تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ

میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس پھر جب وہ پھر گئے، پھیر دیے

[1] تفسیر ابن کثیر [2] رواہ البخاری ومسلم واصحاب سنن۔

اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵

اللہ نے اُن کے دل۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔

شکوۂ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام از ایذا رسانیِ قوم والتجاء بہ بارگاہِ خداوند ذوالجلال والاکرام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ .... الیٰ .... لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالےٰ کی تسبیح و پاکی کے بیان کے ساتھ اس مجرمانہ کردار کی مذمت کی گئی تھی کہ انسان کے قول و عمل میں تضاد ہو اور یہ کہ ایمان کا تقاضا اللہ کی راہ میں جہاد ہے جو اللہ کے بندے ہیں وہ پورے اتحاد اور یک جہتی سے دشمنوں کے مقابلہ میں صف آراء رہتے ہیں۔ اب بنی اسرائیل کی اُس موذیانہ روش کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو انہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کی فرمایا اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم آخر تم لوگ مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور ظاہر ہے اللہ کے رسول کو ستانا نہایت ہی عظیم جرم ہے اور پھر جب کہ یہ علم و یقین بھی ہو کہ یہ اللہ کا رسول ہے اس علم و یقین کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ باز آجاتے مگر شقاوت و بدبختی کی انتہاء تھی کہ نہ باز آئے بلکہ اور کج روی ہی پر تلے رہے تو جب وہ اس درجہ پھر گئے اور راہِ حق سے بھٹک گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اور اللہ راہ نہیں دیتا ہے نافرمان قوم کو اور وہ اپنی نافرمانی اور بدبختی کے باعث ہمیشہ کے لیے راہِ حق سے بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ یقیناً اس طرح کی نافرمانی کہ دلائل و بینات آگئے۔ حق کو پہچان لیا ہو اللہ کے پیغمبر نے معجزات ظاہر کر دیئے ہوں۔ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آنا اللہ کے پیغمبر کے لیے انتہائی ایذا رسانی کا فعل ہے۔ ناصح و خیر خواہ کب تک ایسی روش پر صبر کرے۔ کسی نے بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ کبھی عمالقہ قوم سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو نہایت ہی بے باکی سے موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنگ آکر بارگاہِ خداوندی میں التجاء کرنے لگے رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔

اس واقعہ کو ذکر کر کے حق تعالےٰ شانہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفارِ مکہ کے گستاخانہ رویہ پر صبر کی تلقین فرمائی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ

اور جب کہا عیسٰے مریم کے بیٹے نے، اے بنی اسرائیل! میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ

بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف، سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے

التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ

توریت اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے، اسکا نام

اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

ہے احمد۔ پھر جب آیا اُن کے پاس کھلے نشان لے کر، بولے یہ جادو ہے صریح۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ

اور اس سے بے انصاف کون ہے؟ جو باندھے اللہ پر جھوٹ اور اس کو

يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷

بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے۔ اور اللہ کو پوری کرنی اپنی روشنی، اور

لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

پڑے بُرا مانیں منکر۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ لے کر،

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ

اور سچا دین، کہ اُس کو اُوپر کرے دینوں سے سب سے، اور پڑے بُرا

الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

مانیں شریک والے۔

بشارت حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام بہ بعثتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ...... الیٰ ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شکوہ کا ذکر تھا جو انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں پر کیا اس ضمن میں قوم بنی اسرائیل کی بدبختی و محرومی کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اب یہ مضمون بیان کیا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کی اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد اللہ رب العزت نے اس قوم کے لیے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ پہلے حضرت عیسٰے بن مریم علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور وہ اس لیے مبعوث فرمائے گئے کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائیں اور بنی اسرائیل کو تاکید کریں کہ اس آنے والی ہدایت اور حق کی پوری طرح اتباع و پیروی کریں کیونکہ اب اس کے بعد اللہ نے قیامت تک کے لیے حق و ہدایت کا داعی خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو بنایا ہے اور وہ عنقریب مبعوث ہوں گے ان کی بشارت کے ساتھ عیسٰی بن مریم علیہ السلام نے نبی خاتم الانبیاء کی علامات اور نشانیاں بھی بتائیں اور ان پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا۔ فرمایا اور جب کہا عیسٰی بن مریم نے اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اللہ کی کتاب تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہے۔ اس طرح ان یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ جو تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ میں ان کی تصدیق کرنے والا ہوں جب میں انہی اصول و ہدایات کی دعوت دے رہا ہوں تو پھر یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے ساتھ ہی میں ایک آنے والے پیغمبر کی بشارت سُنا رہا ہوں جن کا نام احمد ہوگا ان پر اے عیسائیو! تم ایمان لانا اگر تم ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو بس تمہارا حال ان یہودیوں جیسا ہوگا جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ اس ہدایت و تاکید اور علامات و نشانیوں سے نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت و رسالت متعین کر دینے کا تقاضا تو یہی تھا کہ عیسائی قوم اپنے ہادی و پیغمبر رُوح اللہ مسیح بن مریم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نبی آخر الزمان محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔ لیکن جب وہ رسول مبشر ان کے پاس آ گئے کھلی نشانیاں لے کر اور واضح معجزات و دلائل کے ساتھ تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ کس قدر بے حیائی اور گستاخی کی کہ اللہ کی ہدایت اور اس کے دلائل و معجزات کو جادو کہا اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ یہ بات اسی حد تک نہیں کہ نافرمانی اور گستاخی ہو بلکہ خود اپنے اوپر بڑا ہی ظلم ہے اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور حال یہ کہ وہ اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ مگر وہ بجائے اس کے کہ حق و ہدایت قبول کرے خدا ہی پر بہتان باندھنے لگتا ہے اور اس کی تکذیب و تردید کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو کہا۔ اور جب ان کو اسلام کی دعوت دی

گئی تو حق اور ان بشارتوں کا انکار کیا جو مسیح ابن مریم نے سنائیں۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ہے ظالم لوگوں کو۔ کس قدر ظلم کیا کہ خود حضرت مسیح کی نبوت و رسالت میں شرک کے عقیدہ کو جزو ایمان بنا لیا بشر کو خدا اور خدا کو بشر قرار دیا جیسا کہ ارشاد ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا جس پر ایمان لانے کا حضرت مسیح نے حکم دیا تھا اسی پر بس نہ کی بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور بجھا دیں اپنے مونھوں سے اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ مشیت الٰہی سے بس یہی طے ہو چکا ہے اس کے خلاف کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی آفتاب کی شعاعوں کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے اللہ کا یہ نور جس سے تمام عالم جہالت و گمراہی کی تاریکی سے نکل کر روشن ہوا وہ نور ہدایت ہے جو حضور اکرم خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کیا گیا تو اسی غرض سے۔ وہی پروردگار ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دین حق دے کر تاکہ اس کو غالب کرے دنیا کے ہر ہر دین پر اگرچہ برا مانیں شرک کرنے والے۔ لیکن اللہ کو کافروں کی ناگواری اور مشرکین کے برا ماننے کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس نے جو ارادہ کر لیا وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ کہ روئے زمین پر کوئی گھر بھی باقی نہ رہے گا خواہ وہ آبادی میں ہو یا جنگل و بیابان میں کوئی خیمہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچا کر رہے گا۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ (بایں طور کہ وہ مشرف ہو جائے) یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ (بایں صورت کہ وہ اگر اسلام نہ لائیں تو ذلت کے ساتھ سرنگوں ہوتے ہوئے جزیہ ادا کرنا قبول کریں۔)

راوی حدیث بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید یہ بات وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ آپ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب فتح ہوا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں۔ مراکش و جزائر۔ افریقہ۔ چین۔ بخارا۔ سمرقند غرض مشرق و مغرب پر اسلام کی حکمرانی اور غلبہ و ظہور کا منظر دنیا نے دیکھ لیا۔ اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں جو وعدۂ الٰہی کا بیان تھا وہ مکمل ہو کر رہا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی اسی کا ذکر بائیبل کی کتاب یسعیاہ کے باب ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اگرچہ عیسائیوں اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں بے شمار تحریفات کیں لیکن آج تک بھی وہ اس پر قادر نہ ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور غلبۂ دین اسلام کی بشارتوں کو نکال سکیں یا ان میں ایسی کوئی تاویل کر لیں کہ ان کا انطباق خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام پر نہ ہو سکے۔

نبی آخر الزّمان محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت پر ایمان لانے کے لیے عیسائیوں کو حضرت مسیح بن مریم علیہ السّلام اور انجیلِ مقدّس کا صریح حکم

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور بعثت ونبوت کا مژدہ تو تمام انبیاءؑ سابقین سناتے رہے اور آپؐ کی علامات ونشانیاں بھی بیان کرتے رہے لیکن جس صراحت اور اہتمام و وضاحت کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السّلام نے آپؐ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی بھی پیغمبر سے منقول نہیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے بعد اور کوئی پیغمبر سوائے نبی آخر الزمانؐ کے مبعوث ہونے والا نہ تھا اور زمانہ بھی آپؐ کی نبوت کا مسیح علیہ السّلام سے قریب تھا تو اس خصوصیت اور قرب زمانہ کے باعث زائد سے زائد وضاحت و اہتمام انجیل مقدس نے فرمایا اور بڑی تاکید اور اصرار کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السّلام کے بعد آنے والے فارقلیط (پیغمبر) پر ایمان لانے اور ان کے احکام کی پیروی کرنے کے لیے فرمایا اور اس نبی مُبَشّر بہ کے دین کی جامعیت و کاملیت اور غلبہ و ظہور کو بخوبی بیان کردیا۔

اگرچہ یہود و نصاریٰ کی غفلتوں کی بدولت تورات وانجیل میں تحریفات اور تغیّر و تبدّل کی کوئی حد باقی نہ رہی اور ان بے شمار تحریفات کے باعث یہ دعویٰ ناممکن ہے کہ آج روئے زمین پر تورات وانجیل کا کوئی صحیح نسخہ باقی ہے اس وجہ سے اگر موجودہ نسخوں میں صریح نام لکھا ہوا نظر نہ آئے تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کے اس صریح اعلان میں جو سورۂ صف کی اس آیت میں مذکور ہے کسی قسم کا تردد کرے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ	اور جب کہا عیسٰے مریمؑ کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا۔ درآں حالیکہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جن کا نام ہے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن کریم کے اس صاف اور صریح اعلان کو تحریف شدہ بائبل میں جھٹلانا قیاس اور عقل کے خلاف ہے لیکن یہ بات خاتم الانبیاء کے معجزات میں سے ہے کہ اہل کتاب کے معاندانہ طریق اور اس جذبہ کے ماتحت ہر طرح کی تحریف و تبدیلی کے بعد بھی بہت سی بشارتیں ایسی باقی رہ گئی ہیں جن میں تقریباً صاف اور صریح طور پر آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کا ہی ذکر ہے اور ان الفاظ کا انطباق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی اور پر

ممکن نہیں جس میں کوئی صاحبِ فہم ذرہ برابر بھی تامّل نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان بشارات کے انجیل یوحنّا میں فارقلیط والی بشارت اس قدر صاف ہے کہ بلاتکلف اس کا مصداق بجز احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

بشارتِ انجیل یوحنّا

حضرت مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے انجیل یوحنّا باب ۱۴ کی یہ مشہور بشارت انجیل یوحنا کے اس عربی نسخہ سے نقل کی ہے جو لندن میں ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۳ء میں طبع ہوا

باب نمبر ۱۴ از آیت نمبر ۱۵: "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ (۱۶) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یعنی رُوح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی) (۲۶) لیکن وہ فارقلیط جو روحِ حق ہے جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں وہ یاد دلائے گا۔ (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پہلے کہا تاکہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ۔ (۳۰) بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔"

اور باب نمبر ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے۔ "جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی سچائی کی روح) تو وہ میری گواہی دے گا۔"

اور باب نمبر ۱۶۔ آیت نمبر ۷ میں ہے: "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لیے میرا جانا ہی فائدہ مند ہو گا کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (مددگار) تمہارے پاس نہ آوے لیکن اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۸) وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا (۹) گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راستبازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم پھر مجھے نہ دیکھو گے۔ (۱۱) اور عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بہت سی باتیں ہیں جن کو تم سے (اب) کہوں پر تم ان کو اب برداشت نہ کر سکو گے۔ (۱۳) لیکن جب وہ روحِ حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں اور میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔"

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جو آپؑ کا حواری یوحنّا نقل کر رہا ہے جو آپؑ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا جب کہ یہود انتہائی بدسلوکی پر اُترے ہوئے تھے اور قتل کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے کہ اے میرے حواریو! تم یہود کی ان سازشوں اور تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ و غمگین نہ ہو۔ عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کسی کی رسائی نہ ہو گی۔ یعنی آسمان

پر چلا جاؤں گا اور ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دی کہ وہ میرے جانے کے بعد آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھ کو نہیں مانا ان کو سزا دے گا (یعنی یہودیوں کو) اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ صف کی آیت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے۔ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

اس بشارت میں لفظ احمد موجود تھا جیسا کہ انجیل برنا باس میں اب بھی موجود ہے لیکن جس وقت انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کے مطابق (کہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے تھے) آنحضرت ؐ کے نام مبارک "احمد" کا ترجمہ بھی پیر کلوطوس سے کر دیا جس کے معنی ہیں بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا جو لفظ احمد کا عربیت کے اعتبار سے مفہوم ہے پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان سے کیا گیا تو پیر کلوطوس کا معرب فارقلیط کر لیا گیا ایک عرصہ تک عربی فارسی اور اردو نسخوں میں بھی فارقلیط کا لفظ لکھا جاتا رہا۔ لیکن محض اس بناء پر کہ یہ بات یقینی طور سے واضح اور متعین ہو چکی تھی کہ فارقلیط "احمد" کا ترجمہ ہے اور اس طرح یہ عبارت وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کی قطعی مراد اور یقینی ترجمہ تھی فارقلیط کے بعد بین القوسین بطور ترجمہ روح القدس لکھا جانے لگا اور مسیحی حضرات لفظ روح القدس کو خطوطِ وحدانی میں لکھتے رہے رفتہ رفتہ ان حضرات نے انجیل کے نسخوں میں سے لفظ فارقلیط کو حذف کر کے اس کی جگہ صرف روح القدس یا کسی نے روح حق یا کسی نے مددگار اور تسلی دینے والا کا لفظ لکھنا شروع کر دیا اور فارقلیط کے لفظ کو اس طرح سے انجیل کے نسخوں سے بالکل نکال ڈالا تاکہ علمائے اسلام کسی طرح اس بشارت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہ کر سکیں۔ لیکن اہل کتاب اور مسیحی حضرات کی کوشش کسی درجہ میں بھی سود مند ثابت نہ ہوئی خواہ کچھ بھی تغیر و تبدل کر لیا لیکن انجیل کی اس بشارت اور اس تعبیر نے بشارت کا مدلول اور مصداق اس طرح متعین کر رکھا ہے کہ مجموعی کلام سوائے آنحضرتؐ کے کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتا۔

اس موقعہ پر مناسب ہے کہ ناظرین کی خدمت میں لفظ "فارقلیط" کی کچھ تحقیق پیش کر دی جائے اس کے بعد باقی تمام آیات اور عبارت کے الفاظ سے آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کا مصداق ہونا ظاہر کیا جائے گا۔

لفظ "فارقلیط" کی تحقیق [1]

[1] آنحضرتؐ کی ذات اقدس پر انجیل یوحنا کی اس بشارت کے انطباق و تفصیل میں والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا یہ کلام ایک مثالی تحقیق ہے جس کو ہم حضرت موصوف رحمہ اللہ کی کتاب بشائر النبیین سے بعینہٖ نقل کر کے قارئین کے سامنے معارف و حقائق کا ایک خزانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (محمد مالک کاندھلوی)

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنوں میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں۔

۱۔ کسی نے کہا فارقلیط کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ مُعَزِّی ہے۔

۲۔ کسی نے کہا اس کے معنی معین و مددگار کے ہیں۔

۳۔ کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں۔

۴۔ کسی نے کہا اس کے معنی وکیل کے ہیں۔

۵۔ کسی نے کہا اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ "ستائندہ" اور عربی ترجمہ حَمّاد اور احمد بصیغہ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے۔

۶۔ اور کسی نے کہا اس کے معنی بڑا سراہا گیا۔ یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمدؐ ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ لفظ احمد صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے کبھی مفعول کے پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد و ثنا کرنے والا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا ستودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

۷۔ اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہِ عوام سے کیا ہے۔

۸۔ اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے۔

۹۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روحِ حق کے ہیں۔

۱۰۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

بہرکیف اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پاراکلی طوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین و مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حمّاد کے قریب قریب ہیں اوّل تو یہ کوئی خاص تفاوت نہیں تلفظ اور رسم الخط کے فرق سے اس قدر فرق واقع ہو جانا ممکن ہے اور اگر اس کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں آپ کا لقب معین اور وکیل بھی ہے تو اس معنی کی صورت میں بھی یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق آتا ہے۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کی بجائے زیادہ تر مددگار اور روحِ حق کا لفظ پایا جاتا ہے مگر باوجود ان تحریفات وتغیرات اور تبدیلات کے پھر مدعا حاصل ہے اس لیے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر علیٰ وجہ الکمال والتمام صادق اور منطبق ہیں۔ فارقلیط کے جو معنی بھی لیے جائیں وہ سب آپ پر صادق ہیں آپ خدا تعالےٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور

روحِ حق اور روحِ صدق اور روحِ راستی بھی ہیں اور امت کے شافع بھی ہیں اور بشیر اور نذیر بھی ہیں اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد وثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپؐ کے اسماء ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین ومددگار اور روح الحق اور کوئی اسم عَلَم ہے جیسے احمدؐ اور محمدؐ اور محمود اور حمّاد اور آپؐ کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن؏ مگر مبالغۃً آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ کی مجسم حمد وثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے کما قال اللہ تعالےٰ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ یہ آیت قرآن مجید کی ہے۔ اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اس ملک میں بے شمار علماء یہود ونصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزارہا علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہوگئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور وغل مچائے خاموش نہ بیٹھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اس وقت کے تمام علماء یہود ونصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماءِ نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے پھر بھی علماء یہود حضرت مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیحؑ کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے کہ تورات میں حضرت مسیحؑ کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے تو اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپؐ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی مسیح بن مریمؑ نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپؐ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف

؏ یعنی تعریف کرنا۔

اور حق پرست تھے جیسے نجاشیؓ شاہ حبشہ اور ضغاطرؓ رومی اور ابن الناطورؓ وغیرہم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماءِ نصاریٰ نے دیدہ دانستہ علماءِ یہود کی طرح صاف طور یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توراتؔ و انجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ غرض علماءِ نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماءِ یہود اور دیگر یہود حضرت مسیحؑ کی بشارتوں سے منکر اور مکذّب ہیں علماءِ نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حواریین پر نازل ہونا مراد ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد جب حواریین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حواریین تھوڑی دیر کے لیے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال سراسر خیال خام ہے۔ یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی ہوگا اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرائیلؑ سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتے سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں بلاشبہ فارقلیط کی آمد سے ایک رسولِ عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔ اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کرلیں کہ فارقلیط کے کیا معنی ہیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس بشارت میں آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کیے گئے جو بہ تمام وکمال سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر صادق اور منطبق ہیں۔

اوّل - یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں وہ نہ آئے گا۔

دوم - یہ کہ میری گواہی دے گا۔

سوم - یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیر وار ٹھہرائے گا۔

چہارم - یہ کہ مجھ پر ایمان نہ لانے والوں کو سزا دے گا۔

پنجم - یہ کہ وہ سچائی کی راہ دکھلائے گا۔

ششم - یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔

ہفتم - یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا۔

ہشتم - یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔

نہم - یہ کہ وہ میری تمام باتوں کو یاد دلائے گا۔

دہم - یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کرسکتے وہ نبی اس وقت تم کو آکر بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں جس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱- آپؐ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے جانے پر اس لیے موقوف تھا کہ آپؐ خاتم الانبیاءؐ ہیں اس لیے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہوسکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو

ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا، شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی مبعوث ہو سکتا ہے۔

۱ پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لیے جب ہی شرط ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو گا۔ کما قال تعالٰے

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیحؑ کے بعد ایک نبی کے کس لیے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا روح کا نزول تو حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

۲۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

وَ مَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ وَ لٰکِنْ شُبِّہَ لَہُمْ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۔

اور انہوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی دی۔ لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔

۳۔ اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا۔

۴۔ اور حضرت مسیحؑ کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا اور کسی کو جلاوطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنونضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی۔ اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا منصب یہ تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے رہے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور آیت دھم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا "اس لیے کہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے" اس پر دلالت

کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین و عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے۔

۵۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق اور راستی کی وہ راہیں دکھائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھیں اور نہ سنیں آپکی شریعت غراء اور ملت بیضاء اس کی شاہد ہیں۔

۶۔ اور واقعات کے متعلق آپؐ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دیں کہ جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی۔

۷۔ اس لیے کہ آپؐ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا کما قال تعالیٰ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

۸۔ اور بایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کی نبوت تمام عالم کے لیے ہوگی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔

۹۔ اور نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کو خوب یاد دلایا اور حضرت مسیحؑ کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط۔	آپؐ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسے امر کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔
وَ قَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَ مَاْوٰىہُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔	اور فرمایا حضرت مسیح بن مریمؑ نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

۱۰۔ آپؐ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت، حشر و نشر، جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام و نشان نہیں اور جو علوم غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی۔ کما قال اللہ تعالیٰ عز و جل۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔

اور قیامت تک کے لیے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق اور دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعتِ محمدیہ سے معلوم ہوسکتا ہے علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علماء امت اور فقہائے ملت کی طرح فتوے دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس صنعت و حرفت اور کاریگری کے علوم و فنون ہیں مگر حکمرانی اور جہانبانی اور عدلِ عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں ہے کہ جس کی رُو سے وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہلِ فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علماء مسیحین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کے ۴۰ یوم بعد حواریین پر ہوا لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ اس لیے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیحؑ کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیحؑ کے ساتھ رہتی تھی۔

۲۔ اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیحؑ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور کفار سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لیے کہ اہلِ دنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے بھی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ نیز حضرت مسیحؑ کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے اس لیے کے حواریین پیشتر ہی سے روح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ "جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ" حضرت مسیحؑ کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لیے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح کہ روح القدس کے نزول سے بالبداہت

پیغمبر کو اپنی نبوّت کا یقین آجاتا ہے پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل آجاتا ہے کہ قوتِ خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

۴۔ نیز اس عبارت کا مصداق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے مغایر ہے جیساکہ سولہویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مدد گار بخشے گا صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ سے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حواریین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جنّ مسلط ہوجاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

۵۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "جو کچھ میں نے تمہیں کہا، یاد دلائے گا" حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں کہ حواری حضرت عیسیٰؑ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے اور روح القدس نے ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہوکر یاد دلائے ہوں۔

۶۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ میرے لیے گواہی دے گا" سو یہ وصف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپؐ ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیحؑ کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیحؑ سے منکر یا بے خبر تھے آپؐ ہی نے حضرت مسیحؑ کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیحؑ کو رسول جانتے تھے ان کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے ہوتی ہے نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپؐ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت ورسالت کی گواہی دی اور اُن کے دعوائے قتل وصلب کی تردید کی اور رفع الی السّماء کو ثابت کیا۔

۷۔ نیز حضرت مسیح علیہ السلام اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں" سو یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

۸۔ نیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اس رُوح نے کون سی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

۹۔ نیز اس بشارت کا تمام سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مدد گار لباس بشری اور پیکرِ انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح بشری لباس میں دعوتِ حق اور لوگوں کی تسلی کے لیے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہوا اور ان میں حلول کرے

بالکل غلط ہے۔

۱۰۔ نیز حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۃً نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیحؑ نے خبر دی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصّل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی معلوم ہوا کہ علماء یہود و نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشیؓ شاہ حبشہ، جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آپؐ کا حال سُن کر ایمان لایا اور کہا بلاشک یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت مسیحؑ نے انجیل میں خبر دی حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف وخطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والانامہ کے جواب میں لکھا۔

سلام علیکم۔ امّا بعد	سلام ہو آپ پر امّا بعد
فَقَدْ قرأت کتابك وَ فهمت	میں نے آپؐ کے والانامہ کو پڑھا اور جو کچھ
مَا ذکرت فِیه و ما تدعوا الیْه	آپ نے اس میں ذکر فرمایا اور جس کی طرف
وَ قَدْ علمت ان نَبِیًّا قد بقیَ	دعوت دی اس کو سمجھا۔ مجھکو خوب اچھی طرح
وقَدْ کنت اظُن انّهٗ	معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے
یخرج بالشام وقد اکرمت	میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور
رسولك۔	میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور اقرار کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے اور جارود بن علاءؓ جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے تو یہ کہا۔

واللّٰه لقد جئت بالحق	خدا کی قسم آپؐ حق لے کر آئے ہیں اور آپؐ
و نطقت بالصدق لقد	نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی
وجدت و صفك فی الانجیل	صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیحؑ بن مریمؑ
و بشّر بك ابن البتول فطول	نے آپؐ کی بشارت دی ہے آپ کے لئے
التحیة لك و الشکر لمن	طویل وعریض تحیۂ تکریم پیش کرتا ہوں اور
اکرمك لا اثر بعد عین وَ	شکر ہے اس کے لیے جو آپ کا اکرام کرے
لاَ شك بعد یقین مُدَّ	ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد

بیدک اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و انک محمد رسول اللہ
شک کی ضرورت نہیں اپنا دست مبارک بڑھایئے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علیٰ ہذا ہرقل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات و انجیل نے آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ کے منتظر تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۔

۱۱۔ اور سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا،" اس کا یہ مطلب نہیں کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ نہ رہا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اسکی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئیگا جو اس کیلئے ناسخ ہو۔

۱۲۔ اور باب چہاردھم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اُسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ اھ

اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

غرض انجیل یوحنا کی یہ آیات اپنے مجموعی مضمون اور تمام الفاظ و کلمات سے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کی بشارت سنا رہی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریین کو نہایت وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تاکہ جب وہ واقع ہو تو ایمان لاؤ۔

اس بنا پر اس شخص پر جو انجیل مقدس کو مانتا ہو اور حضرت مسیحؑ پر ایمان رکھتا ہو۔ لازم ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کے اس فرمان کی تعمیل کرے۔

کیا کسی کا یہ دعویٰ قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ پر ایمان رکھتا ہے اور حال یہ کہ وہ ان کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہی مبشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کردے۔ ایسی صورت میں عقلاً یہ کہا جائے گا یہ شخص خود حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر اور کافر ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی نصاریٰ میں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان قائم رکھے اس کے واسطے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ورنہ اس یہودی کو جو عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے عیسائی سے کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و

رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دے ۔
انجیل برناباؓ میں تو یہ بشارت اس سے بھی زائد وضاحت واہتمام سے آپؐ کے اسم مبارک محمدؐ اور احمدؐ کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے ۔

نصاریٰ کی طرف سے فارقلیط کی عجیب و غریب تفسیر

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جن آنے والے فارقلیط کی خبر دی ہے اس سے روح القدس (جبرئیل امینؑ) کا نازل ہونا مراد ہے ۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے چند حواریوں پر نازل ہوئے جبکہ وہ ایک مکان میں جمع تھے جس کی وجہ سے وہ حواری مختلف قسم کی زبانیں بولنے لگے اور یہ کہتے ہیں کہ روح القدس کسی خاص شکل وصورت میں نہیں آئے بلکہ ان کا یہ باطنی طور پر تصرف تھا جس کی وجہ سے یہ تغیر ہوا اور ان مختلف اقسام زبانوں میں وہ لوگ بولنے لگے ۔

سابق تفصیل سے یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام الفاظ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی دنیا میں ممکن نہیں ہے وہ تمام اوصاف اور احوال جو بشارت انجیل میں پوری پوری وضاحت سے ذکر کیے گئے ہیں ان کے پیش نظر جبرئیلؑ کو اس کا مصداق ٹھہرانا ایک بالکل ہی بے معنی بات ہے جو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتی ۔ کیا یہ بات کہ وہ حواری محض کچھ قسم کی زبانوں میں بولنے لگے جو سمجھی بھی نہ جاتی تھیں عقلاً اس عظیم الشان بشارت کا مصداق بن سکتی ہے اور کیا عقل سلیم اس امر کو باور کر سکتی ہے ۔ محض اتنی سی بات کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے روبرو یہ نصیحت وتسلی آمیز مژدہ سُنا رہے ہیں کہ مختلف ناقابل فہم زبانوں میں کچھ بولنے لگیں تو بس یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سَدّو یا کوئی جنّ سوار ہو جائے اور وہ بولتا ہو اور پھر عجیب تر بات یہ کہ خود عیسائیوں کو یہ تسلیم ہے کہ یہ حالت ان حواریوں کی صرف تھوڑی دیر تک رہی تو کیا جو حالت چند لمحوں کے لیے رہی ہے وہ ایسا فارقلیط ہو سکتا ہے جو ابد تک ساتھ رہے ۔

ؓ برناباؓ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری ہیں جس طرح ان کے حواری یوحنا ، متی ، لوقا اور مرقس اپنی اپنی انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام اور ان کے احوال نقل کرتے ہیں ۔ اسی طرح برناباؓ نے بھی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو جمع کیا ہے عیسائیوں کا اس انجیل کے الہامی ہونے سے انکار کرنا ایک بے معنی چیز ہے اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ملتا ہے ۔ ۱۲

انجیل برنابا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ بشارت

پادری سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برنابا سے نقل کیا ہے اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا گیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ "اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالےٰ اس کی جزاء دیتے ہیں اس لیے کہ حق تعالےٰ گناہ سے راضی نہیں میری امت اور میرے شاگردوں نے جب دنیا کے لیے گناہ کیا تو اللہ تعالےٰ ناراض ہو گئے اور باقتضاء عدل وانصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بناء پر سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو اور میں اگرچہ اس عقیدۂ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالےٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا اور اس کی مشیت اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ یہودا کی وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کر رہا ہے کہ میں سولی دے دیا گیا لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک رہے گا پس جب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مؤمن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا۔"

(ترجمہ بلفظہا ختم ہوا)

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رَدّ کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رَد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے (دوسری بشارت) فاضل حیدر علی قریشی نے اپنی کتاب "خلاصہ سیف المسلمین" میں جو اُردو زبان میں ہے لکھا ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا اس میں صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے " اللہ کی تسبیح پڑھو اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہو گا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہو گا " انتہیٰ۔ اور یہ ترجمہ آرمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

ان کے علاوہ انجیل مقدس کی اور بھی بشارتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کا مژدہ و خوشخبری ہیں[ع]

[ع] ملاحظہ فرمائیں بشائر النبیین مصنفہ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ ۱۲۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ

اے ایمان والو! میں

اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

بتاؤں تم کو ایک سوداگری کہ بچا دے تم کو ایک دُکھ کی مار سے۔ ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ

اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے

وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ

اور جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے وہ

لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تمہارے گناہ، اور داخل کرے تم کو باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

اور ستھرے گھروں میں، بسنے کے باغوں میں۔ یہ ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ

مراد ملنی۔ اور ایک اور چیز دے جسکو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے، اور فتح

قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا

شتاب۔ اور خوشی سنا ایمان والوں کو۔ اے ایمان والو! تم ہو

اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ

مددگار اللہ کے، جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے یاروں کو، کون ہے

اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں؟ بولے یار، ہم ہیں مددگار اللہ کے،

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ

پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں ، اور منکر ہوا ایک فرقہ۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ (۱۴)

پھر زور دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے ان کے دشمنوں پر، پھر ہو رہے غالب۔

دعوتِ اہلِ ایمان برائے تجارتِ رابحہ و ترغیب برحصولِ فلاح وسعادتِ دنیا و آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا .... الیٰ .... فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ

(ربط) گزشتہ آیات کا حاصل مضمون یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی آخر الزمان ؐ کی بعثت سے دنیا کی ہدایت کا ارادہ فرمایا تاکہ انسان حق و ہدایت کے ذریعہ دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکیں۔ اور اسی بشارت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح بن مریم ؑ کو مبعوث فرمایا۔ لیکن ان کی بدنصیب قوم نے ان کی بات کو ٹھکرایا حق سے منہ موڑا اور جو کچھ نبی آخر الزمان ؐ کی نشانیاں تھیں ان میں تحریف کی اب ان آیات میں اہلِ ایمان کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جس تجارت رابحہ کو اہلِ کتاب نے چھوڑا اور اس سے محروم ہوئے اے ایمان والو! اب تم اس کامیاب تجارت کی طرف رُخ کر لو جس سے دنیا کی عافیت اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ فرمایا۔

اے ایمان والو! کیا میں راہنمائی کروں تم کو ایک ایسی تجارت کی طرف جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچا دے وہ تجارت یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بس یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم جان لو اس حقیقت کو اور اس تجارت کی عظمت و اہمیت اور نافعیت کو، اس تجارت سے حاصل ہونے والے عظیم تر فوائد یہ ہیں کہ بخش دے گا تمہارا پروردگار تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور نہایت ہی صاف ستھرے پاکیزہ مکانات ہوں گے آباد ہونے کے باغوں میں جن میں اہلِ ایمان ٹھہریں اور ان ہی میں بسیں گے یہی ہے سب سے بڑی کامیابی اور ایک دوسری چیز بھی وہ پروردگار تمہیں دے گا جس کو تم چاہتے ہو وہ اللہ کی طرف سے مدد اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح۔ اگرچہ اصل کامیابی اور عظیم انعام تو آخرت ہی کی کامیابی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی کوئی حقیقت نہیں لیکن ایک اور نعمت بھی اللہ تم کو جلد عطا کرنے والا ہے جس کو اے اہلِ ایمان! تم طبعًا چاہتے ہو اور وہ تمہیں محبوب ہے وہ ہے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ۔ اور اے ہمارے پیغمبر اس کی خوشخبری سُنا دو ایمان والوں کو تاکہ وہ موجودہ تکالیف خندہ پیشانی

سے برداشت کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں پورے ایمانی جذبات سے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کریں یہی جہاد ان کی کامیاب اور نفع بخش تجارت ہے جو دنیا و آخرت میں کام آئے گی اس کے واسطے مسلمانوں کو متحد ہو جانے کی ضرورت ہے لہٰذا اے ایمان والو ہو جاؤ تم اللہ کے مددگار اس کے دین اور پیغمبر کی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑ دو تم سمجھو کہ یہ ایک مطالبہ ہے اور تمہارے پیغمبر کی دعوت ہے جس کی طرف تم کو بلایا جارہا ہے اس پر تمہیں لَبَّیْكَ کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے جیسا کہ عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنے حواریوں کو دوستوں اور مددگاروں کو پکارتے ہوئے کہا کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں تو ان کے مخلص دوستوں نے کہا ہم ہیں مددگار اللہ کے اس کے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے پیغمبر کی اعانت کے لیے۔ اس وعدۂ حمایت و نصرت پر چاہیئے تو یہ تھا سب حواری قائم رہتے لیکن پھر ایسا ہوا ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا اس پر قائم رہا اور ایمان و اخلاص سے اس وعدہ کو پورا کرنے لگا اور دوسرے ایک گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے قوت دی ایمان لانے والوں کو اور عہد پر قائم رہنے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں چنانچہ وہ ایمان لانے والے غالب آئے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اور اللہ کا یہی قانون اور دستور ہے کہ وہ اپنے پیغمبر اور اس کے اعوان و انصار اور دین کے مددگاروں کو دین کے دشمنوں میں غالب و کامیاب کرے۔

استاذِ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔

"حواریین (یارانِ مسیحؑ) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے انہوں نے حضرت مسیحؑ کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر بڑی قربانیاں دے کر دیار و امصار میں پھیلا دیا"

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کیں تب ان کا دین نشر ہوا ہمارے حضرتؐ کے پیچھے ان کے خلفاء نے اس سے زیادہ کیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ اور اتنا کیا کہ تاریخ عالم اس پر حیران ہے۔ ان کی مدد۔ ان کا اخلاص اور اللہ کی راہ میں قربانیاں تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتیں"

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے صرف چند نام ہی ملتے ہیں اور ان کی قربانیوں یا اخلاص و ہمدردی کا کوئی خاص کارنامہ بھی دنیا نے نہیں دیکھا بلکہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد ان کے متبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ایک ایمان پر قائم رہا اور دوسرے نے انکار کر دیا اور جو ایمان پر قائم رہے وہ بھی آپس میں دست و گریباں ہوتے رہے۔ حضرت مسیحؑ کے مخلص نام لیوا نصاریٰ یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ کی عام گمراہی کے بعد بچے کھچے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت و سلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔

(تفسیر فوائد عثمانی)

حواریین مسیحؑ کے بالمقابل حواریین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار اللہ کی عظمت و منقبت

حضرت مسیح بن مریمؑ کے حواریوں کا ذکر آیت کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ میں فرمایا گیا لیکن حق تعالیٰ شانہ نے جو عظمت و برتری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین یعنی انصار اسلام کو عطا فرمائی اس کے سامنے مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی کوئی حقیقت نہیں جس طرح کہ ذرّہ کو آفتاب سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی اور اس تفاوت کو تاریخ نے خود ثابت کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۴۲ میں فرماتے ہیں "اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا سو یہ بات علیٰ وجہ الاکمل والاتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی گئی اس کی تکمیل آپؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور مسعود میں ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے جہاد کیے اور فتوحات حاصل کیں یہی صورت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کے ساتھ ہوئی کہ انہیں بھی غلبہ بعد میں ہی حاصل ہوا"۔

قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی یہ واقعہ بھی ہوا۔ مدینہ کے ستر اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی نصرت و اعانت کا عہد کیا چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور اللہ کے پیغمبر کی جان و مال سے مدد کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کیا اور یہ گروہ انصار کے نام سے پکارا گیا۔ دنیا میں ان کے سوا کسی قبیلہ اور گروہ کا نام آسمان سے انصار تجویز ہو کر نہیں اترا سوائے ان حضرات انصار کے۔

سیرت کی روایات میں ہے کہ اس بیعت عقبہ کے موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور آپؐ کی اطاعت و نصرت کریں تو ہمیں کیا ملے گا فرمایا دنیا میں فتح و ظفر اور آخرت میں جنت۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کر دکھایا اور بے شک اللہ نے ان کو اس کی یہی جزا دی۔

الغرض خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری یہ لوگ تھے اور کل قریش تھے بالخصوص عشرہ مبشرہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔ حواریین رسول انصار و مہاجرین کے سرخیل مقتدیٰ و پیشوا

تھے۔ جن کی مساعی نے ایک تاریخ بن کر اللہ رب العزت کے اس وعدہ غلبۂ اسلام کو پیش کر کے دنیا کو دکھا دیا۔ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ

کفر کی تمام طاغوتی طاقتیں اللہ کا نور نہ بجھا سکیں

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ۔

یہ مضمون سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے جو یہاں بھی قدرے تغیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ مسیحیت کا ابطال کرتے ہوئے یہاں یہ ظاہر کیا گیا کہ نصاریٰ نے خصوصاً اور دیگر مذاہب نے عموماً حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات میں جو لغو اور خلافِ عقل عقائد اختیار کیے ہیں اور دین حق کی عداوت پر کمربستہ ہیں ان کی ایسی بیہودہ باتوں سے قہر وغضب خداوندی جوش میں آگیا ہے۔ اور بارگاہ رب العزت سے یہ طے ہو چکا کہ ان فرقوں کو سرنگوں اور درہم برہم کر دیا جائے گا اور اس کی صورت بارگاہ خداوندی اور ملاءِ غیب سے اس طرح تجویز ہوئی ہے کہ ایک رسول کو جو خاتم الانبیاء ہو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا جائے تا کہ وہ دین حق تمام ادیان پر غالب آنے کا ذریعہ بنے اور غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ تمام ادیان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے اُن کے عقائد باطلہ اور اوہام کی جڑیں کھُد جائیں اور ان کے حمایتی درہم برہم ہو جائیں اور کوئی شخص اس دین کی طرف۔ (دلائل کی روشنی میں) دعوت دینے والا باقی نہ رہے اور ان ادیان کو جو دنیاوی اور مادی شوکت و عزت حاصل ہے اس کا خاتمہ ہو جائے۔

آپؐ کی بعثت کے وقت دنیا دو عظیم طاقتوں میں منقسم تھی ایک کسریٰ اور دوسری قیصر اور یہ دونوں بادشاہ دوسرے مذاہب پر غالب تھے اور یہ اپنے اپنے مذہب کے حامی اور عظیم داعی تھے ان کی حکومت و بادشاہت اپنے مذاہب کی ترویج و اشاعت کا باعث بنی ہوئی تھی۔

روم۔ فارس۔ جرمن۔ افریقہ۔ شام۔ مصر اور بعض بلادِ مغرب وحبش قیصر کی موافقت میں نصرانیت پر تھے فارس۔ خراسان۔ توران اور ترکستان وغیرہ کسریٰ کی تبعیت میں مجوسیت کو اختیار کیے ہوئے تھے ان کے علاوہ باقی مذاہب جیسے مذہب یہود۔ ہنود۔ مشرکین اور صابئین کی ان دو مذہبوں کے مقابلہ میں کوئی قوت و شوکت نہ تھی بلکہ ان کے معتقد درہم برہم ہو چکے تھے۔

بارگاہِ خداوندی سے جب مذاہب باطلہ کو مغلوب کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا ارادہ ہوا تو سرزمین حجاز میں ایک نبی پیدا فرمایا۔ کیونکہ سرزمین حجاز نہ تو کسریٰ کے تصرف میں تھی اور نہ ہی قیصر کے تصرف میں۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے اس سرزمین کو دین حق کی بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا تا کہ اس علاقہ سے ظاہر ہونے والا

دین کسی سابق بادشاہت اور مادی طاقت سے مغلوب و مرعوب نہ ہو اور اسی سرزمین سے حق کی بادشاہت ہو کر دنیا کی دو عظیم طاقتوں قیصر و کسریٰ کو نشانہ بنایا جائے اور جب یہ دو سلطنتیں پامال ہو جائیں گی دوسرے باطل مذاہب خود بخود پامال ہو جائیں گے۔

بعثت نبوی کا یہی مقصد تھا۔ اللہ رب العزت نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے دین حق کی بنیادیں مضبوط کیں اور جزیرۂ عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب نہ رہا قصر ہدایت کی بنیادیں مضبوط اور مکمل ہوگئیں اور کچھ عمارت بھی بن گئی کہ اسی حالت میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے لحوق و اتصال کی دعوت آپہنچی اور اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ فرماتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے تو پھر اس دین حق کے غلبہ کی تکمیل آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں پر ہوئی تاکہ جو ارادۂ الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ضمن میں لپٹا ہوا تھا وہ آپ کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہو۔ سو الحمد للہ خلفائے راشدینؓ کے ہاتھوں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں درہم برہم ہوئیں۔ اور عیسائیت و مجوسیت مغلوب ہو کر مقہور ہوئی اور اس طرح دین حق ظاہر و غالب اور روشن ہوا۔ و للہ الحمد حمدًا کثیرًا۔ تم بحمد للہ تفسیر سورۃ الصف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورَةُ الجُمُعَةِ

آیاتھا ۱۱ — ۶۲ = سُورَةُ الجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ = ۱۱۰ — فیھا رکوعان

سورۂ جمعہ مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں، بادشاہ

الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي

پاک ذات زبردست حکمت والا ۔ وہی ہے جس نے اٹھایا

الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھتا ان پاس اس کی آیتیں، اور ان کو سنوارتا،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور سکھاتا کتاب اور عقلمندی - اور ان سے پہلے تھے وہ

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ

صریح بھلاوے میں - اور ایک اوروں کے واسطے انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں.

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

اور وہی ہے زبردست حکمت والا - یہ بڑائی اللہ کی ہے، دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ

جس کو چاہے - اور اللہ کا فضل بڑا ہے - کہاوت

الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

ان کی جن پر لادی توراۃ، پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے کہاوت گدھے کی.

يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں - بُری کہاوت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

اللہ کی باتیں - اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو -

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ

تو کہہ اے یہود ہونے والو! اگر تم دعوے کرتے ہو کہ تم دوست ہو

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ کے سب لوگوں کے سوا، تو مناؤ مرنے کو، اگر تم

صٰدِقِيۡنَ ۞ وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ

سچے ہو ۔ اور کبھی نہ مناویں گے مرنا، جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں

اَيۡدِيۡهِمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ‏ ۞ قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ

ان کے ہاتھ ۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں گنہگار ۔ تو کہہ موت وہ ہے

الَّذِىۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيۡكُمۡ‌ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ

جس سے تم بھاگتے ہو، سو وہ تم سے ملنی ہے پھر پھیرے جاؤ گے

اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ

اُس چھپا اور کھلا جاننے والے پاس، پھر جتادے گا تم کو

تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ع

جو کرتے تھے ۔

تکمیل بشارت عیسٰی بن مریمؑ بہ بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وتنبیہ بر شقاوت اہل کتاب بوجہ انحراف از ایمان و اتباع نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ .... الیٰ .... بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ

(ربط) گزشتہ سورت میں خاص طور پر حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان کیا گیا تھا آنے والے پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کی بشارت سنانا تھا اور بنی اسرائیل کو اس بات پر مامور کرنا تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمانؐ مبعوث ہوں تو ان پر وہ لوگ ایمان لائیں تو اب اس سورت میں اللہ کی پاکی اور حمد و ثناء بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے۔

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے کہ وہی ہے بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا جس کی پاکی و عظمت اور بادشاہت پر کائنات کی ہر چیز گواہ ہے وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا جو سُناتا ہے ان کو اپنے پروردگار کی آیتیں

اور ان کو پاک کرتا ہے ہر عیب و گندگی سے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و حکمت اگرچہ یہ اہل عرب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

وہ قوم جس میں نہ کوئی علم و ہنر تھا اور نہ ان میں کوئی آسمانی کتاب تھی معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت ہی کم لوگ جانتے تھے جن کی وحشت و جہالت تاریخ میں ضرب المثل تھی۔ بت پرستی عام تھی۔ مخلوق کا اپنے خالق سے کوئی رشتہ اور رابطہ باقی نہ رہا تھا۔ ایسی حالت میں اللہ رب العزت کا ایسی قوم میں اپنا ایک رسول مبعوث فرما دینا جو ان کو اللہ کی آیات سنائے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ ایسی دانائی کی باتیں بتلائے۔ جن پر دنیا کے حکماء حیران ہوں وہ علوم و معارف سکھائے کہ دنیا کے ارباب حکمت اور اصحاب معرفت کی اس کے سامنے کوئی حقیقت باقی نہ رہے بلا شبہ پروردگار عالم کا بڑا ہی عظیم انعام ہے اور اس پروردگار نے اس رسول کو بھیجا ہے۔ کچھ اور دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی تک ان کے ساتھ ملے نہیں کہ وہ بھی اہل عرب کی طرح اُمّی (اَن پڑھ) ہیں اس لحاظ سے کہ وہ بھی ان کی طرح مبداء و معاد سے بے خبر ہیں نہ ان کو آسمانی شریعت کا کوئی علم ہے۔ یہ فارس و روم چین اور ہندوستان کی قومیں جو بعد میں امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہوکر انہی میں سے ہو گئے اور اس وقت جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا اہل عرب کے ساتھ یہ ملے نہیں تھے۔ اور نہ فتوحات اسلام کا دائرہ ان تک وسیع ہوا تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ۔ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اگر علم دین ثریا پر بھی پہنچے تو اس کی قوم فارس کا ایک مرد وہاں سے بھی دین لے آئے گا شیخ جلال الدین سیوطیؒ اور ائمہ حدیث و تفسیر نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے اعلیٰ اور اکمل مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام بخاریؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں تخریج کی ہے فرمایا۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی (آپؐ نے جب یہ سورت تلاوت کی اور اس میں یہ پڑھا " وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ "، تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ جب تین مرتبہ سوال کیا جا چکا اور اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ موجود تھے تو آپؐ نے اپنا دست مبارک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھا اور پھر یہ فرمایا۔ لو کان الایمان عند الثریا لنالہٗ رجال" او رجل من ھؤلاء کہ اگر ایمان ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ان کی نسل کے لوگ یا یہ فرمایا ان کی نسل کا کوئی شخص ایمان لا کر وہاں سے بھی لے آئے گا۔ بے شک یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہے عطا کر دے اور اللہ بڑا ہی عظیم فضل والا ہے۔ اسی نے اپنے رسول آخر الزمان ؐ کو یہ بڑائی عطا فرمائی کہ خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور ان کو ایسی حکمت سے نوازا کہ دنیا کے حکماء ان اسرار و حکم کے سامنے حیران ہیں اور علم و ہدایت کا وہ نور روشن ہوا کہ دنیا سے شرک و گمراہی کی تاریکی دور کر دی اس لیے دنیا کو چاہیئے کہ اس انعام و اکرام کو پہچانے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و ہدایات سے مستفید ہو علوم و ہدایات سے مستفیض

ہونا انسانی کمال ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی قوم کے پاس سامان اور ذخیرۂ علم و ہدایت تو موجود ہو لیکن وہ اس سے استفادہ نہ کرے جیسے یہود تو ان کو بس اس طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ مثال ان لوگوں کی جن پر تورات لادی گئی لیکن پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا تو ایک گدھے کی طرح ہے جو بیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے چل رہا ہو۔ جس کو ظاہر ہے کہ کوئی احساس نہیں کہ اس پر بوجھ کس چیز کا ہے یہ علوم و حکمت کے گرانقدر ذخائر ہیں اور اسفار ہیں یا اینٹ پتھر ہیں۔ بالکل یہود نے یہی صورت کی ان پر تورات کا بوجھ رکھا گیا۔ اس کے ذمے دار بنائے گئے مگر انہوں نے ان علوم و ہدایات کی کوئی پرواہ نہ کی نہ اس کو دل میں کوئی جگہ دی نہ اس کو پڑھا نہ اس پر عمل کیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان علوم و ہدایات کے ذخیروں اور آسمانی صحیفوں کا ان پر بوجھ یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہ کتابوں کا انبار کسی گدھے پر لدا ہوا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانشمند

چار پائے برو کتابے چند

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔

"ایک گدھے پر پچاس کتابیں علم و حکمت کی لاد دو۔ اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف و سنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بہت بڑا عالم اور معزز ہوں تو اور زیادہ گدھاپن ہے۔"

اس مثال سے یہود کی اخلاقی اور عملی بیہودگی ظاہر فرمانے کے بعد فرمایا۔

بہت ہی بُری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور جو بشارتیں و نشانیاں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب سماویہ میں تھیں ان کا انکار کیا اور تحریفات سے ان تمام حقائق کو مسخ کیا جو اللہ نے ان کو عطا کئے تھے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے ایسے ناانصاف ظالم لوگوں کو اس لیے اب یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایسے بدبخت راہ حق پر آسکیں گے۔ شقاوت و بدبختی کی یہ انتہا ہے کہ یہودی ایک طرف اللہ اور اس کے احکام کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کررہے ہیں۔ انکار آیات۔ تحریف کتاب۔ اپنے رسول کی نافرمانی ان کا طرز زندگی بنا ہوا ہو۔ اسی کے ساتھ دوسری طرف دعویٰ ہو خدا کی محبت کا اور اس کے محبوب بندے ہونے کا تو اس پر حق تعالے اپنے پیغمبر کو خطاب فرمارہے ہیں۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر۔ اے لوگو! جو یہودی ہوگئے ہو اگر تم کو دعوے ہے کہ تم اللہ کے محبوب اور اس کے دوست ہو دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو تمنا کرو تم موت کی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اس لیے کہ اللہ کی ملاقات کا ذریعہ تو بس یہی ہے کہ انسان دنیا سے گذر جائے تو ایسی صورت میں کہ کسی کو خدا سے محبت ہو وہ یقیناً خدا سے ملاقات کا مشتاق ہوگا اور جب اس شوق کی تکمیل حیات دنیوی کا رشتہ منقطع ہونے کی صورت میں ہے تو لامحالہ یہ بھی محبوب ہوگی لیکن یہ لوگ قطعاً

جھوٹے ہیں اور ہرگز کبھی بھی یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور وہ ظالم اپنے ظلم کی سزا سے کبھی نہیں بچ سکتے۔

بلا شبہ جن لوگوں کو اللہ سے محبت تھی انہوں نے موت کی تمنا کر کے دکھائی بلکہ موت کی طرف بڑھے اور جس طرح کسی مرغوب و محبوب شئے کی طرف انسان دوڑتا ہو وہ دوڑے۔ کسی کی زبان سے غیر اختیاری طور پر یہ الفاظ جاری ہوئے واھا انی لاجد ریح الجنۃ دون احد۔ سبحان اللہ مجھے تو احد پہاڑ کے اس طرف جنت کی خوشبو آرہی ہے۔

یہ ہستیاں نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ورفقا تھے کسی کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے غدًا نلقی الاحبۃ محمدًا و حزبہ۔ یا حبذا الجنۃ و اقترابھا ٭ طیبۃ و بارد شرابھا۔ ان اولیاء اللہ کے یہ کلمات کسی دنیوی سختی اور تکلیف سے گھبرا کر نہیں بلکہ خالص اللہ کی ملاقات اور جنت کے اشتیاق میں تھے اور اسی کے لیے موت کی تمنا تھی۔ ان کی زندگی اور زندگی کے جملہ احوال اس بات کے گواہ تھے کہ موت سے زیادہ ان کو دنیا کی کوئی چیز لذیذ اور مرغوب نہیں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان انی لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیٰ ثم اقتل اسی جذبہ کا پیکر تھا اس کے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال و حرکات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ ان سے زیادہ کوئی شخص دنیا کی زندگی کا حریص اور موت سے ڈرنے والا نہیں ہے مگر زندگی کی حرص اور موت کے ڈر سے کیا انسان موت سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو کہہ دیجئے اے یہودیو! بے شک وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تم سے ملاقات کرے گی اور پھر لوٹائے جاؤ گے ایسے رب کی طرف جو ہر چھپے ہوئے اور ظاہر کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو خوب جتلا دے گا وہ کام جو تم کیا کرتے تھے اور اس کا امکان نہ رہے گا کہ تم اس سے انکار یا اس میں حجت بازی کر سکو۔

ائمہ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ان یہودیوں کے کاذب ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس اعلان کے بعد اگر ان میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو ضرور وہ موت کی تمنا کر کے دکھاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ابن عباسؓ بیان کرتے تھے کہ (مکی زندگی کے زمانہ میں) ابو جہل نے (ایک دفعہ) کہا تھا اگر اب میں محمدؐ کو دیکھوں کہ وہ کعبہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو (العیاذ باللہ) میں ان کی گردن روند ڈالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرتا تو (خدا کی قسم) فرشتے اس کو اچک لیتے اور ٹکڑے کر ڈالتے۔ اور اگر یہود (اس اعلانِ خداوندی کو سن کر) موت کی تمنا کر بیٹھتے تو اسی وقت سب کے سب لقمۂ اجل بن جاتے اور جہنم میں ان کے جو ٹھکانے ہیں وہ دیکھ لیتے اور فرمایا اگر وہ نصاریٰ جن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر مباہلہ کے لیے نکل آتے تو ان کے اہل و عیال اور مال و متاع کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا۔ (رواہ البخاری والترمذی والنسائی۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ "جمعہ کی فضیلت کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے فیہ ولد آدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ ھبط الی الارض۔ اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کون سی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھئے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نکلتا کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی وہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بہت لوگ کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خود آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ۔ بھائی بیٹے بیوی سبھی ہوتے ان سب سے علیحدہ کر کے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ ہو جاتی۔ اس لیے اللہ میاں نے حضرت آدمؑ کو وہاں سے زمین پر اتارا تاکہ یہ اولاد زمین پر پیدا ہو۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے بچا لیا۔ باقی حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لیے بہت بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جائے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جائے تو اس وقت آدمؑ کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا مثلاً "تَوَّاب"، کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی۔ اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالیٰ کو حضرت آدمؑ کی تکمیل عرفان مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی بلکہ تکمیل تھی۔ اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہو الحمد للہ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہو یرحمک اللہ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی اور اس کمال معرفت کی صحت سے حضورؐ کو جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے چونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضورؐ کو علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ (النور ص ۲۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی

مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

دن جمعہ کے، تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو

الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا

بیچنا - یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے ۔ پھر جب

قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا

تمام ہو چکے نماز، تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

فضل اللہ کا، اور یاد کرو اللہ کو بہت سا، شاید

تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨ انْفَضُّوْٓا

تمہارا بھلا ہو ۔ اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا، کھنڈ جاویں

اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاویں کھڑا ۔ تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر

اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ع

تماشے سے اور سودے سے ۔ اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا ۔

ترغیب اہل ایمان برائے اقامۃ جمعہ و تاکید سعی الی ذکر اللہ و ترک بیع و شراء بر اذان

قال اللہ تعالیٰ - يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

(ربط) ماقبل آیات میں یہود پر تین طرح زجر و توبیخ کی گئی تھی۔ اوّل جب انہوں نے اپنے علم وفضل پر فخر کیا عرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم جاہل کہا تو اس کے بالمقابل یہ ثابت کیا گیا کہ خود یہ لوگ گدھے ہیں اور جس علم وفضل پر یہ اترا رہے ہیں اس کا بوجھ ان پر صرف بالکل ایسا ہی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا انبار لدا ہوا ہو۔ جبکہ انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس وجہ سے ہم خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہیں بلکہ اس کے دوست اور محبوب ہیں اور یہ کہ دار آخرت کی ساری نعمتیں بس ہمارے واسطے مخصوص ہیں۔ تو ان کے اس لغو اور خلاف حقیقت دعوے کا رد اس طرح کیا گیا کہ اچھا اگر تم اللہ کے دوست ہو اور آخرت کی نعمتیں بس تمہارے ہی واسطے مخصوص ہیں تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر سچے ہو گے تو بلا جھجک موت کی تمنا کرو گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ تیسری بات یہ تھی کہ وہ فخر کرتے تھے کہ ہمارے دین میں یوم السبت (ہفتہ کا دن) ہے۔ جس کی تعظیم و حرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑی برکات ہیں مسلمانوں کے پاس یہ نعمت نہیں تو اس تفاخر کے مقابلہ میں یوم جمعہ کی فضیلت اور اس کی عظمت و اہمیت کے لیے یہ آیات و احکام نازل فرمائے گئے اور یہ بتایا کہ جمعہ کا دن اہل کتاب کے سنیچر اور اتوار کے دن سے زیادہ عظمت و برکت والا ہے۔ تو ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم اس بات کو سمجھو! کیونکہ دنیوی منافع کی آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں تو اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور پھر اس کے بعد عملاً اس امر کی ضرورت ہے کہ ادنیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ کو اختیار کرے۔ پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو پھیل پڑو زمین میں اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہوئے اور اس کے واسطے چلو پھرو۔ اور تلاش کرو اللہ کا فضل اور اس کا رزق اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے امید ہے تم کامیاب ہو گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے برعکس اگر دنیا کی محبت اور کاروبار کی منفعت کی امید میں تم اللہ کے ذکر اور جمعہ کے خطبہ و حاضری کو چھوڑو گے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں دنیا و آخرت کا خسارا ہے۔ ابتداءً جن افراد سے اس طرح کی چوک اور غلطی ہوئی کہ۔ اور جب انہوں نے دیکھا تجارت کو کہ ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا ہے یا کچھ تماشا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو چھوڑ دیا کھڑا ہوا خطبہ کی حالت میں اس وقت میں غلہ کی کمی تھی اور یہ حکم معلوم نہ تھا یا نازل نہیں ہوا تھا کہ خطبہ سننا لازم ہے لوگ نقارہ کی آواز سنکر دوڑ پڑے اور آپ کو خطبہ کی حالت میں کھڑا چھوڑ گئے۔ تو یہ ایک قسم کی چوک اور غلطی تھی تو آپ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور تجارت سے اور اللہ تو بہت ہی بہتر ہے روزی دینے والا۔ جب رزق اسی کے ہاتھ میں ہے تو تلاش رزق کے ظاہری اسباب میں اس طرح مشغول ہو جانا کہ خدا سے اور اس کی یاد سے اور اس کی عبادت و بندگی سے انسان غافل ہو جائے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی وقت باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ پہنچا اس زمانہ کے دستور کے مطابق بازار کے لوگوں نے نقارہ بجا دیا اس زمانہ میں اتفاق یہ کہ

شہر میں غلہ کی کمی تھی اور خطبہ کے احکام بھی معلوم نہ تھے یہ خیال کیا کہ جیسے کسی وعظ و نصیحت کے دوران کسی ضرورت سے اُٹھ کر چلے جانے کی گنجائش ہے اسی طرح اس وقت بھی ہم کو اس کی گنجائش ہو گی بعض اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں خطبہ بعد نماز کے ہوتا تھا جیسے کہ عیدین کا خطبہ تو اکثر لوگ مسجد سے باہر نکل گئے اور صرف چند لوگ رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے خطبہ دیتے رہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ آدمی رہ گئے جن میں خلفائے راشدین تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس امر کی طرف راہنمائی فرمائی گئی کہ انسان اسبابِ رزق میں یا کھیل تماشا میں ایسا منہمک نہ ہو کہ خدا کو بھلا دے اس کو سمجھنا چاہیئے کہ اصل رزق کے خزانے تو اللہ کے قبضے میں ہیں اسی کی رضاء سے سب کچھ ملتا ہے اس لیے قحط یا عارضی مشقت کے خیال سے ایسی غفلت اور غلطی نہ اختیار کرنی چاہیئے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ بالفرض اگر اس وقت دکانیں بند کرنے اور تجارتی لین دین روک دینے سے کچھ نقصان ہو رہا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کے بالمقابل اللہ کے یہاں کی جو نعمتیں حاصل ہونگی وہ اس عارضی اور قلیل و حقیر منفعت سے بہت زائد اور بڑھ کر ہے۔

اسی چیز کے باعث اللہ ربّ العزت نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کی تعریف فرمائی جن کو تجارتی کاروبار اللہ کی یاد سے کسی بھی مرحلہ پر غافل نہیں بناتے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ۔

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ جوں ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی دیکھا کہ دکاندار اور تاجر اپنی دکانوں اور تجارتی دھندوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جلدی جلدی جانے لگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا سچ ہے اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ۔

تخلیق کائنات میں یوم جمعہ کی عظمت و خصوصیت اور امت محمدیہؐ کی فضیلت

یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام میں یوم العروبہ کہلاتا تھا۔ اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ یہ لفظ جمع سے مشتق ہے اس دن میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا فرمایا کہ ان فیہ جمعت طینۃ ابیکم آدم۔ یعنی اس روز تمہارے باپ آدم علیہ السّلام کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق جو چھ روز میں ہوئی اسی پر یہ مکمل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا سلمان ما یوم الجمعۃ کہ اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللّٰہ و رسولہٗ اعلم آپؐ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم و حوّا) کو جمع فرمایا۔ (جبکہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا)

ایک حدیث میں ہے وَ فیہ خلق اٰدم و فیہ ادخل الجنۃ و فیہ اخرج منھا و فیہ تقوم الساعۃ۔ و فیہ ساعۃ لا یوا فقھا عبد مؤمن یسال اللہ خیرا الاّ اعطاہٗ ایّاہ۔ کہ اسی دن ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تاکہ خلافۃ اللہ فی الارض کا عظیم منصب عطا ہو اور اس ارادۂ الٰہیہ کی تکمیل ہو جس کا اظہار ملائکہ کے سامنے فرمایا گیا تھا۔ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً اور اسی منصب کی عظمت و منزلت کے ظاہر کرنے کے لیے ملائکہ کو آدمؑ کے لیے سجدہ کا حکم دیا گیا الغرض اس طرح جنت سے زمین پر اترنا بھی ایک بڑی عظمت و منقبت کی تکمیل تھی جو جمعہ کے روز ہوئی اور فرمایا اسی روز قیامت قائم ہو گی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں مؤمن بندہ جو کچھ بھی اللہ سے مانگے اللہ اسکو ضرور عطا کرتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نحن الاٰخرون السابقون	کہ ہم لوگ دنیا میں آنے والوں میں آخر ہیں
یوم القیٰمۃ بیدانھم	لیکن قیامت کے روز ہم ہی سابقین ہیں بس
اوتوا الکتٰب من	فرق یہی ہے کہ انکو کتاب ہم سے پہلے دی گئی
قبلنا ثم ھذا یومھم	تو اس سبقت کی وجہ سے یہ نہیں ہوگا وہ قیامت
الّذی فرض اللہ علیھم	کے روز بھی ہم سے سابق ہوں قیامت میں سبقت
فاختلفوا فیہ فھدانا	حاصل کرنے والے ہم ہی ہوں گے پھر آپؐ نے فرمایا
اللہ لہٗ فالناس	یہ جمعہ کا دن وہ تھا کہ اللہ نے ان پر بھی فرض کیا تھا
لنا فیہ تبعٌ الیھود	(کہ اس کو خاص عظمت اور عبادت کے لیے مخصوص
غدا والنصاریٰ	کرلو) لیکن وہ اس بارہ میں مختلف رہے (اور
بعد غد۔ عہ	بھٹکتے رہے) تو اب اور لوگ (اہل کتاب میں

سے) ہمارے پیچھے ہیں۔ یہودیوں کا دن کل ہے یعنی سنیچر اور نصاریٰ کا دن آئندہ کل کے بعد یعنی اتوار کہ ان دونوں کو یہود و نصاریٰ نے تعظیم اور خاص عبادت کے لیے مقرر کیا۔

یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے ان کے واسطے بھی یہ دن مقرر کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے حکم سے اختلاف کرتے ہوئے کسی نے یوم السبت متعین کیا۔ کسی نے یوم الاحد یعنی اتوار۔ یہ اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ ہم نے اس کے حکم کے مطابق جمعہ مقرر کیا۔

یا بقول بعض شارحین مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں ایک دن خاص عبادت و تعظیم کے لیے اللہ نے اپنے علم میں رکھا تھا جب اہل کتاب کو حکم ہوا کہ ایک دن متعین کرو تو یہود و نصاریٰ بھٹکتے ہی رہے اور

عہ صحیح بخاری۔ وفی روایۃ المسلم فاضل اللہ عن الجمعۃ من کان قبلنا۔ الخ۔ ۱۲۔

مبارک دن نہ طے کر سکے لیکن اللہ نے امتِ محمدیہ کو یہ توفیق دی کہ انہوں نے خود اپنے باطنی تقاضوں اور قلبی داعیہ سے جو دن خاص اجتماع اور عبادت کا تجویز کیا وہ جمعہ کا دن تھا تو ان کا انتخاب اللہ کے ارادہ اور مشیت کے مطابق ہو گیا اور یہ سب کچھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا برکت کی بدولت ہوا۔

مصنف عبدالرزاق میں اسناد صحیح کے ساتھ محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا گیا۔ فرمایا (بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد جب مدینہ میں اسلام پھیل چکا تو) انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے قبل اور جمعہ کے نازل ہونے سے پہلے ایک دفعہ جمع ہو کر مشورہ کیا اس مشورہ میں یہ بات رکھی گئی۔ یہودیوں نے ایک دن خاص اجتماع کا مقرر کیا ہوا ہے وہ اس میں جمع ہو کر اپنی عبادت کرتے ہیں۔ نصاریٰ نے بھی اسی طرح ہفتہ میں ایک دن اپنی عبادت و تعظیم کا مقرر کیا ہوا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ایک دن ہم بھی متعین کر لیں جس میں جمع ہوا کریں۔ اللہ کا ذکر کریں۔ اس کی حمد و ثناء کریں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور نماز پڑھیں تو اس کے واسطے سب نے یوم العروبہ یعنی جمعہ مقرر کیا اور سب انصار جمع ہو کر اسعد بن زرارہؓ کے پاس پہنچے انہوں نے جمعہ کے روز سب انصار کو نماز پڑھائی اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ الخ۔

ابن خزیمہؒ و دیگر ائمہ محدثین نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے جس نے ہمیں جمعہ پڑھایا وہ اسعد بن زرارہؓ ہیں۔

یوم جمعہ کی خصوصیات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اس دن آدمؑ کی مٹی جمع کی گئی اور ان کو پیدا کیا گیا پھر یہ فرمانا کہ اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یوم جمعہ درحقیقت انسان کو اس کا مبداء و معاد یاد دلانے والا دن ہے اس دن اس کو چاہیئے کہ اپنے مبداء پر غور کرے اور پھر یہ کہ قیامت میں پھر مبعوث ہونا ہے اور اس طرح اس کی فکر اور تیاری کا قلب میں تقاضا پیدا کرے اور یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ رب العزت نے روئے زمین کے اجزاء کو ملا کر آدمؑ کو پیدا کیا اسی طرح نفخ صور پر قیامت کے روز تمام انسانوں کو جمع کرے گا ان کے اجزاء بدنیہ خواہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں ہوں ہر حالت سے ان کو یکجا جمع کرے گا اور جملہ ارواح اپنے ابدان کے ساتھ جمع ہو جائیں گی۔ پھر ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال و افعال جمع ہوں گے غرض اجتماعیت کی یہ تکوینی نوعیت یوم جمعہ کے ساتھ وابستہ کر دی گئی پھر یہ کہ اس دن ایک شہر کے سب مسلمان بھی یک جا جمع ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں تو ان جملہ وجوہ سے اجتماعیت اس دن کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر سات روز میں ایک دن (یوم جمعہ) غسل کرے اپنے بدن اور سر کو خوب دھوئے، جمعہ کی

عہ صحیح مسلم جلد ۱

عظمت و فضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

اوس بن اوس الثقفیؓ بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے جس شخص نے جمعہ کے روز غسل خوب نظافت وصفائی سے کیا اور صبح جلدی ہی مسجد کے لیے روانہ ہوا اور اوّل وقت ہی پہنچ گیا اور پیدل چلا کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلا اور امام کے قریب بیٹھا اور اس کا خطبہ توجہ سے سُنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اس شخص کے لیے ہر قدم پر جو اس نے اٹھایا ہے ایک سال کے روزوں اور قیام اللیل کا اجرؑ ہے۔ اسی طرح دیگر احادیث میں فضائل جمعہ متعدد وجوہ سے ذکر فرمائے گئے۔ (کتب احادیث کی مراجعت فرمالی جائے)

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ کی تفسیر میں زہریؒ سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزیدؓ نے فرمایا جمعہ کے روز پہلی اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی۔ جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا یہی دستور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے زمانہ میں رہا جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت زائد ہوگئی تھی تو عثمان غنیؓ نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا (جو خطبہ کی اذان سے پہلے ہوتی ہے) تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حرمتِ بیع کا جو حکم اذانِ جمعہ پر نازل ہوا تھا اب وہ اسی اذان پر ہوگا جو قبل از خطبہ ہوتی ہے اور اس کو حضرت عثمانؓ نے اضافہ فرمایا۔ کیونکہ اِذَا نُوْدِیَ کا عموم اور اطلاق چاہتا ہے کہ نفس ندا جمعہ پر حرمتِ بیع کا حکم مرتب ہو۔ حضراتِ صحابہ ابتداء میں خود ہی اس قدر جلد مسجد میں آجاتے تھے کہ اذانِ خطبہ ان کی موجودگی میں ہوتی۔ لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور تجارتی کاروبار کی وسعت ہوگئی تو اندیشہ تھا کہ اذانِ خطبہ سُن کر لوگ گھروں سے نکلیں گے یا دکانیں بند کریں گے تو خطبہ فوت ہو جائے گا جس کا سُننا ضروری ہے اس وجہ سے ایک اذان کا اضافہ کیا گیا تاکہ خطبہ شروع ہونے سے قبل لوگ مسجد میں پہنچ جائیں اور فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ میں لفظ اِلٰی (جو غایت کے معنی پر دلالت کرتا ہے) خود اس مفہوم کی تعیین کر رہا ہے کہ سعی اور جمعہ کی تیاری ذکر اللہ تک پوری ہونی چاہیئے اور وہ ظاہر ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ خطبہ سے قبل ایک اذان کے ذریعے لوگوں کو بلایا جائے۔ گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اس اذان کا اضافہ کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور سنت شریعت کا قانون ہے علاوہ ازیں جملہ صحابہ نے اس عمل کو درست قرار دیا تو صحابہ کا اجماع بھی قانونِ شریعت ہے۔ نص قرآنی سے جس اذانِ جمعہ پر بیع وشراء ترک کرنے

ؑ ائمہ محدثین نے سنن میں اس روایت کو بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حدیثِ حسن فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲۔

کا حکم ہے یہی اذان ہوگی جو شروع میں اضافہ کی گئی۔ اس بناء پر تمام ائمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی اذانِ جمعہ کے بعد ہر قسم کا کاروبار بیع وشراء حرام ہے اور جس اہمیت وتاکید اور نصیحت کے انداز میں قرآن کریم نے دکانیں بند کر دینے کو اور خرید وفروخت روک دینے کو فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ اذان جمعہ کے بعد کسب معاش میں مشغولی کو حلال رزق شمار کیا جائے اس وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔

حافظ ابنِ کثیرؒ دمشقی نے عراک بن مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر لوٹتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوتے اور یہ کہتے اے اللہ میں نے تیری نداء پر حاضری دے دی اور تیرا فرض ادا کر چکا اور اب میں رزق کی تلاش کے لیے زمین میں چلنا پھرنا چاہتا ہوں جیسے کہ تو نے حکم دیا پس اپنے فضل سے رزق عطا فرما۔ تو خیر الرازقین ہے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے گا (یعنی جبکہ جمعہ کے لیے اس نے اپنا کاروبار بند کر دیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر گنا نفع عطا فرمائے گا۔

تم بحمد للہ تفسیر سورۃ الجمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المنافقون

یہ سورت بھی دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی احکام اور شریعت کے اہم فیصلوں پر مشتمل ہے۔ سورت کے مضامین نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل ہیں ابتداء میں منافقین کی اخلاقی برائیاں ذکر فرمائی گئیں اور یہ کہ دھوکہ فریب اور جھوٹ ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ذلیل کردار کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی ان کے بیہودہ اقوال اور لغو عقائد وخیالات کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ کہ آخرت میں ان منافقوں کے واسطے نہایت شدید عذاب اور دنیا میں ذلت ورسوائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

سورت کے آخر میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ دنیا کی زیب وزینت میں مشغول ہوکر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ ہیں اگر ایسا ہوا تو یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی اس پر سورت ختم فرمائی گئی۔

آیاتها ۱۱ — ۶۳ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۴ — فیها رکوعان

سورۂ منافقون مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ

جب آویں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں، تو رسول ہے

اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ

اللہ کا۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ

الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

یہ منافق جھوٹے ہیں۔ رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بنا کر،

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

یہ اس پر، کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے، پھر مہر ہو گئی ان کے دل پر، اب

لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَإِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۭ وَ

وہ نہیں بوجھتے۔ اور جب تو دیکھے ان کو، خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، اور

إِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ

اگر بات کہیں، سنے تو ان کی بات۔ کیسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ

جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی۔ وہی ہیں دشمن، ان سے بچتا رہ۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

گردن مارے انکی اللہ- کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جب کہیئے ان کو آؤ :

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ

معاف کروا دے تم کو رسول اللہ کا ، مٹکاتے ہیں اپنے سر، اور تو دیکھے کہ

يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

وہ رُکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں - برابر ہے ان پر،

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

تو معافی چاہے ان کی یا نہ چاہے - ہرگز نہ معاف کریگا ان کو

لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ

اللہ مقرر اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو - وہی ہیں جو

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى

کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے، جب تک کہ

يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ

کھنڈ جاویں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ، اور لیکن

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى

منافق نہیں بوجھتے - کہتے ہیں ، البتہ اگر ہم پھر گئے

الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

مدینہ کو ، تو نکال دے گا جس کا زور ہے بے قدر لوگوں کو - اور زور اللہ کا ہے ،

وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا

اور اس کے رسول کا ، اور ایمان والوں کا ، لیکن منافق نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

سمجھتے

مذمّت نفاق و منافقین و تحقیق بیہودہ خصال منافقین

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ۔۔۔۔۔ الی ۔۔۔۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

(ربط) سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں اسلام کی عظمت و غلبہ اور اہل ایمان کے خصوصی احوال کا بیان تھا اور یہ کہ دین کے دشمن خواہ کتنی بھی سازشیں اسلام کے خلاف کریں لیکن اسلام کے غلبہ اور ظہور کو کافروں کی طاقتیں ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اب اس سورت میں منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کی جا رہی ہیں کہ وہ اسلام کے لبادہ میں کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ مقصدِ بیان یہ ہے کہ ان کی یہ کوششیں اسلام کو انشاء اللہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گی۔ ساتھ ہی منافقین کے ذلیل اور گندے کردار کو واضح کردیا گیا تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ نفاق کی علامات اور خصلتیں کیا ہوتی ہیں اور منافقین کا کردار کیسا ہوتا ہے اور اس طرح یہ حقیقت سمجھی جاسکے کہ ایسی خصلتوں کا حامل شخص منافق ہی ہوسکتا ہے خواہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر! جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں گواہی تو نام ہے اس اقرار و اعلان کا جو دل کے اعتقاد کے مطابق ہو اور منافق جب دل سے رسولِ خدا کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کا یہ کہنا کہ ہم گواہی دیتے ہیں جھوٹ اور دھوکہ ہوا۔ اس لیے ارشاد ہوا اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ جب وہ واقع میں آپؐ کی رسالت کے قائل ہی نہیں تو پھر اس طرح کا اظہار محض دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے اس زبانی اقرار کو بہانہ بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ خود بھی ان کو اس امر کا احساس ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان منافقین نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ جب بھی کوئی گرفت ہو تو قسمیں کھا کر اپنی جان بچالیں، مسلمانوں کے حملوں سے تحفظ حاصل ہو جائے کہ جس طرح دوسرے کافروں اور مشرکوں کے خلاف غزوات و جہاد کی صورت ہوتی ہے یہ ایسے حملوں سے بچے رہیں۔ اسی کے ساتھ پھر یہ بھی مذموم حرکت کر رہے ہیں۔ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے۔ یقیناً بہت ہی بُرا ہے یہ کام جو منافقین کر رہے ہیں کیونکہ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر صرف انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں کو دھوکہ لگتا ہے اور اس کے علاوہ بھی دوسرے حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں تاکہ کوئی اسلام کے قریب نہ آئے تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بُرا کردار کیا ہوسکتا ہے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے پہلے ایمان کا دعوےٰ کیا پھر کفر کیا تو مہر لگا

دی گئی ان کے دلوں پر اس کا نتیجہ ہے کہ وہ اب کچھ نہیں سمجھتے جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اندر کے کفر اور گندگی کے نکلنے اور دور ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی باہر سے اب کوئی ہدایت و نصیحت ان کے دلوں تک سرایت کرسکتی ہے۔ دِل مسخ ہیں کفر و نفاق جھوٹ اور دھوکہ کی گندگیاں اندر بھری ہیں مگر ظاہری حال انہوں نے ایسا بنا رکھا ہے کہ اے مخاطب جب تو ان کو دیکھے تو تجھ کو اچھے لگیں گے ان کے اجسام ڈیل ڈول میں بہت اچھے لگتے ہوں گے، چکنے چپڑے۔ اپنی وضع اور ہیئت ایسی بنائیں گے کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والا ان کو بڑا ہی شریف اور بھلا مانس سمجھے اور اگر وہ بات کریں تو ایسی لچھے دار میٹھی باتیں کریں کہ فصاحت و بلاغت اور انکی چرب لسانی کی بناء پر توجہ کے ساتھ تو ان کی بات سُننے لگے۔ اس ظاہری بناؤ سنوار۔ چکنی چپڑی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ لکڑیاں ہیں۔ جن کو سہارا دے کر کھڑا کردیا گیا ہے جو دیکھنے میں موٹے تازے شہتیر نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف دیکھنے ہی کی حد تک ہیں دیوار کے ساتھ کھڑے ہیں ان کے اندر کچھ نہیں ایسے کھوکھلے ہیں کہ ایک لمحہ بھی وہ سہارا نہ رہے تو گر پڑیں اسی طرح منافقین اپنے نفاق کی گندگیوں اور ایمان و صداقت کے جوہر سے عاری ہونے کے باعث محض سہارے پر کھڑے ہیں۔ نہ ان کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان میں کوئی قوت ہے مضبوطی اور قوت تو ایمان و صداقت سے ہوتی ہے تو یہ اپنی کمزوری اور بزدلی میں ایسے ہیں کہ ہر چیخ کو اپنے اوپر ایک بلا سمجھتے ہیں۔ بزدلی اور نامردی کا یہ عالم ہے کہ ذرا بھی کہیں شور و غل سُن لیں تو دِل دہل جائیں اور سمجھنے لگیں کہ اب ہم پر کوئی آفت آئی اور ہمہ وقت اس ڈر سے اِن کے دِل لرزتے رہتے ہیں کہ ہماری منافقانہ حرکتوں اور دغابازیوں کا پردہ چاک نہ ہو اور ایسا تو نہیں ہماری ان حرکتوں کی پاداش میں ہم پر کوئی افتاد پڑ جائے خواہ وہ کتنے ہی کمزور ہوں بہر کیف اے مخاطب یا ہمارے پیغمبر ان سے بچتے رہو۔ دغابازوں سے احتیاط عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹک رہے ہیں۔

منافقین اگرچہ اپنی بیہودہ خصلتوں اور دلوں کے روگ سے ایمان کی دولت اور اس کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے مگر پھر بھی بعض مرتبہ جب ان کی منافقانہ سازشیں کھل جاتیں اور کذب و خیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو کچھ لوگ ان کو سمجھانے کا ارادہ کرتے تو ایسی صورت میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ راہ راست پر اور اپنی گندگیوں سے تائب ہوکر رسول خدا کے پاس معافی کے لیے حاضر ہو جاؤ انسان جب تک دنیا میں زندہ ہے قبولِ حق اور توبہ کا دروازہ اس کے واسطے کھلا ہے تم اگر تائب ہوکر ایمان لاتے ہوئے

؏ شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد میں یہاں ایک لطیف بات فرما گئے۔ فرمایا "خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کردی جائے محض بے جان اور لایعقل دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آسکتی ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے ان کے موٹے فربہ جسم اور تن و توش سب ظاہر کا خول ہیں اندر سے خالی بے جان محض جہنم کا ایندھن بننے کے لائق" ۱۲۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاؤ گے تو استغفار کریں گے اور معافی طلب کریں گے تمہارے واسطے اللہ کے رسول تو اپنے سر ہلاتے ہیں تمسخر اور استہزاء کی شکل اختیار کرتے ہوئے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں۔ اور حال یہ کہ وہ غرور و تکبر کرتے ہوتے ہیں اور انتہائی بیہودگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں تو ظاہر ہے کہ جو قوم خدا کی رحمت اور معافی سے اس قدر بے رخی برتے اس کے واسطے یہی ہے کہ اے ہمارے پیغمبر ان پر برابر ہے۔ کہ آپ ان کے واسطے استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے نافرمان لوگوں کو ایسے نافرمان جن کا حق کی طرف کوئی رخ اور ادنیٰ توجہ ہی نہ ہو بلکہ ہر مرحلہ پر وہ دین کا مذاق ہی اڑاتے ہوں۔

ان باطنی گندگیوں کے علاوہ اخلاقی معیار سے اس قدر ذلیل ہیں کہ دنیا میں اس طبقہ سے زیادہ بداخلاق اور ذلیل کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ منافقین جو یہ کہتے ہیں مت خرچ کرو ان لوگوں پر جو رسول اللہ کے قریب ہیں یہاں تک کہ وہ آپ سے دور اور متفرق ہو جائیں اور آپ کا تعلق اور مجلس میں آمد و رفت ترک کر دیں۔ اس وقت تک کسی کی کوئی امداد و اعانت نہ کرو۔ ایسے ذلیل اور بداخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہئے اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے زمینوں اور آسمانوں کے و لیکن منافقین سمجھتے نہیں کہ جس مالک کے قبضہ میں ساری کائنات اور آسمان و زمین کے خزائن ہیں کیا وہ مالک اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا۔ اور کیا ان کو رزق نہیں دے گا؟ رزق تو اصل میں اللہ ہی دیتا ہے اگر کوئی صاحب مال و استطاعت شخص کسی کی دو چار مرتبہ کچھ مدد کرے گا تو یہ اس کی بے وقوفی ہوگی کہ وہ اپنے کو رازق سمجھنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ میں فلاں کی مدد نہ کروں گا تو وہ بھوکا مر جائے گا تو یہ ہے وہ بدعقلی اور حماقت جس میں اس قسم کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ کہتے ہیں البتہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچ گئے تو ضرور بالضرور ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا یہ بھی ایک احمقانہ تخیل اور آرزو ہے اور اس شعور و فہم سے بعید ہونے کی دلیل ہے کہ انہیں نہ عزت و ذلت کی حقیقت معلوم ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ عزت و ذلت کس کے قبضہ میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت و قوت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسولؐ کے لیے اور ایمان والوں کے واسطے لیکن منافقین جانتے نہیں ہیں۔ اصل عزت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے تعلق سے یہ عزت پہنچتی ہے اس کے رسول کے پاس اور چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے احکام و پیغام اس کی مخلوق کو پہنچاتے ہیں تو پھر اس رسول پر ایمان لانے والوں اور اطاعت کرنے والوں کے لیے عزت ہے۔

امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت میں بیان کیا ہم لوگ ایک سفر جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ دوران سفر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری کے لات ماری (اور اس کی وجہ سے اس کو چوٹ آئی) تو انصاری نے بآواز بلند پکارا یا للانصار

(اے انصار آجاؤ میری مدد کرو) اس پر مہاجر نے آواز دی للمہاجرین۔ اے مہاجرو آؤ میری مدد کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آوازیں سنیں تو فرمایا۔ یہ کیسے جاہلیت کے نعرے ہیں ایک روایت میں ہے۔ مَا هٰذَا الدعوى المنتنة کہ یہ کیسا بدبودار نعرہ ہے۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگا اچھا یہ بات ہوگئی ہے یعنی اس پر خوش ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایسی فضا باہمی منافرت اور عصبیت کی پیدا ہوئی اور کہنے لگا ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا۔ اور اس سے ارادہ یہ تھا کہ مدینہ کے انصار اب مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے عبداللہ بن ابی کو زیادہ ترغیظ و غضب اس پر بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ کے لوگ اسی کو اپنا سردار بنانے والے تھے آپ کی تشریف آوری سے یہ سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں انصار کی تعداد زیادہ تھی۔ (اگرچہ بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی) عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عبداللہ بن اُبی منافق کی بات سن کر بہت غصہ آیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کو (اگر تم نے ایسا کیا تو) لوگ کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔ اسی نے یہ بھی کہا لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

زید بن ارقم رضی نے سب سے پہلے جب یہ بات سنکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو یہ منافق فوراً آکر قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ بیان کرتے ہیں تو جب ابن اُبی قسمیں کھانے لگا اور میرے پاس کوئی ثبوت اس بات کا نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات رد فرمائی اور فرمادیا کہ بس ٹھیک ہے جب یہ شخص قسمیں کھا رہا ہے۔ زید بن ارقم رض بیان کرتے ہیں مجھے اس پر انتہائی غم اور صدمہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک میں یہ تصور پیدا ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی ہے میرے چچا نے بھی مجھے ملامت کی تجھے کیا ضرورت تھی تو نے یہ بات جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غم اور بے چینی میں تھا کہ حق تعالےٰ نے یہ سورۃ منافقون نازل فرمائی۔ فوراً ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف ایک آدمی بلانے کے لیے بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے مجھے یہ سورت پڑھ کر سنائی اور فرمایا اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔

محمد بن اسحاق رح امام المغازی نے اس سلسلہ میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ اس منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے دو عبداللہ رض، جو سچے مسلمان اور صحابیؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے نے اپنے باپ کی یہ بیہودہ بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ کی اس بیہودہ بات پر آپ ان کو قتل کر دینا چاہتے ہیں اگر آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیجئے میں اس خبیث کا سر قلم کر کے آپ کے سامنے لاکر پیش کرتا ہوں اور خدا کی قسم قوم خزرج یہ بھی جانتی ہے کہ اس قوم

میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اب میں آپؐ سے یہ اجازت چاہتا ہوں کہ اس کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کرکے آپؐ کے سامنے پیش کردوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کام کے واسطے میرے علاوہ کسی اور کو مامور فرمادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں؛ ہم تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے۔

عکرمہؓ اور ابن زیدؒ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اس منزل سے روانہ ہوئے مدینہ منورہ کی طرف لوٹتے ہوئے تو عبداللہ بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے دروازے (شہرپناہ) پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی منافق آیا تو (باآواز بلند) فرمایا پیچھے ہٹ۔ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ عزیز ہیں جب تک وہ اجازت نہ دیں گے تو ہرگز مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ کو اپنے باپ کی اس بیہودہ بات پر اس قدر غصہ تھا کہ جب قافلہ سفر کے لیے روانہ ہونے لگا تو تلوار نکال کر باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا جب تک تو اقرار نہ کرے گا کہ میں ذلیل ہوں اور رسول اللہ عزت والے ہیں ہرگز تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے منافق باپ کی گردن زمین پر رگڑنے لگے اور کہا اقرار کر کہ تو ذلیل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ

اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال

وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے۔ اور جو کوئی یہ کام کرے، تو

فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ⑨ وَأَنفِقُوا۟ مِن مَّا رَزَقْنَٰكُم

وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں آئے۔ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا،

مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْ

اس سے پہلے، کہ پہنچے کسی کو تم میں موت، تب کہے اے رب! کیوں

لَآ أَخَّرْتَنِىٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۙ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن

نہ ڈھیل دی مجھ کو ایک تھوڑی مدت، کہ میں خیرات کرتا، اور ہوتا

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ

نیک لوگوں میں - اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو، جب پہنچا

اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪

اس کا وعدہ - اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو -

تنبیہ وتحذیر اہل ایمان از غفلت ذکر اللہ وتاکید انفاق فی سبیل اللہ

قال اللہ تعالیٰ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ..... الیٰ ..... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(ربط) ابتداء سورت سے جملہ آیات منافقین کے کردار اور ان کی مذموم ترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل تھیں۔ اب اِن آیات میں ایسے اسباب غفلت سے مسلمانوں کو چوکنا فرمایا گیا جو انسان کو ایمان وتقویٰ کی حقیقت سے دور کر دیں اور غفلت ہی دراصل نفاق کا پیش خیمہ ہے نفاق کی اصل حقیقت جب یہ معلوم ہوگئی کہ دل میں ایمان نہ ہو اور زبان سے ایمان کا دعویٰ اور اعلان ہو تو مال واولاد کے فتنوں میں بھی مبتلا ہونے سے یہی نوعیت قلب کی ہو جاتی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الایمان میں ایک باب باندھا ہے۔ جس میں ایمان کے مہلکات اور مضرات میں غفلت۔ نفاق اور اصرار علی المعاصی کو شمار فرمایا۔ اس لیے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اے ایمان والو! غافل نہ بنادیں تم کو تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے تو یقیناً ایسے لوگ ناکام و ذلیل ہوں گے دنیا کی ہر نعمت اور زیب وزینت محض نظر کا فریب ہے اگر اس فریب دنیا میں پھنس کر خدا کو بھلا دیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت وخسارہ ہوسکتا ہے آخرت کا توشہ تو ذکر الٰہی اور اس کی یاد ہے اس کی تیاری میں لگ جانا چاہیئے لہٰذا اے ایمان والو سوچو اور فکر آخرت کرتے ہوئے خرچ کرو اللہ کی راہ میں اس مال سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے قبل کہ آجائے تم میں سے کسی کے سامنے موت۔ پھر وہ یہ کہے اے میرے پروردگار کیوں نہ مہلت دے دی تو نے مجھ کو ایک قریب مدت تک کے لیے کہ میں صدقہ کرلوں اور صالحین ونیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کہ موت سامنے آچکی ہو اس قسم کی تمنا وآرزو ہرگز نہیں ہوسکتی اور کبھی بھی اللہ نفس کو مہلت نہیں دے گا جب کہ اس کی موت آچکی ہو کیونکہ خدا کا قانون ہے کہ جس انسان کے لیے موت کا جو وقت طے کر دیا نہ اس کی موت اس وقت سے مقدم ہوسکتی ہے اور نہ مؤخر ہوسکتی ہے۔ اور اے انسانو! خوب جان لو اللہ تو بہت ہی خبر رکھنے والا ہے اُن اعمال کی جو تم کرتے ہو۔ ہر ایک پر آخرت میں اس کے اعمال کے

مطابق جزاء و سزا ہو گی۔ اس وجہ سے انسان کو جو بھی موقع میسر آئے اس کو ضائع نہ کرے بلکہ اپنی زندگی اور زندگی کے لمحات کو آخرت کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے یہ فرمایا جس کسی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکتا ہے یا اتنا مال ہے کہ اس پر زکوٰۃ لازم ہے مگر پھر بھی نہ اس نے حج کیا اور نہ زکوٰۃ ادا کی تو موت کے وقت اس کی یہی حالت ہو گی کہ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ اے پروردگار کیوں نہیں مجھ کو تو اتنی مہلت دے دیتا کہ میں صدقہ کروں اور صالحین میں سے ہو جاؤں۔ ایک شخص حاضرین مجلس میں سے کہنے لگا اے ابن عباسؓ موت کے وقت مہلت کا فرمانگتا ہے تم خدا سے ڈرو کہ اس کو اہل اسلام میں سے ان لوگوں پر محمول کر رہے ہیں جو مالی حقوق اور فرائض ادا نہ کریں۔ عبداللہ بن عباسؓ فرمانے لگے ابھی میں تم کو آیت قرآن پڑھ کر سناتا ہوں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ۔ الخ مطلب یہ تھا کہ یہ آیت اہل ایمان کو خطاب ہے اور اسی میں سے اس فرد کا یہ حال ذکر کیا جا رہا ہے "لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ"، الخ کہ وہ اس طرح تمنا کرے گا کہ کاش مجھے کچھ وقت مل جائے یا دوبارہ مجھ کو دنیا میں لوٹا دیا جائے۔ غرض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جواب سے مخاطب کو بتا دیا سکرات موت آنے پر موت کے ٹلنے کی تمنا یا مرنے کے بعد دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کافروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں یہ تمنا وہ بدعمل لوگ بھی کریں گے جنہوں نے فرائض دین ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اختیار کی۔

فتنۂ مال اور فتنۂ جاہ انسان کے لیے سعادت سے محرومی کا باعث ہے

سورۂ منافقون کی ان آیات لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اور لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ۔ دو عظیم فتنوں کی نشاندہی فرمائی گئی۔ ایک مال و دولت کا اور دوسرا عزت و جاہ کا تو حق تعالٰے نے یہ فرمادیا کہ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں تو یہ دونوں چیزیں اگرچہ فی ذاتہٖ بری نہیں لیکن ان کا غلط استعمال مذموم ہے۔ ان کو اگر غلط استعمال کیا گیا تو ہلاکت و بدنصیبی ہے اور اگر صحیح استعمال کیا گیا تو اللہ کا تقرب اور کامیابی ہے۔ چنانچہ اس مال کو دین اور مرکز ہدایت سے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے خرچ کرو گے اور عزت و جاہ کو اس کام کے لیے صرف کرو گے کہ مسلمانوں کو ان کی جگہ سے نکالو تو اس مال اور عزت و وجاہت سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔

لہٰذا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ میں اس سے بچنے کی تعلیم دی گئی اور اس کے بالمقابل صحیح مصرف بتایا گیا وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے شریعت نے حصول مال کے طریقے بیع و شراء کے احکام نازل کر کے متعین کر دیئے۔ عزت و جاہ کو اگر تخریب دین کے بجائے اس غرض

سے حاصل کیا جائے کہ اس سے دین کی تعمیر اور مخلوقِ خدا کی راحت رسانی کی سعادت حاصل کی جا سکے تو پھر مذموم نہیں۔

جاہ و منصب اور طلب عہدہ اور اس کے واسطے کوشش و درخواست وغیرہ شریعت نے اسی لیے ناجائز قرار دی کہ انسان نفس کی گمراہیوں میں پڑ کر اس کو کبر اور خلق خدا پر جور و استبداد کا ذریعہ نہ بنالے ہاں اگر اخلاص نیت اور صدق قلب سے کسی عہدہ و منصب سے دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ چاہتا ہے تو جائز ہے۔

جیسے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزیز مصر سے فرمایا۔ اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ لیکن ایسی طلب پر اقدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس شخص کا حضرت یوسف علیہ السلام جیسا تقویٰ اور دیانت اور اخلاص ہو کہ حاصل شدہ منصب کو صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر استعمال کرے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ

سورۃ التغابن بھی مدنی سورت ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

اگرچہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کا موضوع بیان مکی سورتوں کی طرح توحید والوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کی تحقیق و تثبیت ہے اکثر صحابہ اور ائمہ سے یہی منقول ہے۔

سورت کی ابتدا میں حق تعالے شانہٗ کی عظمت و جلال اور اس کی تقدیس و تسبیح کا بیان ہے ساتھ ہی انسان کو دو قسموں میں منقسم کر کے بتادیا گیا کہ تمام دنیا کے انسان ان دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ کہ اللہ کی نظر میں یہ دو قومیں اس طرح تقسیم کردی گئی ہیں ایک قوم اہلِ ایمان کی ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی بستے ہوں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں دوسری قوم کافروں کی ہے جو اہل ایمان سے بالکل جدا ہیں کسی ایک خطہ یا وطن میں بسنے والے مؤمن و کافر ہرگز ایک قوم نہیں ہوسکتے اور نہ ہی برادری کی تقسیم اور امتیاز وطن اور نسل کے لحاظ سے ہے بلکہ عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر دائر ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسلم و کافر کے درمیان وراثت کا رشتہ بھی کالعدم کردیا اور فیصلہ کردیا گیا لَا یَرِثُ الکافر المسلم، کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا خواہ وہ باپ بیٹے ہوں۔

پھر ان گزشتہ اقوام و امم کی مثالیں پیش کی گئیں جو اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی تھیں کہ ان پر خدا کا کیسا عذاب نازل ہوا۔ اسی کے ساتھ اس سورۃ میں بعث بعد الموت کو ثابت کیا۔ اللہ کی عبادت و بندگی کا حکم دیا گیا اور اس پر بھی آگاہ کیا گیا کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے برگشتہ کرنے والی کیا کیا چیزیں ہیں اور اختتام سورت پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ایثار و قربانی پر آمادہ کیا گیا۔

سورۃ تغابن مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَہُ

پاکی بولتا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اسی کا

الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ ۫ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ ھُوَ

راج ہے، اور اسی کو تعریف ہے اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ وہی ہے

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰہُ بِمَا

جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایماندار، اور اللہ جو

تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ

کرتے ہو دیکھتا ہے۔ بنائے آسمان اور زمین تدبیر سے، اور

صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾ یَعْلَمُ مَا فِی

صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ جانتا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰہُ

ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور اللہ کو

عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

معلوم ہے جیوں کی بات ۔ کیا پہنچا نہیں تم کو احوال ان لوگوں کا؟ جو منکر

مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

ہو چکے ہیں پہلے ۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو دکھ کی مار ہے ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ

یہ اس پر کہ لاتے تھے ان پاس ان کے رسول نشانیاں ، پھر کہتے کیا آدمی

يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ

ہم کو راہ سوجھائیں گے ؟ پھر منکر ہوئے اور منہ موڑا اور اللہ نے بے پروائی کی ۔ اور اللہ بے پروا ہے

حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى

سب خوبیوں سراہا ۔ دعوے کرتے ہیں منکر ، کہ ہرگز انکو اٹھانا نہیں ۔ تو کہہ کیوں نہیں!

وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى

قسم ہے میرے رب کی ، تم کو بیشک اٹھانا ہے ، پھر تم کو جتانا ہے جو تم نے کیا ۔ اور یہ اللہ

اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ

پر آسان ہے ۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر ، اور اس نور پر جو ہم نے اُتارا ۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾

اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے ۔

تقسیم اولاد آدم در قسم مؤمن و کافر و انکار وحدت قومیہ بلحاظ وطن

قال اللہ تعالیٰ ۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(ربط) گزشتہ سورۂ منافقون میں منافقین کے احوال اور ان کی مذموم خصلتوں کا بیان تھا ۔ اس کے ضمن

ہیں ابن اُبی منافق کی وہ بات بھی ذکر کردی گئی تھی کہ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ جس کے ذریعے اس منافق نے وطنی عصبیت کو ہوا دینی چاہی تھی اور ایمانی اخوت و وحدت جو انصار و مہاجرین میں قائم ہو چکی تھی اس کو پارہ پارہ کرنا چاہا تھا تو اس سورت میں نہایت واضح طور سے یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ خدا تعالےٰ نے اولادِ آدم اور تمام انسانوں کو صرف دو قسم میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ تقسیم وطن اور جغرافیہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے ہے ایک قسم برادری اہل ایمان کی ہے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں خواہ کہیں رہتے ہوں اور کسی بھی خطہ میں بستے ہوں دوسری قسم اور برادری کافروں کی ہے۔ اسی طرح۔ اس لیے اب یہ امتیاز و فرق مسلمانوں کو اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیئے کہ کون عرب ہے کون عجم کون ایرانی اور کون رومی و ترکستانی۔ تو فرمایا۔

پاکی بیان کرتی ہیں اللہ ہی کی وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں۔ اسی کی بادشاہی ہے ہر عالم میں اور اسی کے لیے تعریف ہے اور ہر قسم کی حمد و ثناء اور وہ ہی ہر چیز پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے تو جو پروردگار آسمانوں اور زمین کا خالق اور کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور اسی کی ہر عالم میں بادشاہت ہے بلاشبہ اسی لائق ہے کہ ہر چیز اس کی پاکی بیان کرے اور اسی کی حمد و ثناء میں مشغول رہے۔ وہی ہے پروردگار اے انسانو! جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی تم میں سے مؤمن ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔ لہٰذا ایمان لانے والوں کو ان کے ایمان کی جزاء دے گا اور منکر و کافر کو اس کے کفر و نافرمانی پر عذاب دے گا۔ اصل میں تو ہر انسان کو اپنی عقل سے خالق کائنات کو پہچان کر ایمان لانا چاہیئے تھا جب کہ ربّ العزّت نے اس میں یہ جوہر بھی رکھ دیا ہے جس کو اس کی زبان میں "فطرت" کہا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مولودٍ یولدُ علی الفطرۃ الخ اس فطرت اور قبول حق کی صلاحیت کو چاہیئے تھا کہ قائم رکھنا۔ حالات گرد و پیش سے متاثر نہ ہوتا۔ یا اغراض و نفس کی خواہشات سے حق تعالےٰ کی حقانیت پہچان کر اپنے کسب و اختیار سے گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرتا لیکن جب اس گمراہ انسان نے اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو ٹھکرایا تو سزا کا مستحق بنا جو آخرت میں ضرور اس پر واقع ہو کر رہے گی اور مؤمن نے حالات کا مقابلہ کیا نفس و شیطان کے گمراہ کن اسباب کو پامال کر کے حق پر استقامت اختیار کی تو بلاشبہ اس کا مستحق ہوا کہ آخرت کی نعمتوں اور راحتوں سے نوازا جائے۔ پیدا کیا ہے اس پروردگار نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک کہ ہر ایک مخلوق اپنی حالت سے اس کی صناعی اور کاریگری کی گواہی دے رہی ہے پھر اس کی تدبیر بھی ایسی صحیح کہ آج تک کسی چیز میں کوئی خلل نہیں اور اے انسانو! تمہاری صورت بنائی پھر اچھا بنایا تمہاری صورتوں کو حتی کہ احسنِ تقویم میں انسان کو پیدا کیا کہ تمام جانوروں سے اس کی خلقت اچھی ہے دیکھنے میں بھی خوبصورت اور عقلی اور فکری صلاحیتوں سے نوازا اور اس امتیاز و شرف سے اس کو تمام کائنات پر برتری اور فضیلت عطا کر دی جیسے کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اس لیے انسان کو اسی کی فکر کرنی چاہیئے۔ جو ایمان اور عمل صالح ہے۔ وہ پروردگار جانتا ہے۔ اے انسانو! وہ تمام جو تم چھپاتے ہو اور وہ بھی جو تم

ظاہر کرتے ہو اور ظاہر و پوشیدہ کیا ؟ اللہ تو جانتے والا ہے دل والی چیزوں کا کہ انسان کے دل میں کس قسم کے عقائد ہیں۔ کیا خیالات ہیں کیا سوچتا ہے اور کن چیزوں کی طرف میلان و رغبت ہے اور کن چیزوں سے نفرت تو جو ذات دل کی کیفیات اور احوال سے باخبر ہو وہ انسانوں کے اعمال و افعال سے کیسے بے خبر رہ سکتی ہے اور یہی اعتقاد اصلاح زندگی اور آخرت کی طرف اس کا رخ کرنے کا معیار ہے۔

اور یہ بات محض اعتقادی اور ذہنی ہی نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق و شواہد اس کے گواہ ہیں کہ خدا تعالے ہر چیز سے باخبر ہے اور ہر عمل کا بدلہ انسان کے سامنے آکر رہتا ہے۔ خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کے ثمرات تاریخ عالم سے ثابت ہیں کہ ضرور انسان سے مرتب ہوتے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور ہر عمل پر اس کا ثمرہ ضرور مرتب ہوتا ہے تو اے لوگو! کیا تم کو نہیں پہنچیں خبریں ان لوگوں کی جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ جیسے قوم عاد و ثمود وغیرہ۔ چنانچہ انہوں نے چکھی سزا اپنے عمل کی اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ ان پہلی امتوں کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر آئے جس پر انہوں نے کہا کیا ایک بشر ہم کو ہدایت دے رہا ہے اور اللہ کا راستہ دکھانے اور سمجھانے کے لیے ہمارے پاس آیا ہے تو اللہ کے رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا اور منہ موڑ لیا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بشر کی جنس سے کوئی فرد بشر رسول خدا نہیں ہو سکتا اور رسالت و بشریت میں انہوں نے تضاد سمجھا جس سے وہ گمراہی کا شکار بنے اور اللہ ان سے بے نیاز ہوا جب کہ وہ اللہ سے اپنا رخ موڑ چکے تھے اور اللہ تو ہر حال میں بڑا ہی بے نیاز قابل تعریف ہے۔ جس کی کائنات میں مخلوق حمد و ثنا کرتی ہے تو اس کو کیا پرواہ اگر کچھ انسان اپنے اس لغو تخیل کے باعث خدا کے رسول پر ایمان نہ لائیں۔

کافروں نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے اور رسالت کی طرح بعث بعد الموت کے بھی منکر ہیں اے ہمارے پیغمبر کہہ دو کیوں نہیں ضرور بالضرور تم کو دوبارہ اٹھایا جائیگا۔ پھر تم کو بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اللہ پر نہایت ہی آسان ہے تو اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے وہ قرآن کریم ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ اور اللہ خوب جانتا ہے وہ تمام کام جو تم کرتے ہو۔

عہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (کسی کا) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل اور الحاد ہے اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدمؑ کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہو گا، سبحان اللہ تعبیر میں کیسی لطافت اور کس قدر نرمی ہے۔ انّ ھٰذا لعلمٌ ۱۲

تو تمہارے ایمان لانے کے بعد جیسے بھی اعمال ہوں گے اسی کے مطابق قیامت کے روز جزا و سزا کا معاملہ ہوگا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونیکے دن،

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

وہ دن ہے ہار جیت کا - اور جو کوئی یقین لاوے اللہ پر اور کرے کام

صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

بھلا، اُتارے اس سے اسکی برائیاں، اور داخل کرے اس کو باغوں میں جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

نیچے بہتی ندیاں، رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد

الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ

ملنی - اور جو منکر ہوئے، اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَآ

دوزخ والے رہا کریں اس میں - اور بری جگہ پہنچے - نہیں

اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ

پڑتی کوئی تکلیف بن حکم اللہ کے - اور جو کوئی یقین

بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا

لاوے اللہ پر، راہ بتاوے اُسکے دل کو۔ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور حکم مانو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا

اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا - پھر اگر تم منہ موڑو، تو ہمارے رسول کا کام

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔ اللہ! اس بن کسی کی بندگی نہیں۔ اور اللہ پر چاہیئے بھروسا کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ

ایمان والے۔ اے ایمان والو! بعضی تمہاری جورویں

وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

اور اولاد دشمن ہیں تمہارے، سو ان سے بچتے رہو اور اگر معاف کرو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَاۤ

اور درگذر کرو، اور بخشو، تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ تمہارے

اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

مال اور اولاد یہی ہیں جانچنے کو۔ اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے نیگ بڑا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

سو ڈرو اللہ سے جہاں تک سکو، اور سنو اور مانو، اور خرچ کرو

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اپنے بھلے کو۔ اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے، سو وہ لوگ وہی

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ

مراد کو پہنچے۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا، وہ دونا کر کر

لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ

دے تم کو، اور تم کو بخشے۔ اور اللہ قدردان ہے تحمل والا۔ جاننے والا چھپے

وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع

اور کھلے کا، زبردست حکمت والا۔

تنبیہ بر فکر آخرت و ترغیب ایمان و عمل صالح و نصیحت برائے صبر و استقامت و اطاعت خداوندی

قال اللہ تعالےٰ۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ..... الیٰ.... الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(ربط) گزشتہ آیات میں ان نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے پیغمبر پر ایمان لانے کی بجائے نافرمانی و بغاوت کرتے رہے اور اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قیامت اور جزاء و سزا کے امور سے جب آگاہ کیا تو ایسے نافرمان اور گستاخ ان باتوں کا انکار و تمسخر کرنے لگے ان مضامین کے بعد اب ان آیات میں حق تعالےٰ شانہٗ نے قیامت کے احوال بیان فرمائے اور یہ کہ منکرین کا روزِ قیامت کیا حشر ہوگا اور اہل ایمان کیسی کیسی نعمتوں اور اللہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوں گے۔ تو ارشاد فرمایا۔

جس روز کہ وہ پروردگار تم کو جمع کرے گا۔ سب انسانوں کے جمع ہونے کا دن میدان حشر میں تو وہ دن ہوگا ہارجیت عے کا۔ کوئی ذلیل و ناکام اور کوئی کامیاب و سربلند پوری زندگی کی ہارجیت کا منظر انسان بس اسی روز دیکھے گا۔ اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں اور محلات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان باغوں میں رہنے والے ہوں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں تو یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

تو ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسانوں کو چاہیئے کہ ہارجیت کے اس دن کی فکر کریں اور وہ کام کریں جس پر کامیابی اور جیت ہو۔ اور ان کاموں سے بچیں جس سے ذلت و ناکامی اور ہار ہو۔

فیا رب وفقنا لما تحب وترضٰی من القول والعمل والنیۃ وثبتنا علیٰ ملۃ الاسلام توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا ندامیٰ ولا مفتونین۔ اٰمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

عے یہ ترجمہ لفظ تغابن کا کیا گیا۔ تغابن جو غبن سے مشتق ہے۔ باب تفاعل کی خاصیت سے اسی معنی کو ادا کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کو قیامت میں یہی تمنا ہوگی کہ میں دوسرے سے بازی لے جاؤں اور اس کے مقابلہ میں میری جیت ہو جائے۔ مقاتل بن حیان ؒ سے منقول ہے فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا ہارجیت ہوگی کہ ایک گروہ جنت کی طرف چلا جائے اور دوسرے گروہ کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ یوم التغابن قیامت کا نام ہے اور قیامت کا دن یوم الجمعہ بھی ہے کہ اس روز اولین و آخرین ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے (تفسیر ابن کثیر ج ۴) ۱۲

ایمان کی حقیقت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ مؤمن اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہ بھی یقین رکھے کہ نہیں پہنچتی ہے کوئی مصیبت مگر اللہ ہی کے حکم سے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے قلب کو سیدھا راستہ بتاتا ہے اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا ہے۔ تو جو لوگ تکلیف وراحت اور نرمی وسختی غرض ہر حالت کو اللہ کی ہی طرف سے جانتے ہوئے اسی کے حکم سے فرماں بردار ومطیع رہیں گے۔ خدا تعالےٰ ان کے اعتقاد و عمل ہر حالت کا خوب علم رکھنے والا ہے اور اس پر بدلہ بھی دینے والا ہے۔ اے ایمان والو اسی پر قائم رہو اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اگر تم روگردانی کروگے تو ہمیں کوئی نقصان نہ ہوگا اس کا نقصان تو ہر اس شخص پر ہوگا جو روگردانی کرنے والا ہے بس ہمارے رسول پر تو واضح طور سے اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے جب اللہ کے رسول نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تو اس کے بعد عملی ذمہ داری مخاطبین پر عائد رہے گی سو جیسا کچھ بھی عمل کریں گے اس کا ثمرہ سامنے آجائے گا عمل خیر اور سعادت کی راہ سے بھٹکانیوالی باتوں سے انسان کو بے خبر اور بے فکر نہ ہونا چاہیئے اس لیے اے ایمان والو! سُن لو یقیناً تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن بھی ہوتے ہیں۔ سو ان سے احتیاط رکھو اگر وہ تم کو راہ راست خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے بھٹکانا چاہیں یا ان کی محبت ودلجوئی میں اللہ کے احکام فراموش کردو۔ بے شک اس طرح کا طرز اولاد اور بیویوں کا اہلِ ایمان کے واسطے باعثِ اذیت وتکلیف ہے لیکن بجائے اس کے کہ تم ان سے قطع تعلق کرلو یا ان کو کوئی تکلیف پہنچاؤ مناسب یہ ہے کہ درگذر کرو اور اگر تم ان ایذاؤں کو دل سے مٹادو اور درگذر کرو اور معاف کردو تو بہتر ہے کیونکہ اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے اس بناء پر اگر اولاد و بیویوں میں سے ایسی کوئی بات پیش آئے جس میں تمہاری حق تلفی ہے تو اس پر بجائے برافروختہ ہونے کے

ع وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ کی تفسیر میں اعمشؒ ابوظبیانؒ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم علقمہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے جب یہ آیت پڑھی۔ تو ان سے اس کے معنی دریافت کیئے گئے۔ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو یقین کرے کہ یہ تقدیر خداوندی سے ہے۔ اور اس پر راضی ہو صبر وسکون اختیار کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ یقین کرے کہ قضاء الٰہی کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہدایت قلب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر ثواب کی امید رکھے اور بعض ائمہ فرماتے کہ يَهْدِ قَلْبَهٗ ہر نقصان اور مصیبت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عجیب حال ہے مؤمن کا جو بھی قضا وقدر سے اس پر پیش آتا ہے اس کو اس چیز میں اجر وثواب ہی ملتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر بھی اجر وثواب ہے اور اگر کوئی راحت ونعمت حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے غرض مؤمن ہر طرح سے خیر ہی خیر کماتا ہے۔ ۱۲ (تفسیر ابن کثیر۔ صحیحین۔)

درگذر اور عفو ہی بہتر ہے مگر پھر بھی یہ بات نہ بھلانا بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے واسطے ایک آزمائش ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے تو جو لوگ اس آزمائش میں کامیاب ہوں تو بس اللہ تو ابیسا رحیم و کریم ہے کہ اس کے یہاں بڑا ہی عظیم ثواب ہے۔ خدا کی آزمائش میں کامیابی اور اجرِ عظیم کا استحقاق اسی میں مضمر ہے کہ بس اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور اس کے احکام سنتے رہو اور اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو اور بدنی عبادات وحقوق کی تکمیل کے ساتھ کچھ خرچ بھی کرو اللہ کی راہ میں اپنے ہی فائدہ کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ سے روکنے والی خصلت مال کی محبّت و لالچ ہے جو انسان کو ایسی سعادت سے محروم کر دینے والی بدترین خصلت ہے اس لیے ہر انسان کو چاہئیے کہ اس مذموم خصلت سے اپنے آپ کو پاک رکھے اور حقیقت یہی ہے جو لوگ اپنے آپ کو نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچالیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ہرگز کسی کو تصوّر نہ کرنا چاہئیے کہ اس کے مال میں کمی آ جائے گی بلکہ یہ تو اللہ کو قرضہ حسنہ دینا ہے اگر تم اللہ کو دو گے اچھی قرض دینا خوش دلی اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے تو اللہ تعالےٰ اس کو بڑھائے گا تمہارے واسطے اور مغفرت کرے گا۔ تمہارے لیے تمہاری ان کوتاہیوں کی جو عبادات اور فرائض کی ادائیگی میں تم سے ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ تو بڑا ہی قدردان ہے حلم و درگذر والا کہ معمولی چیز کو بھی نظر کرم سے قبول فرمالے اور اس قلیل مقدار پر اجرِ عظیم عطا فرما دے کہ ایک نیکی کو دس گنا سے سات سو تک پہنچا دے اور کبھی صدقہ کی ایک کھجور پہاڑ کے برابر بنا دے جیسے کہ حدیث میں ارشاد ہے اگر بندہ حلال اور پاک کمائی سے صدق دل سے ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اس کو نشو و نما فرماتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالے یہاں تک کہ وہ ایک کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے کس کی کھجور پہاڑ کے برابر ہو سکتی ہے اور کس کی اس مقام سے کم رہتی ہے یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے حوالہ ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ظاہری اعمال اور باطنی احوال کی اس کو خبر ہے۔ اس کے مطابق ثمرات اعمال اور جزائیں بندوں کو عطا کی جاتی ہیں اور ہر ایک کو جو کچھ دنیوی اور اخروی جزا دی جاتی ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے لہٰذا اس تصور کی گنجائش نہیں کہ کسی کو کیا بدلہ ملا اور کسی کو کیا نہیں ملا جس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اس کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے۔

دنیاوی زندگی میں مصائب کا راز اور ان پر صبر کی تلقین

آیت مبارکہ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ رفع الموانع میں عجیب حقائق اور لطائف بیان فرمائے حضرت

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یادداشت سے ناچیز نقل کرتے ہوئے حضرات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے موانع طریق کو بیان فرمایا ہے یعنی جو چیزیں خدا کے راستہ سے روکنے والی اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ان کی اجمالی فہرست اس رکوع میں بیان فرمائی اور فقط موانع کے بیان پہ اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ساتھ ساتھ ان کا علاج بھی مذکور ہے اور قرآن کریم میں یہ خاص بات ہے کہ جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں اس کا علاج اور اس کی دوا بھی مذکور رہے موانع کی جزئیات تو بے شمار ہیں لیکن وہ موانع با وجود تعدد اور تکثر جزئیات دو امر کلی میں منحصر ہیں۔

اوّل "ضرّاء" یعنی جو حالت انسان کو ناگوار ہے دوسرے "سَرّاء" یعنی جو حالت انسان کو گوارا اور باعث مسرّت ہے لیکن یہ دونوں حالتیں بھی مطلقاً مانع نہیں بلکہ قیدِ افراط کے ساتھ مانع ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس پر سَرّاء یا ضرّاء میں سے کم و بیش ایک نہ ایک حالت کا عروض علیٰ سبیل التعاقب والتناوب نہ رہتا ہو لیکن بعض مرتبہ قلب اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے اور بعض مرتبہ جب سراء اور ضراء کی حالت زیادہ ہوتی ہے تو قلب کو اپنی طرف مشغول کر لیتی ہے بس یہی دوسری حالت مانع طریق ہے اس لیے کہ جو شے کم ناگوار ہو یا کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی البتہ جو حالت زیادہ گوارا ہو یا زیادہ ناگوار ہو وہ مانع ہوتی ہے۔ جو حالت زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے اور جو حالت زیادہ ناگوار ہو اس کا نام مصیبت ہے پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں اور ان کی ذات مانع نہیں بلکہ مصیبت اور نعمت کا درجہ مانع ہے جس سے قلب متاثر ہو۔ یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا وہ یہ کہ جب مصیبت اور نعمت مانع ہیں تو انبیاء اور اولیاء کے حق میں بھی مصائب اور نعم مانع ہونے چاہئیں۔ اس لیے کہ انبیاء اور اولیاء پر مصائب بھی بہت آئے جیسا کہ حدیث میں ہے اشدّ الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل اور اسی طرح حضرات انبیاء پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائض ہوتی ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً" لہٰذا اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لیے بھی شاغل ہوں گی جواب یہ ہے کہ مصیبت اور نعمت کی ذات شاغل نہیں بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے اور حضرات انبیاء کو مصائب اور نعم سے ایسا تاثر نہیں ہوتا کہ اُن کو خدا سے غافل کر دے الحاصل دو چیزیں حضرت حق سے مانع ثابت ہوئیں ایک مصیبت اور ایک نعمت۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ میں مصیبت کا مانع ہونا اور اس کا علاج مذکور ہے وہ یہ کہ تم اعتقاد رکھو کہ ہر چیز اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے وہ مالک علی الاطلاق ہے ہم کو کسی چون و چرا اور اعتراض کا حق نہیں جب یہ اعتقاد قلب میں راسخ ہو جاوے تو مصیبت کی شدت قلب کو ہرگز از جا رفتہ نہ کرے گی آگے ارشاد ہے وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو علاج کی ہدایت فرما دیتے ہیں یعنی یہی نسخۂ کیمیا اثر استعمال کر کے دیکھو تو کیسا فائدہ ہوتا ہے کما قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا آگے ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی اللہ ہر شئے کو جانتا ہے۔ پس یہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں سعی کرتا ہے اور کون نہیں یہاں تک تو حق تعالیٰ نے خاص مرض مصیبت کے مانع طریق ہونے کا ایک خاص نسخہ تجویز فرمایا وہ یہ کہ مراقبہ کیا کرو کہ ہر مصیبت اللہ کی ہی طرف سے ہے آگے ایک عام نسخہ کا ذکر ہے۔ جس میں مریض اور تندرست سب شریک ہیں یعنی وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور اَطِيْعُوْا کا کوئی متعلق ذکر نہیں فرمایا جس سے بقاعدۂ بلاغت عموم مستفاد ہوتا ہے یعنی تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور امر کو بجا لاؤ اور معاصی سے پرہیز کرو۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ یعنی ہم نے جو تمہارے مرض کا علاج اپنے رسولؐ کی معرفت تجویز کیا ہے اگر کسی نے اس خاص یا عام نسخہ کے استعمال سے اعراض کیا تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ تم کو دوا اور پرہیز بتلا دیں۔ نسخہ کا استعمال اور پھر شفاء اور صحت طبیب کے ذمہ نہیں طبیب کا یہی بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تم کو دوا بتلا دے یہ ان لوگوں کا بیان تھا کہ جنہوں نے ابھی تک نسخہ کا استعمال نہیں کیا۔ آگے اُن لوگوں کا بیان ہے کہ جو نسخہ استعمال کر رہے ہیں۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی ان لوگوں کو اپنے علاج پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ اللہ پر نظر رکھنی چاہیئے اور نہ علاج کے ثمرات کا منتظر رہنا چاہیئے بعض مرتبہ مجاہدہ اور ریاضت سے عُجب او رناز پیدا ہو جاتا ہے اس آیت میں اس کے دفعیہ کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں تک مصیبت کے متعلق بیان تھا آگے نعمت کے متعلق ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ یعنی اے ایمان والو تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ پس تم ان سے احتیاط رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو اپنے اندر مشغول کر کے راہِ حق سے ہٹا دیں۔ نعمتیں اگرچہ بہت ہیں۔ لیکن دنیا میں انسان کو اولاد اور ازواج بہت محبوب ہوتی ہیں اس لیئے بالتخصیص ان کا ذکر فرمایا اور ان کا مانع ہونا دو طریق سے ہے اوّل تو یہ کہ اولاد اور ازواج ایسی فرمائشیں کریں جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہو اور یہ مغلوب ہو کر ان کا ارتکاب کرے۔ دوم یہ کہ وہ خود ان کی محبت میں اس قدر مغلوب ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے رُک جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے بھاگا جاتا تھا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ الشیطان یتبع الشیطانۃ یعنی ایک شیطان ایک شیطان کے پیچھے جا رہا ہے اس کو شیطانہ اس لیے فرمایا کہ اس کے حق میں تو اس نے شیطان ہی کا کام دیا کہ اس کو ذکر اللہ سے غافل کر دیا پس ایسے ہی وہ اولاد اور ازواج اس محبت کے حق میں بلا قصد عدو بن گئے کہ وہ ان کی محبت میں ایسا منہمک ہوا کہ اپنے اصلی کام کو بھول گیا پس اصل مانع انہماک فی المحبت ہوا اور بعض مرتبہ غیر اللہ کی محبت میں انہماک شرک کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے کما قال تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ اور چونکہ ایمان لانا احبیّت کے اقرار کو مستلزم ہے اس لیے آگے ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جو ایمان لے آیا وہ تو رجسٹری شدہ محب اور عاشق ہے پھر غیر اللہ پر نظر ڈالنا سراسر غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ اور چونکہ

مال بھی نعمت کا ایک فرد ہے اس لیے حب مال کے متعلق آئندہ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور چونکہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لیے اولاد کو مال کے ساتھ مکرر فرمایا نیز یہ کہ مال کی محبت کا منشاء بھی اکثر اولاد ہی ہوتی ہے اس لیے مال اور اولاد دونوں کو ملا کر ذکر فرمایا اور محبت کے دو درجے ہیں ایک محبت لأداء الحقوق یہ مستحسن ہے۔ دوسری محبت لتحصیل الحظوظ اگر حدودِ شرعیہ کے اندر ہو تو پھر ممنوع اور مذموم نہیں اور فتنہ کے معنی یہاں وہ نہیں جس کو عام لوگ فتنہ اور فساد کہتے ہیں. بلکہ فتنہ کے معنی امتحان کے ہیں یعنی مال اور اولاد تمہارے لیے امتحان کی چیز ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ مشغول ہوتے ہو یا ہمارے ساتھ اور جو امتحان میں کامیاب ہوا تو اس کے واسطے اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

یہاں تک موانع کی فہرست مکمل ہو گئی وہ کل تین چیزیں ہوئیں ایک مصیبت اور نعمت کے دو فرد ایک اولاد و ازواج اور ایک مال اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان کی مانعیت افراط فی المحبت اور تاثر قلبی کی وجہ سے ہے اور یہ امر اختیاری نہیں تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ الآیۃ یعنی جتنا بچنا تمہاری استطاعت اور قدرت میں ہے اس میں کمی نہ کرو۔ یعنی جو حکم تم کو دیا جائے اس کو گوش ہوش سے سنو اور اس پر عمل کرو اور شریعت نے جو دستور العمل تمہارے لیے تجویز کیا ہے اس کے پابند رہو اور چونکہ مال انسان کو بالطبع محبوب ہے اس لیے تقویٰ کے افراد میں سے انفاق فی سبیل اللہ کو اہتمام شان کے لیے مستقلاً علیحدہ ذکر فرمایا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ یعنی اپنے نفسوں کے لیے مال خرچ کرو اور لِأَنْفُسِكُمْ اس لیے فرمایا کہ اس انفاق کا نفع تمہاری ہی طرف عائد ہوگا اور اللہ تعالے غنی اور بے نیاز ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. یعنی جو شخص نفس کی حرص سے بچا لیا جائے یعنی اس کے نفس میں ایسی سماحت پیدا ہو جائے کہ مال کی محبت اور غیر اللہ کا تعلق اس میں باقی نہ رہے تو سمجھ لو کہ ان لوگوں کو فلاح اور کامیابی حاصل ہو گئی اور یُوْقَ بصیغۂ مجہول میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وقایت یعنی نگہداشت تمہارا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے بچانے والے ہم ہیں تم اپنے اس مجاہدہ پر ناز نہ کرنا۔ مقصود تک پہنچانا ہمارا کام ہے نفس میں جب تک شح اور حرص باقی نہ رہے مجاہدہ میں لگے رہو ایک لمحہ کے لیے مطمئن نہ ہو اور چونکہ نفس بالطبع حریص واقع ہوا اس لیے کسی چیز کے چھوڑنے پر اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک اس کو کسی بڑی چیز کی حرص نہ دلائی جائے۔ اس لیے آئندہ آیت میں اُخروی نعمتوں کی حرص دلاتے ہیں تاکہ دنیا کی حرص چھوڑ دے۔ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ اور دوسرے مقام پر اَضْعَافًا كَثِيْرَةً آیا ہے اور حدیث میں سات سو تک مضاعفت آئی ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں. غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور انعامات خداوندی کی حرص محمود ہے۔ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ اور اللہ تعالے بڑے قدردان ہیں اور بہت حلم والے ہیں اور وہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہیں اخلاص اور ریاء اور اپنے عمل پر ناز کو خوب جانتے ہیں اس لیے وہ عزیز یعنی زبردست ہیں۔ یعنی ناز کرنے والوں کا ناز توڑ دیتے ہیں اور بعض مرتبہ ریاء

اور عجب کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے وہ حکمت پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس تاخیر میں بھی حکمت ہے۔

(ملخص از رفع الموانع وعظ نمبر ۲ سلسلہ تبلیغ)
(از افاضاتِ والد محترم قدس اللہ سرہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ الطَّلَاقِ

اس سورت میں احکام طلاق اہمیت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں اس وجہ سے اسی نام سے اس کو بارگاہِ رسالت سے موسوم فرمایا گیا۔

ابتداء سورت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شریعت نے طلاق واقع کرنے کا طریقہ کس طرح متعین فرمایا ہے۔ جس کے ضمن میں ضمناً طلاق بدعی اور طلاق سُنی کی قسموں کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ طلاق دینے کی نوعیت ایسی ہو کہ خود اس سے ظاہر ہو جائے کہ مجبوراً اس کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے وقتی جوش یا جذبات یا محض مغلوب الغضب ہو کر طلاق نہیں دی گئی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دی جائے اور ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک جذبات اور غیظ وغضب اگر عارضی ہیں تو شدت باقی نہیں رہا کرتی جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آجائے گی۔

اسی کے ساتھ احکام عدت اور نفقہ وسُکنیٰ کا بھی بیان ہے۔ طلاق وعدت اور نفقہ وسکنیٰ کے مسائل کے درمیان بار بار اللہ کے تقویٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے کبھی ترغیب کے رنگ میں اور کبھی ترہیب کی صورت میں تاکہ کسی طرح بھی ظلم اور حق تلفی کا ارتکاب نہ ہو اور اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی حدود سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ معاشرت کو ہر خرابی سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

آیاتها ۱۲ ۶۵ = سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ = ۹۹ فیها رکوعان

سورۃ طلاق مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ

اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو، تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر،

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ

اور گنتے رہو عدت۔ اور ڈرو اللہ سے، جو رب ہے تمہارا۔ مت نکالو انکو

بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ

ان کے گھروں سے، اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو کریں صریح بے حیائی۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ

اور یہ حدیں ہیں باندھیں اللہ کی۔ اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے، تو

ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ

اس نے بُرا کیا اپنا۔ اس کو خبر نہیں، شاید اللہ نیا نکالے اس پیچھے کچھ

اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

کام۔ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور سے، یا

فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ

چھوڑ دو ان کو دستور سے اور گواہ کرلو دو معتبر اپنے میں کے، اور

اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ

سیدھی کہو گواہی اللہ کے واسطے۔ یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جاویگا، جو کوئی یقین

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲

رکھتا ہوگا اللہ پر، اور پچھلے دن پر - اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، وہ کردے اسکا گذارہ

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى

اور روزی دے اُسکو جہاں سے اس کو خیال نہ ہو - اور جو کوئی بھروسہ رکھے

اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ

اللہ پر، تو وہ اس کو بس ہے، اللہ مقرر پورا کر لیتا ہے اپنا کام۔ اللہ نے رکھا ہے

لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳

ہر چیز کا اندازہ

احکام طلاق وعدّت نفقہ وسکنیٰ وتاکید تقویٰ وتنبیہ بر تجاوز از حدودِ خداوندی

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ ---- الیٰ ---- لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔

(ربط) گزشتہ چند سورتوں میں عقائد و ایمانیات کا ذکر تھا۔ اللہ رب العزت کی عظمت و پاکی بیان کی گئی اور اس کی ذات وصفات کا مختلف اسلوبوں سے تعارف کرایا گیا جس کے ساتھ کچھ احکام عبادات سے بھی متعلق بیان کیئے گئے تو اب اس سورت میں معاملات و معاشرت کے بعض اہم اصول و احکام ذکر فرمائے جارہے ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ خاندانی منازعت اور جھگڑے بسا اوقات طلاق کی نوبت تک پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح کی خصومت اور جھگڑے انسان کے دین اور ایمان کو تباہ و برباد کردینے والی چیز ہیں اس بناء پر بالخصوص اس سورۂ مبارکہ میں احکام طلاق و عدت اہمیت سے بیان کیئے گئے تاکہ معاشرہ ان برائیوں سے پاک رہے فرمایا۔

اے ہمارے نبیؐ! جب تم اور تمہاری امت کے لوگ طلاق دو اپنی عورتوں کو تو طلاق دیا کرو انکو ؏ انکی عدّت پر

؏ عدت طلاق کا عنوان دو معنی پر مشتمل ہے ایک طلاق دینے کا وقت۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

اور اس وقت پر جو طلاق دینے کا وقت متعین کیا گیا ہے اور احاطہ کرو عدت کا۔ اس کی حفاظت کرتے ہوئے اور اس کو مکمل طور پر گنتی میں پورا کرتے ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ) یعنی جس وقت اللہ اور اس کے رسول نے طلاق دینے کی اجازت دی ہے نہ کہ ایسا وقت کہ اس میں طلاق دینے سے منع کیا گیا اور وہ زمانہ حیض ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے۔ ایام حیض میں طلاق دینا خلاف سنت اور معصیت ہے (جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے) ایام طہر میں طلاق دینے کا زمانہ اس وجہ سے متعین کیا گیا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ واقعۃً طلاق مجبوری ہی کی بناء پر دی گئی یہ نہیں کہ کوئی وقتی جذبہ مثلاً ایام حیض کا ہونا اس میں دخیل و مؤثر ہے۔ یہ تو عدت کا مفہوم ہوا طلاق دینے کے لحاظ سے دوسرا مفہوم عدت کا وہ زمانہ عدت ہے جس کو سورۂ بقرہ میں بیان فرمایا گیا۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ وہ عدت طلاق حضرات حنفیہ کے نزدیک تین حیض ہیں تو اس صورت میں ان تین حیضوں یعنی عدت طلاق کا احصاء (احاطہ و تحفظ) اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تب ہی تو وہ پورا شمار ہو سکتا ہے ورنہ اگر حیض میں طلاق دی گئی تو تین حیض کی تحدید و احصاء ممکن نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر اس حیض کو بھی شمار کیا گیا تو لامحالہ تین مکمل حیض سے کم زمانہ رہ جائے گا اور اگر اس کے علاوہ تین حیض مزید شمار کیے گئے تو یقیناً عدت تین حیض سے زیادہ ہو جائیگی تو اس طرح عدت کی حفاظت صرف اسی صورت سے ہوگی کہ طلاق طہر میں دی جائے۔ اور یہی طلاق سنی ہے تو فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ میں اگر لام کو ظرفیت پر محمول کرو تو ترجمہ یہ ہوگا "طلاق دو ان عورتوں کو طلاق دینے کے وقت" اور اگر لام کو اجلیہ یعنی بیانِ وجہ کے معنی پر محمول کرو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا "طلاق دو ان عورتوں کو (طہر میں) عدت میں احاطہ اور اس کے شمار کی وجہ سے" (تاکہ وہ پورے تین حیض ہو سکیں)

شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے اس وجہ سے اس پر حدود اور قیود ایسی نازل کی گئیں کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آسکے۔

احادیث میں ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنی ذریت کو دنیا کے گمراہ کرنے کیلیے بھیجتا ہے۔ جب اسکی ذریت دنیا کو مختلف طریقوں سے گمراہ کرکے واپس آتی ہے اور ہر ایک ابلیس اعظم کو اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے تو ہر ایک کی کارروائی سنکر ابلیس کوئی خاص خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ اخیر میں ایک شطونگڑا جو اپنے بارہ میں یہ سمجھ کر ایک کنارہ پر تھا کہ میں نے کوئی خاص کام انجام نہیں دیا۔ نہ چوری کرائی نہ قتل و بدکاری جب اس نے اخیر میں یہ کہا کہ میں ایک عورت اور مرد کے درمیان پڑ گیا ان میں لڑائی کرائی حتیٰ کہ طلاق تک نوبت پہنچا دی تو اس سے فارغ ہو کر اب آیا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلیس اعظم اس شیطان کو فرط مسرت سے اپنے ساتھ چمٹالے گا اور کہے گا نِعْمَ أَنْتَ کہ تو بہت اچھا ہے یا اگر اس لفظ کو نَعَمْ أَنْتَ پڑھیں تو معنی یہ کہ ہاں بس شیطان تو ہی ہے۔ ۱۲۔

اور اے مسلمانو! ڈرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے طلاق دینے میں اور عدّت کے معاملہ میں اس لیے نہ تو حیض میں طلاق دو اور نہ تین طلاقیں بیک وقت دو۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے احکام شریعت کی پابندی کرو اور نہ نکالو تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنے گھروں سے کہ ان پر زیادتی کرو یا ان کے نان و نفقہ کی تکمیل نہ کرو جس کے باعث وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں اور ظاہر ہے کہ ان کے گھر خاوند ہی کے گھر ہیں اور عدت چونکہ احکام نکاح سے متعلق ایک حکم ہے اسی وجہ سے زمانۂ عدّت میں عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی اور نہیں نکلیں گی یہ عورتیں اپنے گھروں سے مگر یہ کہ[1] ارتکاب کریں گی ایک کھلی بے حیائی کا۔ کیونکہ ایام عدّت میں عورت پر لازم ہے کہ گھر ہی میں رہے لہٰذا اس کا باہر نکلنا خدا کے صریح حکم کی نافرمانی کرنا ہوگا۔ جو ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ سکنیٰ محض حق العبد نہیں کہ جس طرح انسان اپنی مرضی سے اپنے حقوق ساقط کرسکتا ہے قرضہ معاف کرسکتا ہے اسی طرح کوئی عورت اپنی مرضی سے یہ سمجھے کہ میرے واسطے گنجائش ہے کہ میں اپنا یہ حق ساقط کردوں نہیں بلکہ یہ حق اللہ ہی کا ہے اور اس کو نظر انداز کردینا بلا شبہ اللہ کی معصیت و نافرمانی بھی[1] ہے اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں جن کی پابندی لازم ہے اور جو شخص اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھا تو بے شک اس نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا وہ نہیں[2] جانتا جبکہ وہ کسی داعیہ اور تقاضہ کے باعث اللہ کی حدوں سے

---

[1] یہ ترجمہ اور توضیح قاضی ابوبکر جصاص رح کی تحقیق کے مطابق ہے۔ بعض مفسرین اس لفظ فاحشہ کو بدکاری وغیرہ جیسے معنی پر محمول کرکے یہ تاویل کرتے ہیں کہ باعتبار امکان یہ کہا گیا کہ یہ ممکن ہے کہ باہر کی آمد و رفت اگر آزاد ہو اور ادھر یہ کہ خاوند موجود نہیں مطلقہ ہوچکی ہے تو اس امر کا امکان ہے تو یأتین کا ذکر محض امکان و احتمال کی تقدیر پر ہے لیکن اس معنی پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں اسی وجہ سے پہلے ہی مفہوم کو ترجمہ کے توضیحی کلمات میں متعین کردیا گیا۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ کا استثناء وَ لَا یَخْرُجْنَ کے مضمون سے ہے اور فاحشہ سے عرفی فاحشہ مراد نہیں بلکہ بدزبانی۔ مزاج کی تیزی اور لڑائی جھگڑا مراد ہے جیسا کہ بعض عورتوں کا مزاج ہوتا ہے تو اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے وہ عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلیں بلکہ ان کا یہ استحقاق ہوگا اور ان کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے خاوند ہی کے گھر میں عدت گزاریں ہاں البتہ اگر وہ بدکلامی اور بدمزاجی کا ارتکاب کریں اور لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو پھر ان کے واسطے سکنیٰ اور ایام عدت میں رہائش کا مسئلہ زوج کے ذمہ ضروری نہ رہے گا یہ تو اسی صورت میں ہے کہ مطلقہ عورتیں کوئی لڑائی جھگڑا یا بدکلامی اور بداخلاقی کی مرتکب نہ ہوں۔ تو ابِاِتیَان بِفَاحِشَةٍ کی یہ صورت ہوگی۔ ۱۲۔

---

[2] لا تدری کو صیغۂ مخاطب پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ لا تدری کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی بھی ظالم نفس نہیں جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے واسطے کیا صورت ظاہر ہونے والی ہے یہ تو قضاء و قدر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

آگے بڑھ رہا ہے۔ شاید اللہ اس کے واسطے اس طلاق دے دینے کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے اس لیے یہ بات درست نہیں کہ حدودِ خداوندی کی خلاف ورزی کرے بلکہ اس کو چاہیئے کہ احکام شریعت کی اتباع کرے خواہ اس میں کسی بھی قسم کی تکلیف کا وقتی طور پر سامنا کرنا پڑے اور اس کے ساتھ انتظار کرے اللہ کی طرف سے پیدا ہونے والی کسی اور صورت کا پھر جب وہ عورتیں پہنچ جائیں اپنی مُدّت کو ایام عدت پورے ہوجانے کی وجہ سے تو رکھ لو ان کو بھلے طریقہ سے اگر طلاق رجعی ہونے کی صورت میں ان سے رجوع کرنا چاہتے ہو۔ یا ان کو چھوڑ دو بہتر طریقہ سے کہ نہ روکنے میں ستانے کی صورت ہو اور نہ چھوڑنے میں ظلم وتعدی ہو اور گواہ بنا لیا کرو دو عادل شخصوں کو اپنے میں سے تاکہ کسی قسم کی تہمت یا زیادتی کا امکان نہ رہے۔ رجوع کرنا ہو تو اس پر گواہ بنا لو جس کے بعد اس مطلقہ رجعیہ کو رکھنے پر کوئی شخص معترض نہ ہو اور اگر بائنہ کر دیا تو اس پر بھی گواہ بنا لو تاکہ عورت عدت کے بعد جب دوسرا نکاح کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے۔

اور صحیح قائم رکھو شہادت کو اللہ کے واسطے اس لیے گواہ جب واقعہ کی گواہی دیں تو صداقت اور صفائی سے اصل واقعہ پیش کریں اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کے ذریعے نصیحت کی جارہی ہے ہر اس شخص کو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ پیدا کر دے گا اس کے واسطے

(بقیہ حاشیہ) کا طے کردہ نظام ہے۔ تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں "لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا" کی تفسیر میں یہ بیان کیا ای لو وقع فی قلب الزوج مراجعتها بعد الطلقة والطلقتین وھذا یدل علی ان المستحب ان یفرق الطلاق الثلاث ولا یوقع الثلاث دفعة واحدة حتیٰ اذا نادم امکنه المراجعة یعنی اس کے بعد اللہ کی طرف سے کسی امر کے پیدا ہونے کی توقع کی صورت یہ ہے کہ اللہ اس کے دل میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کا خیال ڈال دے جب کہ وہ ایک یا دو طلاق دے چکا ہے اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ مستحب یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک دفعہ نہ دی جائیں بلکہ ان کو متفرق اوقات میں ایک ایک کر کے دیا جائے۔ تاکہ وقتی جذبات کے دور ہونے پر اگر وہ نادم ہو تو رجوع کرنا ممکن رہے۔

امام بغوی رح کی اس تفسیر سے اور قرآن کریم کے الفاظ کی صریح دلالت سے یہ ظاہر ہوا کہ تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہوتی ہیں۔ اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو طلاق رجعی کی طرح اس سے بھی رجوع ہو جاتا اور اس صورت میں بھی ندامت اور پچھتانے کا کوئی مسئلہ نہ پیدا ہوتا بہرکیف تین طلاقوں کے بعد عورت کا قطعی طور پر شوہر پر حرام ہو جانا ایک اجماعی مسئلہ ہے جس پر کل صحابہ اور ائمہ تابعین کا اتفاق ہے اور یہ کہ جب تک کسی اور سے نکاح کر کے مطلقہ نہ ہو جائے یا ایسی صورت ہو کہ اس مطلقہ ثلثہ نے جس شخص سے نکاح کیا اس کی وفات ہو جائے تو پھر عدت کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور اس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی۔ ۱۲

مشکلات وشدائد سے نکلنے کا راستہ اور رزق دے گا اس کو ایسے طریقہ سے کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ اب اس کے سامنے نہ شدائد و مشکلات باقی رہیں گی بلکہ ہر مشقت و دشواری دور ہوتی چلی جائے گی اور اس کے علاوہ انعامات خداوندی کا یہ مقام ہوگا کہ روزی کے دروازے اس پر کھل جائیں گے اور ایسے راستوں سے اس کو رزق ملے گا کہ اس کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اور جو بھی کوئی اللہ پر بھروسہ کرے بس اللہ اس کو کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کی انتہاء کو پہنچنے والا ہے اس کا کوئی کام ادھورا اور ناقص نہیں رہ سکتا۔ جس کام کا وہ ارادہ کرے گا اس کو پورا ہی کر کے چھوڑے گا۔ اللہ نے ہر کام کے واسطے ایک اندازہ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ اس کی حکمت و تقدیر نے اگر کسی کام کی تاخیر مقدر کر دی۔ تو وہ اسی تاخیر سے ہوگا اور اگر ناگہاں اور فوری طور پر کسی چیز کو اللہ نے مقدر فرما دیا تو وہ ناگہاں رونما ہو جائے گی۔ یہ اللہ کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں بہرکیف جس طرح اس نے فیصلہ کیا۔ اسی طرح ہر کام کا ہونا ضروری ہے اس لیے یہ روش ٹھیک نہیں کہ ہم اللہ کے فیصلوں میں تاخیر و تعجیل کا شکوہ کرتے رہیں۔ ایمان و تفویض کا تقاضا ہے کہ اللہ کی تقدیر پر رضا و تسلیم کا مقام حاصل ہو۔

امام بخاریؒ و دیگر ائمہ محدثین نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ کو غصہ آیا اور فرمایا اس کو کہو کہ اس طلاق سے رجوع کرے پھر روک کے رکھے یہاں تک کہ طہر کا زمانہ آ جائے پھر ایام حیض آ جائیں اور پھر طہر آئے تو اس وقت اگر وہ ضرورت سمجھے تو طلاق دے طہر کی حالت میں قبل اس کے کہ اس سے قربت کرے آپؐ نے فرمایا یہی تو وہ وقت ہے جس پر اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ طلاق دی جائے (اگر طلاق دینا ضروری ہی ہے) ایک سند سے اس روایت کے مضمون میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے فرمایا عدت پر طلاق دینے کا مطلب یہی ہے کہ حالت طہر میں طلاق دی جائے حضرات فقہاء نے اسی آیت سے طلاق بدعی اور طلاق سنی کے احکام مستنبط فرمائے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں عورت کی بے بسی اور اسلام و قرآن کا اس کے حقوق کا محافظ ہونا

زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے ان کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل بلکہ قیدیوں کی طرح مجبور و بے بس رکھا جاتا تھا بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دے دیتے تھے پھر بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وحشیانہ مظالم کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا۔ قرآن کریم نے ان کے حقوق متعین کر دیئے اور احکام نکاح و طلاق و خلع نازل کر کے

ان کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا اور حدود متعین کر دی گئیں اور ان کی خلاف ورزی پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی۔ جہاں اور حکیمانہ ہدایات و نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک جامع راہنما اصول یہ بھی فرما دیا گیا فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ کہ اگر رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو اور اگر چھوڑنا ہی ہے تو معقول طریقہ اور حسن اسلوب سے چھوڑو۔ گویا کسی بھی حالت میں ظلم و تعدّی ہرگز نہ ہو خدا پر ایمان اور آخرت کا یقین ہی انسان کو ظلم و عدوان سے بچا سکتا ہے اس لیے فرما دیا کہ یہ زرّین نصیحتیں ان لوگوں کے لیے کارآمد ہیں جو خوف خدا اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں۔ پھر ساتھ تقوٰی کے بہترین ثمرات اور برکتوں سے آگاہ فرما دیا۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کہ اللہ کا ڈر دارین کی سعادت اور خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ بے قیاس و بے گمان روزی بھی ملتی ہے اور ایک عجیب قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد نہ سختی سختی رہتی ہے اور نہ پریشانی، پریشانی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک آیت معلوم ہے جو سارے عالم (یعنی سارے عالم کی مشکلات) کے لیے کافی ہے دریافت کیا گیا اے عبداللہ وہ کونسی آیت ہے تو آپ نے یہی تلاوت فرمائی وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

امام احمد بن حنبلؒ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھے جا رہے تھے کہ آپؐ نے فرمایا۔

يا غلام اني معلمك كلمات - احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعوا على ان ينفعوك لم ينفعوك الا بشيء كتبه الله لك۔ ولو اجتمعوا على ان يضروك لم يضروك الا بشيء - قد كتبه الله عليك - رفعت الاقلام وجفت الصحف۔	اے بچے میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں (وہ یہ ہیں) تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کا لحاظ کر تو اللہ کو (اور اسکی رحمتوں اور عنایتوں کو) اپنے سامنے پائے گا اور جب تجھے کوئی چیز مانگنی ہو تو اللہ سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یہ بات خوب سمجھ لے کہ اگر ساری دنیا جمع ہو جائے اس چیز پر کہ تجھے کچھ نفع پہنچائے تو دنیا کے تمام انسان تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے مگر صرف وہی جو اللہ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے سب لوگ جمع ہوجائیں اس پر کہ تجھے کچھ نقصان پہنچا دیں تو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے (اے لڑکے) تقدیر کے قلم (انسانی تقادیر لکھ کر) فارغ ہوگئے اور صحیفے

قضاء و قدر کے جو طے کر دیئے گئے ہیں وہ خشک ہو چکے اس لیے جو بھی کچھ ہو گا وہ اللہ کی تقدیر اور اسی کی مشیّت کے مطابق ہو گا۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ

اور جو عورتیں نا اُمید ہوئیں حیض سے

نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ

تمہاری عورتوں میں، اگر تم کو شبہ رہ گیا، تو اُن کی عدت ہے تین مہینے، اور ایسے ہی جن کو

يَحِضْنَ ۚ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

حیض نہیں آیا۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ کہ جَن لیں پیٹ کا بچہ۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ

اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، کر دے اس کو اس کے کام میں آسانی۔ یہ

اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ

حکم ہے اللہ کا، جو اُتارا تمہاری طرف۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، اُتارے اس سے

سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ

اس کی برائیاں اور بڑا دے اس کو نیگ ۔ گھر دو ان کو رہنے کو، جہاں

سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق اور ایذاء نہ چاہو ان کی، تا تنگ پکڑو

عَلَيْهِنَّ ۚ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ

ان کو ۔ اور اگر رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ، تو ان پر خرچ کرو، جب

حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ

تک جنیں پیٹ کا بچہ ۔ پھر اگر دودھ پلاویں تمہاری خاطر، تو دو ان کو

أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ

اُن کے نیگ۔ اور سکھاؤ آپس میں نیکی۔ اور اگر آپس میں ضد کرو،

فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن

تو دودھ دے رہے گی اُسکی خاطر اور کوئی عورت۔ چاہیئے خرچ کرے کشائش والا اپنی

سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ

کشائش سے۔ اور جس کو بھی ملتی ہے اس کی روزی، تو خرچ کرے جیسا دیا اُس کو

اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ

اللہ نے۔ اللہ کسی پر ذمہ نہیں رکھتا مگر اتنا جو اس کو دیا۔ اب کر دے گا

اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾

اللہ کچھ سختی کے پیچھے آسانی۔

ذِکر احکام بعض مطلقات مع بیان حق سکنیٰ و نفقہ و مسئلۂ رضاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا

(ربط) گزشتہ آیات میں طلاق کی عدت اور طلاق واقع کرنے کے بعض احکام بیان فرمائے گئے تھے اور ان امور میں اللہ کے تقویٰ اور حدود شریعت کی پابندی کے لئے تاکید فرمائی گئی تھی اب ان آیات میں بعض مطلقہ عورتوں کے خصوصی احکام اور ان کے حقوق کا بیان ہے بالخصوص وہ مطلقہ عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو یا وہ حاملہ ہوں ان کی عدت اور متعلقہ احکام اہمیت کے ساتھ بیان کیئے گئے۔ فرمایا۔

اور جو عورتیں ناامید ہو چکی ہوں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے اگر تم کسی قسم کا شبہ کرو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح وہ عورتیں بھی جن کو حیض نہیں آیا۔ خواہ بچپن کی وجہ سے یا کسی اور علت کے باعث تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جو حاملہ ہیں تو ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں اور جو بچہ پیٹ میں ہے وہ جن لیں اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے واسطے اس کے کام میں سہولت پیدا کر دیتا ہے اور وہ خود مشاہدہ کر لیتا ہے کہ کس طرح قدرت کی طرف سے اس کے کاموں میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

اور کس طرح اس کے مسائل و مشکلات کا حل نکلتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اُتارا ہے اور جو شخص بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے اجر و ثواب کو بہت بڑا کرتا ہے۔ اس لیئے ایمان والوں کو چاہیئے کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اللہ کا تقویٰ اختیار کریں انسان کو بیشک اپنے خانگی معاملات اور زندگی کے معاملات میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں بہت کچھ تکالیف اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سب احوال میں اللہ کا تقویٰ ہی اس کو مصائب سے نکالنے، پریشانیوں کو دور کرنے، مشکلات کو آسان کرنے کا ذریعہ ہے اور پھر اس وصف تقویٰ سے متقی شخص کے لیئے حق تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی انعام ہے کہ اس کی جو برائیاں اور کوتاہیاں ہیں ان کو نور تقویٰ دور کر دیتا ہے اور اجر و ثواب بھی خوب ملتا ہے بہرکیف عورتوں کے معاملات بالخصوص وہ عورتیں جو طلاق دے دی گئیں ضروری ہے کہ ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے خداوندِ عالم کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور ڈرنا چاہیئے کہ کسی طرح بھی ان پر کوئی ظلم و تعدی نہ ہو اسی سلسلہ میں یہ بھی حکم ہے۔ ان مطلقہ اور مُعتَدَّہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کے ٹھکانا مہیا کرو۔ جہاں تم سکونت اختیار کرتے ہو اپنی قدرتُ طاقت کے موافق کہ حق سکنیٰ کی وجہ سے وہ مستحق ہیں کہ تمہارے گھروں میں رہیں اور ظاہر ہے کہ رہائش کی ضروریات میں نفقہ بھی ان کا مہیا کرنا چاہیئے اور تم ان کو مشقت میں مت ڈالو اس طرح کہ تم ان پر تنگی کر دو اور ان کی زندگی ان پر تنگ ہو جائے۔

عام حالات میں تو عدت کا زمانہ تین حیض یا تین ماہ میں پورا ہو جائے گا اور اگر وہ حاملہ ہوں تو پھر یہ نہیں کہ تم وضع حمل کی مدت کا انتظار نہ کرو بسا اوقات اس کے طویل ہو جانے کی وجہ سے بلکہ تم ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت تو ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد چونکہ احکام زوجیت باقی نہیں رہے تو اولاد کو دودھ پلانا اب عورت کے ذمے باقی نہیں رہا تو ایسی صورت میں اگر وہ عورتیں دودھ پلائیں تو ان کو اس کا بدلہ ادا کرو اور طے کر لو آپس میں اپنے معاملات بھلے طریقہ سے اس طرح کہ نہ تو کوئی جھگڑا ہو اور نہ ہی کوئی کسی کی حق تلفی کرے اور اگر آپس میں تم دشواری محسوس کرو اور کسی چیز پر دونوں متفق نہ ہو سکو تو پھر بہتر ہے کہ کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی دودھ پلائے تاکہ باہمی منازعت اور خصومت کی نوبت نہ آئے بچہ کی تربیت پر بہرکیف خرچ کرنا باپ کے ذمہ ہے تو چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت و فراخی کے مطابق خرچ کرے اور جس کسی پر رزق کی تنگی ہو تو خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اللہ کسی کو بھی پابند نہیں بناتا مگر اسی مقدار کا جو اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اس سے زائد کا مکلف نہیں بنایا جاتا اور اگر کسی کو تنگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ عنقریب اللہ پیدا کر دے گا دشواری اور تنگی کے بعد آسانی اور سہولت اس وجہ سے وقتی تنگی سے انسان کو حقوق ادا کرنے میں رکاوٹ نہ کرنی چاہیئے اللہ پہ بھروسہ کرنا چاہیئے وہی رحمت اور فراخی کے دروازے کھولنے والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کے بعض احکام

سورۂ بقرہ میں آیت: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا" میں واضح طور پہ بیان کیا گیا تھا کہ جن عورتوں کے خاوند انتقال کر جائیں تو ان عورتوں کی عدت شوہر کی موت کے بعد چار ماہ اور دس دن ہے یہ حکم مطلق تھا اس میں قید نہ تھی کہ وہ کون سی عورتوں کا حکم ہے۔ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ تو اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ وہ حکم غیر حاملہ عورتوں کا تھا اور حاملہ عورتوں کا حکم ہر قسم کی عدت میں یہ ہے کہ وضع حمل تک ان کی عدت باقی رہے گی تو اس صورت میں کسی بھی آیت کو منسوخ قرار دینے کی نوعیت نہیں رہتی بلکہ ہر نوع کا حکم علیحدہ ہر ایک آیت نے بیان کر دیا پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے یہ آیت جو سورۂ طلاق میں نازل ہوئی سورۃ بقرہ کی آیت سے بعد میں نازل ہوئی۔ ابتداء میں بعض صحابہ کا خیال تھا کہ عدت وفات کی صورت میں عورت اگر حاملہ ہو تو عدت کا زمانہ وہ قرار دیا جائے گا جو زائد ہو۔ وضع حمل یا چار ماہ دس دن یعنی اگر وضع حمل خاوند کے انتقال کے بعد جلد ہی ہو جائے تو پھر چار ماہ دس دن کا انتظار کیا جائے گا اور اگر چار ماہ دس دن گذر جائیں اور وضع حمل نہ ہو تو پھر وضع حمل کی عدت کو انتہا قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا۔

جمہور صحابہ اور ائمہ فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ خاوند کے انتقال کے بعد اگر چند لمحے ہی گزرنے پر بچہ جن دے تو پاک ہونے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے تھے اور اس نے کہا کہ اے عبداللہ بن عباسؓ میں ایک عورت کے بارہ میں آپ سے فتویٰ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایک حاملہ عورت ہے اس نے اپنے شوہر کے انتقال کے چالیس روز بعد بچہ جنا ہے (تو اب وہ عورت کس طرح شمار کرے) ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ دونوں مدتوں میں سے جو طویل مدت ہے وہی عدت ہوتی ہے یعنی اب اس صورت میں چار ماہ دس دن عدت کے گزارنے ہوں گے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (آیت قرآنیہ ہے جس سے تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ بس وضع حمل پر عدت پوری ہو جائے) اس پر ابوہریرہؓ کہنے لگے کہ میں تو اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہؓ کے ساتھ ہوں (اور ان کی موافقت کرتا ہوں) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنا غلام حضرت ام سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس بھیجا تاکہ اس مسئلہ کی ان سے تحقیق کر کے آئے۔ تو اس پر ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ سُبیعہ اسلمیہؓ کے شوہر قتل کر دیئے گئے تھے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں سبیعہؓ نے اپنے خاوند کی موت کے

چالیس دن بعد بچہ جنا جب وہ پاک ہوئیں تو ان کے واسطے پیغام نکاح آیا. بعض اقرباء کے اعتراض وانکار پر) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ و دیگر ائمہ محدثین نے اس قصہ کو اجمال و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اس بات کی تردید فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت کے لیے اَبعد الاجلین کو عدت قرار دیا جائے گا۔ اور سورۂ طلاق کی اس آیت کو فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد تو کوئی آیت ہی اس مسئلہ میں نازل نہیں ہوئی حضرت مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابعد الاجلینؔ کے قائل ہیں تو بڑی سختی سے ان کا رد فرمایا اور فرمایا میں اس پر ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ عہ بعض روایات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اُبی بن کعبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ مطلقہ ثلث کے بارہ میں ہے یا اس عورت کے حق میں جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو فرمایا یہ دونوں کے بارہ میں ہے یہ روایت اگرچہ سند ضعیف سے مروی ہے لیکن یہی مضمون متعدد سندوں سے مروی ہونے کے باعث اصولِ حدیث کی رُو سے قابل اعتماد اور حجت ہے مگر سبیعہ اسلمیہؓ کی روایت جس کو بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے تخریج کیا وہ متفق علیہ ہے اور حجت کے لیے کافی ہے۔

معتدہ عورت کے لیئے نفقہ اور سُکنیٰ

عدت احکام نکاح اور متعلقات حقوق نکاح سے ہے۔ شریعت کے اس بنیادی ضابطہ کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ مطلقہ عورت کے لیے عدت کا زمانہ گزارنے کے واسطے مرد کے ذمہ یہ ضروری ہو کہ مکان دے جس کو شریعت کی اصطلاح میں سکنیٰ کہا جاتا ہے اور جب عورت ازروئے سخن شرع حالتِ عدت میں مکان سے باہر نہیں نکل سکتی تو لامحالہ نفقہ بھی مرد کے ذمہ لازم ہوگا۔ قرآن کریم کے یہ الفاظ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ اسی بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ عورت کے لیئے حق المقدور یہ انتظام کرنا ضروری ہوگا اور حتی المقدور رہائش کا بندوبست مکان نفقہ اور کپڑوں پر دلالت کر رہا ہے بعض محدثین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مصحف سے بیان کیا کہ وہ اس موقعہ پر لفظ وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ بھی پڑھا کرتے تھے (جس کو ان کے تلامیذ نے ان کے مصحف میں بطور حاشیہ یا کلمات بین السطور لکھ بھی دیا تھا)

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نفقہ کا حکم عام ہے ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کے متعلق ہے جیسا کہ آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں اسی طرح نفقہ کے حکم میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔

عہ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ من حدیث ابی معاویۃ عن الاعمش۔ ۱۲

فاطمہ بنت قیسؓ جن کو تین طلاقیں دی گئی تھیں ان کی روایت میں یہ ذکر کیا جانا ان ہی الفاظ و کلمات میں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم نہیں فرمایا"، نفقہ کے وجوب کی دلیل نہیں بن سکتا۔ فقہاء اور ائمہ محدثین کی تحقیق اور روایات کے تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ عورت چونکہ بد زبان تھیں اور جھگڑتی تھیں تو خاوند کے گھر ان کے خاندان کے لوگوں سے ان کا نباہ مشکل ہو رہا تھا اس وجہ سے یہ صورت ہوئی کہ ان کو سکنیٰ نہیں دیا گیا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ اپنے مزاج کے لحاظ سے شوہر کے گھر جب نہ رہ سکیں تو ان کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا چنانچہ سنن کی روایات میں اس کی تصریح ملتی ہے[عہ] اور جب سکنیٰ کا مسئلہ نہ رہا تو نفقہ بھی نہ رہا۔ جیسے کہ ناشزہ عورت کے بارہ میں یہی حکم ہے۔ جو عورت نافرمانی کر کے شوہر کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے[عہ] نیز جامع ترمذی و دیگر سنن کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نفقہ دیا گیا تھا ان کے خاوند نے وکیل کے ذریعے وہ نفقہ بھیجا تھا مگر اس عورت نے زائد کا مطالبہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور یہ فرمایا بس تیرے واسطے اتنا ہی نفقہ کافی ہے "اِلَّآ اَن تکونی حَامِلًا"، ہاں البتہ اگر تو حاملہ ہوتی اور مدتِ حمل طویل ہوتی تو ایسی صورت میں بے شک تیرا نفقہ زائد کیا جا سکتا تھا تو دراصل اسی مقدار زائد کے انکار کو یہ عورت فاطمہ بنت قیسؓ کہا کرتی تھی کہ اس کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا فیصلہ نہیں فرمایا مگر فاطمہؓ کے اس بیان اور اس قسم کے اظہار کو حضراتِ صحابہؓ حتیٰ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ پسند نہیں فرمایا کرتے تھے حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ مالفاطمۃ لا تتقی اللّٰہ۔ تقول ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یجعل لھا نفقۃ و لا سکنیٰ کہ کیا ہو گیا فاطمہؓ کو یہ اللہ سے نہیں ڈرتی یہ کہتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا فیصلہ نہیں فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ

واللّٰہ لا ندع کتاب ربنا و لا سنۃ نبینا لقول امرأۃ جھلت او نسیت۔	خدا کی قسم ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے محض ایک عورت کے قول پر معلوم نہیں اس نے صحیح بات سمجھی یا نہیں یا کوئی چیز بھلا دی۔

جس سے صاف واضح ہوا کہ مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ فاروق اعظمؓ کے نزدیک کتاب اللہ کا حکم تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی طحاوی میں حضرت عمرؓ سے اس کا سنت رسول اللہ ہونا ثابت ہے اور اسی طرح دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی اس کی تصریح ہے۔ حضرات اہل علم مراجعت فرمالیں۔

عہ سنن ابوداؤدؒ۔ بیہقیؒ۔
عہ احکام القرآن للجصاصؒ۔

طلاقِ ثلٰث باجماعِ اُمّت تین طلاق ہیں

نصِ قرانی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ تین طلاق کے بعد حُرمت قطعیہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور رجوع کا امکان باقی نہیں رہتا جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کی آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ میں گزر چکی۔ خواہ تین طلاقیں متفرقًا اور علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت۔ اس اجماعی فیصلہ میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظاہریہ اور بعض حنابلہ سے اختلاف نقل کیا گیا۔ مگر خود امام احمد بن حنبلؒ اس کے قائل نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا یہی فتویٰ ہے اور امت کے کل فقہاء محدثین ومفسرین اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی اس پہ ایک باب باندھا ہے فرمایا۔ بابُ من اجاز الطلاق الثلث بقولہٖ تعالٰے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔

امامؒ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک دفعہ ایک ہی زبان سے تین طلاق کہہ دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ البتہ طاؤسؒ اور بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کلمہ سے تین طلاق دینے سے ایک شمار کی جائے گی۔ اس کے بعد امام قرطبیؒ نے تمام شکوک واوہام کا جواب دیا (اصل کی مراجعت فرمائی جائے) [س]

روایات سے ثابت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت میں تمام صحابہ اور فقہاء کے مشورہ سے یہ فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص تین طلاق دے گا اس کو تین ہی شمار کیا جائے گا۔ اور کسی نے اگر اس کی خلاف ورزی کی تو اس کے دُرّے لگائے جائیں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

محلیٰ ابن حزم۔ زاد المعاد۔ اغاثۃ اللہفان لابن القیم اور سنن بیہقی میں حضرت عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا یہ فتویٰ باسانید صحیحہ نقل کیا گیا ہے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے خلفائے ثلٰثہ اور عبادلہ سے صراحۃً اسی بات کو نقل کیا کہ بیک وقت بھی تین طلاق دینے سے عورت مغلظہ بائنہ ہو جاتی ہے علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا میں حافظ ابن عبد البرؒ قاضی ابو بکر جصاصؒ۔ امام طحاویؒ اور حافظ عسقلانیؒ نے اس اجماعی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی مخالفت ناقابل التفات اور ناقابل اعتبار ہے۔ [ع]

حافظ ابن تیمیہؒ نے اگرچہ اس میں اختلاف کیا مگر ان کے خاص رفیق اور زندگی بھر ساتھ دینے والے امام حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے بڑی شدت سے ابن تیمیہؒ کا رد فرمایا۔ [سہ]

٭ ٭ ٭ ٭

س۔ تفسیر قرطبی ج ۳ صـ ۱۲۹۔

ع۔ فتح الباری ج ۹ صـ ۳۱۹۔

سہ۔ ملاحظہ فرمائیں معارف القرآن جلد ۱ صـ ۴۳۳ تا صـ ۴۴۱

مسئلۂ طلاق ثلث میں حدیث عبداللہ بن عباسؓ کی تحقیق

اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف کرنے والے اس روایت کا سہارا لیتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں مگر پھر عمر فاروقؓ نے تین طلاقیں جاری کردیں تو بعض ظاہریہ نے اس سے استدلال کیا کہ اصل تو تین طلاقیں بیک وقت ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ ان کو تین کی حیثیت سے جاری نافذ کرنا یہ عمر فاروقؓ کا کسی حکمت اور مصلحت کے باعث اپنا عمل اور فیصلہ تھا تو اس سلسلہ میں اولاً تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ۔ ابنِ عبدالبرؒ۔ قرطبیؒ۔ ابوبکر رازیؒ۔ جصاصؒ و دیگر ائمہ محدثین اس کی تضعیف کرتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی صہیب ابوالصہباء بکری واقع ہے جس کو ابو زرعہؒ نے ثقہ بتایا ہے لیکن امام نسائی اس کو ضعیف فرماتے ہیں۔ بہرکیف راوی متکلم فیہ ہے اسی وجہ سے بخاری نے اس کی روایت نہیں تخریج کی۔ حافظ ماردینیؒ الجوہر النقی ۳۳۷ ج ۳ میں لکھتے ہیں۔

وابوالصہباء ممن روی عنھم مسلم دون البخاری وتکلموا فیہ۔ قال الذھبی فی الکاشف قال النسائی ضعیف فعلی ھذا یحتمل ان البخاری ترك ھذا الحدیث لاجل ابی الصھباء اس کے برعکس امام بخاریؒ نے باب من اجاز الطلاق الثلاث لقول اللہ عز وجل اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ. منعقد کر کے طلاق ثلث کے جواز کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت کیا کہ عہد رسالت میں تین طلاقیں لازم اور نافذ تھیں۔

اس کے علاوہ سند اور متن میں اضطراب ہے، فی اسنادٍ عن عبداللہ بن طاؤس عن طاؤس وفی اسناد آخر عن طاؤس عن عبداللہ بن عباس اور متن کا اضطراب یہ ہے کہ کسی روایت کے متن میں یہ ہے کہ خود ابن عباسؓ عام طور پر یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق تھی الخ اور کسی روایت میں ہے کہ ابوالصہباء نے اس ایک طلاق کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ اور عمر فاروقؓ کے ابتدائی دور خلافت میں اس کو ایک ہی جانا جاتا تھا۔ ابنِ عباسؓ نے بھی اس کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر یہی فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمر فاروقؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں لوگ اس کو ایک ہی جانا کرتے تھے تو

اس حقیقت کے پیش نظر مسئلہ کی نوعیت قطعاً ہی بدل گئی۔

حافظ ابن قیمؒ نے بھی اغاثۃ اللہفان میں اس اضطراب کو تسلیم کیا ہے۔ دیکھو عمدۃ الاثاث ص۔

مزید برآں یہ حدیث شاذ ہے جیسا کہ بیہقیؒ اور ابوبکر بن عربیؒ سے منقول ہے کیونکہ ابن عباسؓ سے اس کا راوی صرف طاؤسؒ ہے اور طاؤس کے علاوہ ابن عباسؓ کے گیارہ تلامذہ و اصحاب مثلاً مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ۔ عمرو بن دینارؒ اور مالک بن الحارثؒ وغیرھم یہ نہیں بیان کرتے۔

ابن عباسؓ کا فتویٰ تمام کتب سنن میں مذکور ہے۔ احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس بناء پر حدیث ابن عباسؓ رد کرتے ہیں تو احمد بن حنبلؒ نے یہی عذر کیا کہ ابن عباسؓ کے تمام شاگرد طاؤس کے خلاف ان سے روایت کرتے ہیں۔

وقال الاثرم سالت ابا عبد اللہ احمد بن حنبل عن حدیث ابن عباس کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر واحدۃ فبای شیء تدفعہ فقال بروایت الناس عن ابن عباس انھا ثلث۔ کذا فی المغنی (اعلاء السنن ص ۵۲۶ ج ۱۱)

قال الجوزجانی ھو حدیث شاذ وقد عنیت بھذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد لہ اصلا۔ وقال القاضی اسماعیل فی احکام القرآن طاؤس مع فضلہ وصلاحہ یروی اشیاء منکرۃ فمنھا ھذا الحدیث۔ وقال ابن رجب کان علماء مکۃ ینکرون علی طاؤس ما ینفرد بہ من شواذ الاقاویل۔ (اعلاء السنن ص ۵۳۲ ج ۱۱)

قاضی ابوبکر جصاصؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ وبہ قال المارديني فی الجوھرۃ۔ وذکر صاحب الاستذکار عن ابن عبد البر ان ھذہ الروایۃ وھم وغلط لم یعرج علیھا احد من العلماء۔

بہرکیف اس تمام تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے قابلِ اعتبار اور حجت نہیں اس وجہ سے اجماع امت اور نص کتاب اللہ کے خلاف اس حدیث ابنِ عباسؓ سے تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیا جاسکتا ان اقوال ونقول کے بعد اس کے جواب کی کوئی ضرورت تو نہیں رہتی تاہم اگر چاہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے اس کی تین طلاقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم کی گزشتہ روایت سنن ابی داؤد میں بایں الفاظ مروی ہے (عمدۃ الاثاث ص ۱۰)

امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں باب الطلاق الثلث المتفرقۃ قبل الدخول بالزوجۃ۔ منعقد کر کے اس حدیث کو صرف غیر مدخولہ عورت کے حق میں شمار کیا ہے۔ بہرکیف اس تفصیل وتحقیق کے بعد اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو بعض علماء سے منقول ہے۔

ابتدائی زمانہ میں کوئی شخص اَنْتِ طالق۔ انت طالق۔ انت طالق کہتا تو اس کی نیت صرف

تاکید ہوتی تھی نہ کہ استیناف لیکن لوگ جب کثرت سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ صیغہ استعمال کرنے لگے اور قرآن کی دلالت سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوگ استیناف کا ارادہ رکھتے ہیں تو غالب اور متعارف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تین طلاقیں شمار کی گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر القرون تھا تو لوگ اس تکرار سے تاکید کا ارادہ کرتے تھے اور جو دل میں نیت کرتے تھے وہ صاف صاف زبان سے ظاہر کر دیتے تھے۔ اس وقت تک طبائع میں مکروفریب اور حیلہ ودجل نہیں تھا لیکن عمر فاروقؓ نے جب یہ دیکھا کہ زمانہ بدل گیا ہے اور لوگوں کے احوال بھی بدل گئے اور لوگ جلد بازی میں تین طلاقیں بیک وقت دینے لگے اور متعارف یہ تھا کہ لوگ نیت تجدید و استیناف کی کرتے ہیں۔ تو اس کے بعد عمر فاروقؓ نے تین کو نافذ فرما دیا اور یہ گنجائش نہ رکھی کہ کسی وقت بھی کوئی شخص ایسا اقدام کرنے کے بعد پھر یہ حیلہ کرنے لگے کہ میں نے تو تین نہیں بلکہ ایک ہی کا تکرار بطور تاکید کیا تھا۔" مگر سند کی تحقیق بالخصوص امام نسائیؒ کی اس وضاحت کے بعد "باب الطلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة" اس طرح کی کسی تاویل یا جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب؏۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ

اور کتنی بستیاں اچھل چلیں اپنے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ

رب کے حکم سے، اور اس کے رسولوں کے، پھر ہم نے حساب میں پکڑا انکو سخت حساب میں،

وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ

اور آفت ڈالی ان پر اَن دیکھی آفت۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی، اور

كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا

آخر اس کے کام میں ٹوٹا آیا۔ رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے سخت

شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ڬ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ

مار۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے، اے عقل والو۔ جن کو یقین ہے۔

؏ اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل حضرت والد محترم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے حصۂ تفسیر میں سورۂ بقرہ کی آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ

اللہ نے اُتاری ہے تم پر سمجھوتی ۔ رسول ہے ، جو پڑھتا ہے تم پاس آیتیں

اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

اللہ کی کھلی سنانے والی ، کہ نکالے ان کو جو یقین لائے ، اور کیئے بھلے کام ،

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

اندھیروں سے اُجالے میں ۔ اور جو کوئی یقین لاوے اللہ پر ، اور کرے کچھ بھلائی ،

يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اس کو داخل کرے باغوں میں ، نیچے بہتی جن کے نہریں ، سدا رہیں ان میں

اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

ہمیشہ ۔ البتہ خوب دی اللہ نے اس کو روزی ۔ اللہ وہ ہے جس نے بنائے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ

سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی ، اُترتا ہے حکم ان

بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ

کے بیچ ، تا تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ۔ اور

اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝١٢ۧ

اللہ کی خبر میں سمائی ہے ہر چیز کی ۔

تنبیہ و تحذیر بر نافرمانی رب العالمین و

درس عبرت بہ بیان ہلاکت قریہائے مجرمین

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ ...... الی ...... بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں معاشرت اور معاملات کے احکام ذکر فرمائے جارہے تھے جن میں عدل وانصاف کا حکم تھا اور عدل وانصاف قائم کرنے کی بنیاد خوفِ خدا ہے اس وجہ سے درمیان میں تین بار وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ ذکر فرمایا گیا کہ اللہ کا تقویٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہے اللہ کے تقویٰ سے دشواریاں آسانیوں سے بدل جاتی ہیں۔ اور اللہ کے تقویٰ سے انسان اپنی برائیوں سے پاک ہوکر مستحق اجرِ عظیم ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اللہ کی نافرمانی پر وعید اور تنبیہ فرمائی جارہی ہے۔ اور یہ کہ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ مجرمین پر خدا کا کس طرح عذاب نازل ہوا اور یہ کہ اللہ رب العزت کا یہ عظیم انعام و کرم ہے کہ اس نے اپنا رسول بھیجا تاکہ لوگ کفر کی ظلمتوں سے بچ کر ایمان وہدایت کا نور حاصل کریں۔ ارشاد فرمایا۔

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا طریقہ اختیار کیا تو ہم نے ان کو حساب میں پکڑ لیا بڑا ہی سخت حساب لیا اور عذاب میں ڈال دیا ان کو نہایت ہی ناگوار اور ناقابل برداشت عذاب میں پھر چکھ لیا ان بستیوں نے اپنے عمل کی سزا کو اور انجام کار ان کے عمل کا خسارہ ہی تھا دنیا میں تو تباہ وبرباد کیے ہی گئے مزید برآں اللہ نے تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے سخت عذاب ظاہر ہے کہ ایسے دردناک عذاب کے واقعات سُن کر ہی عقل والوں کو ایسی برائیوں بداعمالیوں اور خدا کی نافرمانی سے باز آجانا چاہیئے کہ کہیں اس طرح کی کوئی بے اعتدالی کرکے خدا کی پکڑ میں نہ آجائیں۔

لہٰذا ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جو کہ اللہ پر ایمان لائے۔ کیونکہ عقل انسانی اللہ کی معرفت کا باعث ہے اور اس کی قدرت خالقیت و وحدانیت پر ایمان لانے پر آمادہ کرتی ہے اس وجہ سے عقل والے کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے۔ بے شک اللہ نے اے لوگو اتارا ہے تمہاری طرف ایک نصیحت کا پیغام یعنی وہ رسول جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے جو کھول دینے والی ہیں حق اور باطل کو۔ تاکہ وہ نکال لے ایمان والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف۔ کہ کفر اور جہالت کی ظلمتوں سے بچ کر وہ نورِ ہدایت قبول کرلیتا ہے اور یقیناً جو شخص بھی اپنی عقلی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ کی ہدایت کو قبول کرتا ہے اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے وہ جزاء اور اکرام کا مستحق ہے اس بناء پر خداوند عالم نے یہ قانون طے کردیا ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یقیناً خوب ہی روزی اللہ نے ایسے شخص کے واسطے عطا کی ہے کہ جنت کے رزق سے بڑھ کر اور کون سا رزق ہوگا تو یہ رزق بھی بہترین ہے اور اعمال کا بدلہ بھی بہترین اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بھی ایک بہترین رزق تھا جو اللہ نے ایسے لوگوں کو دنیا میں عطا فرمایا۔ وہ اللہ ہی ہے کیسی عظیم قدرت والا جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی اسی طرح سات زمینیں پیدا کیں اور تخلیق کائنات عالم ملکوت السمٰوٰت اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق کا ایسا عجیب اور محکم نظام مقرر فرمایا کہ دنیا کے عقلاء اور حکماء حیران ہیں پھر نظام تکوینی جیسا کہ محکم منتظم اور مرتب ہے اسی طرح اس کا تشریعی نظام بھی نہایت محکم ہے۔ چنانچہ اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر خواہ وہ آسمان ہوں یا زمین۔

آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں شمس و قمر ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان سب کے واسطے تکوینی احکام اور تشریعی ہدایات ہیں تاکہ اے لوگو! تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور جب کوئی بھی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں تو یقیناً وہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جزاء و انعام سے نوازے گا اور مجرمین و نافرمانوں کو عذاب اور سزا دے گا اور اس کے حساب کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور چنانچہ اس قہر و عذاب سے بہت سی بستیاں تباہ کر دی گئیں۔ جیسے عاد و ثمود کی بستیاں تو ان بستیوں کی ہلاکت کے تاریخی واقعات سے موجودہ دور کے انسانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

سات آسمانوں اور سات زمینوں کے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اور اس کی تحقیق

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سات آسمان پیدا کیئے اسی طرح اس نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں گو کہ اکثر مواقع میں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ کے ساتھ خَلْقِ ارض میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے متبادر یہی ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمین ایک ہی طبقہ ہے لیکن اس آیت میں یہ تصریح واقع ہوئی کہ جس طرح سات آسمان ہیں زمینیں بھی سات ہیں جیسا کہ جامع ترمذی اور بعض سنن کی روایات میں ہے تو یہ ممکن ہے کہ یہ سات زمینیں آسمانوں کی طرح تہہ بر تہہ نہ ہوں بلکہ احتمال ہے کہ باعتبار بعض حالات کے ہوں اور بعض حالات میں ممکن ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی سے اوپر ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ جن کی نسبت آج کل یورپ کے حکماء کا خیال ہے کہ اس میں پہاڑ اور دریا اور آبادیاں ہیں تو اس طرح سات زمینوں کا عدد پورا ہو سکتا ہے باقی یہ مسئلہ نہ تو اصولِ دین سے ہے کہ اس کو پوری طرح سمجھے اور اس کی تحقیق کے بغیر ایمان ہی کامل نہ ہو تو ضروری نہیں کہ ہم اس کی ایسی ہی تحقیق اور تشریح کے پابند ہوں جیسا کہ اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں کے اجمالاً اس طرح کا تصور جس کی طرف اشارہ کیا گیا وَ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کا مفہوم سمجھنے کے لیے کافی ہے رہی وہ روایت جو عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً منقول ہے جس میں یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جس میں سے ہر زمین میں آدم ہیں تمہارے آدمؑ کی طرح اور نوح ہیں حضرت نوحؑ کی طرح اور ابراہیم ہیں ابراہیمؑ کی طرح اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰؑ ہیں تو محدثین کے اصول سے یہ روایت شاذ ہے قابل اعتبار اور صحیح نہیں شمار کی گئی اس بنا پر اس کی تحقیق و تدقیق میں پڑنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ خدا کے علم کے حوالہ کر دیا جائے ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان کردہ اثر کے پیش نظر کچھ شکوک و اوہام میں لوگوں کو مبتلا کرنے کی کوشش کرے یا یہ کوشش کرے کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت کے ساتھ العیاذ باللہ کسی اور نبوت کا بھی امکان ہے اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس کی قدرے تحقیق کر دی جائے تاکہ اس قسم کے اوہام باطلہ کا کوئی امکان نہ رہے۔

امام بیہقیؒ نے ابن عباسؓ کی اس روایت کے راویوں کے معتبر ہونے کے باعث اسناد کو قابل اعتبار تو کہا مگر محدثین و اصولیین کے ایک مسلمہ قانون کے پیش نظر کہ یہ حدیث دیگر احادیث معروفہ کے خلاف ہے اس وجہ سے شاذ اور معلول ہے اور احادیث شاذہ کو محدثین نے حجت نہیں سمجھا اس موقعہ پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نادر تحقیق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں یہ تحقیق الحمدللہ ایمان و استقامت کی ضامن و کفیل ہے فرماتے ہیں۔

"اسلام کی دعوت اس زمین کے سوا دیگر طبقات ارض میں کتاب و سنت سے کہیں ثابت نہیں، اگر ہوتی تو ضرور اس بارہ میں کوئی نص وارد ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرماتے اس بناء پر علماء نے اس اثر کو باوجود صحیح الاسناد ہونے کے شاذ بتلایا ہے اور اگر صحیح مانا بھی جائے تو اس کی مختلف تاویلیں کی جاسکتی ہیں"

تاویلِ اوّل

ممکن ہے مراد یہ ہو کہ زمین کے ہر طبقہ میں ایک ہادی ہے جو اس طبقہ کے نبی کے ہم نام ہو پس ان طبقات تحتانیہ میں آدمؑ اور نوحؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہؐ کے ہم نام ہادی ہوتے ہیں جو حقیقت میں انبیاء نہ تھے بلکہ محض ہادی تھے اور اس طبقہ کے انبیاء کے ہم نام تھے اور کسی اعتبار سے اس طبقہ کے انبیاء و رسل کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے "علماءُ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل" اور مشابہت سے مماثلت اور مساوات لازم نہیں آتی اس لیے کہ کلام عرب میں کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے اور تشبیہ کے لیے یہ لازم نہیں کہ مشبَّہ، مشبَّہ بہ کے مماثل اور برابر ہو۔ لہذا اس سے یہ بات ثابت کرنا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی نظیر اور ہمسر ہے کسی طرح صحیح نہیں نیز حق تعالیٰ شانہ، کے اس قول "اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اولادِ آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ جنات میں سے رسول نہیں آئے تحتانی طبقات کے باشندے اسی طبقۂ زمین کے پیغمبروں کے تابع رہے ہیں۔

(دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۲۶۱/ ج ۱)

تاویلِ دوم

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ ہو کہ جس طرح اس طبقۂ زمین میں نبوت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح زمین کے تحتانی طبقات میں بھی ہدایت کے لیے نبوت و بعثت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور چونکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ سلسلہ کا غیر متناہی ہونا باطل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ہر طبقہ میں ایک مبداء سلسلہ ہو گا جو ہمارے آدمؑ کے مشابہ ہو گا اور ایک آخر سلسلہ ہو جو ہمارے خاتم النبیین کے مشابہ ہو گا پس بناءً علیہ طبقات تحتانیہ کے اواخر انبیاء پر خواتم کا اطلاق درست ہو گا مگر اس کی خاتمیت اس طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو گی عام نہ ہو گی بلکہ اضافی ہو گی اور ہمارے خاتم الانبیاء کی خاتمیت عام اور تام اور مطلق اور دائم ہو گی کیونکہ آپ کی دعوت اور بعثت عام ہے کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں لہذا مطابق عقائد اہل سنت

یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت عام ہے اور قیامت تک تمام جن و انس پر آپ کی شریعت کی پیروی فرض اور لازم ہے پس اگر بالفرض والتقدیر آپ کے زمانہ میں کسی طبقۂ زمین میں کوئی نبی ہوا بھی تو آپ ہی کے شریعت کا متبع ہوگا اور وہ صرف اپنے ہی طبقہ کا خاتم ہوگا۔ اور اس کی خاتمیت اضافی ہوگی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت عام اور تام اور دائم ہے۔ حضور پُر نور جس طبقۂ زمین پر مبعوث ہوئے اس طبقۂ زمین پر جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مسیلمہ کذاب کی طرح بلاشبہ دجال اور کذاب ہوگا، مسیلمہ کذاب خواہ یمن کا ہو یا پنجاب کا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

اور طبقات تحتانیہ کے خواتم میں عقلاً تین احتمال ہیں اور یہ کہ وہ خواتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کے بعد ہوں یہ احتمال قطعًا باطل ہے اس لیے کہ حدیث لا نبی بعدی اس بارہ میں نص صریح ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ دوسرے خواتم آپ سے مقدم ہوں اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ وہ آپ کے ہمعصر ہوں۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ ضرور بالضرور شریعت محمدیہ کے متبع ہوں گے اور ان کی خاتمیت اضافی ہوگی اور ہمارے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور دعوت عام اور تام ہوگی بہرحال خاتمیت حقیقی ہو یا اضافی ظہور خاتم کے بعد ہر طبقۂ زمین میں نبوت کا دعویٰ کفر اور دجل ہوگا اور ہر طبقہ کا مدعی نبوت کذاب اور دجال اور مسیلمہ اور اسود عنسی کی طرح واجب القتل ہوگا۔ اور علیٰ ہذا جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کو اسی طبقۂ زمین کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہو اور ہر طبقہ کے خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

تاویلِ سوم یہ بھی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ابن عباس کا یہ قول عالمِ مثال پر محمول ہے کہ ہر طبقۂ زمین میں اس طبقۂ زمین کے صُورِ مثالیہ اور اشباہ اور امثال موجود ہیں جیسا کہ ابن عباس کی ایک روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ وہ یہ کہ ابن عباس سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان زمینوں میں مجھ جیسا ابن عباس بھی ہے اور ہر زمین میں اور ہر آسمان میں ایک خانۂ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین و آسمان میں ایک خانۂ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین و آسمان میں چودہ خانے کعبے موجود ہیں۔ حضرات اہلِ کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور عالمِ مثال یعنی رؤیت مثالیہ پر محمول ہے اور فتوحات مکیہ میں اس قسم کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اعلم۔

جدید فلاسفہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں۔ فلاسفۂ عصر آسمان کے وجود کے تو سرے سے قائل ہی نہیں اور زمین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک زمین ہے اور باقی چھ زمینوں کے قائل نہیں۔ فلاسفۂ عصر کہتے ہیں کہ فضا میں جو نیلگوں رنگ نظر آتا ہے یہ فضاء کا یا ایتھر کا رنگ ہے اس لیے کہ بڑی بڑی نزدیک کُن خوردبینوں سے سوائے کواکب کے فضاء میں کوئی اور جسم نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے بُعدِ مسافت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آتا ہو اس لیے یہ انکار قابلِ التفات نہیں نیز فلاسفۂ عصر کا مذہب، یہ ہے کہ اس فضا اور خلا کی کوئی انتہاء نہیں اور ظاہر ہے کہ خوردبین کی رسائی غیر محدود نہیں۔ پس ممکن ہے کہ آسمان اس غیر محدود فضا اور غیر متناہی خلا کے اندر اتنے دور فاصلہ پر واقع ہو کہ بُعدِ مسافت کی وجہ سے دوربین کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو۔ دیکھنے والے کو اصل عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ اس کا پلستر دکھائی دیتا ہے اور علیٰ ہذا فلاسفۂ عصر کا سات زمینوں کے وجود کا انکار بھی بالکل بے دلیل ہے جس طرح ایک زمین موجود ہوسکتی ہے اسی طرح سات زمینیں بھی موجود ہوسکتی ہیں۔ سات زمینوں کا وجود عقلاً محال اور ممتنع نہیں، اور چونکہ مخبر صادق نے ہم کو ان کے وجود کی خبر دی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور فلاسفۂ عصر کی بیدلیل باتوں سے قرآن وحدیث اور اللہ ورسول کی باتوں میں شکوک و اوہام پیدا کرنا زیب نہیں دیتا اس تحقیق عمیق سے اہلِ علم کے قلوب کو یقیناً طمانیت وسکون نصیب ہوگا اور دینِ اسلام کے کسی عقیدہ پر کسی طرح کا بھی شبہ پیدا نہ ہوسکے گا۔ وَلِلّٰہِ الحمدُ والمنۃ

تم بحمداللہ تعالےٰ وبتوفیق اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الطلاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التحریم

اس سورت کا مضمون اپنی عظمت واہمیت کے لحاظ سے اس بات کی راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی گھریلو زندگی کس اعتدال واحتیاط کے ساتھ گزارنی چاہیے اور اس میں اہلِ بیت کے حقوق وجذبات، کی رعایت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کو بھی پوری طرح برقرار رکھا جائے اور اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے، کہ ازواج میں سے کسی کی دلجوئی کی خاطر کسی دوسرے کی حق تلفی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ابتداءِ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مباح چیز یعنی شہد اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کا ذکر ہے پھر ایسے جذبات جو اس امر کا داعی بنے ان کا بھی بیان ہے ساتھ ہی اس پر بھی تنبیہ ہے کہ گھریلو زندگی کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی راز ہو تو اس کو راز ہی رکھا جائے اور یہ بھی کہ اگر ازواج کسی قسم کی بے اعتدالی اختیار کریں تو یہ بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کو طلاق دے دی جائے اس ضمن میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر عورتیں اپنی مزاجی کیفیات سے کسی قسم کی بدعنوانی یا زیادتی اختیار کریں گی تو پھر ان صالح اور نیک اطوار خاوندوں کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ اختتام سورت پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مرد صالح کی زوجیت میں کوئی شقی اور

بدنصیب عورت آجائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے صالح اور پاکباز خاتون کا شوہر عاصی و نافرمان ہو تو ایسے احوال میں عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ہدایت اور حق پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

آیَاتُهَا ۱۲ ٦٦ = سُوْرَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ = ۱۰۷ فِيهَا رُكُوعَانِ

سورۂ تحریم مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي

اے نبی! تو کیوں حرام کرے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر؟ چاہتا ہے

مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ

رضامندی اپنی عورتوں کی۔ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ ٹھہرا دیا ہے

اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ

اللہ نے تم کو کھول ڈالنا اپنی قسموں کا۔ اور اللہ صاحب ہے تمہارا اور وہی ہے سب

الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

جانتا حکمت والا۔ اور جب چھپاکر کہی نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات،

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ

پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی، اور اللہ نے جتا دیا نبی کو یہ، جتائی نبی نے اس میں سے

وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ

کچھ، اور ٹلا دی کچھ۔ پھر جب وہ جتایا عورت کو بولی تجھ کو

أَنْبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٣﴾ إِنْ تَتُوبَا

کس نے بتایا یہ؟ کہا مجھ کو بتایا اس خبر والے واقف نے۔ اگر تم دونوں توبہ کرتیاں

إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۚ وَإِن تَظٰهَرَا

ہو، تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے ۔ اور اگر تم دونوں چڑھائی

عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ

کروگیاں اس پر، تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک

الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى

ایمان والے ۔ اور فرشتے اس پیچھے مدد گار ۔ ابھی

رَبُّهٗٓ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهٗٓ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ

اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو، اس کا رب بدلہ میں دے اسکو عورتیں تم سے بہتر

مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

حکم بردار ، یقین رکھتیاں ، نماز میں کھڑی ، توبہ کرتیاں ، بندگی بجا لاتیاں ، روزہ دار

ثَيِّبٰتٍ وَّأَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوٓا أَنفُسَكُمْ وَ

بیاہیاں اور کواریاں ۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور

أَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر، اس پر مقرر ہیں فرشتے

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ

تند خو زبردست ، بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات ان کو فرمائی، اور وہی کرتے

مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۶﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ

ہیں جو حکم ہو ۔ اے منکر ہونے والو! مت بہانے بناؤ آج کے دن۔

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۷﴾ ع

وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے ۔

تعلیم صبر و استقامت و عدل و انصاف در حقوق و امور معاشرت

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ ...... الیٰ .... اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ سورت میں طلاق و عدّت کے بعض اہم احکام کا بیان تھا اب اس سورت میں بعض ایسے جذبات طبعیہ کا بیان ہے جن کے باعث خانگی زندگی کا اعتدال و توازن ختم ہوسکتا ہے اور اس سے تفریق وجدائی کی بھی نوبت آسکتی ہے۔ اور ایک خاص واقعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف سے پیش آیا تھا تو اس کی مناسبت سے بعض خصوصی احکام و ہدایات بھی بیان فرمائی جارہی ہیں۔

صحیحین و دیگر کتب حدیث میں اس سورت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھیر جایا کرتے تھے (جبکہ آپؐ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے جاتے تاکہ اُن کے احوال کا علم ہو۔ اور ازواج مطہرات کے لیے آپؐ کی زیارت و تشریف آوری موجب برکت و راحت ہو) اس وقت حضرت زینبؓ کے پاس شہد آیا ہوا تھا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا تو دو چار روز اس کے نوش فرمانے میں دیر لگی اور حضرت عائشہؓ وحفصہؓ کے یہاں پہنچنے میں تاخیر پر ان کو بے چینی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد اور میٹھی چیز پسند تھی تو یہ بات ظاہر ہونے پر حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو ہم یہ کہیں کہ یارسول اللہ آپؐ کے منہ سے تو مغافیر (ایک قسم کے گوند کو کہا جاتا ہے) کی بدبو آرہی ہے تاکہ آپؐ اس چیز کو ترک کردیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا بیان کرتی ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا میں تو آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بدبو محسوس کر رہی ہوں آپؐ نے مغافیر کھایا ہے۔ اس کے بعد آپؐ حفصہؓ کے یہاں گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر آپؐ نے طبعی ناگواری کے ساتھ فرمایا خُدا کی قسم میں اب شہد نہیں پیوں گا تو اس طرح آپؐ نے اپنی قسم کے ذریعے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی اور اس سلسلہ میں جو بعض باتیں پیش آئیں ان کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا یہی شانِ نزول صحیح ہے اگرچہ مفسرین نے ایک دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے اگرچہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع فعل نہیں جب کہ عقیدۃً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے مگر پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رفیع کے مناسب نہ تھی تو فرمایا چاہتے ہیں آپ اپنی بعض ازواج کی خوشنودی۔ خوش خلقی اور ازواج کی خوشنودی بے شک اچھی چیز ہے۔ لیکن جس حد تک اس کی ضرورت نہ ہو یا کسی کی خوشنودی دوسری کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے یہ آپ کے مقام عالی کے مناسب نہیں تو اس پر درگذر ہے۔

اور اللہ غفور رحیم ہے وہ اس قسم کی غیر مناسب یا خلاف اولیٰ باتوں کو درگذر فرماتا ہے اور اپنی رحمت و مہربانی سے نوازتا ہے بے شک اللہ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے واسطے تمہاری قسموں کا حلال کرنا کہ کسی حلال چیز سے رُکے رہنے کے بجائے قسم کا کفّارہ دے کر اس حلال کو اختیار کرو نہ یہ کہ عملاً اس سے اس طرح پرہیز کرتے رہو جیسا کہ حرام چیز سے پرہیز کیا جاتا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے وہی سب کچھ جاننے والا صاحب حکمت ہے چنانچہ ایسا ہی مقدر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس وجہ سے کہ دیگر ازواج کے لیے کسی قسم کی رنجیدگی کا باعث نہ ہو قسم کھالی کہ میں اب آئندہ شہد نہ پیوں گا اور جب چھپا کر کہی پیغمبر نے ایک بات اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اور ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ کسی اور سے مت بتانا تاکہ کسی کو رنج نہ پہنچے لیکن پھر جب اس نے خبر کر دی اس بات کی ازواج میں کسی اور کو بھی چنانچہ حضرت عائشہؓ نے یہ بات حفصہؓ کو بتا دی کہ دیکھو حضورؐ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اب آپؐ زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر نہ کر سکیں گے اور اللہ نے اس پر اپنے پیغمبر کو مطلع کر دیا تو اللہ کے پیغمبر نے کچھ بات بتلا دی اور کچھ سے اعراض کیا اس مصلحت سے کہ اس بیوی کو کسی قسم کا رنج یا بدگمانی نہ ہو تو جب پیغمبر نے یہ بات ظاہر کی اس بیوی سے تو اس نے پوچھا کس نے خبر دی ہے آپ کو اس بات کی کہ میں نے یہ راز کسی کو بتایا ہے۔ جواب دیا۔ بتا دیا مجھ کو اس بڑے علم رکھنے والے خبردار نے کہ جس پروردگار کے علم میں ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ اللہ رب العزّت جب کسی بات کو ظاہر کرنا چاہے تو اُسے کوئی نہیں چھپا سکتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن معاشرت اور وسعتِ اخلاق کے بارہ میں چاہا کہ یہ شہد پینے کے معاملہ کو بھی ترک کر دوں تاکہ وہ ازواج جو حضورؐ کے غایت تعلق کی وجہ سے آپؐ کی تشریف آوری اور زیارت کے لیے بے چین رہتیں اور اگر ذرا چند لمحوں کی بھی دیر ہوتی تو وہ دیر انکو دوبھر گذرتی ادھر یہ بھی چاہا کہ جو بیوی اس تعلق اور جذبہ سے آپؐ کی ایک مرغوب چیز (شہد) سے تواضع کرتی تھیں ان کو اس کا علم نہ ہو کیونکہ ان کو معلوم ہونے سے یقیناً رنج پہنچے گا اس وجہ سے یہ صورت کی کہ شہد حرام کر لیا اور اس کی قسم کھانے کے بارہ میں یہ بھی تاکید کر دی کہ کسی کو خبر نہ کی جائے لیکن عائشہؓ بہرکیف عورت تھیں اور عورت کے مزاج میں ضعف ہوتا ہے تو اس کو چھپا نہ سکیں اور حفصہؓ کو خبر کر دی ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال کے پیش آنے پر ان دونوں کا قصور ظاہر ہوا تو حق تعالےٰ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ تو اچھا ہے کیونکہ تمہارے دل جھک پڑے تھے ان میں میلان اور ٹیڑھا پن آگیا تھا اور جادۂ اعتدال سے جھک کر ایک طرف مائل ہو چکے تھے اور اے عائشہؓ اور حفصہؓ اگر تم دونوں پیغمبر خدا پر کوئی غلبہ حاصل کرنے کا ارادہ کرو گی تو پھر سمجھ لو کہ اللہ بھی ان کا مولیٰ ہوگا اور جبریل بھی اور صالحین مؤمنین بھی یہ سب خدا کے پیغمبر کی مدد کے لیے ہوں گے اور یہ ہی نہیں بلکہ فرشتے بھی اس کے بعد مددگار ہوں گے۔

تو خدا اس طرح اپنے پیغمبر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اور ایسی صورت میں کہ خدا اس کے فرشتے جبریل امینؑ اور صالحین مؤمنین مددگار ہوں تو کوئی تدبیر اور

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو پیغمبر کی تکلیف اور رنج سے ڈرنا چاہیئے خدا اپنے پیغمبر کو ہر قسم کی ذہنی الجھن سے پاک اور محفوظ فرمانے پر بڑا ہی قادر ہے اس وجہ سے اے ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن لو بہت قریب ہے یہ بات کہ اگر یہ نبی تم کو طلاق دے دیں تو پھر ان کا رب ان کو دوسری بیویاں دے دے تمہارے بجائے جو تم سے بہتر ہوں فرمانبردار ہوں ایمان ویقین رکھنے والیاں خدا کی مطیع توبہ کرنے والی عبادت گزار روزہ دار ہوں بیوہ ہوں اور دوشیزہ لہٰذا کسی کو یہ دھوکہ نہ لگے اور نہ ہی یہ تصور پیدا ہو کہ ہم سے بہتر پیغمبر کو اور کوئی نہیں مل سکتا۔ پیغمبر کے لیئے اللہ جس کی بھی زوجیت مقرر فرمادے گا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی اور اس میں ایمان ویقین اور باطنی کمالات وخوبیوں کے ساتھ جسمانی محاسن بھی پیغمبر کا رب ان میں جمع کردیگا۔

انسان کی زندگی میں ایسے گھریلو واقعات اور ناگوار خاطر امور پیش آہی جایا کرتے ہیں اس وجہ سے اے ایمان والو تمہیں خاص تاکید کے ساتھ یہ ہدایت ہے کہ بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی ایسی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس کے عذاب اور گرفت سے نہ کوئی بچ سکتا ہے اور نہ نکل سکتا ہے جس پر فرشتے سخت مزاج نہایت مضبوط نگران ہیں جو نافرمانی نہیں کرتے اللہ کے حکم کی جو بھی اللہ ان کو حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے تو جس جہنم پر ایسے فرشتے نگران ہوں گے کہ ان کو مجرموں پر نہ ترس آئے گا اور نہ وہ نرم دل ہوں گے یقیناً اس کے عذاب سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا اور انسان کو چاہیئے کہ اپنی ذمہ داری کے ساتھ افرادِ خانہ اور اہل وعیال کی بھی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور یہ سب کام انسان دنیا کی زندگی ہی میں کرسکتا ہے یہ زندگی دارالعمل ہے اور روز آخرت دارالعمل نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ روز جزاء ہوگا جیسا کہ حضور ؐ کا ارشاد مبارک ہے۔ یاایھا الناس انکم الیوم فی دارالعمل ولاحساب وانتم غداً فی دارالجزاء ولا عمل، کہ اے لوگو! تم آج دارالعمل میں ہو جہاں حساب وکتاب نہیں مگر کل آنے والے دن اس جگہ ہوگے۔ جہاں حساب ہی حساب ہوگا نہ کہ عمل تو ایسے ہیبت ناک دن اعلان ہوگا اے کافرو! مت عذر پیش کرو آج کے دن اب تو بس تمہیں بدلہ دیا جائے گا ان اعمال کا جو تم کرتے تھے تو جب روزِ قیامت جہنم سامنے ہوگی اور اس کا دہکتا ہوا عذاب نظر آرہا ہوگا اور مجرموں پر یہ تنبیہ ہوگی کہ اب عذر اور بہانوں کی گنجائش نہیں تو بلاشبہ ایسے دن سے پہلے انسان اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کرلے تو بہتر ہے اور بعض دفعہ معمولی جھگڑے بھی بڑی مصیبت کا سبب بن جاتے ہیں تو اس وجہ سے گھریلو منازعات اور باہمی رنجش کی باتوں سے بڑا ہی محتاط رہنا چاہیئے اور ان سب باتوں کے لیے بنیادی چیز اپنے طبعی جذبات کو قابو میں رکھنا ہے ساتھ حلم اور درگذر بھی چاہیئے جیسا کہ بیان کردہ واقعہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ع بعض مفسرین نے صالح المؤمنین کی تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام بیان کیا ہے اور ان ناموں کا ذکر کرنا حضرت عائشہ وحضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے پیش نظر نہایت ہی لطیف اور مناسب ہے۔ ۱۲

مبارکہ سے معلوم ہوا۔

خطاب خاص برائے ازواجِ مطہرات

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ۔ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا کہ میں ایک عرصہ دراز تک اس فکر میں رہا اور یہ چاہتا تھا کہ عمر فاروق رضؓ سے یہ معلوم کروں کہ یہ دو کون ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں سے جن کو یہ خطاب فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا ہو گیا ہے؛ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب عمر فاروق رضؓ حج کے لیئے تشریف لے جا رہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ (اور ہمت نہ ہوتی تھی کہ دریافت کروں) ایک دن جب وہ کسی منزل پر ٹھیرے ہوئے تھے اور ایک جانب کسی ضرورت کو گئے اور جب واپس فارغ ہو کر آئے اور میں وضو کرانے لگا۔ تو عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارہ میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے "اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ۔ فرماتے ہیں میں نے یہ لفظ منہ سے نکالا ہی تھا کہ فرمایا تعجب کی بات ہے اے بھتیجے (کہ تم کو اب تک اس کا علم نہیں) یہ تو عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں۔ یہ کہہ کر پھر تفصیل سے یہ قصّہ سنانا شروع کر دیا کہ ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے جب مدینہ منورہ آئے تو یہاں کے لوگوں کو پایا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ تو ہماری عورتیں بھی مدینہ آکر ان کی باتیں سیکھنے اور اختیار کرنے لگیں۔ اور فرمایا میرا مکان عوالی مدینہ میں دارِ امیہ بن زید میں تھا ایک روز میں اپنی اہلیہ پر کچھ ناراض ہوا اور غصہ میں کچھ کہا تو ناگہاں میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے الٹ کر جواب دے رہی ہے مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے اس کو کہا کہ اچھا تو مجھے جواب دے رہی ہے اس پر وہ کہنے لگی اے عمرؓ تمہیں اس بارہ میں کیوں تعجب ہو رہا ہے کہ میں تمہیں جواب دے رہی ہوں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو رسول خدا سے مراجعت کر رہی ہیں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو کر صبح سے شام تک علیحدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر میں فوراً حفصہؓ کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں اس قسم کی بات ہے۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض صبح و شام تم سے علیحدہ رہتے ہیں۔ جواب دیا جی ہاں؛ ایسا ہی ہے میں نے کہا یقیناً تم میں سے وہ ہلاک و تباہ ہوئی جس نے ایسا کیا۔ کیا تم اس بات سے مطمئن ہو کہ خدا ناراض نہ ہو گا تم سے اپنے رسولؐ کے غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے۔

تو پوری تفصیل سے قصّہ نقل کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور گفتگو کا واقعہ بیان کیا۔ اہل علم صحیح بخاری و مسلم کی مراجعت فرمائیں۔

روایات میں ہے کہ مسروق رحؒ نے شعبیؒ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواجِ مطہرات نے جب نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا تو ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمایا تھا اس پر آپؐ کو کفارہ کا حکم ہوا اور

آپ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

وہ ایک واقعہ ازواجِ مطہرات کی طرف سے نفقہ کی زیادتی کی فرمائش پر تھا وہ ایک قسم تھی۔ ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ تک ملاقات نہ کرنے کی اسی کے ساتھ یہ دوسرا واقعہ تھا جس میں شہد نہ پینے کے لیے قسم تھی مطالبۂ نفقہ پر آیت تخییر سورۂ احزاب کی نازل ہوئی۔ اور شہد کی حرمت پر یہ سورۂ تحریم نازل ہوئی۔

(تفصیل کیلئے کتب سیرت وتفسیر کی مراجعت فرمائی جائے)

انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے بیان کیا کہ جس وقت ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ میں جب باہم جمع ہوگئیں حمیت وغیرت کے جذبہ میں آکر تو میں نے ان سے کہا عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ تو (کچھ ہی دیر بعد) یہی الفاظ قرآن کریم میں نازل ہوگئے تو یہ آیت بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی موافقات میں سے ہے جس طرح آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور آیت حجاب ان کی موافقات میں سے ہے۔ سبحان اللہ کیا مقام ہے کہ قرآن کریم کی آیات لوح محفوظ سے اترنے سے پہلے ہی فاروق اعظمؓ کے قلب ودماغ میں القاء کی جارہی ہیں اور ان کی زبان قبل از نزول ہی ان کا تلفظ کر رہی ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ

شاید تمہارا رب اُتارے تم سے تمہاری برائیاں، اور داخل کرے تم کو

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ

باغوں میں، جن کے نیچے بہتی نہریں جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا

النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ

نبی کو، اور جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ۔ ان کی روشنی دوڑتی ہے

اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

ان کے آگے، اور اُن کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کردے ہم کو

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

ہماری روشنی، اور معاف کر ہم کو۔ تو ہر چیز کر سکتا ہے۔ اے نبی

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ

لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر۔ اور ان کا گھر

جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٩﴾

دوزخ ہے۔ اور بُری جگہ پہنچے۔

حکم توبہ وانابت اِلی اللہ باخلاص قلب وعدۂ معافی خطایا وبشارت حصول نعمتہائے جنّت

قال اللہ تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا .... الیٰ .... وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

(ربط) گزشتہ آیات میں انسانی زندگی کے لیے ایسی ہدایات تھیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان اس قسم کی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو مزاجی عدم اعتدال یا گھریلو منازعات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اب ان آیات میں اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کا حکم ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی کوتاہی پر نادم وشرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور توبہ واستغفار صدقِ دل سے کرے اسی سے اس کی نجات و کامیابی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو رجوع کرو اللہ کی طرف سچے دِل سے توبہ کرتے ہوئے اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہوتے ہوئے اور اخلاصِ دل سے یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ پھر آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا اور اس عقیدہ کے ساتھ کہ اللہ بڑا ہی غفور رحیم ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے گناہ پر گرفت فرما سکتا ہے اور چاہے تو معاف بھی فرمانے والا ہے۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں مٹا دے گا اپنے فضل وکرم سے اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہر قسم کی راحت اور ہر نوع کی نعمت موجود ہو گی جس دن کہ اللہ شرمندہ نہیں کرے گا اپنے پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس پیغمبر کے ساتھ ایمان لائے بلکہ بڑے ہی اعزاز واکرام بلند سے بلند تر مناصب اور مقام عطا فرمائے گا۔ ان اہل ایمان کا نور دوڑتا ہو گا ان کے آگے اور ان کی داہنی جانبوں میں کہتے ہوں گے۔ غایت فرحت وسرور سے اور اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرتے ہوئے۔

اے ہمارے پروردگار پوری کردے ہمارے واسطے ہماری روشنی اور معاف کردے ہماری وہ تمام کوتاہیاں اور غلطیاں جو ہم نے تیرا حق ادا کرنے میں کیں بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔

جہاں ایک طرف ان گزشتہ واقعات میں صبر وحلم اور عفو و درگذر کی تعلیم دی گئی اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ضرورت ہے کہ سختی اور قوت کا استعمال کیا جائے ان کا مجرمانہ کردار اسی کا متقاضی ہے کہ سزا اور سرکوبی کا عمل ان کے ساتھ کیا جائے۔ برخلاف گھریلو زندگی کے کہ اس میں نرمی اخلاق اور صبر وحلم ہی زیب دیتا ہے تو فرمایا اے نبیؐ جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجئے۔ اور وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان پر نرمی کی جائے کیونکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے تو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمن ہیں اور مجرم ہیں۔ خدا نے ان کے واسطے شدت وسختی اور عذاب جہنم طے کردیا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ نرمی برتنے کا کوئی مطلب نہیں وہ بلاشبہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر سختی کی جائے اور جہاد کے ذریعے سرکوبی ہو۔ کیونکہ ان کے کفر ونافرمانی سے عالم کا امن تباہ ہوگا اور ایسے مفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی سرکوبی ہی عالم کے لیئے امن وعافیت کا موجب ہے تو پیغمبرؐ خدا کی ایسے مجرموں کے ساتھ یہ سختی بھی دنیا میں بسنے والے انسانوں کے واسطے رحمت ومہربانی ہوگی۔

توبۂ نصوحًا کی تفسیر

حافظ ابن جریرؒ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہُ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہُ کو خطبہ دیتے ہوئے سُنا فرما رہے تھے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کہ توبۂ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ کرے تو اس سے تائب ہو اور اس طرح کہ پھر وہ گناہ دوبارہ نہ کرے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس عزم اور ارادہ کے ساتھ توبہ کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اسی طرح کبار تابعین وائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم اور پختہ ارادہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کو کیئے ہوئے گناہ پر ندامت ہو اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے۔ اَلتَّوْبَۃُ۔ اَلنَّدَمُ کہ توبہ ندامت کا نام ہے۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے توبۂ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہ خداوندی میں استغفار کرو۔ احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ احادیث میں سید الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔ بندہ حق تعالےٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف کرتے ہوئے ایک طرف اس کے انعامات کا تصوّر کرے دوسری طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت وشرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی۔ اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کے لیے اپنے رب سے

عہد کرنا کہ پھر آئندہ ——— میں حتی الامکان اس طرح کی غلطی نہ کروں گا اور اس پر خدا سے مدد مانگے اور اپنی ہمت و کوشش اسی پر صرف کرے تو انشاءاللہ یہ توبۂ نصوح ہوگی اور امید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالےٰ شانہٗ نے فرمایا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔

میدانِ حشر میں اہل ایمان کا نور

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ۔ یہ اہلِ ایمان کے نور کا بیان ہے جو قیامت کے روز پُل صراط پر بھی ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب یہ نور دراصل اسی نور کا ثمرہ ہوگا۔ جو روزِ عہد الست اولادِ آدم جب حضرت آدمؑ کی پشت سے نکالی گئی تو ان پر اللہ نے اپنا نور ڈالا جس کسی کو وہاں وہ نور پہنچ گیا دنیا میں اس کو نور ہدایت حاصل ہوا۔ اسی نور کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یہی نورِ مؤمن کی قبر میں ہوگا اور پھر یہی نور میدانِ حشر میں اس کے ساتھ ہوگا جس کو اس آیتِ مبارکہ میں بیان فرمایا گیا گویا بدءِ تخلیق سے لے کر عالم حشر تک نور ہدایت کا سلسلہ اس طرح مربوط ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انا اول من یؤذن لہ بالسجود یوم القیٰمۃ و اوّل من یؤذن لہ برفع راسہ فانظر بین یدی فاعرف امتی بین الامم وانظر عن یمینی فاعرف امتی بین الامم۔ وانظر عن شمالی فاعرف امتی من بین الامم فقال رجل یارسول اللہ کیف تعرف امتک من بین الامم۔ قال غُرٌّ محجلون من

کہ قیامت کے روز میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کو سجدہ کی اجازت دی جائیگی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں دیکھوں گا اپنے سامنے تو اپنی امت کو پہچانوں گا دوسری تمام امتوں کے درمیان۔ پھر دائیں طرف دیکھوں گا تو بھی تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر اپنے بائیں جانب دیکھوں گا تب بھی اپنی امت کو دوسری تمام امتوں کے درمیان پہچان لوں گا تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کس طرح تمام امتوں کے درمیان پہچانیں گے آپؐ نے فرمایا

أثارِ الوضوء ولا یکون احد من الامم کذلک غیرھم واعرفھم یوتون کتبھم بایمانھم۔ واعرفھم سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود واعرفھم بنورھم یسعٰی بین ایدیھم۔

میری اُمّت کے لوگ روشن پیشانیوں اور سفید قدم والے ہوں گے وضو کے آثار سے۔ اس قسم کی شان کسی بھی قوم کی نہ ہوگی تمام امتوں میں سے۔ اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کے داہنے ہاتھ میں ان کے نامہائے اعمال دیئے جائیں گے* اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

اللّٰھم اجعلنا منھم بفضلك وکرمك یا اکرم الاکرمین وارزقنا شفاعۃ حبیبك ونبیك سید الانبیاء والمرسلین سیّدنا ومولٰنا محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

* اور اسطرح بھی پہچانوں گا کہ انکی پیشانیوں پر سجدوں سے نشان ہونگے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے، عورت نوح کی اور عورت

لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

لوط کی۔ گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے بندوں میں سے،

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا

پھر ان سے چوری کی، پھر وہ کام نہ آئے انکو اللہ کے ہاتھ سے کچھ، اور حکم ہوا کہ جاؤ

النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

دوزخ میں ساتھ جانے والوں کے۔ اور اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایمان والوں کو

امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا

عورت فرعون کی، جب بولی اے رب! بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر

فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَ

بہشت میں، اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے، اور اسکے کام سے، اور

نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ

بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے ۔ اور مریم بیٹی

عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ

عمران کی، جس نے روکی اپنی شہوت کی جگہ، پھر ہم نے پھونک دی ایک

رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ

اپنی طرف کی جان، اور سچ جانی اپنے رب کی باتیں اور اس کی کتابیں اور تھی

مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾

بندگی کرنے والوں میں ۔

قال اللہ تعالیٰ۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا .... الیٰ .... وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں توبہ کا حکم اور قلب کی تطہیر و پاکی کا بیان تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھ ہو جانے والوں کو قیامت کے روز ذلت اور شرمندگی سے بچائے گا۔ اب ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ پیغمبر خدا کے ساتھ وہ نسبت جو آخرت میں کام آتی ہے وہ اس کے ساتھ ایمانی رشتہ ہے۔ اسی رشتہ پر نجاتِ آخرت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اگر اللہ کے پیغمبر پر ایمان نہ ہو تو کوئی بھی قرابت اور رشتہ کام نہیں آتا۔ اس مضمون کو ثابت کرنے کے لیئے ایک طرف حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا ذکر ہے دوسری طرف امراءۃ فرعون اور ساتھ ہی حضرت مریمؑ کا بھی ذکر ہے اصل تقابل تو امرأۃ نوح ولوط کے ساتھ فرعون کی بیوی کا تھا لیکن ایمانی معرفت اور استقامت و تقویٰ کے وصف میں شریک ہونے کے باعث مریم بنت عمران کا ایمانی شرف اور فضل و کمال بھی بیان کر دیا اور ان دونوں کو بحیثیت نمونۂ ایمان وہدایت ہونے کے پیش کیا گیا۔ اور ان دونوں نمونوں کو بیان کر کے اسی حقیقت پر آگاہ کرنا ہے فرمایا۔

مقرر کر دیا ہے اللہ نے مثال اور نمونہ کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو جو زوجیت میں تھیں دو بندوں کی ہمارے نیک بندوں میں سے بجائے اس کے کہ وہ دونوں اللہ کے ان نیک بندوں اور صالح بندوں اور پیغمبروں پر ایمان لاتیں۔ انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو یہ دونوں ان عورتوں کو اللہ کے

عذاب سے بچانے کے لیے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا ان کو داخل ہو جاؤ تم آگ میں انہی لوگوں کے ساتھ جو جہنم میں داخل ہونے والے ہیں حالانکہ یہ دونوں بیویاں تھیں مگر چونکہ ایمان کے رشتہ اور تعلق سے محروم تھیں تو یہ نسبی[۱] رشتہ اور علاقہ کچھ کام نہ آیا اور اس نفاق کی بدولت عام کفار کے ساتھ جہنم میں دھکیل دی گئیں۔

اور اس کے بالمقابل ایک نمونہ ایمان والی عورتوں کا ہے جس کو اللہ نے مثال بنا دیا ہے ایمان والوں کے واسطے فرعون کی بیوی[۲] کو، جب کہ اس نے اپنے پروردگار سے التجا کرتے ہوئے کہا اے میرے پروردگار بنا دے میرے واسطے ایک گھر اپنے پاس بہشت میں اور نجات دیدے مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل کفر سے اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے جس وقت کہ فرعون کو ان کے ایمان کا علم ہوا تو سخت ترین عذاب دینا شروع کیا چاروں ہاتھوں پاؤں میں میخیں ٹھونک کر ایذائیں دیں اس حالت کرب میں کمال استقامت سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اپنے رب سے آخرت کی نعمتیں مانگتی رہیں۔ اور مثال بنا دیا ہے اللہ نے مریم عمران کی بیٹی کو جس نے پاک رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو بغیر اس کے کہ کوئی بشر اُس کو چھوئے۔ پھر ہم نے فرشتہ کے ذریعے پھونکا اس میں اپنی روح میں سے ایک روح کو اور سچائی تسلیم کی اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ تھی عبادت گزار بندیوں میں سے تو اس طرح یہ دو عورتیں دنیا میں ایماندار عورتوں کے واسطے نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان و تقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے اور دنیا کی عورتوں کو دعوت دی جا سکتی ہے کہ تم مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون جیسا ایمان و تقویٰ اور پختگی اختیار کرو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرعون کی بیوی اگرچہ ظاہری رشتہ میں اس کی بیوی تھی لیکن جب وہ ایمان لے آئی تو اب اس کا کوئی تعلق فرعون سے نہ رہا اور فرعون

---

[۱] مقصد یہ کہ پیغمبروں کے ساتھ یہ رشتہ بھی ایمان کے بغیر بیکار رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں یعنی "اپنا ایمان درست کرو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو یہ قانون سب کو سُنا دیا" بہر حال حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو جو منافق تھیں جہنم میں دھکیل دیا گیا ان کے برعکس فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم پکی ایماندار عورت اور ولی کامل تھی اور اس کا شوہر فرعون تھا مگر ایمان کی بدولت جنت کی بشارت دنیا ہی میں انکو مل گئی۔ ۱۲

[۲] روایات سے یہ ثابت ہے کہ فرعون کی یہ بیوی وہ تھی جس نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی پرورش کی جب کہ ان کو دریا میں بہتے ہوئے تابوت سے نکالا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں گذر چکی۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ایمان لے آئیں تو طرح طرح سے ستانا شروع کیا۔ ایسی ایذائیں دیں کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا مثلاً چومیخا کر دینا۔ آخر فرعون نے ان کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل الایمان ہونے کی شہادت دی۔

نیز حضرت مریمؑ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکا انکی عفت و پاکدامنی اور ایمان و تقویٰ پر مشتمل آیات کی تفسیر گزر چکی ہے ۔ ۱۲

کے کفر و سرکشی کے آثار و نتائج سے اس پر کوئی ثمرہ عذاب کا تو کیا مرتب ہوتا اس کو بحالتِ زندگی ہی جنت کی بشارت دی گئی۔ اور جنت کا وہ محل دکھا دیا گیا جو اس کے واسطے اللہ نے مخصوص فرمایا تھا تاکہ اس محل کو اور آخرت کی راحتوں کو دیکھ کر سب سختیاں آسان ہو جائیں۔

آسیہ امرأۃ فرعون کے ایمان کا واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرعون کی بیوی کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ابوالعالیہؒ کی ایک روایت بیان کی ہے بیان کیا کہ اس کا ایمان لانا اس کے محل کی ایک نگران یا خازن کی عورت کی وجہ سے ہوا کہ وہ ایک روز بیٹھی فرعون کی ایک بیٹی کے سر میں کنگھا کر رہی کہ ہاتھ سے کنگھا گر گیا تو وہ بولی تَعِسَ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ یعنی ہلاک ہو وہ جو اللہ کا کفر کرے۔ فرعون کی بیٹی یہ سُنکر بولی اور کیا کوئی رب ہے، میرے باپ کے علاوہ؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ وہ میرا رب ہے، اور تیرے باپ کا بھی رب ہے اور کائنات کی ہر چیز کا رب ہے، اور میں تو صرف اسی کی عبادت کرتی ہوں اس پر فرعون کی بیٹی نے اس باندی کے منہ پر چپت مارا اور اپنے باپ فرعون کو اُس کی خبر کی۔ فرعون نے اس کو بلایا اور کہا کیا تو میرے سوا کسی کی عبادت کرتی ہے جواب دیا ہاں! میں عبادت کرتی ہوں اپنے رب کی اور تیرے بھی رب کی اور ہر چیز کے رب کی اور میں تو صرف اسی کی عبادت کروں گی فرعون نے اس کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کیے حتیٰ کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکیں اس پر سانپ بھی چھوڑے غرض طرح طرح سے ستایا اسی طرح ایذاؤں کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ فرعون نے ایک روز آ کر اس کو دھمکی دی اور کہا کیا تو باز نہیں آئے گی۔ اس نے جواب دیا۔ رَبِّیْ وَرَبُّکَ وَرَبُّ کُلِّ شَیْءٍ اللّٰہُ (کہ میرا رب اور تیرا رب اور ہر چیز کا رب صرف اللہ ہی ہے) فرعون نے کہا میں تیرا بچہ تیرے مُنہ میں ذبح کروں گا اگر تو باز نہ آئی۔ اس پر باندی نے جواب دیا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ کہ کر گزر جو کچھ بھی تو کر سکتا ہے" فرعون نے اس کا بیٹا اس کے منہ میں ذبح کر ڈالا حتیٰ کہ خود خازن کی بیوی کو بھی شہید کر دیا۔

اسی طرح فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور فرعون جس قدر ستاتا۔ ایذائیں پہنچاتا اُن کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا اس حالت میں جب کہ فرعون کی ایذائیں حد سے بڑھ چکی تھیں تو آسیہؓ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت فرعون ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں پیوست کر رہا تھا اللہ رب العزت نے آسیہؓ کا وہ محل جو جنت میں ان کے واسطے تھا وہ ظاہر کر دیا جس کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے ہنسنے لگیں اس پر کمبخت فرعون کہنے لگا! دیکھو یہ کیسی دیوانی عورت ہے۔ میں اس کو عذاب دے رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے ابوالعالیہؒ بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کی روح اس طرح قبض کی کہ وہ جنت میں تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔

مُرّۃ الہمدانیؒ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كَمُلَ من الرجال كثيرٌ ولم يكمل من النساء الّا آسية امرأةُ فرعون ومريم ابنة عمران وخديجة بنت خويلد۔

کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ باکمال ہوئے لیکن عورتوں میں کمال اور ایمانی عظمت حاصل کرنے والی صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنتِ عمران اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

وَلِلّٰہِ الحمد والمنۃ قد تم تفسیر سورۃ التحریم

الحمد للہ اٹھائیسواں پارہ مکمل ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الْمُلْک
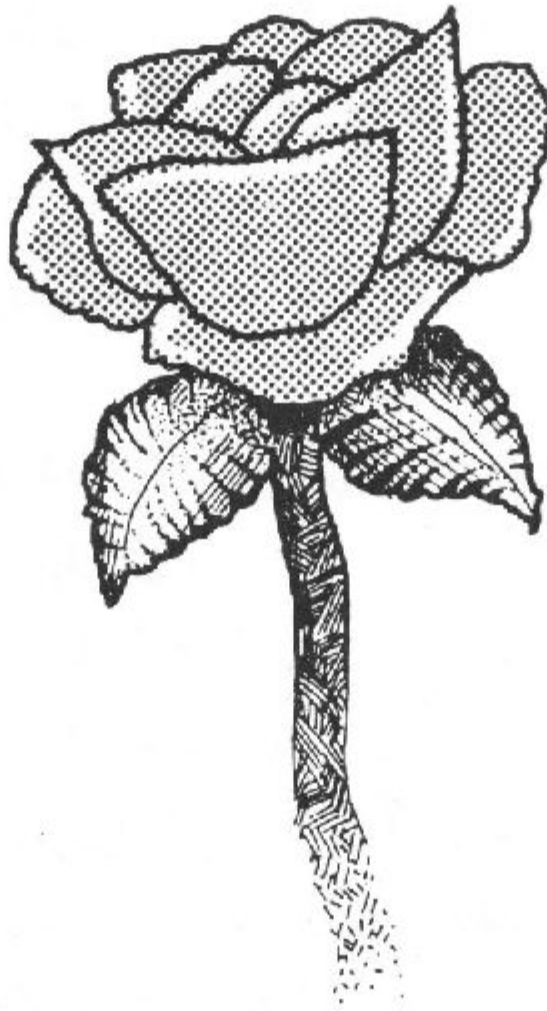
احادیث سے اس سورت کے متعدد نام ثابت ہیں سورۂ تبارک ۔ مانعہ ۔ دافعہ ۔ واقیہ اور منجیہ تبارک تو اس وجہ سے کہ اسکی ابتداء اسی لفظ سے ہوتی ۔ مانعہ ۔ دافعہ اور منجیہ اس وجہ سے کہ یہ عذاب آخرت کو دفع کرنے والی ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ ہے دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں عذابِ آخرت سے بچانے والی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں ۳۰ تیس آیات ہیں کہ انہوں نے اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کی اور اس وجہ سے وہ بخشا گیا فرمایا وہ تیس آیات تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے [1]۔

حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں کسی قبر پر خیمہ لگالیا اس نے سُنا کہ کسی شخص نے سورۃ تبارک الذی کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ ختم سورت تک اس نے پڑھ ڈالا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا آپؐ نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے منجیہ ہے اپنے پڑھنے والوں کو عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے [2]۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الٓم تنزیل سجدہ اور سورۂ تبارک الذی اول سے لے کر آخر تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے [3]۔

---

[1] ترمذی ۔ ابن ماجہ ۔ ابوداؤد ونسائی ۔

[2] جامع ترمذی ۔

[3] لیث بن سعدؒ طاؤسؒ سے نقل کرتے ہیں کہ سورۃ الٓم تنزیل اور سورۃ تبارک الملک قرآنِ کریم کی ہر سورت سے ستر درجہ بڑھ کر ہیں ۔

عکرمہؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ ـــ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت میری امت کے ہر شخص کے سینہ میں محفوظ ہو (وقال هذا حديث غريب) اور عکرمہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس رضؓ نے ایک شخص سے کہا کہ کیا میں تجھے ایک حدیث کا ایسا تحفہ نہ دیدوں جس سے تو خوش ہوجائے اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ پڑھا کر اور اپنے گھر والوں اور سب بچوں کو سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اسلئے کہ یہ سورت منجیہ (نجات دلانے والی) ہے یہ سورت تو قیامت کے روز خدا کے یہاں اپنے پڑھنے والے کیلئے جھگڑے گی اور اسکو عذاب نار سے نجات دلائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اسکے بعد سورۃ حاقہ اور معارج نازل ہوئیں اگرچہ حسن بصریؒ سے اسکا مدنی ہونا منقول ہے لیکن انکے سوا کسی سے یہ منقول نہیں ہے نیز طرز کلام اور انداز مضامین سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکی ہے اسی وجہ سے قرطبیؒ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ سورت رحمانیات میں سے ہے کیونکہ لفظ رحمان نہایت ہی عظمت کے ساتھ اول و آخر سورت میں استعمال کیا گیا دیگر وہ سورتیں جن میں لفظ رب استعمال کیا گیا انکو ربانیات کہا گیا۔

مضامین قرآن کریم از اول تا آخر حق تعالےٰ شانہٗ کی خالقیت وقدرت اور توحید اثبات حشر و نشر اور مسئلہ رسالت پر مشتمل ہیں بالخصوص مکی سورتوں میں اصلاح عقائد کے اصول بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے جب کہ مدنی سورتوں میں معاملات اور اصلاح معاشرت سے متعلق مسائل کو زیادہ وضاحت سے ذکر فرمایا گیا تو اس سورت میں بھی پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وخالقیت کو بیان فرمایا گیا اور یہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کا نظام ہے وہی موت وحیات کا مالک ہے پھر تخلیق سماوات اور اسکو ستاروں سے مزین کرنے کا بیان ہے اسی کے ساتھ اثبات رسالت کے بھی مضامین ہیں پھر ان مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں۔ عظمت وقدرت خداوندی کے دلائل بیان کرتے ہوئے اختتام سورت پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرانے والے مجرمین کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی گئی اور یہ کہ خدا کے عذاب کو کوئی ٹلانے والا نہیں اختتام سورت پر وعید کا انداز اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اس پر غور کرنے والے کا دل لرز جاتے۔

آیاتھا ۳۰ ۶۷ = سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ = ۷۷ فیھا رکوعان

سورۂ مُلک مکیؔ ہے اور اسکی تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝۱

بڑی برکت ہے اسکی، جس کے ہاتھ ہے راج اور وہ سب چیز کر سکتا ہے

الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ

جس نے بنایا مرنا اور جینا ، کہ تم کو جانچے ، کون تم میں اچھا کرتا ہے

عَمَلًا ‌ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُۙ ۝۲ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ

کام اور وہ زبردست ہے بخشنے والا جس نے بنائے سات آسمان

طِبَاقًا‌ ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ‌ ؕ فَارۡجِعِ

تہہ برتہہ کیا دیکھتا ہے رحمٰن کے بنانے میں کچھ فرق ؟ پھر دُہرا کر

الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝۳ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ

نگاہ کر کہیں دیکھتا ہے دراڑ پھر دہرا کر نگاہ کر دو دوبار

يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ۝۴ وَلَقَدۡ زَيَّنَّا

الٹی آدے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر ؛ اور ہم نے رونق

السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ وَ

دی ورلے آسمان کو چراغوں سے اور ان سے رکھی پھینک مار شیطانوں کی اور

اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِيۡرِ ۝۵

رکھی ہے ان کو مار دہکتی آگ کی

شانِ عظمت وقدرتِ خداوندی مع بیان جزائے اہل سعادت وتنبیہ وتہدید بر اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ ..... اِلیٰ ..... عَذَابَ السَّعِيۡرِ

(ربط) سورۂ تحریم کا اختتام اس امر پر تھا کہ دین کی حفاظت کے لیے جہاد مع الکفار ضروری ہے اور ایمان وتقویٰ ہی انسان کی سعادت وکامیابی کی رُوح ہے تو اب اس مناسبت سے سورۂ تبارک الذی کی

ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و قدرت کے بیان سے ہو رہی ہے اور یہ کہ اہلِ ایمان اور اہل سعادت کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا جاتے گا اور منکرین و اشقیاء کیسے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور یہ بھی اشارۃً ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اگر ایک گھر کا سرپرست اپنے اہل خانہ کی کسی بے اعتدالی سے اس قسم کی اذیت محسوس کر سکتا ہے اور قلب پر گرانی واقع ہوتی ہے تو کائنات کے رب کو اپنی مخلوق کی بے راہ روی اور خلاف ورزی سے کس قدر اذیت ہوتی ہو گی اس بنیاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر صاحب فہم انسان سعادت و شقاوت کا راز اور اس کا انجام بخوبی سمجھ سکتا ہے ارشاد فرمایا بڑی ہی عظمت و برکت والا ہے وہ پروردگار جسکے ہاتھ میں ہے سلطنت و حکمرانی تمام کائنات کی اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے نہ اسکے ملک سے کوئی نکل سکتا ہے اور نہ قدرت و گرفت سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اسکے علم سے دور ہو سکتی ہے وہی پروردگار ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمکو آزماتے کہ تم میں سے کون ہے بہتر اپنے عمل کے لحاظ سے موت و حیات کا یہ تمام سلسلہ اسی لیے ہے کہ انسان کی پہلی زندگی میں پتہ چل جاتے کہ کس کے عمل اچھے ہیں اور کس کے برے اور پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں مکمل طور پر دکھلا دیا جاتے حیات نہ ہوتی تو اچھے برے کا علم نہ ہوتا اور موت نہ ہوتی تو نیکی اور بدی کا نتیجہ ظاہر نہ ہوتا اور وہی بڑی عزت والا بخشش کرنے والا ہے کہ وہ اپنی عزت و غلبہ کی وجہ سے قادر ہے کہ بندوں پر جزاء و سزا جاری کرے اور وہ اسی کے ساتھ بڑی مغفرت بھی فرمانے والا ہے کہ بہت سے برے کاموں کی مغفرت بھی فرماتا رہتا ہے جس پروردگار نے سات آسمان پیدا کیے تہہ بر تہہ[ؔ] بتا اے مخاطب کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے بنانے میں کوئی فرق کہ ایک چیز اچھی بن گئی اور دوسری چیز کی تخلیق و تکوین میں کچھ کمی رہ گئی نہیں بلکہ جو بھی کچھ اس رحمٰن نے بنایا وہ اسکی عظیم شانِ خلاقی کا پیکر اور ثبوت ہے اگر ایک مرتبہ کے دیکھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سرسری نظر سے دیکھا تھا تو کچھ عیب نظر نہیں آیا تو پھر دوبارہ نگاہ کو لوٹا۔ اور خوب غور کر کے پھر بتا کہ کیا نظر آتی ہے تجھ کو کوئی دراڑ اور پھٹن ان آسمانوں میں اگر اس پر بھی ایمان و یقین کی کیفیت قلب و دماغ میں نہ رچے تو پھر دو دو بار لوٹا نگاہ کو کسی نہ کسی طرح اللہ کی مخلوق اور اس کے بناتے ہوتے ان آسمانوں میں اور ان میں جو کواکب و سیارات ہیں ان میں کوئی عیب نظر آجاتے تو اس تلاش و تجسس کی بار بار نگاہ کو کچھ بھی کمی نظر نہ آسکے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ نگاہ واپس لوٹے گی تیری طرف اس حال میں کہ وہ ذلیل ہو گی

[ؔ] جیساکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بفاصلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اس سے اوپر اسی طرح اس سے اوپر اور آسمان یہاں تک کہ آپؐ نے سات آسمان بیان فرماتے حدیثِ معراج میں ساتوں آسمان کا ذکر ہے اور اس تفصیل کے ساتھ کہ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام کو پایا چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

اور تھکی ہوتی ہوگی عـہ دنیا کے مفکرین وفلاسفر اور محققین ایک بار نہیں کئی کئی مرتبہ مدتوں بھی غور کرتے رہیں۔ دیکھتے رہیں لیکن اللہ کی پیدا کی ہوتی مخلوق آسمانوں، چاند، سورج اور ستاروں میں باوجود مرور مدت طویلہ کوتی بھی رخنہ اور کمی نہیں پائیں گے اور بے شک ہم تے مزین کر دیا ہے آسمان دنیا کو اور نزدیک والے آسمان کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے روشن چراغوں سے کہ نظر آنے والے ستاروں کی جگمگاہٹ کیسی حسین اور شاندار معلوم ہوتی ہے یہ قدرتی چراغ ہیں اور انکو بنایا ہے ہم نے پھینک مارنے کا ذریعہ شیاطین کے واسطے کہ بسا اوقات کوتی ستارہ ٹوٹ کر کسی شیطان کو جلا کر خاک کر دیتا ہے جیسے کہ فرمایا اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے انکے واسطے دہکتی ہوتی آگ کا عذاب۔ اسلیئے مجرمین کو عذابِ خداوندی سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جنکو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

توحید ذات وصفات خداوندی ایمان کی اساس ہے

اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالٰے شانہٗ کی عظمت وکبریائی اسکی قدرت وخالقیت کے ضمن میں اس کی وحدانیت والوہیت کو ثابت کیا گیا اور یہ کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور اسکی قدرت قدرتِ کاملہ ہے وہی ہر چیز کا خالق ہے اسی کی بادشاہت وحکمرانی ساری کائنات میں چل رہی ہے قرآن کریم اور جملہ کتب سماویہ نے اسی مضمون کو بڑی ہی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قوموں کو دعوت رہی ہے يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اسی کے ساتھ آخرت کا مسئلہ بھی بیان کر دیا گیا اور یہ کہ جزاء وسزا کا مرحلہ ہر انسان کو بلاشبہ پیش آنا ہے قرآن حکیم نے یہ مضامین از اول تا آخر بیان کیئے لیکن یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ ہر مرتبہ ایک نئے اسلوب سے ان مضامین کو بیان کیا جاتا ہے واضح مثالوں، عام محاورات اور مسلمہ واقعات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ان حقائق کو ذہن نشین کر سکے جو مقصود بیان ہے اس موقعہ پر عالم موجودات ومحسوسات کا تذکرہ کرتے ہوتے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

عـہ حضرت والد محترم قدس اللہ سرہٗ کے ایک قصیدہ کا شعر اسی آیت کا ترجمہ ہے فرمایا ہے

لقد سافرت فيك العقول فما
ربحت الا العنا والتحسرا

کہ اے پروردگار تیرے بارہ میں انسانی عقول نے بہت ہی سفر کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا سوائے تکان وعاجزی اور حسرت کے ۱۲۔

فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جو عالم انسانوں کے ادراک و احساس میں ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بے شمار عالم پیدا فرما سکتا ہے۔

لفظ "شَیْءٌ" کی بحث شروع میں گزر چکی۔ از روئے لغت ہر اس چیز کو "شَیْءٌ" کہا جاتا ہے کہ جس کے وجود کا ارادہ کیا جائے گا لہٰذا اس سے حق تعالیٰ کی ذات اور اسکی صفات خارج رہیں گی اسی طرح اس کا اطلاق محالات پر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت نہیں لہٰذا جملہ ممکنات "شَیْءٌ" کا مصداق ہیں اور اس لحاظ سے یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ کیا ذات خداوندی اسکی صفات اور محالات بھی تحت القدرت آسکتے ہیں تو واجب و ممتنع دونوں "شَیْءٌ" کا مصداق ہونے سے خارج ہیں۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ یعنی اس نے موت جو عالم عدم اور حیٰوۃ جو عالم موجود ہے کو پیدا کیا گویا اس صفت کو ذکر کر کے تبارک الذی کی دلیل بیان فرما دی پہلی دلیل تو یہ تھی کہ اسکے ہاتھ میں تمام کائنات کی بادشاہت ہے اسی کا حکم اور تصرف کائنات پر جاری ہے دوسری دلیل ہر شئی پر کمال قدرت کو بیان کر کے پیش کر دی گئی تیسری دلیل اسکی عظمت و کبریائی کی "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" سے ظاہر فرمائی گئی اس میں عالم آخرت کی نعمتوں کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کی حیات ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے جملہ میں دنیا کی بادشاہت کا بیان تھا اب اس جملہ میں آخرت کی بادشاہت بھی بیان فرما دی تو جو ذات دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے بڑھ کر برکت اور عظمت والی ذات کون ہو سکتی ہے لہٰذا ہر حالت میں انسان کو اللہ کی طرف ملتجی ہونا چاہیئے اس تفسیر کی رو سے "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" میں لفظ موت کو مقدم کرنے کی حکمت ظاہر ہوتی کہ موت دنیوی حیاتِ اخروی سے مقدم ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ برکاتِ الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر علم و ادراک سے مزین بنایا خلافتِ الٰہیہ کا شرف اسکو بخشا اور اس عظمت و برکت کی تکمیل اس طرح مقدر کی گئی کہ عالم باقی کیلئے وہ نیک کام کرے اور بُرے کاموں سے پرہیز کرے اس وجہ سے ضروری تھا کہ نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی باتیں اور بُرے کاموں سے بچانے والی چیزیں نازل کی جائیں اور اسی کے لیے موت و زندگی بنائی اور اگر حیات سے دنیوی حیات مراد لی جائے تو پھر موت کی تقدیم اس غرض سے ہو سکتی ہے کہ اس کی فکر اور تیاری سے انسان غافل نہ ہو اور اس کی طرف پوری توجہ رکھے نیز اس وجہ سے بھی کہ حیات عارضی اور چند روزہ ہے اور موت ذاتی ہے تو انسان کو چاہیئے کہ چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھے تو اس وجہ سے بھی موت کو حیات پر مقدم ہی کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ذاتی کو امر عارضی پر تقدم ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موت سے وہ حالت مراد لی جائے جو قبل از وجود ہے وہ حالت نطفہ ہے یہی وہ چیز ہے جو سورۃ بقرہ کی آیت میں فرمائی گئی وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ تو حالت موت کے بعد عطاء حیات کا ذکر کیا اور پھر اس حیات کے بعد موت کا اور

پھر موت کے بعد حیات کا جو ظاہر ہے کہ آخری حیات حشر کی حیات ہے نیز اسلئے بھی یہاں موت کو مقدم اور حیات کو موخر فرمایا گیا یہاں مقصد کلام وہ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ہے اور اس آزمائش کا ثمرہ اور نتیجہ موت کے بعد اسی حیات میں ظاہر ہوگا جو حشر کی حیات ہے۔

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ اور حکماء یونان و فلاسفہ کے خیالات

متعدد آیات قرآنیہ اور تمام آسمانی کتابوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہے اور یہ ستارے جو آسمان کی زینت بنائے گئے ان ہی کو مصابیح فرمایا گیا اور جو کام اللہ رب العزت ان سے لیتا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنات و شیاطین پر انکو پھینک کر انہیں جلایا جاتا ہے جیسے کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں گزر چکا۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ تو اس آیت میں ستاروں سے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا گیا کہ آسمانوں کی زینت اور جو جنات و شیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگائیں انکے واسطے شہاب ثاقب اور جلا کر خاک کر دینے والے تیسری بات جو ستاروں سے متعلق ہے وہ آیۃ مبارکہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ میں فرما دی گئی۔

یہاں آیت جَعَلْنٰهَا کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے نہ کہ عین مصابیح کی طرف حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ شیاطین پر یہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں تو اصل یہ ہے کہ لفظ مصابیح یا کوکب و نجوم ان ستاروں پر بھی بولا جاتا ہے جو آسمان پر ہیں اور ان ادخنہ اور شعاعوں کو بھی کہا جاتا ہے جو ستاروں کے ساتھ ہیں یہی ادخنہ اور شعاعیں ٹوٹتی ہیں اور ان ہی کو پھینکا جاتا ہے زمین سے جو دخانی مادے اُٹھ کر فضا میں اوپر چڑھ جاتے ہیں تو کرۂ نار کے قریب پہنچ کر ان میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ جلتا ہوا کوئی شعلہ پھینکا جا رہا ہے یہ ادخنہ ستاروں ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے انکو بھی کواکب و نجوم کی جنس سے شمار کیا گیا مگر بہرکیف یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے جس مادۂ دخانی کو اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اس طرح چلنے اور بکھرنے کا حکم دے گا وہی ایسا ہوگا ورنہ نہیں یعنی ان کا یہ ٹوٹنا اور بکھرنا خود انکا کوئی طبعی تقاضا نہیں اور چونکہ یہ بھی ستاروں کی ایک قسم ہو گئے اس وجہ سے پھٹنے کے بعد زمین پر نہیں گرتے حالانکہ ان کا میل طبعی زمین کی طرف ہونا چاہیئے تھا بلکہ ایک جانب سے دوسری جانب اس طرح بکھر جاتے

ہیں جیسا کسی نے پھینک مارا اس قسم کے مشاہدوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ اور فرمایا وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ الغرض قرآن کریم میں جگہ جگہ آسمانوں کے بنانے کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ اسی طرح فرمایا اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨ الْكَوَاكِبِ کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو کس طرح بنایا ہم نے اسکو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ : اس نے سات آسمانوں کو اوپر تلے بنایا اے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا دوبارہ نظر آسمانوں کی طرف پھرا تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جاتے گی وغیرہا من الآیات پس اس سے وہی اخیر معنے مراد ہیں کہ جسکو ہماری زبان میں آسمان کہتے ہیں اور ہر زبان میں اسکا نام ہے اور جسکو تمام عرب و عجم ہند و روم اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو بنایا ہے ہم انکو دیکھتے ہیں ان میں کوئی شگاف نہیں کہ جو خدا کی صنعت میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوتے ہیں اگر کسی پڑھے ہوتے سے پوچھیے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور ان پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمایئے گا تو وہ بھی یونہی کہیں گے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدائے تعالےٰ اپنے کلام میں انسان کو مخاطب کرکے اپنے عجائبات قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی نہج پر کلام کرتے چلے آتے ہیں چنانچہ توراتِ اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے " ابتداء میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا " پھر اسی کتاب کے باب میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوتی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور ۸ باب میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا انجیل متی کے باب ۲ میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آتے تو انکے لیئے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور انکے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اس طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں الغرض ہزارہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے

لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں انکو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو انکو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا جسکی شاخیں ہیئت اور طبیعیات اور الٰہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے مگر آسمانوں کی تحقیق میں انکے دو فریق ہو گئے ایک گروہ کے پیشوا کا نام ہے "فیثاغورس"، وہ کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذات خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوتے نہیں پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ستارے اور ثوابت متحرک نہیں صرف زمین حرکت کرتی ہے اسکی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے بھی۔ آفتاب کو مدار ٹھہرا کر اسکے گرد حرکت کرتے ہیں ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں وہ حرکت نہیں کرتے انکی حرکت زمین کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلۂ معین پر حرکت دَوری کرتے ہیں اسی طرح زمین بھی اپنے بعد معین پر اسکے اردگرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ زحلؔ، مشتریؔ، مریخؔ عطاردؔ، زہرہؔ، شمسؔ، قمرؔ ہی نہیں انکے سوا اور بھی رَصَد سے ثابت ہوتے ہیں یہ مذہب فیثاغورس ایک مدت تک تو حکماء کے نزدیک اسکے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بیقدر رہا مگر اس صدی میں اس نے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے مقلد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوح محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض لوگ قائل ہو گئے۔

دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کُرَوی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حِصّہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں پانی کے اردگرد کرۂ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے یہ چار کُرے عناصر کے ہوتے اب یہ جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جسکو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہو جاتا ہے اسکے اوپر فلک العطارد ہے اسکے اوپر فلک زہرہ اسکے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے اسکے اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اسکے اوپر فلک مشتری کہ جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اسکے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب

نظر آتے ہیں اسکے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جسکو فلکِ اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اسکی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آگیا وہاں دن ہوگیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہوگئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق کی طرف کرکے دورہ تمام کرتے ہیں چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کرلیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقۃ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں یہ کل تیرہ کُرے ہوتے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سمٰوٰت کہا ہے اور دو وہ کہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی۔ فلک الثوابت عرش۔ فلک الافلاک ہے اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں
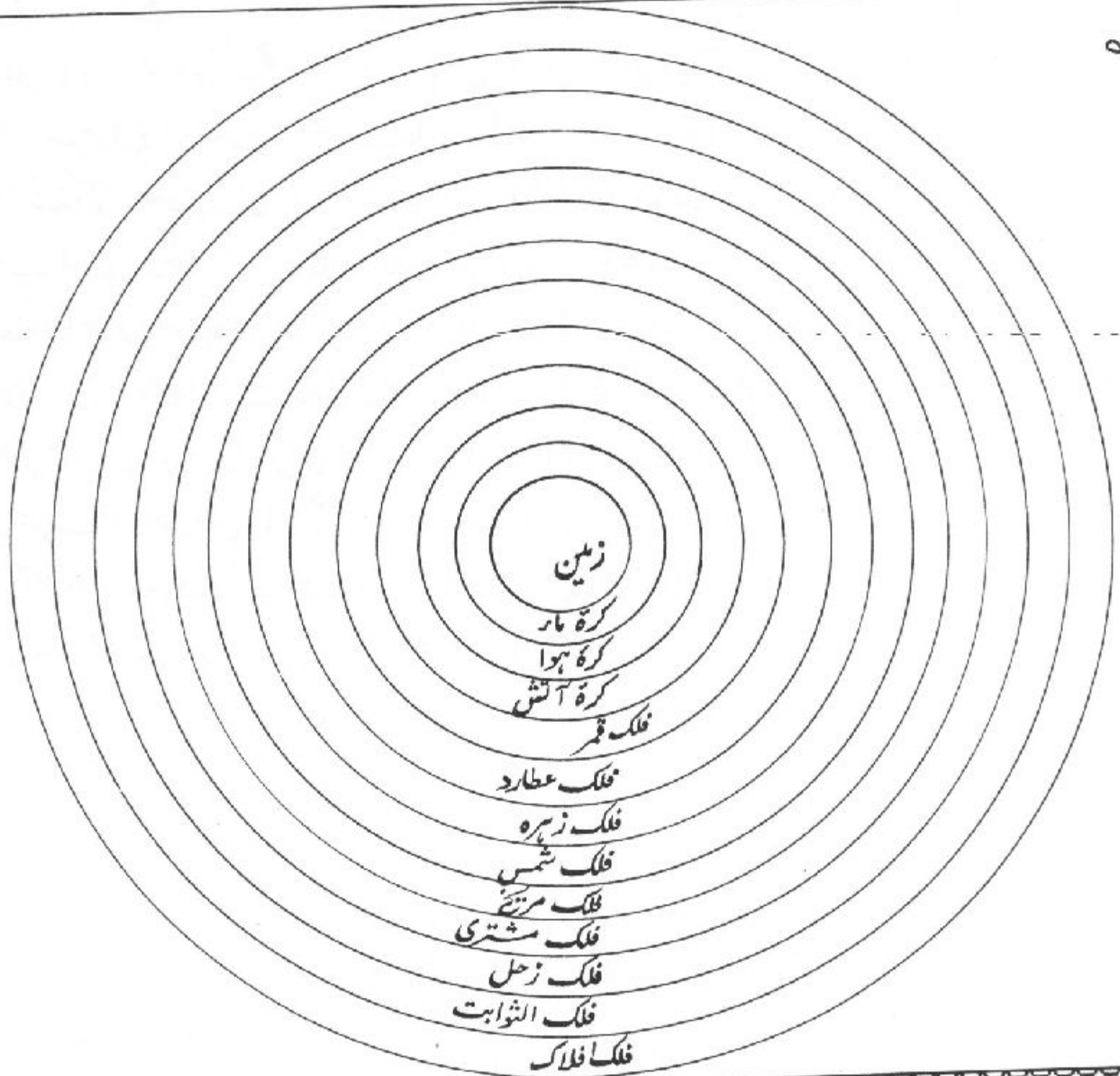
معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہیں تو نیلی رنگت پیدا ہوجاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف میں اجزائے غباری جو کہ سیاہ ہیں انکے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہوگئی یا یہ کہ ہوا کے اجزاء شفاف میں جب انکو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اسکے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اسکی جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لیئے اس حکمت کا جس طرح حکماء یونان میں رواج ہوا اسی طرح جب حکمت یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آئی تو اہل اسلام نے بھی اسکو پسند کیا چنانچہ اب تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہما اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہما سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہی مسائل کے معتقد ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سئے اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کُتب الہامیہ میں مذکور ہے اسکے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہرکیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو قال اللہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وقال تعالیٰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ـــــ وقال تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ـ وَقَالَ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ الآیۃ اگر آسمان فضا یا بُعد موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہوتا اس کا پھٹنا اور اسکے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اسکو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اسکی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جسکا کہ تورات میں ذکر ہے اسکو سقف محفوظ کہنا چہ معنی دارد البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمان کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر پھر اس پر اعتراض محض بیجا ہے۔

(کذا فی تفسیر الحقانی ج ۲ للعلامہ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلویؒ)

٭ ٭ ٭ ٭

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

اور جو منکر ہوتے اپنے رب سے

عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا

انکو ہے مار دوزخ کی اور بری جگہ پہنچے جب اس میں ڈالے جاویں سنیں

لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا

اس کا دھاڑنا، اور وہ اچھلتی ہے ابھی لگتا ہے کہ پھٹ پڑے جوش سے جس بار

أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا

پڑا اس میں ایک دل، پوچھا اُن سے اسکے داروغوں نے کیا نہ پہنچا تمکو کوئی ڈرسنانے والا وہ بولے

بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ

کیوں نہیں ہم پاس پہنچا تھا ڈرسنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا کوئی نہیں اُتاری اللہ نے

شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ

کچھ چیز تم پڑے ہو بڑے بہکاوے میں اور بولے، اگر ہم ہوتے سنتے

أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ

یا بوجھتے نہ ہوتے دوزخ والوں میں سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے

فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

اب دفع ہوں دوزخ والے

عقوبت وتنبیہ بر انکارِ توحیدِ ربّ العالمین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ... الی ... فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ

(ربط) گزشتہ آیات میں خداوند کریم کی عظمت وکبریائی کا بیان تھا اور اسکی قدرت وخالقیت دلائل وشواہد سے ظاہر فرمائی گئی تو اب ان آیات میں ان لوگوں پر وعید ہے جو اسکی الوہیت سے انکار کرتے ہیں اور اسکی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے فرمایا

اور جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رب کا انکے واسطے عذاب جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے

جس کی شدت و ہیبت اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ جب بھی یہ لوگ اس میں ڈالیں جائیں گے سنیں گے اس کے دھاڑنے کی آواز جو نہایت ہی ہولناک ہو گی اور وہ جہنم سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح تھپیڑے مارتی ہوئی ہو گی قریب ہو گا کہ وہ جہنم اپنی لپٹوں اور بھاپ کی شدت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پھٹ پڑے اسکے جوش اور شدتِ اشتعال کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو گا کہ اب پھٹ پڑے گی جب بھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا تو اسکے داروغہ پوچھیں گے ان سے کہ کیا تمہارے پاس نہیں آیا تھا کوئی عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا کہ تم کو اس عذابِ جہنم سے ڈراتا اور تم اب اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا مگر ہم نے اسکو جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور بجائے اسکے کہ انکی تصدیق کرتے ان پر ایمان لاتے ہم تو اپنی بدبختی سے یہ کہنے لگے تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور وہ جہنمی یہ بھی کہیں گے نہایت ہی حسرت اور ملال کے ساتھ اے کاش اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے اللہ کے پیغمبر کی باتوں اور انکی نصیحتوں کو تو ہم نہ ہوتے جہنمیوں میں سے مگر نہ تو ہم نے کبھی کان لگا کر انکی بات سنی اور نہ عقل سے سوچا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہم جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس طرح وہ اعتراف کریں گے اپنے جرم کا۔ لیکن اس وقت حسرت و افسوس اور اعتراف گناہ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا اس لیے اعلان ہوگا بس دھکے دو جہنم والوں کو اس طرح ملائکہ انکو دھکیل کر اور گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیں گے سورۃ زمر میں ان مضامین کی تفصیل گزر چکی۔

اہل جہنم کے ساتھ اس طرح کی گفتگو صرف ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی اور یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہ خداوند عالم کسی کو بغیر جرم کے عذاب نہیں دیتا اور جرم ایسا کہ خود مجرم بھی اس کا اعتراف کرلیں ابوالبختری الطائی بعض صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لن یھلک الناس حتی یُعذِروا من انفسھم وفی حدیثٍ آخر لا یدخل النارَ احدٌ الا وھُوَ یعلم ان النار اولیٰ بہ من الجنۃ[1]

ہر گز لوگ ہلاک نہیں ہوں گے جب تک انکی طرف سے ان کا عذر ختم نہ کر دیا جائے گا اور ایک روایت میں ہے ہر گز کوئی شخص جہنم میں داخل نہ ہو گا مگر اس طرح کہ وہ جان لے گا کہ واقعی جہنم ہی اس کے واسطے درست ہے۔

تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ کے الفاظ جہنم کا منظر سمندر کی موجوں کی شکل میں پیش کر رہے ہیں کہ جس طرح دیکھنے والا سمندر میں پانی کی موجیں اور تھپیڑے دیکھتا ہے بس یہی جہنم میں آگ کے تھپیڑوں کا ہو گا۔

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اِنْ اَنْتُمْ الخ۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ کلمہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ۔ جہنم کے داروغہ اور فرشتوں کا ہوگا جو اہل جہنم کو توبیخ اور دھمکی کے طور پر کہتے ہوں گے۔

فَکَذَّبْنَا کی تفسیر وہی ہے جو سورۂ یٰسین میں آیت یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ کی گزر چکی اور تکذیب کو صرف رسول ہی کی تکذیب تک محدود رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں ان ہادیان امت کی تکذیب بھی شامل ہے جو امت کو جزاء و سزا کی باتیں سنائیں اللہ اور اسکے رسول کا پیغام پہنچائیں لیکن انکی بات ماننے کی بجائے کفر و نافرمانیوں پر قائم رہنا بدکاریوں کفر و شرک جیسے کاموں میں مبتلا رہنا عملاً تکذیب ہے اسی طرح قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق اور زمانہ کے انقلابات سے عبرت حاصل نہ کرنا بھی تکذیب ہے عالم جاودانی سے غفلت و لاپرواہی اور عالم محسوس یعنی دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشات پر مفتون ہو جانا رُوح کے تقاضوں کو فراموش کر دینا غرض یہ سب شعبے تکذیب ہی کے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایسے افراد زبان سے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اور ان کا عمل اسکی تردید و تکذیب کرتا ہے گویا ان لوگوں کی عملی زندگی بنی اسرائیل اور یہود کی طرز زندگی کا پیکر ہوتی ہے سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا کہ سن لیا ہے ہم نے مگر ہم نافرمانی ہی کریں گے۔

قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ۔ ہیں موت کے مناظر بھی دیکھنا ہے کہ مرنے والوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہ ہوتی تھی اور اسی طرح دنیا میں منہمک رہتے تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ

جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے

بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ

بن دیکھے انکو معافی ہے اور نیگ بڑا اور تم چھپی کہو اپنی بات یا

اجْھَرُوْا بِہٖ ۭ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ

کھول کر وہ جانتا ہے جیوں کے بھید بھلا وہ نہ جانے جس

خَلَقَ ۭ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ

نے بنایا؟ اور وہی ہے بھید جانتا خبردار وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین

ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ

کو پست اب پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ روزی دی اسکی اور اسی کی

النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ

طرف جی اُٹھنا ہے کیا نڈر ہوتے اس سے جو آسمان میں ہے؟ کہ دھنسا دے تم کو

الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن

زمین میں، پھر دیکھو وہ لرزتی ہے یا نڈر ہوتے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ

يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ

چھوڑ دے تم پر پتھراؤ باؤ کا سو اب جانو گے، کیسا ہے میرا ڈر کا اور جھٹلا

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا

چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر کیسا ہوا میرا بگاڑ ؟ اور کیا نہیں دیکھے

إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا

اڑتے جانور اپنے اوپر پر کھولے اور جھپکتے ان کو کوئی نہیں تھام رہا رحمٰن

الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ

کے سوا اسکی نگاہ میں ہے ہر چیز بھلا وہ کون ہے ؟ جو

جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا

فوج ہے تمہاری مدد کرے گی تمہاری رحمٰن کے سوا منکر پڑے ہیں نرے

فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ

بہکاوے میں بھلا وہ کون ہے؟ جو روزی دے گا تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی

بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ

کوئی نہیں! پر اڑ رہے ہیں شرارت اور بدکنے پر، بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ پر

أَهْدٰىٓ أَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾

وہ سیدھی راہ پاوے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر

بیان انعام براہل تقویٰ واحاطۂ علم خداوندی باحوال فریقین

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ...... اِلٰى .... صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں منکرین و مجرمین پر عذاب خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ روز قیامت جب کفار۔ عذاب خداوندی کا مشاہدہ کریں گے تو ان پر کس طرح حسرت و ملال ہوگا اب ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور رب العالمین سے خشیت رکھنے والوں کی جزاء اور انعام کا بیان ہے ارشاد فرمایا۔

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں غیب کی حالت میں انکے واسطے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے کہ جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوتے جب کہ وہ عالم آخرت سے دور تھے جنت وجہنم بھی نظروں سے اوجھل تھی پھر بھی ایمان وتقویٰ اختیار کیا بلاشبہ وہ انعامات اور اعزازات کے مستحق ہیں یہی خشیت بحالت غیب" کام آنے والی چیز ہے ورنہ خدا کی بارگاہ میں حاضری پر اور جنت وجہنم کا جب انسان مشاہدہ کرنے لگے تو ہر ایک ہی ڈرے گا اور عذاب جہنم سے کانپے گا لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت کا ڈر اور خشیت کسی صورت میں بھی کام نہ آئے گی اس وقت یہ فرمان خداوندی جاری ہوگا اور اے لوگو! تم خواہ بات چھپاؤ یا اسکو پکار کر رکھو اور ظاہر کرو خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی فرق نہیں وہ تو دلوں والی بات کو جاننے والا ہے اور سوچنا چاہیئے کیا وہ پروردگار نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا وہ تو بہت ہی لطیف باریک بین اور مخلوقات کے احوال سے پورا با خبر ہے اس لیے کہ وہ مخلوقات کا خالق ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو دلی خیالات بھی مخلوق ہیں گو وہ دل میں چھپے ہوتے ہیں مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم وانکشاف کی لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے حکماء نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے اور یہ بات غور کرنے پر سمجھ میں بھی آتی ہے کہ جسمانیت ایک حجاب ہے بہت سی چیزوں کے علم وادراک سے یہی جسمانیت وکثافت مانع بنتی ہے اسی لیے ملائکہ چونکہ اجسام نوریہ اور لطیف ہیں اور ان میں روحانیت ولطافت ہے انکے بعد جنات جو مخلوق ناری ہیں اور نار میں بھی لطافت ہے گو نور سے کم ہو اس وجہ سے ملائکہ اور جن ان چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو ہمارے علم اور حواس سے بعید ہوتی ہیں اسی پر خواب کو بھی محمول کر لیا جاتے کہ اس میں انسان بسا اوقات وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے جو بیداری میں نہیں دیکھ سکتا اسی بناء پر حضرات متکلمین نے بحالت خواب جنت وجہنم کو دیکھنا اور دیدار خداوندی کو تسلیم کیا ہے کیونکہ

بحالت خواب جسمانی حجابات کمزور ہو جاتے ہیں اور مدرکات حسیہ کے بجائے قلب کے مدرکات کام کرنے لگتے ہیں تو جب نفس خواب میں انسان کو ان باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے جن کا بحالت بیداری مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے روز جب عالم مادیت سے بالکل ہی منقطع ہو چکا ہوگا اور مادی حجابات مرتفع ہو چکے ہوں گے نہ معلوم وہ کیا کچھ دیکھے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو انسان جب تک دنیا میں ہے گویا وہ عالم غیب میں ہے اور احوال آخرت سے اسکے حواس بے خبر ہیں تو اس عالم میں خدا سے خوف وخشیت ایمان ہے ورنہ آخرت میں تو سب کچھ نظر آنے لگے گا اور ہر ایک ہی خدا کی عظمت وکبریائی سے کانپتا ہوگا۔

وہی پروردگار ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مسخر بنا دیا کہ اس پر جس طرح چاہو تصرف کرو چلو پھرو مکانات کارخانے تعمیر کرو یا نرم بنا دیا جس پر تم بیٹھ سکتے ہو اسکو کھود سکتے ہو ایسا سخت سنگ خارا نہیں کہ انسان سے نہ بیٹھا جاتے نہ اس پر چلا جاتے اور نہ کھودا جا سکے پھر عجیب قدرت ہے کہ اس نرمی کے باوجود ناخن سے کرید لو اس قدر مضبوط اور قوی کہ بڑے سے بڑے وزن سے نہ دبے اور نہ پھٹے تو چلو اے لوگو! تم اسکے کاندھوں یعنی راستوں میں اور کھاؤ خدا کے رزق سے جو اس نے زمین سے پیدا کیا اور یہ رزق اور جملہ نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی ادا کرو اور یہ یاد رکھو کہ اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر لوٹنا اور جمع ہونا ہے میدان حشر میں خدا کی پیدا کی ہوئی روزی اور نعمتوں سے مغرور نہ ہو اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہے مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے تم اس حشر ونشر اور بعث بعد الموت کو زمین سے اگنے والی کھیتیوں کو دیکھکر سمجھ سکتے ہو کہ کس طرح یہ تخم اور بیج زمین میں دبانے کے بعد پھر زمین سے ابھر رہے ہیں جب کہ یہ مٹی میں مل کر خاک بن گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد اسی شکل وصورت میں رونما ہو رہے ہیں جیسے کہ پہلے تھی تو حشر اور بعث بعد الموت کا یہ نمونہ دنیا کی نظروں کے سامنے ہے جس طرح کہ انسان کو حشر ونشر اور آخرت سے بے خوف نہ ہونا چاہیئے اسی طرح اس بات سے بھی بے فکر نہ ہونا چاہیئے کہ انسان کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں پر کسی وقت بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تو اسکے لیئے فرمایا۔

کیا تم نڈر ہو گئے ہو اس ذات سے کہ جو آسمان میں ہے اس چیز سے کہ تمہیں زمین میں دھنسا

لے "مناکب"، کا ترجمہ راستوں سے کیا چلنے کی مناسبت سے مقصود تو یہ ہے کہ زمین کو اللہ نے انسانوں کے لیئے مسخر کر دیا ہے صاحب کشاف کہتے ہیں یہ ایک تمثیل اور محاورہ ہے جو مسخر کیئے جانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قتادہؒ ضحاکؒ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین کے کاندھے پہاڑ اور ٹیلے ہیں انکی بلندی کی وجہ سے انکو مناکب الارض کہا جاتا ہے ۱۲

دے جب کہ وہ زلزلہ سے لرزنے لگے تو وہی زمین جو تمہارے واسطے مسخر تھی تم اس سے منافع حاصل کرتے تھے اسی سے تمکو رزق ملتا تھا وہی زمین تمہارے واسطے عذاب وقہر بن جاتے گی اور تم اس میں دھنسا دیئے جاؤ گے پھر کیا تم بے خوف ہوگئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ وہ ایک سخت آندھی تم پر چھوڑ دے جو پتھر برسانے والی ہو غرض اس طرح زمین و آسمان سے عذاب خداوندی واقع ہوگا۔ پھر تو تم جان لوگے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا اور دنیا کی نعمتوں اور نفس کی لذتوں نے تمکو فکر آخرت اور خوفِ خدا سے جو دور کر دیا ہے یہ سب ختم ہو جائے گا اور چاہوگے کہ اس وقت ایمان لے آؤ لیکن ظاہر ہے عذابِ خداوندی نازل ہونے پر ایمان لانا معتبر نہیں انسان کو اس امر سے کسی بھی وقت غافل نہ ہونا چاہیئے کہ خدا اور اسکے رسول کی بات جھٹلانے کا کیسا انجام ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور بہت سی قوموں نے ان سے پہلے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو تو پھر کیسا ہوا میرا انکار کرنا اور اس پر کیسا ہولناک عذاب نازل ہوا جیسے کہ قوم عاد و ثمود کی تاریخ اہل عرب کے سامنے موجود ہے خداوند عالم کی شان کبریائی اور اسکی قدرت آسمان و زمین میں ظاہر ہونے کے ساتھ فضا میں اڑتے ہوتے پرندے بھی اسکی قدرت و عظمت کی گواہی دے رہے ہیں تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو کہ ان کے اوپر کس طرح پر کھولے ہوتے ہیں اور پر جھپکتے بھی ہیں کوئی نہیں ہے انکو روکے ہوتے بجز رحمٰن کے وہی پروردگار رحمٰن و رحیم اپنی قدرت سے انکو فضا میں معلق روکے ہوئے ہے پرندوں کی یہ حالت خداوندِ عالم کی کبریائی کی بڑی ہی عظیم دلیل ہے۔

بے شک وہ پروردگار جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے^ے بھلا وہ کون ہے جو لشکر مددگار ہو کر آجائے تمہارے واسطے رحمٰن کے سوا مدد کرے اور کسی بھی عذاب و مصیبت سے تم کو بچالے ہرگز ایسا ممکن نہیں کافر تو بس دھوکہ ہی میں پڑے ہوتے ہیں انکو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ اگر کوئی عذاب نازل ہوا جس سے ڈرایا جارہا ہے تو انکے یہ معبود عذاب سے بچالیں گے یہ انکا کھلا ہوا دھوکہ ہے سوچنا چاہیئے۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے اگر وہ پروردگار اپنا رزق روک

ے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں۔ "شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر و شرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے عذاب بھی اس کی رحمت سے رُکا ہوا ہے"۔ کوئی بعید نہیں اسی لطیف اشارہ کے باعث اس موقعہ پر اللہ کی صفت رحمٰن ذکر فرمائی گئی ہو حالانکہ یہ امر قدرت سے متعلق ہے تو ظاہر کا تقاضا ہو سکتا تھا کہ صفت قدرت و عظمت کا ذکر ہوتا۔

لے۔ دنیا کی طاقت مل کر بھی ایک دانہ زمین سے پیدا نہیں کر سکتی یہ سب باتیں ہر صاحب فہم انسان بڑی سہولت سے سمجھ سکتا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو اور زیادہ مضبوطی سے چمٹے رہتے اپنی سرکشی پر اور خدا کی اطاعت سے بدکنے پر یقیناً اس گمراہی اور سرکشی کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھا منہ اپنے سر کے بل راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے ٹھیک ٹھیک ایک ایسے راستہ پر جو نہایت ہی سیدھا ہے ظاہر ہے کہ صراط مستقیم پر سیدھا چلنے والا انسان ہی کامیاب ہے اور حق پر ہے اور جو اوندھے منہ سر کے بل گھسٹ رہا ہو وہ کیونکر فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جو شخص قانون الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرے گا وہی منزل مقصود کو پہنچے گا اور وہی مؤمن صالح ہے اور جو شخص ہوائے نفس میں پھنس کر اللہ اور اس کے رسول سے باغی ہوجاتے وہ ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور ایک خاردار راستہ پر چلتے ہوتے ایسے عمیق اور گہرے گڑھے میں گرے گا کہ اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ

تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو نکال کھڑا کیا اور بنا دیئے تمکو کان اور آنکھیں اور

الْاَفْـِٕدَةَ١ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ

دل تم تھوڑا حق مانتے ہو تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈا یا تمکو

فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا

زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کیتے جاؤ گے اور کہتے ہیں کب ہے یہ

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

وعدہ اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی

اللّٰهِ١۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ

پاس اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر پھر جب دیکھیں گے وہ پاس آ لگا

وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ

بُرے بن جاویں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم

تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ

مانگتے تھے تو کہہ، بھلا دیکھو تو! اگر کھپا دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں

أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ

کو یا ہم پر مہر کرے پھر کون ہے جو بچا دے منکروں کو دکھ کی مار سے تو کہہ

هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ

وہی رحمٰن ہے ہم نے اسکو مانا اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب جان لوگے کون

هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ

پڑا ہے صریح بہکاوے میں تو کہہ بھلا دیکھو تو! اگر ہو رہے صبح کو پانی تمہارا

غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿٣٠﴾

خشک پھر کون ہے جو لا دے تمکو پانی نتھرا؟

دلائل قدرت رب العالمین وتنبیہ وتہدید بر مجرمین ومنکرین

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ ..... اِلیٰ .... فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل ایمان وتقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ مؤمنین مطیعین اور کفار ومجرمین ہر دو فریق کا خداوند عالم کو پورا پورا علم ہے انکا کوئی قول وعمل اللہ سے مخفی نہیں کوئی بھی اس کے احاطہ علم وقدرت سے باہر نہیں ہو سکتا تو اب ان آیات میں مزید دلائل قدرت بیان کیے جا رہے ہیں اور یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور عطا کیا آنکھیں دیکھنے کے لیے دیں اور کان سننے کے واسطے تو پھر یہ بات فطرت سے بعید ہے کہ انسان نہ عقل وفکر سے کام لے نہ آنکھوں سے دلائل قدرت کا مشاہدہ کرے اور نہ کانوں سے حق وہدایت کی بات سُنے۔ ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے وہی ہے خداوند عالم وحدہٗ لاشریک کہ جس نے تمکو پیدا کیا اور اسکی خالقیت کی بے شمار دلیلیں خود انسانی وجود میں ودیعت رکھی ہوتی ہیں اور تمہارے واسطے کان بنائے اور آنکھیں تاکہ آنکھوں سے دیکھو اور کانوں سے رشد وہدایت کی باتوں کو سنو اور دل تاکہ عقل وفطرت کے تقاضے دلوں

میں سمانے والی باتوں کو قبول کرو لیکن اے انسانو! افسوس کہ تم میں سے بہت سوں نے ان چیزوں سے کام نہ لیا تو بہت ہی کم ہو کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو اگر اس پر بھی یہ منکرین توجہ نہیں کرتے اور قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتے پھر کہہ دیجئے کہ وہی تو ہے جس نے زمین میں بکھیرا اور اپنی قدرت سے کس طرح تم کو زمین کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا اور کس طرح اسباب معیشت اور سامان راحت پیدا کیا اور یہ سب چیزیں اپنے تغیر و انقلاب اور وجود و فنا اور بقاء و زوال سے اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ تم سب اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔ ان حقائق و دلائل اور مشاہدات کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ خدا پر ایمان لاتے مگر ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں اور بلکہ یہ کہتے ہیں یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو کب ہم زندہ ہوں گے اور کب قیامت آئے گی تو آپ کہہ دیں اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈرانے ہی والا ہوں کھلم کھلا خدا کے عذاب سے اور روز قیامت کے واقع ہونے سے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی بھی ٹلانے والا نہیں چنانچہ جب وہ لوگ دیکھیں گے اسکو قریب کہ عذاب خداوندی سامنے ہے قیامت برپا ہو رہی ہے تو بگڑ جائیں گے کافروں کے چہرے شدت غم اور بدحواسی کی وجہ سے اور کہا جائے گا یہی تو ہے وہ جس کو تم طلب کرتے تھے اور اللہ کے پیغمبر اور اہل ایمان سے کہا کرتے تھے کہ اچھا اگر کافروں پر خدا کا عذاب آنے والا ہے تو لے آؤ کہاں ہے وہ عذاب تو اس طرح یہ منکر اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وہ بطور استہزاء مطالبہ اور جلدی کرتے تھے اور جوں ہی وہ عذاب قریب آئے گا بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں گی۔

خداوند عالم کے عذاب کو کون ٹلا سکتا ہے اسکے قہر و جلال کا تو یہ عالم ہے کہ اے ہمارے پیغمبر انکو کہہ دیجئے بھلا دیکھو تو اور مجھے یہ بتاؤ اگر بالفرض خدا مجھے ہلاک کرے اور انکو جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے جیسا کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے تو پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچا لے؟ یقیناً کسی میں جرأت نہیں کہ خدا کی کسی بھی بات کو ٹلا سکے اس لئے اس کا وہ عذاب جو کافروں اور منکروں پر واقع ہونے والا ہے اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اور اسکی وہ عنایات و رحمتیں جو اسکے رسولؐ پر اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں انکو کوئی نہیں روک سکتا اس شان عظمت و کبریائی کا ادراک و مشاہدہ کرنے والوں کو کہہ دیجئے کہ وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے اور اے کافرو! تم ان دونوں سے محروم ہو نہ ایمان ہے نہ توکل اس وجہ سے بس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے ہم یا تم! آخر اے منکرو! کہاں تک تم خدا کی قدرت و خالقیت کا انکار کرتے رہو گے تو کہہ دو بھلا بتاؤ اگر تمہارا یہ پانی خشک ہو جائے تو کون لائے گا تمہارے پاس چشموں سے بہتا ہوا صاف ستھرا پانی۔ وہ پانی جس پر ہر جاندار کی زندگی اور ہر چیز کا بقاء موقوف ہے چشموں کنوؤں اور نہروں سے خشک ہو جائے تو یہ موتی کی طرح صاف ستھرے قطرے لے آنے کی کسی میں قدرت

نہیں مس ــ

تمّ بحمد اللہ سورۃ الملک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القلم

اس سورت کا اصل موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور منکرین وکفار کے شبہات واعتراضات کا رد اور جواب ہے سورت کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت اور اسکی عظمت ورفعت سے کی گئی اور جو لغو قسم کی باتیں کفار مکہ کہا کرتے تھے انکا رد ہے ساتھ ہی ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور ان کی وہ بے ہودہ اور ذلیل خصلتیں ذکر کی گئیں جن میں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ ایسے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عذاب ہے اور کس قسم کی ذلت ورسوائی انکے مقدر میں لکھی ہوئی ہے پھر اس موضوع کو واضح اور ثابت کرنے کیلئے ان باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا جو اللہ کی نافرمانی کے باعث ان تمام نعمتوں سے محروم ہوگئے جو انکو حاصل تھیں اور قدرت خداوندی نے انکے جرم کا کیسا انتقام لیا تو یہ سب کچھ عبرت کا سامان ہے اہل مکہ اور وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور نافرمانی وسرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے انکو ایسے عبرتناک واقعات سے عبرت حاصل کرنی

مہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے اس وقت ہدایت ومعرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی (بعثت کی) صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہوسکتا ہے جس نے اپنے فضل وانعام سے تمام جانداروں کی ظاہری وباطنی زندگی کے سامان پیدا کیئے۔

اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جاتے جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے تو کون ہے جو مخلوق کے لیئے ایسا پاک وصاف ستھرا پانی مہیا کر سکے" حضرات مفسرین نے بیان کیا کہ اس آیت کو بعض متکبرین نے سنا تو بڑی ہی گستاخی سے کہا" ہم زمین سے کھود کر نکال لیں گے" اسی وقت خدا نے انکی آنکھوں کی رطوبت اور پانی جذب کرلیا اور غیب سے ندا سنائی دی اے گستاخ تو زمین کی تہوں سے پانی کیا نکال کر لائے گا تو اپنی آنکھ ہی کا پانی لے آ العیاذ باللہ شان خداوندی میں گستاخی سے اللہ رب العزت محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین

چاہیئے ساتھ ہی قیامت اور احوالِ قیامت کا بھی ذکر آگیا اور یہ کہ روزِ قیامت نہایت ہی شدید دن ہو گا مجرمین اللہ کے سامنے جب پیش ہوں گے تو انکی ذلت و بدحالی کی کوئی حد نہ ہو گی اختتام سورت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش کی اذیتوں پر صبر و تحمل کی تلقین فرمائی گئی۔

❊ ❊ ❊

اٰيَاتُهَا ۵۲ ۶۸ = سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ = ۲ فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ قلم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے

بِمَجْنُوْنٍ ۝٢ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣ وَاِنَّكَ

دیوانہ اور تجھ کو نیگ ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا

لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ

ہے بڑے خلق پر سو اب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لینگے کون ہے کہ

الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

بچل رہا ہے تیرا رب وہی بہتر جانے جو بہکا اسکی راہ سے

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا

اور وہی بہتر جانتا ہے راہ پانے والوں کو سو تو کہا نہ مان جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں

لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠

کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں اور کہا نہ مان کسی قسم کھانے والے کا بے قدر

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ

طعنے دیتا، چغلی لیئے پھرتا ، بھلے کام سے روکتا، حد سے بڑھتا، گنہگار ، اجڈ

بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ﴿۱۴﴾ اِذَا

اس سب کے پیچھے بدنام ، اس سے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے جب

تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ

سُنائیے اسکو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی اب داغ دینگے ہم

عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

اسکو سونڈ پر

بیان عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتلقین صبر و استقامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ..... اِلٰى ... سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ

(ربط) گزشتہ سورت میں خداوند عالم کی خالقیت کے دلائل ذکر کیئے گئے اور یہ کہ اس کی قدرت کائنات کو محیط ہے اسکے احاطۂ علم وقدرت سے کوئی مجرم نہیں نکل سکتا تو اب اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کو ثابت فرمایا گیا اور یہ کہ آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے مجرمین خدا کے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے اور جو کچھ وہ آپؐ پر اعتراض کرتے ہیں وہ سب لغو اور بے ہودہ باتیں ہیں کوئی صحیح العقل انسان ایسی بے ہودہ باتیں تصور بھی نہیں کرسکتا ارشاد فرمایا۔

نٓ۔ خدا تعالےٰ ہی اسکی مرادؔ بخوبی جانتا ہے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے انکی جو لکھتے ہیں آپ نہیں

عہ یہی مسلک اہل حق اور محققین کا ہے اگرچہ بعض عارفین اس حرف نونؔ کو ناصر یا نصر کا مخفف قرار دیکر یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ تسلی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہم آپ کے مددگار ہیں یا ہم آپؐ کی مدد کریں گے بعض مفسرین نے اور بھی معانی بیان کیئے ہیں واللہ اعلم۔ ۱۲

ہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ بلکہ دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم و حکمت اور عقل و دانائی
کے مالک ہیں جس توحید اور مکارم اخلاق کی دنیا کو تعلیم دی وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ دنیا کے سارے
حکماء اور فلاسفہ کو حکمت و دانائی آپ کے چشمِ فیض سے ملی ہے آپ کی حکمت و دانائی اہل مکہ کے
نزدیک کوئی عجب چیز نہیں قریش اور انکے علاوہ اطراف و اکناف عرب میں اس کا چرچا تھا یہ
بات تو کیسے ممکن ہے کہ آپ دیوانہ ہوں بلکہ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے واسطے تو ایسا اجر عظیم
ہے کہ جو کبھی بھی منقطع ہونے والا نہیں کیونکہ آپ کی ذات سے دنیا میں توحید و مکارم اخلاق رواج پائیں گے
خدا پرستی جب مشرق و مغرب میں پھیلے گی تو بلا شبہ اس سب کا اجر و ثواب آپ ہی کو
ملتا رہے گا اور بے شک آپ تو بڑے ہی اچھے اور بلند پایہ خلق پر ہیں[۵۷] ایسے اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ
اخلاق کہ دنیا میں ان اخلاق و اعمال نے مسلمانوں کو عزت و حکومت اور سر بلندی عطا کی۔
تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون تم میں سے وہ ہے جو بھٹک رہا ہے اور کون وہ ہے جو ٹھیک

---

۵۷ خلق خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ عادت کو کہا جاتا ہے اچھی عادت کو خلق حسن اور بری عادت کو
خلق سوء یعنی بد اخلاقی سے تعبیر کریں گے تو خلق حسن یا خلق عظیم انسان میں اس طبعی ملکہ کو
کہا جاتا ہے جس کے باعث انسان پسندیدہ کام سہولت سے کر سکتا ہے بہرکیف عملی اور اخلاقی
ہیئتِ عملیہ کو خلق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حیاء، کرم، سخاوت، شجاعت، ہمدردی
و اعانت، وصلہ رحمی، صبر و حلم۔ اور ہر بری بات اور بے ہودہ خصلت سے پرہیز اور نفرت
کرنا تو اس طرح کا وصف انسان کی فطرت میں رچا ہوا ہو کہ یہ تمام باتیں بے تکلف اس
سے واقع ہوتی رہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان جملہ اخلاق حسنہ اور پسندیدہ
خصلتوں سے نہ صرف یہ کہ متصف ہیں بلکہ دنیا نے ان باتوں کو صرف
آپ سے ہی سیکھا۔
ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آپ
کا خلق کیا تھا جواب دیا آپ کا خلق قرآن کریم تھا ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں
کہ آپ سے زیادہ دنیا میں کوئی خوش خلق نہ تھا جب بھی کسی نے کام کے لئے بلایا آپ
نے اس کا کام کر دیا عمر بھر آپ نے کسی کو گالی نہ دی نہ بُرا بھلا کہا انس بن مالک فرمایا
کرتے تھے میں نے دس برس آپ کی خدمت کی اس طویل مدت میں آپ نے
کبھی مجھے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا "کہ کیوں نہیں کیا، اور اگر کوئی کام غلط کر لیا
تو یہ نہیں فرمایا کہ " یہ کیوں کیا " ۱۲۔

علم و حکمت اور عقل و فراست ہے کون عاقبت اندیش ہے اور کس کی عقل ماری گئی ہے جس کی وجہ سے وہ پاگلوں جیسی باتیں اور حرکتیں کرتا ہے بلاشبہ آئندہ کی تاریخ اسکا فیصلہ کر دے گی بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اسکو کہ جو بھٹکا ہوا ہے اسکے راستہ سے اور وہی خوب جانتا ہے ان کو بھی جو راہ راست پر ہیں اس کا علم ہر عمل اور ہر عامل کو محیط ہے اس وجہ سے ہدایت اور نیکی پر چلنے والوں کا انجام فلاح و کامیابی اور عزت و غلبہ ہوگا اور گمراہوں کا انجام ہلاکت و تباہی ہے کفار و مشرکین تو اسی کوشش میں لگے رہیں گے کہ آپ دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں انکی کچھ رعایت کریں اور کفر و گمراہی اور معبودانِ باطلہ کے رد میں سخت رویہ کو ترک کر دیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے یہی ہو سکتا ہے کہ حق و باطل اور توحید و شرک میں امتیاز ہی ختم ہو جاتے گا اس لیے آپ کو تاکید ہے ہرگز ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیئے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کر لیں تو پھر وہ بھی آپ کے ساتھ نرمی برتیں ہرگز آپ ایسا نہ کریں۔ انکو نرمی اور خوش خلقی کی طمع میں احقاقِ حق اور تردید باطل میں کسی طرح کی نرمی اور کمزوری مقامِ رسالت کے ساتھ زیب نہیں دیتی ایمان و حق پرستی کا تقاضا یہی ہے کہ حق کی آواز بلا جھجک کے بلند کی جائے دشمن خواہ سختی اختیار کریں یا بُرا بھلا کہیں اہل باطل کی خوشنودی کی طرف مائل ہونا کسی بھی حق پرست کے لیے قابل برداشت بات نہیں ہے اور آپ ہرگز بات نہ مانیں کسی ایسے شخص کی جو خوب قسمیں کھانے والا حقیر و ذلیل انسان ہو۔ طعن و تشنیع کرنے والا ہو چغل خوری کرتا پھرتا ہو ہر بھلے کام سے لوگوں کو روکتا ہو حد سے زیادہ سرکش بڑا ہی گنا ہگار ہو نہایت ہی بدخو و بے ہودہ ان سب باتوں کے بعد بدنام[ؒ] رسوائے زمانہ بھی ہو یہ (اس شخص کا غرور و تکبر اور سرکشی اور ہر خیر سے لوگوں کو روکنا) اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مالدار اور بیٹوں والا تھا وہ اپنی سرکشی اور غرور میں اس حد تک پہونچا کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں تو کہے یہ تو پہلے گزرے ہوتے لوگوں کی کہانیاں ہیں اس مغرور و متکبر کو اس بات کا احساس تک نہ رہا کہ دنیا میں کسی شخص کا دولت مند یا صاحب اولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسکی بات حق ہے اور وہی کامیاب بھی ہے اصل عزت و کامیابی تو انسان کے اخلاق و عادات اور کردار کی خوبی اور شرافت و خوش اسلوبی پر موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے ابلہ فریب انسان کی باتوں کی طرف نہ کوئی التفات کرنا چاہیئے اور نہ ہی اس سے متاثر ہونا چاہیئے۔

ؒ "رسوائے زمانہ" اور "بدنام" لفظ "زنیم" کا ترجمہ ہے جس کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمہ میں اختیار فرمایا بعض حضرات سلف اور اہلِ لغت نے زنیم کے معنی ولد الزنا اور "حرام زادے" کے کیئے ہیں اور جس کافر کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں وہ اہل مکہ میں اسی حیثیت کے ساتھ معروف تھا اور وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ ۱۲

ایسے نالائق اور بدبخت انسان کے لیے تو ہم نے یہ طے کر لیا ہے اور ہم داغ دیں گے اسکی سونڈ پر اسکی وہ ناک جو سونڈ کی طرح ہے نہایت ہی بے ڈول اور چوڑی بڑی بھدی نظر آتی ہے یہ شخص قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا جس میں یہ تمام اوصاف بتمام وکمال موجود تھے اور ناک پر داغ میں ذلت ورسوائی کا داغ تھا جو اس پر لگ کر رہا علاوہ ازیں حسی طور پر بھی دنیا میں یہ داغ لگ کر رہا جسکی صورت یہ ہوئی کہ بدر کی لڑائی میں ایک انصاری کی تلوار کا اسکی ناک پر چرکا لگا اور اس سے وہ زخمی ہوتی مکہ مکرمہ آکر اسکی مرہم پٹی کی مگر یہ زخم کسی طرح اچھا نہ ہوا بلکہ ایک نمایاں داغ پڑ گیا اور اس زخم کی سختی اور تلخی سے نجات نہ پا سکا حتیٰ کہ اسی حالت میں جہنم رسید ہوگیا۔

ناک ہی انسان کے غرور وتکبر کا نشان ہے عرف میں ناک عزت وآبرو کو کہتے ہیں اور ذلت ورسوائی کو محاورات میں ناک کٹ جانا کہتے ہیں ۔ تو اس لحاظ سے غرور وخود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا تکبر اور سرتابی کی مناسب سزا ہوتی اس میں ایک لطیف رمز اور اشارہ یہ بھی ہے اللہ کے گھر کی بے حرمتی کرنے والے ہاتھیوں کے لشکر کا انجام قریش مکہ نے دیکھ بھی لیا تھا اب یہ ہاتھی جیسی ناک والا بھی اپنی ذلت وہلاکت کا انجام دیکھ لے گا۔

قلم اور تحریر قلم تاریخ عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحقانیت کا ثبوت اعظم

دنیا میں علوم کے نقل اور اشاعت کا ذریعہ قلم ہے۔ اور قلم کے ذریعہ علم ومعرفت کے خزانے ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک قلب سے دوسرے قلب تک منتقل کیئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز وحی پر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِقْرَاْ کا خطاب ہوا اور آپؐ نے فرمایا ماانا بقارئ کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھا ہوا ہوں تو قراءت اور علم وحکمت کے حصول کے اس واسطہ اور ذریعہ کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۔ کہ قلم کے ذریعے انسان تک وہ علوم پہنچتے ہیں جن کو وہ پہلے نہیں جانتا ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قلم سے تقدیر الٰہی کا قلم مراد ہو جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا اللہ رب العزت نے سب سے اوّل قلم پیدا فرمایا اور پھر اسکو فرمایا اُکْتُبْ، یعنی لکھ اے قلم۔ قلم نے کہا اے پروردگار کیا لکھوں جواب ملا لکھ لے ہر وہ چیز جو موجود ہے اور وہ بھی جو قیامت تک ہونے والا ہے بہر کیف قلم کی عظمت ظاہر ہے اور اسی عظمت کے پیش نظر قلم اور قلم سے لکھے جانے والے علوم ومعارف کی قسم کھائی گئی چونکہ قسم اور جواب قسم

ہیں ایک خاص ربط اور مناسبت ہوتی ہے تو مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یعنی اس اعلان وو کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل وانعام کی وجہ سے مجنون یا دیوانہ نہیں ہیں،، کے ثابت کرنے کے لیئے قلم اور قلم سے تحریر کیئے جانے والے علوم کی قسم کھائی کیونکہ علوم اور حکمتیں لکھی جاتی ہیں اور ایسی حکمتیں کہ دنیا کے حکماء ان پر حیران ہوں ان اسرار وحکم سے لوگوں کو فہم وشعور کا ایک حصہ ملے تو بلاشبہ اس قسم پر یہ مضمون مرتب کرنا اور کفار مکہ کے اس بے ہودہ ولغو اعتراض کا جواب نہایت ہی لطیف ہوا جیسے کہ کسی تاریکی اور ظلمت کے الزام کو رد کرنے کے لیئے سورج اور سورج کی تابناک شعاعوں کی قسم کھائی جاتے اسی وجہ سے اس اعتراض کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خُلقِ عظیم کا ذکر فرمایا جو دنیا کی تمام حکمتوں اور دانائی کے رموز کے لیئے ایک جامع اساس ہے کہ کہاں ان بے ہودہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آپؐ مجنون ہیں اور کہاں آپؐ کا یہ مقام کہ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کہ جملہ کمالات عقلیہ وعملیہ کا سرچشمہ ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ بیان فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ بہترین اخلاق والے تھے (فرمایا) اور میں نے کبھی کوئی ریشم و دیباج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کفِ مبارک (ہتھیلی) سے زائد نرم ولطیف نہیں چھوا اور کبھی کوئی مشک وعنبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے زائد خوشبودار نہیں پایا[۱] ایک روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے فرمایا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھًا واحسن الناس خُلُقًا تھے یعنی جس طرح آپ ظاہر جسم چہرے کے لحاظ سے پیکر حسن وجمال تھے باطنی اخلاق کے لحاظ سے حسن خلق کا پیکر اعظم تھے انس بن مالک رضی اللہ عنہٗ کی حدیث میں ریشم اور مشک وعنبر کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے آپ کے اخلاق کی نرمی ولطافت کے سامنے ریشم کی نرمی ہیچ تھی اور آپؐ کے اخلاق مبارکہ کی مہک اور خوشبو کے سامنے ہر عطر اور مشک وعنبر شرماتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں" دنیا میں بہت دیوانے ہوتے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین وآسمان کا تفاوت ہے آج آپؐ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء ودوام کی مُہر ثبت کر دی اور ان مجنون کہنے والوں کا

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲۔

نام ونشان باقی نہ چھوڑا قریب ہے کہ قلم اور اسکے ذریعہ لکھی ہوئی تحریریں آپؐ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم ومعارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گے اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے گا ایک وقت آتے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت ودانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرلے گی۔

بھلا خداوندِ قدوس جسکی فضیلت وبرتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کرچکا کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون ومفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے جو ایسا خیال رکھتا ہو وہ پرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان علم وحکمت اور محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہونے کے بیان کے لیئے عنوان لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ، لفظ علیٰ کے ساتھ اختیار فرمایا گیا عربی زبان میں لفظ علیٰ استعلاء اور غلبہ کے بیان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اشارہ فرمایا گیا کہ آپؐ صرف یہی نہیں کہ صاحب خلق عظیم ہوں بلکہ آپؐ تو ان اخلاقِ حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی وسعت پیدا کردی۔

اہل مکہ یا ولید بن مغیرہ جیسے بدبختوں کی اس بے ہودہ بات "کہ آپؐ مجنون ہیں" رد کرنے کے لیے یہاں حق تعالیٰ شانہٗ نے تین باتیں ذکر فرمائیں یا یہ کہ تین طرح اسکی تردید کی ایک تو یہ فرمایا مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ جس میں اشارہ ہوا کہ جس ہستی پر خدا کی نعمت بے پایاں ہو وہ کیسے دیوانہ مجنون ہوسکتا ہے دوسری بات یہ فرمائی وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا یعنی دیوانگی تو درکنار آپ کا مقام عظمت تو یہ ہے کہ آپ کا اجر وثواب کبھی منقطع ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ کے علوم ومعارف اور ہدایات سے تو دنیا قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی تو جو ہستی اس مقام ومرتبہ کی ہو کہ اسکی ہدایات وعلوم سے دنیا قیامت تک مستفید ہو اور اس طرح اس کا اجر کبھی بھی منقطع نہ ہوسکتا ہو تو بھلا کیا کوئی عقل والا انسان ایسے کو مجنون ودیوانہ کہہ سکتا ہے پھر تیسری بات یہ فرمائی کہ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ تو خلقِ عظیم سے متصف ہونا تو کمالِ عقل ودانائی ہے تو پھر کون وہ پاگل ہے جو ایسی ہستی کو مجنون ودیوانہ کہہ رہا ہے یا یہ کہہ لیجیئے کہ کفار مکہ کے بے ہودہ اور نہایت ہی بھونڈی بات کی تردید مسلسل اور پے درپے تین دلیلوں اور اس کے برعکس تین عظیم کمالات (جو علم وحکمت اور عقل ودانائی کا پیکر ہیں) کے بیان سے کی گئی۔

فائدہ حضرات مفسرین اگرچہ ان آیات کو ولید بن مغیرہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں لیکن قرآن کریم کے مضامین خواہ وہ کسی بھی جزدی واقعہ یا شخصی مسئلہ کے لیئے نازل ہوں

---

[1] فوائدِ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

مگر ان کا مفہوم ایک قانونِ کلی اور عمومی مفہوم کے درجہ میں ہوتا ہے کہ جو بھی ان احوال سے متصف ہو یہ آیات اسی پر منطبق ہیں ۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ

ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جیسے جانچا اس باغ والوں کو جب

أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ

سب نے قسم کھائی کہ اسکا میوہ توڑینگے صبح کو اور انشاء اللہ نہ کہا پھر پھیر اکر گیا

عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ

اس پر کوئی پھیرنے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ سوتے رہے پھر صبح تک ہو رہا

كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ

جیسے لوٹ چکا پھر آپس میں پکارے صبح ہوتے کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر

إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن

اگر تم کو توڑنا ہے پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے کہ

لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ

اندر نہ آنے پاوے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج اور سویرے چلے لپکے

قَٰدِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ

زور پر پھر جب اسکو دیکھا بولے ہم راہ بھولے نہیں! ہماری

مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾

قسمت نہ ہوئی بولا ان میں بیچ کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کیوں نہیں پاکی بولتے اللہ کی

قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر وار تھے پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾

طرف لگے اولاہنا دینے بولے اے خرابی ہماری ! ہم تھے حد سے بڑھنے والے

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت سو سب سے بڑی اگر ان کو

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

سمجھ ہوتی

عبرتناک انجام غرور و تکبّر بر دولت دنیا و محرومی از سعادت آخرت

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ... الیٰ ... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل مکہ کے ان مغرور و متکبر انسانوں کا ذکر تھا جنہوں نے محض اپنے مال و دولت اور اولاد و خاندان کے نشہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی انکار و کفر کے مرتکب ہوتے تو اب ان آیات میں ایک باغ والوں کا قصہ بیان کرکے بتایا جارہا ہے کہ انسان کو دنیا کے مال و منال پر بھروسہ کرکے مغرور و متکبر نہ ہونا چاہیئے دنیا کی حقیقت بس اتنی ہی ہے اور غرور کا انجام ایسا ہی ہے جیسے کہ اس باغ کی تباہی اور باغ والوں کی بربادی سے ظاہر ہورہا ہے یہ باغ والے چند بھائی تھے جنہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ اس باغ کی آمدنی اور پیداوار کو صدقہ و خیرات کرکے ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور باپ کی یہ روش کہ وہ غریبوں اور یتیموں کو خوب صدقہ کرتا تھا ہم باقی نہیں رکھیں گے تو یہ باغ کس طرح قہر خداوندی سے جل کر خاک ہوگیا اور یہ لوگ حسرت و افسوس ہی کرتے رہ گئے تو ارشاد فرمایا ۔

بے شک ہم نے انکو آزمایا ہے ۔ جیسا کہ آزمایا تھا ہم نے باغ والوں کو جب کہ انہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد مال کی محبت میں صدقہ و خیرات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور اسکی یہ عادت کہ باغ کا پھل توڑنے پر غریبوں پر پہلے صدقہ کرتا ان لوگوں کو ناگوار گزری

اور اس وجہ سے یہ طے کیا اور سب نے قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور بالضرور اس باغ کا پھل توڑیں گے صبح ہوتے وقت اور انشاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے حالانکہ انہیں چاہیئے تھا کہ یہ کہتے "اگر اللہ نے چاہا" کیونکہ خدا کے ارادہ کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کر سکتا تو گھوم گئی اس باغ پر ایک گھوم جانے والی چیز آپ کے رب کی طرف سے جو آگ کے شعلے برسانے والی ہوا تھی اور وہ سوتے ہوتے تھے تو وہ باغ صبح تک ایک بچُورا کی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا رات کے بگولوں نے باغ اور کھیت سب صاف کر ڈالا پھر ایک دوسرے کو پکارنے لگے جب کہ وہ صبح کے وقت اٹھے تاکہ علی الصباح جیسا کہ طے کیا تھا کہ اندھیرے اندھیرے باغ میں جا کر پھل توڑ لیں اور اس وقت تک فقیروں اور مسکینوں کے آنے کی نوبت نہ آئے کہ سویرے ہی چلے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کھیتی کاٹنا چاہتے ہو اور پھل توڑنا چاہتے ہو چنانچہ یہ لوگ روانہ ہوتے اور حال یہ کہ ڈر رہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے ایسا نہ ہو کہ آج کوئی مسکین تم پر داخل ہو جاتے اور تدبیر یہ ہونی چاہیئے کہ ہرگز کوئی مسکین آہی نہ سکے اور یہ باتیں آہستہ کر رہے تھے کہ کہیں کوئی مسکین سن ہی نہ لے اور صبح ہی صبح چلے لپکتے ہوتے اس یقین کے ساتھ اب سب کچھ اپنے قبضہ میں کر لینے والے ہوں گے اور قادر ہوں گے اس پر کہ سارا پھل اور کھیتی اپنے قبضہ میں لے لیں اور کسی مسکین کو باغ کے قریب بھی نہ آنے دیں لیکن جب وہاں پہنچے اور اس باغ کو دیکھا تو یہ سوچ کر کہ ہمارا باغ تو نہایت ہی سرسبز و شاداب تھا یہ تو ہمارا باغ نہیں ہو سکتا ہم راستہ بھٹک کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں مگر کچھ قرائن اور محل وقوع اسی طرح دوسری نشانیوں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا کہ نہیں یہ تو ہمارا ہی باغ ہے جو جل کر خاک ہو گیا تو بولے نہیں بلکہ ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی اور ہم اپنی بدنصیبی کی وجہ سے محروم ہو گئے ہیں ان میں سے درمیانہ اور معتدل درجہ کا بھائی بولا کیا میں نے نہیں کہا تھا تم سے کیوں نہیں تم اللہ کی پاکی بیان کرتے اور اسکی حمد و ثناء اور تسبیح زبان و عمل سے کیوں نہیں ادا کرتے یعنی میں تمکو پہلے ہی کہتا تھا کہ اپنے رب سے غافل نہ ہو اسکا شکر ادا کرتے رہو اور اسکے ساتھ اپنی زندگی کا رابطہ اسکی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہوتے باقی رکھو لیکن افسوس کہ تم نے میری بات نہ مانی اس پر وہ شرمندہ ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوتے اور کہنے لگے پاکی ہے ہمارے پروردگار کی بے شک ہم بڑے ہی

ے یہ لفظ بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بھائی صرف باعتبار عمر ہی کے درمیانہ نہ تھا اور نہ اس معنی کو قطعی سمجھنا چاہیئے بلکہ بہت ممکن ہے کہ اسکو اوسط اسکے اعتدال اور میانہ روی کے باعث کہا گیا ہو ابن عباس رضؓ مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ سے یہی منقول ہے۔

اور درمیانہ درجہ اس وجہ سے کہ نہ تو یہ ان بھائیوں کی طرح مسکینوں پر صدقہ و خیرات سے بچ رہا تھا اور نہ ہی اس میں اس قدر ہمت و قدرت تھی کہ اپنے بھائیوں کی غلط روش کا مقابلہ کرتا اس لیئے یہ درمیانہ درجہ کا ٹھرا ـــ

ظالم ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف رُخ کرکے ملامت کرنے لگے اور کہتے تھے ہائے ہماری بربادی: بے شک ہم تو بہت ہی سرکشی اور تعدی کرنے والے ہوگئے کہ اسکی کوئی حد ہی نہ رہی ہم نے اپنے آپ کو بھی فراموش کیا اور خدا کے احکامات کو بھی نہیں پہچانا اب ہم ندامت و شرمندگی کے ساتھ تائب ہوتے اور اپنے خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں امید ہے کہ ہمارا رب، ہمیں اس باغ کے بدلے اس سے بہتر کوئی نعمت عطا کر دے بس ہم تو اپنے رب کی طرف رغبت و آرزو قائم کر چکے ہیں وہی ہماری آرزؤں کا ماویٰ و ملجا ہے اور اسی کی طرف ہماری آس ہے اے سننے والو! سُن لو بس اسی طرح ہے خدا کا عذاب جب آتا ہے تو دنیا میں بھی انسان کو تباہ و برباد کرڈالتا ہے اور یقیناً عذاب آخرت تو اس سے بھی بڑھ کر ہے جس کا دنیا میں کوئی شخص تصور بھی نہیں کرسکتا کاش کہ یہ نافرمان لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ یہ دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جسکو کوئی طاقت اور تدبیر ٹلا نہ سکی تو عذاب آخرت کو کون ٹلا سکتا ہے جسکی ہیبت و عظمت سے آسمان و زمین کانپتے ہیں۔

غرور و تکبّر سے سرسبز و شاداب باغ کی تباہی

حافظ ابن کثیرؒ، قرطبیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ باغ والے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اہل یمن میں سے تھے سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ صنعاء میں یمن سے تقریباً چھ میل دُوری کی مسافت پر ایک قصبہ ضروان تھا یہاں کے باشندے اصل میں حبشہ کے تھے وہاں ایک شخص نہایت ہی کریم النفس اور سخی تھا جس کا یہ باغ تھا مذہبًا یہ اہل کتاب تھا نہایت ہی خُدا ترس۔ اس شخص نے اپنے باغ اور کھیت کی آمدنی سے غرباء و مساکین یتیموں اور بیواؤں کے حصے اور وظیفے مقرر کر رکھے تھے یہ زمانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد کا تھا اس شخص کے انتقال کے بعد اسکے بیٹوں نے ان تمام باتوں کو قطعًا ترک کرڈالا ان کے دل میں نفس اور شیطان نے یہ ڈالا کہ ہم تو عیال دار ہیں اخراجات اور مصارف ہی پورے نہیں ہوتے ہم نے اگر باپ کی طرح غرباء و مساکین کو دینا شروع کر دیا تو ہم کہاں سے کھائیں گے اور جب فصل کٹنے یا پھلوں کے توڑنے کا وقت آیا تو ان سب نے باہم مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ پھلوں کو توڑنے کے لئے ہم صبح سے پہلے اندھیرے اندھیرے پہنچ جائیں اور ان مسکینوں کے آنے سے پہلے جو باپ کے زمانہ میں پھل توڑنے کے وقت آتے تھے سارے پھل گھر لے آئیں تاکہ انکو کچھ دینا نہ پڑے ان میں سے ایک بھائی تو جس کو قرآن کریم نے قَالَ اَوْسَطُهُمْ فرمایا ہے انکو سمجھاتا رہا اور منع کرنے لگا کہ ایسا نہ کرو بلکہ مساکین پر خرچ کرنے اور اللہ کی راہ میں صدقہ سے تو اور برکت ہوتی ہے اسکی مزید رحمتیں اور عنایات واقع ہوتی ہیں مگر اس کی کسی نے نہ سُنی اور نہ مانی اور جس طرح طے کیا تھا صبح سے پہلے اندھیرے وقت باغ کی طرف چلے وہاں جاکر دیکھا تو خدا کے قہر و عذاب نے اسکو جلا کر خاک کرڈالا تھا جس پر حسرت و ملال سے ہاتھ ملتے رہ گئے اس

حسرت وملال کی کیفیت کو قرآن کریم نے تفصیل سے بیان کیا۔

یہ قصہ چونکہ اہل عرب میں مشہور ہو چکا تھا حتیٰ کہ عوام وخواص میں قرناً بعد قرنٍ اسکو بیان کیا جاتا تھا اس وجہ سے قرآن کریم نے کفار مکہ کی عبرت وتنبیہ کیلئے ذکر فرمایا اور یہ کہ انسان کو دنیا کے مال ودولت پر ہرگز غرور نہ کرنا چاہیئے۔

امام بیہقیؒ نے جعفر بن محمدؒ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا کہ آپؐ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص رات میں اپنی کھیتی کاٹے یا باغ کے پھل توڑے بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی قصہ کے پیش نظر ہے کیونکہ مجرمین کی مشابہت سے بھی انسان کو بچنا چاہیئے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بیان کرتے ہیں فرمایا ایاکم والمعاصی ان العبد لیذنب ذنبا فیحرم بہ رزقا قد کان ھیئ لہٗ۔ یعنی اے لوگو! تم معاصی اور گناہوں سے بچو بے شک بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ کوئی گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اسکو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی نعمتوں کا حق اور شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتے اور ناشکری کی نحوست سے بچاتے۔

رَبِّ اوزعنا ان نشکر نعمتک التی انعمت علینا وان نعمل صالحا ترضاہٗ وادخلنا برحمتک فی عبادک الصالحین آمین یا رب العٰلمین

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

البتہ ڈر والوں کو اپنے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ

کیا ہم کریں گے حکمبرداروں کو برابر گنہگاروں کے؟ کیا ہوا تمکو کیسی بات

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ

ٹھہراتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسمیں پڑھ لیتے ہو اس میں ملتا ہے

لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ

تمکو جو پسند کرو کیا تم نے ہم سے کوئی قسمیں لی ہیں پوری قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۚ (۳۹) سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ

تک پہنچتی کہ تم کو ملے گا جو ٹھہراؤ گے ۞ پوچھ ان سے کون سا ان میں

زَعِيْمٌ ۚ (۴۰) اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا

اسکا ذمہ لیتا ہے کیا انکے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیئے لے آویں اپنے شریک اگر وہ

صٰدِقِيْنَ (۴۱) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ

سچے ہیں جس دن کھولی جاوے پنڈلی اور بلائے جاویں سجدہ کو

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۙ (۴۲) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ

پھر نہ کر سکیں ۔ نیچی ہیں انکی آنکھیں چڑھی آتی ہے ان پر ذلت

وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ (۴۳)

اور پہلے انکو بلاتے تھے سجدہ کو اور وہ چنگے تھے

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ

اب چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو اس بات کے کہ ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے

حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۴) ۙ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (۴۵) اَمْ

انکو جہاں سے یہ نہ جانیں گے اور انکو ڈھیل دیتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے کیا

تَسْـَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۚ (۴۶) اَمْ عِنْدَهُمُ

تو مانگتا ہے ان سے کچھ نیگ سو ان پر چٹی بوجھ پڑتی ہے کیا اُن کے پاس

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ (۴۷) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ

خبر ہے غیب کی سو وہ لکھ لاتے ہیں اب تو ٹھہرا رہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو

كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۭ (۴۸) لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ

جیسے مچھلی والا جب پکارا اور وہ غصہ میں بھرا تھا اگر نہ سنبھالتا اس کو

نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ

احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا اسکو

رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اسکے رب نے پھر کردیا اسکو نیکوں میں اور منکر تو لگے ہی ہیں کہ ڈگا دیں

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ

تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں وہ

لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

باؤلا ہے اور یہ تو یہی سمجھوتی ہے سارے جہان والوں کو

ع ۱۹

بشارت اہل ایمان و تقویٰ بنعماء جنت و تذلیل و توہین کفار و مشرکین در روز آخرت

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ...... الیٰ .... اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں ان منکرین و مکذبین کا ذکر تھا جو دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانی پر کمربستہ ہوتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تذلیل کی تو انکی نافرمانی اور غرور کا انجام ہلاکت ایک تاریخی واقعہ کی شکل میں بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اہل تقویٰ و ایمان کا اعزاز و اکرام اور جنت میں حق تعالیٰ شانہٗ ان کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازے گا بیان فرمایا جا رہا ہے پھر اسی کے ساتھ تنبیہ کے طور پر مجرمین و منکرین کا قیامت کے روز کیسا برا انجام ہوگا ذکر فرمایا گیا اور اس ذلت و خواری کا منظر پیش کیا گیا جس میں وہ مبتلا ہوں گے ۔

فرمایا بے شک تقویٰ والوں کے لیے انکے پروردگار کے یہاں باغات ہوں گے نعمتوں کے یہ دنیا والے کیا اپنے باغ و بہار پر غرور و تکبر کرتے ہیں متقیوں کو آخرت میں جو باغات اور نعمتیں دی جائیں گی وہ تو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی کے قلب و دماغ میں اس کا تصور گزرا ظاہر ہے کہ ان نعمتوں سے یہ کفار و مجرمین محروم ہوں گے اور کیوں نہ ہوں تو کیا ہم فرماں بردار وں

کو مجرمین کے برابر کر دیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں اور یہی بات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے مطابق ہے اور یہ کہ مسلم و فرماں بردار اور مجرم و نافرمان برابر ہوں عقل و فطرت کے خلاف ہے اگر اے کافرو! تم اس قسم کا فیصلہ کرتے ہو تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے کیا ہو گیا تمکو تم یہ کیسے فیصلے کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم بطور دلیل سناسکو اور پڑھتے ہو یا ایسی کوئی قابل اعتبار کتاب ہے کہ جسکو بطور سند پیش کیا جاسکے کیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے یقینی کہ تم اسکو اپنے واسطے پسند کر لو کہ تمہیں وہی ملے گا جو چاہو اور تمہاری من مانی خواہشات پوری ہوں اچھا تو کیا تمہارے واسطے ہم پر قسمیں ہیں اور تم نے ہم سے قسموں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان لے رکھے ہیں جو قیامت تک پہنچنے والے ہوں اور ان قسموں کی وجہ سے ہم قیامت کے روز مجبور ہوں کہ وہ چیزیں تمکو دیں اور مطیعین و فرمانبرداروں کی طرح تم مجرمین کو بھی اپنے انعامات سے نوازیں اور اسکی رو سے تم کو وہی کچھ ملے جو تم فیصلہ کرو اور جسطرح تم دنیا میں عیش و عشرت میں ہو قیامت تک اسی حال میں رہو گے جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے اے ہمارے پیغمبر! آپ ان سے پوچھئے کون ہے ان میں سے ایسا جو اسکا ذمہ دار بنے ذرا ہم دیکھیں تو سہی وہ کون ہے اور کیسا ذمہ لیتا ہے ان لوگوں کے پاس دلیل تو کیا ہوتی نہ عقلی اور نہ نقلی محض جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کر رکھا ہے! تو ان کے واسطے کچھ شریک ہیں تو پھر انکو چاہیئے کہ وہ اپنے شرکاء لیکر آئیں اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں ظاہر ہے جو معبود خود عاجز ہیں اور انکا وجود ہی انکے عابدوں کی عنایت پر قائم ہے تو وہ کیا خاک اپنے عابدوں کی مدد کریں گے قیامت کے روز فریب کا یہ پردہ چاک ہو جاتے گا اور مشرکین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زندگی بھر جن معبودوں کی پرستش کی وہ بیکار اور عاجز محض ہیں اس دن کی عظمت و ہیبت سے تو لوگوں کے ہوش و حواس اڑے ہوں گے۔

یہ دن وہ ہو گا جب کہ کشف ساق فرمایا جائے گا اور اس طرح اللہ رب العزت اپنی ایک خاص تجلی ظاہر فرماتا ہو گا اور انکو سجدہ کی طرف بلایا جاتے گا تو یہ طاقت نہ رکھیں گے کہ سجدہ کر سکیں ہزار کوشش کریں گے کہ جھکیں اور تجلی الٰہی کے ظہور پر اسکے سامنے سربسجود ہو جائیں لیکن انکی کمر ہی ایک تختہ کی طرح ہو نگی اور کسی طرح بھی سجدہ نہ کر سکیں گے اس حالت میں انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت و خواری انکو ڈھانکے ہوتے ہو گی حالانکہ ان کو سجدہ کی طرف بلایا جاتا رہا جب کہ وہ صحیح و سالم تھے دنیا کی زندگی میں اور قدرت رکھتے تھے کہ سجدہ کر لیں لیکن عناد و بغاوت میں اس طرح بدمست رہے کہ کبھی خدا کو سجدہ نہ کیا اب روز قیامت جب کہ انکی پشت لکڑی کا تختہ ہو گی اور دل سے چاہیں گے کوشش کریں گے کہ سجدہ کر لیں مگر کر نہ سکیں گے یہی ایک بات عبرت و ہدایت کے لیئے کافی ہے کہ وہ پیغمبر خدا پر ایمان لے آئیں لیکن اس پر اگر وہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو پھر اے ہمارے پیغمبر چھوڑ دو مجھ کو اور اسکو جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے میں خود ایسے بدبختوں سے نمٹ لوں گا اور انکی نافرمانی کی سزا پوری طرح انکو مل کر رہے گی ابھی تو ہم انکو مہلت دے رہے ہیں اس طرح کہ ان کو

معلوم ہی نہیں کہ محض حکمت خداوندی سے انکو ڈھیل دی جا رہی ہے اور میں انکو مہلت دے رہا ہوں اور یہ مہلت اس وجہ سے نہیں کہ ابھی انکو عذاب دینے کا سامان میرے پاس فراہم نہیں بلکہ یہ محض ایک حکمت ہے اور یہ قانونِ حکمت خداوندِ عالم نے پہلی قوموں میں جاری رکھا مگر جب بھی میں مجرموں کو پکڑوں گا اس سے کوئی مجرم بچ نہیں سکے گا بے شک میری پکڑ بڑی ہی سخت ہے یہ تمام باتیں ایک صحیح الفطرت انسان کے سمجھنے اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے واسطے کافی ہیں مگر پھر بھی ان لوگوں کا ایمان نہ لانا قابلِ حیرت اور باعث افسوس ہے تو کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ وہ اس تاوان سے بوجھ محسوس کر رہے ہیں اور اس وجہ سے ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوتے نہیں ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر کیا انکے پاس غیب کی خبر ہے کہ وہ اسکو لکھتے ہیں اور وحی الٰہی کی طرح اس کو محفوظ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں اور اللہ کے پیغمبر پر نازل ہونے والی اس وحی اور کلام الٰہی سے مستفید اور بے نیاز ہیں آخر اس ہٹ دھرمی اور انکار کا کوئی تو سبب اور وجہ ہونی چاہیئے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی ممکن نہیں (ایسی حالت میں اللہ کے پیغمبر پر بے چینی اور گھبراہٹ کا واقع ہونا امر طبعی تھا تو فرمایا جا رہا ہے) تو بس آپ تو صبر کیجئے اپنے رب کے فیصلے کے وقت کا اور استقلال و ہمت سے صبر کرتے ہوئے انتظار کیجئے کہ ایسے مجرموں کے واسطے خدا کا کیا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی طرح بے چینی اور گھبراہٹ میں یا عجلت و جلد بازی میں یعنی حضرت یونس ؑ ذوالنون کی طرح جب کہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر غم و غصہ کی حالت میں برداشت نہ کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا بلکہ پیش گوئی بھی کر بیٹھے تو قدرت خداوندی سے ایک مچھلی نے انکو نگل لیا تھا جب کہ اُس نے اپنے رب کو پکارا "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" کہتے ہوئے درآنحالیکہ وہ گھٹے ہوئے تھے غم و غصہ اور پریشانیوں کے۔ ایک غم و غصہ تو قوم کی نافرمانی اور انکی سرکشی اور ایمان نہ لانے کا ایک ایسے مجرموں سے عذاب ٹل جانے کا پھر بغیر خداوندِ عالم کی صریح اجازت اور وحی شہر چھوڑ دینے کا ان سب باتوں کے علاوہ مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہو جانے کا تو مجموعی طور پر یہ کتنے غم اور کس قدر انواع و اقسام کی گھٹن تنگی اور ظلمتیں تھیں لیکن خداوندِ عالم کس قدر کریم اور مہربان ہے کہ ان سب بے چینیوں اور گھبراہٹوں سے نجات دی یہ بلاشبہ اللہ کا عظیم انعام تھا تو اگر انکے رب کی طرف سے یہ نعمت و مہربانی انکو نہ سنبھالتی تو وہ پھینکے ہوتے ہوتے ایک چٹیل میدان میں اس طرح کہ بہت ہی بدحال ہوتے یہ اللہ کا کس قدر انعام عظیم ہے کہ قبول توبہ کے بعد اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا ورنہ تو مچھلی کے پیٹ سے نکل کر بڑی ہی بُری حالت میں ایک چٹیل میدان میں پڑے ہوتے ہوتے نہ کوئی کرامت ہوتی اور نہ کوئی فضل و کمال باقی رہتا لیکن ان کے رب نے انکو پھر نوازا اور انکو پھر بنا دیا نیک اور برگزیدہ

لوگوں میں سے اور اس ابتلاء یا آزمائش یا ان مشقتوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے انکے مراتب و درجات مزید بلند کر دیئے ۱۷ تو اسی طرح آپ بھی صبر و برداشت کریں اور اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کریں اسکے فیصلہ سے قبل کوئی بے چینی اور گھبراہٹ مقام نبوت کی عظمت و بلندی سے گری ہوئی چیز ہے رہا منکرین و معاندین کا انکار و مقابلہ اور دشمنی تو ظاہر ہے کہ اس کا سلسلہ تو کبھی منقطع نہیں ہو سکتا اور ان کافروں کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ قریب تھا کہ یہ کافر آپ کو پھسلا دیں اپنی نگاہوں سے جب کہ انہوں نے قرآن اور ذکر الٰہی کو سنا اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تو ایک پیغام نصیحت ہی ہے تمام جہانوں کے لئے جس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور خوبیوں سے لبریز ہے بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہو سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں یقیناً وہی سب سے بڑا پاگل اور دیوانہ ہے جو ایسا کہتا ہے ۲۸ ۔

---

۱۷ اس واقعہ کی تفصیل مختلف اور متعدد موقعوں پر گزر چکی اور واقعہ کے اجزاء کچھ نہ کچھ تفصیل کے ساتھ حضرات قارئین کے سامنے آچکے ۔

غالباً یہی وہ اجتباء اور کرامت کا مقام ہے جسکے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاتقولوا انا خیر من یونس بن متی کہ مت کہا کرو کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں ۱۲

۲۸ لغت عربیہ میں "زلق" کے معنی پھسلا دینے کے ہیں

اکثر مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ اور منکرین کو قرآن کریم سے اس قدر عداوت تھی کہ سن کر غیظ و غضب سے مشتعل ہو جاتے اور زہر آلود نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھتے اور یہ امر طبعی ہے کہ ایسی غضب آلود نگاہوں کو دیکھ کر انسان متاثر یا خوف زدہ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں امر رسالت کی تبلیغ اور احکام خداوندی کے اظہار و بیان میں قدم ڈگمگا جانا طبع بشری کے آثار میں سے ہو سکتا ہے تو اسکو فرمایا جا رہا ہے کہ قریب تھا کہ یہ کافر آپ کو ڈگمگا دیں اور پھسلا دیں تو اس پر فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں آپ استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہیئے اور تنگ دل ہو کر کسی معاملہ میں عجلت و جلد بازی نہ کیجیئے ۔

بعض روایات مفسرین سے یہ بھی مفہوم ہوا جیسا کہ بیان کیا گیا کفار مکہ نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو نظر لگائیں چنانچہ ان میں سے ایک آیا جس وقت کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور پوری قوت و ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی آپ نے فوراً لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور وہ ناکام و ذلیل ہو کر واپس ہو گیا ۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں نظر لگنے یا لگانے کے مسئلہ پر بحث کا یہ موقعہ نہیں اور آج کل جب کہ مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے تو اس میں مزید ردّ و کد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے ۔

کشف ساق اور تجلی خداوندی کے ظہور کا مفہوم

صحیح بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے حق تعالےٰ میدان قیامت میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائے گا اور اس وقت تمام لوگوں کو دعوت دی جائے گی کہ پروردگار کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تو اس وقت صرف وہی سجدہ کر سکیں گے جو دنیا میں ایمان لا کر اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے لیکن کافر اور منافق کہ انکی پشت لکڑی کے تختہ کی طرح کر دی جائے گی اور وہ چاہیں گے کہ سجدہ کریں لیکن نہ کر سکیں گے (بعض حدیث میں صرف منافق کا لفظ آیا ہے اور بعض سندوں سے کافر اور منافق دونوں منقول ہیں) یہ سب کچھ اسلئے ہوگا کہ میدان حشر میں اہل ایمان و اخلاص کا ایمان و اخلاص ظاہر ہو جائے اور منافق و ریاکار کا ریاء کھل کر تمام انسانوں کے سامنے آ جائے۔

لفظ ساق عربی میں پنڈلی کو کہا جاتا ہے اس مقام پر "کشفِ ساق" کا مفہوم اور اسکی حقیقت کیا ہے یہ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور کنایہ ہے یہ عنوان اور صفت بھی صفات متشابہات میں سے ہے بعض لوگ جن کو فرقۂ مشبہہ کہا جاتا ہے وہ حق تعالےٰ کے واسطے جسم جیسے احوال کو ثابت مانتے ہیں وہ اسکو حقیقت پر محمول کرتے ہیں مگر جمہور ائمہ متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ اس پر متفق ہیں کہ اللہ رب العزت ہر اس چیز اور حالت و صفت سے منزہ اور پاک ہے جو مخلوق اور اجسام کی صفات میں سے ہو تو اسکو بھی اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، اور ایسی ہی دیگر صفات کو ظاہر پر محمول کرنے کے بجائے استعارہ پر محمول کرتے ہیں اور پھر اس میں متقدمین ظاہر پر ایمان و یقین کے ساتھ تشبیہ و تمثیل سے پرہیز کرتے ہیں یہ کہتے ہوتے کما ھُوَ یلیق بشانہٖ کہ جس طرح اسکی شانِ کبریاء کے لائق و مناسب ہو اسی طرح لفظ ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) کا مفہوم مانتے ہیں اور بعض ائمہ ان شئون و احوال کی تاویل کر لیا کرتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا کہ استواء کا مفہوم غلبہ اور حکومت ہے تو یہاں بھی اسی طرح بلا کیف و تشبیہ ایمان و یقین کے ساتھ یہ معنی بیان کیے گئے کہ کشف ساق اللہ رب العزت کی ایک خاص تجلی کا ظہور ہے جس کو دیکھ کر تمام مؤمنین سربسجود ہو جائیں گے۔

عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کشف ساق قیامت کے روز کا کرب اور وہ شدت و بے چینی ہے جو ہر ایک پر طاری ہوگی ابن جریرؒ کشف ساق کے معنی امرِ عظیم اور ہیبت ناک حالت بیان کرتے تھے بعض دیگر روایات میں ابن عباسؓ ہی سے دوسرے معنی یہ منقول ہیں جس وقت حقائق کھل جائیں گے اور ہر ایک انسان کا عمل روشن و ظاہر ہو گا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ابو بردہ بن ابی موسیٰؓ مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

سه تفسیر ابن کثیر ج ۴ تفسیر قرطبی۔

کیا ہے قال یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ یعنی عن نور عظیم۔
بعض روایات میں ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسکے معنی دریافت کیئے تو آپ نے شدت اور کرب کی تفسیر کی اور فرمایا جب تم کو کسی لفظ قرآنی کے معنی واضح نہ ہو سکیں تو شعراء عرب کے اشعار اور اہل عرب کے محاورات کو دیکھ لیا کرو اور یہ ایک شعر پڑھا۔

سنّ لنا قومك ضرب الاعناقِ وقامتِ الحَرۡبُ بنا عَلیٰ سَاق

اسی طرح مجاہدؒ نے بھی اس معنی کے ثبوت کے لیے ابو عبید اور جریر کے چند اشعار پڑھے ابن قتیبہؒ کہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی کام پر ہمت باندھ کر محنت صرف کرنا چاہتا ہے تو پائنچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھول دیتا ہے اسی وجہ سے شدت کے موقع پر کہا جاتا ہے۔ فلان کشف عن ساقه ؎ ۔

ائمہ متکلمین اور حضرات مفسرین کے کلام سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ ذاتِ واحد ہے وہ تو صرف ایک ہی ذات ہے جس میں تعدد اور کثرت کا امکان ہی نہیں اس کا ادراک ممکن نہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ کہ نگاہیں اسکا ادراک نہیں کرسکتیں ذاتِ خداوندی کے ساتھ صفاتِ خداوندی ہیں جو صفاتِ کمال ہیں وہ صفاتِ کمال منفرد اور تنہا نہیں ہوتیں۔ بلکہ عالم میں انکا ظہور ایک دوسرے کے ساتھ مقرون اور مجتمع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً صفت علم قدرت کے بغیر اور قدرت بغیر علم کے اور یہ دونوں بغیر حیات کے ظاہر نہیں ہوسکتیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صفات تابع ذات ہیں ذات کے بغیر کسی صفت کا استقلال نہیں۔

ان دو چیزوں کے بعد جہات کمال کا درجہ ہے جنکو حقائق الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے وہ بَین بَین ہیں نہ صفات کی طرح تابع ذات اور محض غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح محض مستقل، تو جہاتِ کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء اسکے ہاتھ پاؤں منہ پنڈلی وغیرہ نہ تو اسکے صفات کی طرح غیر مستقل محض ہیں اور نہ ذات انسان کی طرح مستقل محض بلکہ انسان کے کمالات کے مظہر ہیں کہ انسانی کمالات ان مظاہر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں چنانچہ شریعت نے کمالات الٰہیہ کو ظاہر و بیان کرنے کے لیے ان مظاہر کو متعدد نصوص میں ظاہر فرمایا آیاتِ قرآنیہ اور احادیث میں وہ مظاہر وجہ، عین، ید، یمین اصابع، حقو، ساق، قدم کے الفاظ سے بیان کیئے گئے ہیں تو درحقیقت ان کلمات میں بطور استعارہ حقائق و کمالات الٰہیہ کو بیان کیا جارہا ہے باقی یہ سمجھ لینا کہ اللہ کے لیے چہرہ ہے اسکی آنکھ ہے اسکے واسطے انگلیاں، کمر، پنڈلی۔ اور قدم ہے غلطی ہے اور محض کم عقلی ہے جس کا ارتکاب

؎ قرطبی۔ روح المعانی۔

مشبہہ اور ظاہر یہ نے کیا اور انکا انکار کر دینا یا ایسی تاویل کرنا جو انکار ہی کے درجہ میں ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ نے کیا محض غلطی ہے اہل سنّت اور علماء متکلمین نے افراط و تفریط سے بعید رہتے ہوتے ان حقائق و شئون کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی متعین کر دیا کہ ذاتِ خداوندی مخلوق کے احوال داوصاف سے منزّہ اور پاک ہے چنانچہ کہا گیا کہ خداوند عالم سمیع ہے لیکن وہ ہماری قوت سامعہ کی طرح کسی آلہ کے ذریعہ سمیع نہیں وہ بصیر ہے لیکن وہ ہماری طرح بصیر ہونے میں آنکھ اور آنکھ کی پُتلی اور شعاع بصریہ کا محتاج نہیں تو جس قدر بھی نصوص قرآن و حدیث میں ایسے عنوانات سے وارد ہوتیں اہل حق اور علماء متکلمین نے انکا یہی مفہوم اختیار کیا الغرض محشر میں اللہ رب العزت کی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر ہو گی جس کی حقیقت کے ادراک سے انسانی افکار و عقول عاجز ہیں جسکو کشف ساق سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت ہر ایک کو سجدہ کے لیئے پکارا جائے گا تو جو بندہ دنیا کی حیات میں ایمان و اخلاص سے سجدہ کرتا تھا اسکو وہاں سجدہ نصیب ہو جلتے گا اور جو دنیا میں نفاق و ریاء کے ساتھ سجدہ کرتا تھا اس کو ممکن نہ ہو گا کہ وہ سجدہ کر سکے خواہ ہزار کوشش کرلے کیونکہ دنیا میں تو ظاہر و باطن کا اختلاف ہو سکتا ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں وہاں تو جو حقیقت ہو گی وہی ظاہر ہو سکے گی [له]

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ القلم
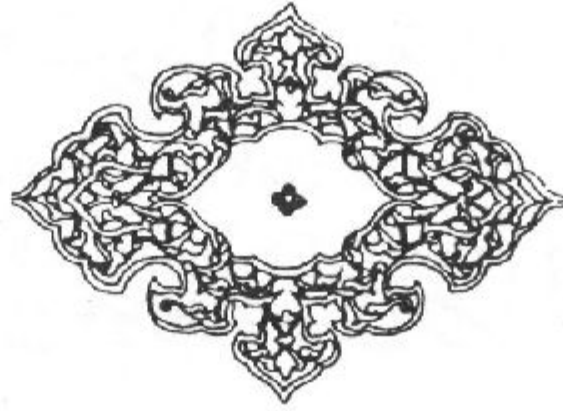
[له] مقتبس من تحقیقات الائمۃ المفسرین والمتکلمین من الاشاعرۃ والماتریدیۃ وکذا یفہم من کلام امام الحرمینؒ وعبد الکریمؒ شہرستانی - ۱۲-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحاقۃ

اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضامین کی طرح عقیدۂ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون کی ہلاکت و تباہی کا ذکر ہے اور ان سب مضامین کو قرآن حکیم نے اپنی صداقت و حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا اور یہ واضح فرمایا کہ اہل سعادت و شقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے ساتھ ہی ان لغو اور بے ہودہ الزامات و اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو کفار مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے تھے۔

سورت کی ابتدار قیامت کے ہولناک منظر کے بیان سے کی گئی اور یہ کہ خداوند عالم کس طرح اہل کفر پر اپنا قہر و عذاب مسلط فرماتا ہے نفخ صور اور اس پر جو حالت ہوگی اس کا بیان ہے اور یہ کہ جس وقت قیامت برپا ہوگی تو زمین شق ہو جاتے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اخیر میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت پر برہان قائم کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت کو واضح فرمایا اور اس کا انکار کرنے والے پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی۔

سورۃ حاقہ مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَآقَّةُ ① مَا الْحَآقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ③

وہ ثابت ہو چکی۔ کیا ہے وہ ثابت ہو چکی ؟ اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے ؟ وہ ثابت ہو چکی

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکے والی کو سو وہ جو ثمود تھے سو کھپاتے گئے

بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ

اُدچھال سے اور وہ جو عاد تھے سو کھپائے گئے ٹھنڈی سناٹے کی باؤ سے ہاتھوں

عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَٰنِيَةَ أَيَّامٍ

سے نکلی جاتی تعین کی ان پر سات رات اور آٹھ دن

حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ

جڑ کاٹنے والے پھر تو دیکھے لوگ اُن میں بچھڑ گئے جیسے وہ ڈھنڈ ہیں کھجور کے

خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَ

کھوکھرے پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا ؟ اور آیا فرعون اور

مَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ

جو اس سے پہلے تھے اور اُلٹی بستیاں تقصیر کرتے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول

فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً ۝١٠ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ

کا پھر پکڑی ان کو پکڑ دم بڑھتی ہم نے جس وقت پانی اُبلا لادلیا تم کو

فِي الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝١٢

بہتی ناؤ میں تا رکھیں اسکو تمہاری یادگاری کو اور سنتے (سنبھالے) اسکو کان سنتے (سنبھالتے) والا

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَ

پھر جب پھونکیے نرسنگے میں ایک پھونک اور اُٹھائیے زمین اور

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝١٤ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ

پہاڑ پھر پٹکے جاویں ایک چوٹ پھر اس دن ہو پڑے ہو

الْوَاقِعَةُ ۝١٥ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝١٦

پڑنے والی اور پھٹ جاوے آسمان پھر وہ اس دن بکس (بودا ہو) رہا ہے

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

اور فرشتے ہیں اس کے کناروں پر اور اٹھا رہے ہیں تخت تیرے رب کا اپنے اوپر

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ

اس دن آٹھ شخص اس دن سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا تم میں کوئی

خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَاۗؤُمُ

چھپنے والا سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو!

اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ ۚ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ ۚ فَهُوَ

پڑھو میرا لکھا میں نے خیال رکھا کہ مجھ کو ملنا ہے میرا حساب سو وہ

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ ۙ قُطُوْفُهَا

ہے گذران میں من مانتی اونچے باغ میں جسکے میوے جھک

دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗــــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ

رہے ہیں کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ اس کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے

الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ڏ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ

دنوں میں اور جس کو ملا اس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کسی طرح

لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ ۚ يٰلَيْتَهَا

مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کیا ہے حساب میرا کسی طرح

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ ۚ هَلَكَ

وہی موت نبٹر جاتی ! کچھ کام نہ آیا مجھ کو مال میرا کھپ گئی

عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ

مجھ سے حکومت میری اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں

ربع

صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

اسکو بیٹھاؤ (پہنچادو) پھر ایک زنجیر میں جس کا ماپ ستر گز ہے اس کو

فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَ

پرو دو وہ تھا یقین نہ لاتا اللہ پر جو سب سے بڑا اور

لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

تاکید نہ کرتا فقیر کے کھانے پر سو کوئی نہیں اس کا آج

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ

یہاں دوستدار اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون کوئی نہ کھاوے

اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾

اس کو مگر وہی گنہگار

ذکر احوال قیامت و بیان انجام مکذبین و منکرین

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلْحَاۗقَّةُ مَا الْحَاۗقَّةُ ۔۔۔۔۔۔۔ اِلیٰ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ

(ربط) گذشتہ سورت کا موضوع بیان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی عظمت و حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے غرور و تکبر اور نافرمانی کا عبرت ناک انجام تاریخی واقعات کی روشنی میں بیان فرمایا گیا تھا اب اس سورت میں قیامت کے احوال اور میدان حشر کی بے چینی تفصیل سے بیان کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی یہ کہ جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور نافرمانی کی وہ کس طرح ہلاک و تباہ ہوتے۔

ارشاد فرمایا وہ چمٹ جانے والی چیز کیا ہے وہ چمٹ جانے والی چیز اور اے مخاطب تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ مسلّط ہو جانے والی؟ کسی کی سوچ اور فکر نہیں اندازہ کر سکتی کہ وہ مسلّط ہو جانے والی چیز یعنی قیامت کی گھڑی جس کا وقوع علم الٰہی ازلی سے طے ہو چکا اس قدر ہیبت ناک اور عظیم ہے اور وہ بے شک واقع ہو کر رہنے والی ہے اور جب واقع ہوگی تو کوئی اس کو ٹلا نہیں سکتا اس وقت حق و باطل بالکل جُدا جُدا نظر آئیں گے اور ہر اشتباہ اور شک و شبہ دور ہو جائے گا اور ہر حق ایسا ثابت و راسخ ہو جائے گا کہ اس میں خصومت

وجھگڑا کرنے والے مقہور و مغلوب ہو جائیں گے ؂۔

ظاہر ہے کہ ایسی برحق اور ثابت حقیقت کو ماننا چاہیئے اس سے انکار اور اس میں کسی قسم کا بھی شک و شبہ نہ کرنا چاہیئے اور اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اس انکار و تکذیب کا انجام کوئی اچھا نہیں چنانچہ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے اور کوٹ ڈالنے والی چیز کا تو بھرا سے سننے والو! سنو اس کا انجام کیا ہوا بہر حال ثمود تو ہلاک کر دیئے گئے ایک اچھال کر رکھ دینے والی ہلاکت سے اور وہ جو عاد کے لوگ تھے سو وہ ہلاک کیئے گئے ایک تیز و تند آندھی سے جو ہاتھوں سے نکل جانے والی تھی جو اس قدر شدید اور سخت تیز و تند تھی کہ کسی مخلوق کا اس پر قابو نہ تھا حتیٰ کہ جو فرشتے ہوا کے نظام پر مسلّط تھے اور ہواؤں کو قابو میں رکھنے پر مامور تھے گویا انکے ہاتھوں سے بھی نکلی جارہی تھی۔ جس کو مقرر اور مسلّط کر دیا تھا ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک لگا تار جس پر تباہی اور بربادی کا یہ عالم تھا کہ اے مخاطب اگر تو اس منظر کو دیکھے تو دیکھے گا قوم کو اس حال میں پچھڑے پڑے ہیں گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے جب کہ یہ قوم اپنی توانائی اور ڈیل ڈول میں تنومند ہونے کی وجہ بڑے ہی غرور اور نخوت سے کہا کرتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً۔ کہ ہم سے زیادہ کون ہے طاقت ور جو اپنی تمام قوتوں کے باوجود اس طرح ہلاک کر دیئے گئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تو اے مخاطب بتا؟ کیا تو دیکھ رہا ہے ان میں سے کوئی بچا ہوا نشان۔

اور فرعون آیا اور اس سے پہلے والے بھی اور وہ الٹی ہوئی بستیوں والے بھی خطا و نافرمانی کے ساتھ پھر انہوں نے جب اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو پکڑ لیا انکو ان کے رب نے بڑی ہی سخت پکڑ سے جس نے انکو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور دنیا کی کوئی طاقت اور انکے پہاڑوں کے تراشے ہوئے محفوظ قلعے بھی انکو خدا کی گرفت سے نہ بچا سکے یعنی عاد و ثمود کے بعد فرعون نے خوب سرکشی کی اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا تو وہ اور اسی طرح قوم شعیب اور قوم لوط تباہ کر دی گئی اور قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تھی اور خدا کے ساتھ مقابلہ کیا تو سب ہی کو خدا نے اپنی سخت پکڑ سے پکڑا اور ہلاک کر ڈالا اور قوم نوح کو بھی ایسے طوفان سے تباہ کر ڈالا کہ ظاہرا اسباب میں کسی کے بھی بچ جانے کا امکان نہ تھا حتیٰ کہ وہ نافرمان بیٹا جو یہ کہنے لگا کہ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ۔ کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا مجھے سفینۂ نوحؑ میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں وہ بھی ہلاک ہوا اور کسی کو بھی اس طوفان نے باقی نہ چھوڑا خواہ وہ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ گیا ہو۔ تو بے شک ہم نے ایسے طوفان کے وقت جب کہ پانی ابل رہا تھا کہ زمین کے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور آسمان

؂ ان الفاظ میں لفظ الحاقہ کے لغوی معانی کے تنوع اور کثرت کے پیش نظر وہ متعدد معانی ظاہر کر دیئے گئے ہیں جو اس مقام پر مفہوم ہو سکتے ہیں ۱۲۔

کے دروازے کھلے ہوئے تھے تو اے باقی رہنے والے انسانو! ہم نے ایک چلنے والی کشتی میں تمکو سوار کر لیا
جو ان طوفانی تھپیڑوں میں تمہیں لیتے جارہی تھی تاکہ بنا دیں ہم اسکو تمہارے واسطے یادگار اور عبرت کا نمونہ
اور محفوظ رکھیں اسکو وہ کان جو واقعات کو سننے اور محفوظ رکھنے والے ہیں تو یہ واقعہ خداوند عالم کی قدرت
اور حکمت کا کیسا عظیم نمونہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس طوفان
سے بچالیا اور نافرمان قوم کو غرق کر ڈالا تاکہ رہتی دنیا تک یہ عبرت ناک نمونہ قائم رہے اور لوگ اس
واقعہ سے خدا کے احسان و کرم کو بھی سمجھیں اور نافرمان و مجرموں کے واسطے اسکے قہر و عذاب کو بھی جان لیں
تو دنیا میں پیش آنے والے یہ واقعات اور ہلاکت و تباہی کے نمونے ہر انسان کو اس پر متوجہ کرتے ہیں
کہ وہ قیامت کی شدت اور اس پر عالم کی تباہی و ہلاکت کا بھی تصور کرے اور اس پر ایمان بھی لاتے
چنانچہ جب صور پھونکا جاتے گا ایک بار پھونکا جانا اور اٹھا لی جاتے گی زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیا جاتے
گا انکو ایک ہی دفعہ اور زمین باوجود اپنی قوت و مضبوطی اور پہاڑ باوجود اپنی عظمت و پختگی کے ریزہ ریزہ
کر دیتے جائیں گے تو بس اسی دن واقع ہو جاتے گی وہ واقع ہونے والی گھڑی جو روز قیامت ہے
اور پھٹ جاتے گا آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہوگا نہایت ہی ہلکی بکھرنے والی چیز کی طرح اور یہ
روئی کے گالوں کی طرح اڑتا ہوگا۔ اور جس وقت کہ آسمان درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے ہوں گے
اسکے کناروں پر اور اٹھاتے ہوتے ہوں گے۔ اے مخاطب تیرے رب کا عرش اس دن اپنے اوپر
آٹھ فرشتے۔ عرش عظیم کی یہ عظمت و شان ہوگی جسکو ایسے آٹھ فرشتے اٹھاتے ہوں گے جو پہاڑوں کو
اٹھاتے رکھتے ہیں ہواؤں کو قابو کرتے ہیں سمندروں اور سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کو روکتے ہیں وہ
آٹھ فرشتے عرش الٰہی اٹھاتے ہوتے ہوں گے تو ایسے دن اے انسانو! تم پیش کیتے جاؤ گے اپنے رب
کے سامنے حال یہ ہوگا کہ کوئی چھپی چیز چھپی نہ رہے گی اس پروردگار علیم و خبیر سے پھر ایسی صورت میں
رب العالمین اپنے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور میدان حشر میں اولین و آخرین جمع ہوں گے اور اس
علیم و خبیر اور قادر مطلق کی عدالت میں پیشی ہو رہی ہوگی اور میزان عدل و انصاف قائم کرنے والے
رب کی عدالت میں لوگوں کے نامۂ اعمال پیش ہو رہے ہوں گے تو جس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں
دیدیا جاتے گا جو اسکی کامیابی اور نجات کی علامت ہوگی تو وہ فرط مسرت اور کمال خوشی سے کہتا ہوگا
اے لوگو! آجاؤ میرا نامۂ اعمال یعنی نتیجہ کامیابی پڑھ لو میرے رب نے مجھ پر کیسا عظیم انعام و احسان
فرما دیا میں تو پہلے ہی سے گمان کرتا تھا کہ میں اپنے حساب کے وقت پر پہنچنے والا ہوں اور میرے اعمال
کا حساب ہوگا اور خدا کی رحمت پر مجھے بھروسہ تھا کہ وہ مجھے اپنے فضل و کرم سے نوازے گا مجھے حیات جاودانی
اور ابدی نعمتیں ملیں گی اور جب مجھے یہ خیال تھا تو میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ میں
خدا کا یہ انعام و اکرام دیکھ رہا ہوں اور اسی کے فضل و کرم سے میرا حساب پاک و صاف ہے تو وہ نہایت
ہی خوشی اور عیش و عشرت والی زندگی میں ہوگا اور من مانی ہر نعمت و راحت اسکو ملتی ہوگی نہایت

بلند و عظیم المرتبہ باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور میوے اس پر جھکے ہوتے ہوں گے اس حالت میں اہل جنت کو کہا جا رہا ہوگا کھاؤ پیو خوب رَج کر جتنا چاہو بڑی خوشگواری کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی وجہ سے جو تم کرتے تھے گزرے ہوئے دنوں اور دنیوی زندگی میں تم نے اللہ کی خوشنودی کے لئے نفس کی خواہشات کو روکا بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کی صبر و قناعت کو اختیار کیا تو یہ اسی کا بدلہ ہے کہ بے روک ٹوک اللہ نے تم پر یہ ساری نعمتیں پھیلادی ہیں۔

یہ تو حال ہے ان لوگوں کا جن کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے گا اور جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بڑی حسرت اور پشیمانی کے عالم میں کہے گا کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نوشتۂ اعمال ہی نہ ملتا اور میں نہ ہی جانتا کہ میرا حساب کیا ہے اے کاش وہی موت میرا کام تمام کر دینے والی ہوتی اور میرا نام و نشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب و ہلاکت کی نوبت دیکھنی نہ پڑتی افسوس میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا جس پر مجھے بڑا ہی بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ خواہ کوئی بھی مصیبت سامنے آئے میں اپنی دولت کے ذریعہ اس سے بچ جاؤں گا مجھے اپنی قوت پر زعم تھا افسوس کہ میری قوت و حکومت بھی برباد ہوئی اب نہ میری دولت کام آرہی ہے اور نہ قوت و حکومت اور نہ حجت بازی جو دنیا میں کیا کرتا تھا اسی پشیمانی اور حسرت کے عالم میں ہوگا کہ ہر ایسے مجرم کے لیے فرمان خداوندی جاری ہوگا پکڑو اسکو پھر طوق ڈال دو اس کی گردن میں پھر گھسیٹو اسکو آگ میں جو جہنم میں دہک رہی ہو پھر ایک زنجیر میں کہ جس کا طول ستّر گز ؂ یا ستر ہاتھ ہو اسکو جکڑ دو تاکہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے کیونکہ آگ میں جلنے والا انسان کبھی اِدھر اُدھر حرکت کر کے آگ کی سوزش سے بچنے یا اسکو کم کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو اسکی بھی کوئی گنجائش نہ رہے یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ یہ شخص دنیا میں رہتے ہوئے ایمان نہیں رکھتا تھا خدائے برتر پر جب نہ خدا پر ایمان و یقین تھا تو خدا کے احکامات سے بھی نافرمانی کرتا تھا نہ خدا تعالےٰ کے حق ادا کرتا تھا اور نہ ہی بندوں کے حقوق پہچانتا تھا چنانچہ نہ ترغیب دیتا تھا محتاج و مسکین کے کھانے پر خود تو کیا کھلاتا اور مدد کرتا زبان سے بھی کسی دوسرے کو اس پر آمادہ کرنے اور ترغیب دلانے کی توفیق نہ ہوتی تھی سو ایسے نافرمان کے لیے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اسکے واسطے کوئی چیز کھانے کی ہے بجز زخموں کے دھوون کے اور ان میں سے بہتے ہوئے راد پیپ کے جس کو کوئی نہیں کھا سکتا بجز ان خطا کاروں اور مجرموں کے اور وہ بھی بھوک اور پیاس کی شدت میں مجبور ہو کر یا اس دھوکہ میں کہ شاید یہ بھی کوئی کھانے اور پینے کی چیز ہے

اعاذنا اللہُ ربنا من سائرِ انواع العذاب فی الدنیا والاٰخرۃ

؂ گز سے عالم آخرت کا گز یا ہاتھ مراد ہے جس کی حد اور مقدار کا اندازہ عالم دنیا میں نہیں کیا جا سکتا واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔

فرشتوں کا عرش الٰہی اٹھانا

اس آیت مبارکہ میں عرش الٰہی کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں کا بیان ہے
تفسیر قرطبی اور تفسیر البحر المحیط میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں بعض روایات میں حاملین عرش کے بیان میں چار کا عدد آیا ہے۔ تفسیر مظہری میں بیان کیا کہ روز محشر سے قبل حاملین عرش چار فرشتے ہوں گے مگر نفخ صور اور محشر کے وقت اسکی عظمت کی وجہ سے ان پہلے حاملین کو مزید چار حاملین کے ذریعہ قوی کر دیا جائے گا تاکہ عرش الٰہی کو سنبھال سکیں۔ بظاہر اس وجہ سے اس وقت حق تعالیٰ شانہ کے جلال و ہیبت سے عرش الٰہی زیادہ وزنی اور اسکا اٹھانا گراں ہوگا۔

اس آیت مبارکہ جس میں عرش الٰہی کے اٹھانے کا ذکر ہے اسی طرح ایسے مضمون کی دیگر آیات کی فلاسفہ، معتزلہ اور صوفیہ حقیقت پر محمول کرنے کے بجائے تاویل کرتے ہیں چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ عرش و کرسی کے معنی بطور مجاز و استعارہ تسلط اور غلبہ کے ہیں اور خداوندِ عالم کی شان حاکمیت کو بیان کرنا ہے اور فرشتوں کے اٹھانے سے مراد انکے ذریعہ اسکا ظہور ہے قاضی بیضاویؒ جیسا کہ بعض مواقع پر فلاسفہ اور معتزلہ کی رائے اور خیال سے متاثر ہوتے ہیں یہاں بھی انہوں نے کچھ اسی طرح فرمایا کہ یہ تمثیل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ تو نہ جسم ہے اور نہ اجسام و حوادث کی صفات و احوال میں سے کسی چیز سے متصف ہو سکتا ہے اور نہ وہ مخلوق کی طرح کسی مکان اور جہت میں سمانے والا ہے کہ کسی تخت پر بیٹھا ہو اور اس تخت کو حقیقی طور پر کوئی اٹھاتے ہوتے ہو یہ چیزیں تو مخلوق اور حادث کی صفات میں سے ہیں اس بنا پر محض تمثیل کے طور پر اسکے غلبہ اور شان حکمرانی اور عدل و انصاف اور مخلوقات کے فیصلوں کے نفاذ کو اس تعبیر سے بیان فرمایا گیا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء بھی تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ عرش مجید حق تعالیٰ شانہٗ کی صورت جہانداری اور بادشاہت ہے اور قیامت میں یہ بصورت عرش یعنی تخت شاہی ظاہر ہوگی اور اسکی جہانداری اور شان حاکمیت دنیا میں چار صفات کے ساتھ قائم ہے کہ موجودات کا کوئی ذرّہ بھی اس سے خالی نہیں اور وہ سب کو محیط ہے وہ چار صفات یہ ہیں اوّل علم، دوّم قدرت سوّم ارادہ چہارم حکمت آخرت میں یہ چار صفات مزید چار صفات کے ساتھ جمع ہو کر آٹھ ہو جائیں گی تاکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی جہانداری اور حاکمیت میں امتیاز ہو جاتے وہ چار صفات جو آخرت میں زائد ہوں گی ان میں اوّل انکشاف تام کہ اس عالم میں کوئی چیز بھی مخفی۔ مبہم۔ پوشیدہ اور ملتبس نہ رہے گی بلکہ ہر چیز کی اصل حقیقت ظاہر ہو جائے گی تاکہ کسی قسم کا دھوکہ شبہ اور مغالطہ باقی

نہ رہے اسی وجہ سے اس عالم میں جاہل و عالم اور کافر و مؤمن سب پر حقائق خفیہ برابر ظاہر ہو جائیں گے ہر ایک کو ہر بات کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اور معرفت تامہ حاصل ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ۔ اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا کہ کس قدر سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن کہ وہ ہمارے سامنے آئیں گے اور فرمان خداوندی فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ۔ اے انسان آج ہم نے تیری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا ہے تو آج کے دن تیری نگاہ بڑی ہی تیز ہے الغرض پہلی صفت انکشاف تام کی ہوگی دوسری صفت کمالِ بلوغ کہ ہر چیز مرتبہ نقصان سے اپنے حدّ کمال کو پہنچ جاتے گی۔ استعداد و قابلیت علم و فہم احساس و شعور حتیٰ کہ جو لوگ دنیا میں بے وقوف و کم عقل ہوں گے وہ نہایت ہی فہیم و ذکی اور کامل العقل ہوں گے اور جو لوگ ضعیف و ناقص حتیٰ کہ لنگڑے لوُلے ہوں گے وہ توانا و تندرست اور صحیح و سالم اٹھیں گے یہی حال قواتے باطنیہ کا بھی ہوگا یہی وجہ ہے کہ دارِ آخرت میں ہر چیز کے لیے خلود و بقاء ہوگا۔ کیونکہ فناء وصفِ ایمان ہے اسکو اس عالم میں وصف کمال سے بدل کر دوام اور خلود عطا کر دیا جاتے گا جیسے کہ آیت مبارکہ وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ۔

تیسری صفت تقدیس کہ کسی شے میں کسی قسم کی کدورت و ملاوٹ باقی نہ رہے گی ہر چیز خالص ہوگی اگر نعمت و راحت ہے تو اس میں نقمت و کلفت کی قطعًا آمیزش نہ ہوگی اور عذاب و کلفت ہے تو اس میں ادنیٰ سکون و آرام یا خفت کا امکان نہ ہوگا کیونکہ عالم دنیا میں تو حقائق پر مجاز کے پردے اور چھلکے چڑھے ہوتے ہو سکتے ہیں جو آخرت میں سب کے سب اتر کر اصل حقائق واضح اور نمایاں ہوں گے اور غلاف و چھلکوں سے اصل جوہر و مغز نکل کر صاف نظر آتا ہوگا۔

چوتھی صفت عدل اور ایفاء حق کہ پورا پورا انصاف ہوگا اور ہر ایک کو عدل و انصاف کے پیمانے سے تول کر اس کا حق ادا ہوتا ہوگا خواہ نیکی ہو یا بدی خیر ہو یا شر ایمان ہو یا کفر عمل صالح ہو یا معصیت غرض ہر چیز کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

تو حق تعالیٰ کی شان حاکمیت اور جہانداری کی ان صفات کے ساتھ جو پہلے سے تھیں یہ مزید چار صفات مل جائیں گی تو ظاہر ہے کہ عرشِ الٰہی کی عظمت اور اس کا ثقل بھی زائد ہو جائے گا تو جو عرش جہانداری دنیا میں چار فرشتوں پر تھا وہ آخرت میں آٹھ فرشتوں پر ہو جائے گا اس طرح چار صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ آخرت میں مزید چار صفات کا ظہور آٹھ فرشتوں کا عرش الٰہی کو اٹھانا ہوا۔

بہر کیف صوفیاء اور فلاسفہ نے اس طرح کی تاویلات بیان کی ہیں مگر اکثر ائمہ متکلمین اور اہل سنت کا موقف اس قسم کی آیات میں یہی ہے کہ حقیقت پر محمول کرتے ہوتے اور اس کی کیفیات اور جملہ احوال کو خداوندِ عالم کے علم کے حوالہ کر دینا جیسے کہ امام مالکؒ نے فرمایا الاستواء معلوم والکیف

مجہول والایمان بہ لازم والسوال عنہ بدعۃ" کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے جیسے کہ نص قرآنی نے بتا دیا مگر کیفیت مجہول اور غیر معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور سوال و تحقیق کہ کیسے اور کس طرح عرش پر متمکن ہے بدعت ہے کیونکہ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور نہ ہی صحابہ نے کبھی اسکی تحقیق کی گویا انکا یہی رنگ رہا جو حق تعالے نے اس طرح کے متشابہات میں فرمایا وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　بلبل چہ گفت صبا چہ کرد گل چہ شنید

وَاللّٰہ اعلم بالصواب ولا یعلم تاویلہ اِلّا اللّٰہ وَاٰمنّا بما اٰمرنا اللّٰہ فیارب اکتبنا مع الشٰھدین اٰمین یارب العٰلمین ھذا ما فھمت من تفسیر الکبیر والبحر المحیط وتفسیر العلامہ الوسی وتفسیر العزیزی وتفسیر الحقانی والکلمات التی سمعتھا من شیخی واستاذی شیخ الاسلام العلامہ شبیر احمد عثمانی وما ضبطت وحفظت من کلمات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی متعنا اللّٰہ تعالیٰ من فیوضھم وبرکاتھم۔ اٰمین یارب العالمین ۔

✧　✧　✧

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا

سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو　اور جو چیزیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ

نہیں دیکھتے　یہ کہا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا　اور نہیں یہ کہا کسی

شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا

شاعر کا　تم تھوڑا یقین کرتے ہو　اور نہ کہا پریوں والے کا　تم تھوڑا

مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ

دھیان کرتے ہو　یہ اُتارا ہے جہان کے رب کا　اور اگر بنا لاتا

عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾

ہم پر کوئی بات　تو ہم پکڑتے اس کا داہنا ہاتھ

بیان عظمت کلام الٰہی و حقانیت و صداقت قرآن کریم

قال اللہ تعالیٰ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ..... اِلیٰ ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ

(ربط) گذشتہ آیات میں اہل سعادت و شقاوت اور انکے احوال کا ذکر تھا اور بالخصوص مجرمین کی سزا اور قیامت کی شدت اور عرش الٰہی سے تمام فیصلوں کے نفاذ کا بیان تھا تو ممکن تھا کہ کوئی ملحد اور منکر ان باتوں کو سن کر یہ کہنے لگے کہ یہ تو شاعرانہ مبالغہ آرائی یا کاہنوں کی باتیں ہیں تو اسکے ازالہ اور رد کے لیے اب ان آیات میں قرآنی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ جو کچھ وحی الٰہی سے کہا گیا وہ رسول کریمؐ کا قول اور اللہ کا پیغام ہے اس میں ذرہ برابر مبالغہ یا استعارہ و مجاز کا احتمال نہیں اس پر ایمان لانا چاہیئے اور اسکی صداقت و حقانیت پر یقین کرنا چاہیئے تو ارشاد فرمایا۔

سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنکو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ بیشک یہ پیغام و قول ہے اس رسول عظیم کا جو بڑی ہی کرامت و عظمت والا ہے اور یہ کوئی شاعر کی بات نہیں ہے کہ تم جنت و جہنم کے احوال کو شاعرانہ مبالغہ آرائی سمجھنے لگو یا کاہنوں والی اٹکل و تخمین کی باتیں گمان کرنے لگو بلکہ یہ تو اللہ کا پیغام ہے جو اسکے رسول کریمؐ نے اسکے بندوں کو پہنچایا، چاہیئے کہ اس پر ایمان لایا جاتے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بہت ہی کم ہے کہ تم یقین کرو اور ایمان لاؤ اور نہ ہی یہ کاہن کی بات ہے مگر بہت ہی کم ہے کہ اے لوگو! تم غور و فکر کرو اور نصیحت قبول کرو بلکہ یہ سب

کچھ اُتارا ہوا کلام ہے رب العالمین کی طرف سے خدا کا پیغمبر صرف اللہ کی وحی اور اس کا پیغام ہی لوگوں تک پہنچایا کرتا ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی اللہ کا پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر سنا دے بالفرض اگر وہ رسول ہم پر کوئی بات گھڑ کر لے آتا ایسی من گھڑت باتوں میں سے تو ہم پکڑ لیتے اسکو دائیں ہاتھ سے اور اسکو اپنی سخت گرفت میں لے لیتے کیونکہ انسان بالعموم کسی گرفت اور پکڑنے کے وقت مدافعت کے لیے زور دائیں ہاتھ سے زائد لگایا کرتا ہے تو جب ہم دائیں ہاتھ سے اسکو پکڑ لیں گے تو اسکے بعد وہ کیا طاقت آزمائی کرے گا ہم سے بچنے کے لیے پھر ہم کاٹ ڈالتے اسکی رگ گردن پھر کوئی بھی نہیں ہو سکتا اس چیز سے اسکو بچانے والوں میں سے کیونکہ احکم الحاکمین پر جھوٹ بات لگانا کوئی معمولی جرم نہیں بلاشبہ ایسا مجرم اس پروردگار کی گرفت اور اسکی سزا سے کسی حال میں بھی نہیں بچ سکتا اور بے شک یہ باتیں نصیحت ہیں تقویٰ والوں کے واسطے کہ جس کسی میں ادنیٰ درجہ بھی خوف خدا ہو گا وہ ان باتوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے گا اور چونکہ دنیا میں تقویٰ والے بہت کم ہوتے ہیں اسلئے ہم بے شک جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے وہ ہیں جو جھٹلانے والے ہیں ہماری یہ باتیں مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مکذبین و منکرین خدا کے عذاب اور گرفت سے بچ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں بلکہ بے شک یہ تو حسرت ہے کافروں پر اور افسوس کا مقام ہے کہ منکر و کافر ان باتوں کا انکار کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں اور اپنی عاقبت تباہ و برباد کر رہے ہیں اور بے شک یہ جو کہا جا رہا ہے قطعی اور یقینی امر ہے جس پر ایمان و یقین ہر اہل عقل و فکر کو لازم ہے اے ہمارے پیغمبر اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان و یقین نہیں رکھتا تو آپ غمگین نہ ہوں بلکہ بس ایسی صورت میں پاکی بیان کرتے رہیئے اپنے رب عظیم کے نام کی اسکی تحمید و تسبیح ہی سے سارے غم بھی دور ہوں گے اور قلب و دماغ کو سکون و تقویت بھی نصیب ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ. تو اس طرح آپ کو تسلی دی گئی اور سکون قلب کیلئے علاج بھی بیان فرما دیا۔

روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا اجعلوھا فی رکوعکم کہ اس کو اپنے رکوع میں مقرر کر لو اور جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اجعلوھا فی سجودکم اس وجہ سے رکوع میں تسبیح سبحان ربی العظیم مقرر ہوئی اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ۔ میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہٗ اپنے

ہ یہ وتین کا ترجمہ کیا گیا۔ اصل تو یہ رگ انسان کے قلب سے نکلتی ہے جس سے سارے جسم میں رُوح پھیلتی ہے اور یہی رگ حیوان یا انسان کے حلقوم اور گردن تک پہنچتی ہے اس وجہ سے گردن کی رگ ترجمہ کیا گیا ۱۲۔

فوائد میں تحریر فرماتے ہیں وہ عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک جن کو آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری وہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی عقل وغیرہ سے انکے تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں وہ چلتی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ لیکن جب حکماء اپنے دلائل و براہین پیش کریں گے تو ہم عاجز ہو کر اپنی آنکھ کی غلطی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے اور اپنی عقل یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے جو اسکی ان غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اسکی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو؟ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ اور معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح کہ حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہو جاتے ہیں وہاں عقل کام کرتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحی الٰہی اسکی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کراتی ہے شاید اسی لئے یہاں مَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ کی قسم کھائی۔

یعنی جو حقائق جنت و دوزخ کے پہلے بیان ہوتے اگر دائرۂ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات وغیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات وغیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے جو بذریعہ وحی الٰہی دائرۂ حس وعقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے جب کہ ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اونچی چیزوں کو رسولِ کریمؐ کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے"۔

الغرض عالم کائنات میں مرئی وغیر مرئی یعنی مبصرات وغیر مبصرات پر اجمالی نظر اور ابتدائی غور و فکر اس بات کی گواہی دے گا کہ رسولِ کریمؐ کی بتائی ہوئی ہر بات حق ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے منکرین و مکذبین کا ایسی باتوں میں تردد یا ان پر تمسخر خود انکی بے عقلی کی دلیل ہے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اول اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا یہ دستور ہے گردن مارنے کا جلاد اسکا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تاکہ حرکت نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ تَقَوَّلَ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اسکے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ معاملہ عذاب کا کیا جاتے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے اب اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جاتے تو وحی الٰہی سے امن اٹھ جاتے گا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جاتے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جاتے گی جو حکمت تشریع کے منافی ہے بخلاف اُس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا بلکہ کھلے ہوتے قرائن و دلائل علانیہ اسکی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات

بھی بے ہودہ وخرافات ہے کوئی عاقل اسکو درخور اعتنا نہ سمجھے گا اور نہ دین الٰہی میں بحمد اللہ کوئی التباس و اشتباہ واقع ہوگا ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لاتے جو اسکے دعوائے رسالت کے مخالف ہوں (اور اسکو جھوٹا ثابت کر دیں) اسکی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کرے اور سند فرمان دیکر کسی طرف روانہ کرے اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کوئی خیانت ہوتی یا بادشاہ پر جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لیے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیئے گئے ہیں تو کون اسکی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعوؤں سے تعرض کرتا ہے (سبحان اللہ یہ الہامی کلمات پوری طرح مرزا غلام احمد کذّاب پر منطبق ہوتے) بہرحال آیت ھذا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کرسکتے اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپؐ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اللہ نے نہ کہی ہو۔

توراۃ سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے۔

"لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام
سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں
کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔

خلاصہ یہ کہ جو نبی ہوگا اس سے یہ ممکن نہیں کہ ایسا کرے یہ بات تقریباً وہی ہے جو سورۃ بقرہ میں فرمائی گئی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ عہ الحمد للہ کہ اس تحقیق وتشریح سے مرزا غلام احمد کی طرف سے ایک عظیم دھوکہ میں ڈالنے والے بے ہودہ استدلال کا رد ہوگیا وَ لِلّٰہِ الحمد والمنۃ

تم تفسیر سورۃ الحاقۃ ولہُ الحمد والشکر

عہ فوائد عثمانی رح سورۃ الحاقۃ-۱۲
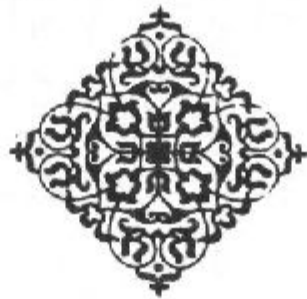
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ المَعَارِج

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت سے قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا بیان ہے اور یہ کہ آخرت کی سعادت وشقاوت کا اصل مدار ومعیار کیا ہے اور وہاں کی راحتیں اور کلفتیں کس امر پر مرتب ہوتی ہیں اسی کے ساتھ مؤمنین ومجرمین کے احوال اور انکے درمیان تقابل بھی بیان فرمایا تاکہ ایک نظر میں نور وظلمت اور حرارت وبرودت کی طرح مؤمن وکافر کا فرق واضح ہو جائے بالخصوص اس سورت میں جو چیز زائد اہمیت اور توجہ کے ساتھ ذکر کی گئی وہ کفار مکہ کی مخالفت اور انکے تمسخر واستہزاء کا رد ہے جو وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام رب العالمین کے ساتھ کرتے تھے

سورت کی ابتداء کفار مکہ کی سرکشی اور لغو قسم کے سوالات کے ذکر سے فرمائی گئی اور یہ کہ وہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف وروگردانی کرتے تھے اس پر ان کے انجام ہلاکت کا بھی بیان ہے۔

اخیر میں مجرمین وکفار قیامت کے روز کیسی شدت وبے چینی میں مبتلا ہوں گے اسکو بھی بیان فرمایا گیا اور اہلِ ایمان پر انعامات اور انکی راحتوں کو اسکے بالمقابل پیش کر دیا گیا ساتھ ہی انسانی فطرت کی کمزوری کا بھی ذکر ہے تاکہ انسان اس عیب اور کمزوری کے مہلک نتائج سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔

❊ ❊ ❊

سورۃ معارج مکی ہے اور اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾

مانگا ایک مانگنے والے نے، عذاب پڑنے والا منکر کے واسطے کوئی نہیں اسکو ہٹانے والا

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ

اللہ کی طرف کا، جو چڑھتے درجوں کا صاحب چڑھیں گے اسکی طرف فرشتے اور روح اس

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ

دن میں جس کا لنباؤ پچاس ہزار برس ہے سو تو صبر کر

صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

بھلی طرح کا صبر کرنا وہ دیکھتے ہیں اسکو دور اور ہم دیکھتے ہیں اسکو نزدیک

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَ

جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی اور

لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ

نہ پوچھے دوستدار دوستدار کو سب نظر آجادیں گے انکو مناوے گا گناہگار کسی طرح چھڑوائی

مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَ

میں دے اس دن کی مار سے اپنے بیٹے اور ساتھ والی اور بھائی اور

فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ

اپنا گھرانا جس میں رہتا تھا اور جتنے زمین پر ہیں سارے پھر

يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ

آپ کو بچاوے کوئی نہیں وہ تپتی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ ؛؛ پکارتی ہے اسکو

اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ

جسنے پیٹھ دی اور پھر گیا اور اکٹھا کیا اور سینتا (سنبھالا) بے شک آدمی بنا ہے جی

هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ

کا کچا جب لگے اسکو برائی تو گھبرا اور جب لگے اسکو بھلائی

مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

توان دیلوا (نہ دینے والا) مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر

دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ

قائم ہیں اور جن کے مال میں حصہ ٹھہر رہا مانگتے کا

وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾

اور ہارے کا اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن کو

وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ

انکے رب کے عذاب سے نڈر نہ ہوا جاوے اور جو اپنی شہوت کی جگہ

حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

تھامتے ہیں مگر اپنی جوروؤں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے

فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

سو ان پر نہیں اولاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اسکے سوا سو وہی ہیں

هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

حد سے بڑھتے اور جو اپنی دھرڑ دھریں (امانتیں) اور اپنا قول

رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ

نباہتے ہیں اور جو اپنی گواہی پر سیدھے ہیں اور جو اپنی

هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ

نماز سے خبردار ہیں وہ ہیں باغوں میں

مُّكْرَمُوْنَ ؏ ط ﴿۳۵﴾

عزت سے

مجازات عناد و سرکشی کفار و شدت کرب و اضطراب در روز قیامت

قال اللّٰہ تعالیٰ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ..... اِلیٰ ..... فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ

(ربط) گذشتہ سورت کا مضمون اہل جہنم کے احوال پر مشتمل تھا اور یہ کہ مجرموں کو کس ذلت کے ساتھ خدا کے عذاب اور قہر کی گرفت میں لیا جائے گا اب اس سورت میں ایسے مجرمین کی معاندانہ روش بیان کرکے اس پر مذمت اور سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور یہ کہ روز قیامت ایسے سرکشوں کی بے بسی کا کیا عالم ہوگا جو دنیا میں غرور و نخوت کا پیکر بنے ہوتے تھے ارشاد فرمایا۔

مانگا ہے ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے جس کو کوئی ٹلانے والا نہیں وہ عذاب ہر حال میں منکروں پر واقع ہو کر رہے گا مانگا ہے[1] یہ عذاب اس اللہ سے جو بڑے اونچے درجوں والا ہے جس کی عظمت و برتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے چڑھیں گے اسکی طرف فرشتے اور روح اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے کہ فرشتے اور مؤمنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کرتے ہوئے اسکی بارگاہِ قرب تک چڑھتی ہیں یا اس کے بندے اسکے احکام کی پیروی کرتے ہوتے جان و دل سے کوشش کر کے اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب وصول کے مدارج روحانیہ طے کرتے ہیں اور ترقی کرکے اسکی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجات مسافت کے قرب اور بُعد میں مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں بعض ایسے کہ ایک پلک جھپکنے میں ایک منزل سے ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتے ہیں جیسے کلمۂ اسلام کا اقرار کر لینا کہ ایک ہی لمحہ میں کفر کی ذلیل ترین منزل سے ایمان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ بعضے ایک ساعت میں جیسے نماز بعضے پورے ایک دن میں۔ جیسے روزہ بعضے پورے ایک مہینہ میں جیسے پورے ماہِ رمضان کے انوار و برکات سے اعلیٰ ترین درجات حاصل کر لینا بعضے ایک سال میں۔ جیسے زکوٰۃ اور حج بیت اللہ وعلیٰ ھذا القیاس

[1] یہ الفاظ اس تحقیق کے پیش نظر اضافہ کیئے گئے جو بعض ائمہ مفسرین آیت کے اعراب میں فرماتے ہیں کہ مِنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ میں یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ مستانفہ ماقبل سے منقطع ہو اور بجائے دافع سے متعلق کرنے کے ایک عامل مقدر کے متعلق اسکو کہا جائے وہ لفظ سائل ہے یعنی سائلٌ مِنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ۔

اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج ہے اور خود اُس خداوند قدوس کی تربیت اور اتار چڑھاؤ بھی بے شمار درجے رکھتا ہے۔

یہ ازفوائد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

حافظ ابن کثیرؒ تفسیر ابن کثیر میں ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے معارج کی تفسیر میں درجات کا مفہوم ذکر کیا کہ پروردگار عالم فضائل اور بلندیوں والا ہے مجاہدؒ نے معارج سے آسمانوں کے مدارج مراد لیئے ہیں روح سے جنس روح اور مراد مؤمنین کی روحیں ہیں جیسا کہ ابوداؤد و نسائی کی ایک روایت میں ہے براء بن عازبؓ مؤمن کی قبض روح کا ذکر کرتے ہوتے بیان کرتے ہیں فَلَا یزال یُصْعَدُ بہا من السماءِ الی السماءِ حتیٰ ینتھی بہ الی السماءِ السابعۃ۔ یعنی جب مؤمن کی روح قبض کرلی جاتی ہے تو اس کو چڑھایا جاتا ہے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ روح سے روح الامین یعنی حضرت جبرئیلؑ مراد ہیں۔

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ کی مراد میں حافظ ابن کثیرؒ نے چار اقوال نقل کیئے ایک یہ کہ اس سے مراد اسفل سافلین سے لے کر عرش تک کی مسافت ہے جو ساتوں زمینوں کا مستقر ہے چنانچہ اس قسم کا مضمون ابن ابی شیبہ نے کتاب "صفۃ العرش" میں بیان کیا ہے دوسرا قول یہ کہ یہ مدت بقاء دنیا ہے کہ جب سے اللہ نے دنیا کو پیدا کیا اس وقت سے قیامت تک کی یہ مدت ہے چنانچہ مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے عمرہا خمسون الف سنۃ۔ تیسرا قول یہ کہ وہ وقت فاصل ہے دنیا و آخرت کے درمیان مگر اس قول کو مفسرین نے غریب و شاذ کہا ہے چوتھا قول یہ ہے کہ یہ روز قیامت کی مدت ہے جو دنیا کے ایام کے لحاظ سے پچاس ہزار برس کے بقدر ہوگی چنانچہ عکرمہؒ ابن عباسؓ سے باسناد صحیح نقل کرتے ہیں ھُوَ یوم القیامۃ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے اس دن کو کافروں کے واسطے پچاس ہزار سال کے برابر بنایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی جب کہ سننے والوں نے کہا اللہ اکبر یہ کس قدر طویل دن ہوگا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ کافر کے لئے ہوگا لیکن مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا آسان فرما دے گا جتنا وقت کہ وہ فرض نماز میں لگاتا ہے بلکہ اس سے بھی کم ——— مال کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وعید میں جو حدیث ہے کہ وہ مال اس شخص پر جہنم کی آگ بنا کر داغ دیا جاتا رہے گا اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار برس ہے اسکی تائید کرتی ہے

(تفسیر ابن کثیر ج ۴)

بعض ائمہ مفسرین کی رائے ہے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ظاہری اور حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں

تمسخر اور استہزاء کرنے والوں کا رویہ بے شک دلخراش ہے اور اس پر رنج و غم طبعی تقاضا ہے مگر اے ہمارے پیغمبر صبر کیجئے بھلے طور پر صبر کرنا یہ منکرین اور کفار مکہ اگرچہ آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اچھا اگر یہ دین برحق ہے اور ہم اسکو قبول نہیں کرتے تو آپ آسمان سے پتھروں کی بارش ہم پر کروا دیجئے یا آپ ہم کو جس قیامت سے ڈرا رہے ہیں وہ کہاں ہے اور کب آئے گی اسکو لے آئیے تو اے ہمارے پیغمبر ان منکرین کی ایسی لغو باتوں سے آپ مغموم نہ ہوں۔

بے شک یہ لوگ تو اسکو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسکو قریب دیکھ رہے ہیں نہ عذاب خداوندی آنے میں کوئی دیر ہے نہ ہی روز قیامت آنے میں وہ قیامت کا دن تو ایسا دن ہوگا کہ آسمان ہو جائے گا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور پہاڑ ہو جائیں گے روئی کے گالوں کی طرح جو مختلف رنگوں کے ہوں ہوا میں اڑ رہے ہوں اور پریشانی و بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست نہیں پوچھے گا کسی دوست کو حالانکہ سب ایک دوسرے کو نظر آتے ہوں گے لیکن اسکے باوجود ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا کوئی کسی کی مدد تو درکنار حال بھی نہ پوچھ سکے گا ایسے وقت گناہ گار تمنا کرے گا کاش آج کے دن کے عذاب سے وہ فدیہ دے دیتا اپنے بیٹوں کا اور بطور فدیہ دیدیتا اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے اس کنبہ کو جس کا ٹھکانہ وہ حاصل کرتا تھا اور حتیٰ کہ

ہے بلکہ وہ غم اور کرب ہے جس کے باعث یہ دن اس قدر طویل ہوگا اسی وجہ سے مؤمنین کے لئے نماز کے وقت کے بقدر ہلکا فرمایا گیا اور اس تقدیر پر سورۂ سجدہ کی آیت مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ جس میں ایک ہزار برس مقدار بیان کی گئی کوئی تعارض نہ رہے گا،، (قرطبی)

بعض ائمہ مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں پچاس مواقف ہوں گے اور ہر موقف اور حاضری کا مقام ایک ہزار برس کے بقدر ہوگا تو اس لحاظ سے ایک ہزار برس نفس مجموعہ دن کی مدت ہوئی اور اس کے پچاس مواطن کے اعتبار سے پچاس ہزار ہو گئے جس کو بیان فرمایا گیا (روح البیان)

سَاَلَ سَآئِلٌۢ کی تفسیر میں بعض حضرات نے نضر بن حارث کا نام بیان کیا ہے مگر اس لئے کہ یہ ذلیل اس قابل نہ تھا کہ قرآن کریم میں اس کا نام لیا جاتے تو مبہم رکھا نیز تعین نہ کرنے میں یہ خوبی ہے کہ اس سائل کے بعد جو بھی اس قسم کا سوال کرے گا اس پر آیت منطبق ہو گی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سائل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ اشارہ ہے اس دعا اور درخواست کی طرف جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی سرکشی اور انکے تمسخر سے رنجیدہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں فرمائی تھی کہ ان پر کوئی عذاب مسلط کیا جائے چنانچہ ان پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط برسا کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی بہرکیف ان متعدد معانی پر ائمہ مفسرین نے ان کلمات کو محمول کیا ہے ہم نے اسی وجہ سے ترجمہ میں لفظ "مانگا ہے مانگنے والے نے" اختیار کیا تاکہ ہر دو معنی پر منطبق ہو سکے (واللہ اعلم بالصواب)

اگر اسکے امکان میں ہوتا ہر اس شخص اور کل اس مال و دولت کا جو روئے زمین میں بستا ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچا لیتا تو وہ ضرور وہ ہر چیز کو فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہو جاتا مگر نہیں ہر گز نہیں وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو کھال اتار دینے والی ہے اور اس طرح کہ وہ اندر سے جگر کو بھی جلا کر رکھ دے گی پکارتی ہوگی یہ آگ ہر اس شخص کو جس نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے اور مال و دولت کی محبت اس قدر غالب آئی خوب جمع کیا اور سمیٹ کر رکھا کہ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کیا نہ کسی مسکین و محتاج کی کوئی مدد کی بے شک انسان بہت ہی کمزور طبیعت پیدا کیا گیا اس کا حوصلہ اور دل نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے جب اسکو کوئی تکلیف پہنچے تو بے قرار ہو جاتے اور جب اسکو بھلائی پہنچے اور اللہ رب العزت اپنی نعمتوں سے نوازے تو روکنے والا ہو جاتا ہے اور خیر کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہی ختم ہو جاتی ہے یہ بری خصلت ہر انسان میں ہوتی ہے جو اللہ کے تعلق سے دور ہو مگر وہ نمازی بندے جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سائل کے لئے اور محتاج و مسکین کے لئے اور وہ لوگ جو ایمان و یقین رکھتے ہیں بدلہ اور انصاف کے دن یعنی قیامت پر اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اس لیئے کہ بے شک انکے رب کا عذاب ایسا ہے کہ کسی کو اس سے مطمئن نہ ہونا چاہیئے اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں کے جن کے وہ مالک ہیں کیونکہ ان پر تو کوئی گرفت نہیں اس لیے کہ وہ نفس کا تقاضا صحیح محل میں اور حلال طریقہ پر پورا کر رہے ہیں لیکن جو شخص اسکے علاوہ کوئی راستہ اپنے نفس کا تقاضا پورا کرنے کا تلاش کرے گا تو بلاشبہ ایسے لوگ تعدی اور سرکشی کرنے والے ہوں گے اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت رکھنے والے ہیں کہ امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتے اور جو عہد و پیمان کیا اسکو پورا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ گواہی بھی سچی دیں اور کسی لالچ و طمع سے اس گواہی سے انحراف بھی نہیں کرتے بلکہ اسی پر قائم رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں کہ اس میں کسی طرح خلل نہیں آنے دیتے وقت کی پابندی جماعت کی بھی پابندی پاکی کی احتیاط خشوع وخضوع اور اسی حالت کے ساتھ اس پر دوام تو بے شک ایسے ہی لوگ جوان پاکیزہ خصلتوں اور پسندیدہ افعال سے متصف ہیں بہشت کے باغوں میں ہوں گے جن کا بڑا ہی اعزاز و اکرام ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اسکے بالمقابل جو شخص اللہ کی نافرمانی اور سرکشی پر تلا ہوگا اس کی ذلت و تباہی ایسی عبرتناک ہوگی کہ انسان اسکا تصور نہیں کرسکتا۔

ف اس موقعہ پر اہل جنت کے یہ آٹھ اوصاف بیان کیئے گئے جن کی تفصیل و تشریح سورۃ المؤمنون میں گزر چکی یہاں ان صفات کے ذکر اور ترتیب میں عجیب لطافت و خوبی اختیار کی گئی کہ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ کے عنوان میں ابتداء بھی وصف صلوٰۃ سے فرمائی اور ان اوصاف کی

تکمیل بھی عَلٰی صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ پر کی گئی تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ان اوصاف اور خوبیوں سے اتصاف نماز ہی کی برکت سے ہو سکتا ہے اور جو مؤمن ان صفات سے متصف ہوگا وہی نماز کا محافظ بھی ہوگا اور وہی ہلوع جیسی مذموم صفت سے محفوظ رہ سکے گا ورنہ تو اس مہلک اور خطرناک بیماری میں بالعموم انسان مبتلا ہو کر ہی رہتا ہے۔

❖ ❖ ❖

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾

پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے آتے ہیں

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ

داہنے سے اور بائیں سے جتھ کے جتھ کیا لالچ رکھتا ہے ہر ایک

مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا

ان میں کہ داخل کر دیئے نعمت کے باغ میں کوئی نہیں ہم نے انکو بنایا ہے جس سے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا

جانتے ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں مغربوں کے مالک کی ہم

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

سکتے ہیں کہ بدل کر لے آدیں ان سے بہتر اور ہم سے جیت (بڑھ)

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا

نہ جاویں گے سو چھوڑ دے انکو باتیں بناویں اور کھیلیں جب تک بھڑیں

يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

اپنے اس دن سے جسکا ان سے وعدہ ہے جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے

سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

دوڑتے جیسے کسی نشانے پر دوڑے جاتے ہیں نیچی ہیں ان کی آنکھیں

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۴۴ۧ

چڑھی آتی ہے ان پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ ہے

حیرت واستعجاب برحالِ اہل عناد وتنبیہ وتہدید برخودفریبی ایشاں

قال اللہ تعالیٰ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... الیٰ .... كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں مجازات اعمال کا بیان تھا اور یہ کہ مجرمین قیامت کے روز کیسی شدید بے چینی اور اذیت میں مبتلا ہوں گے اب ان آیات میں ان معاندین کی حالت میں حیرت وتعجب کا اظہار کیا جارہا ہے جو اپنی مذموم اور بے ہودہ روش سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے اور دین کا مذاق اڑاتے تھے اور پھر عجیب تر امر یہ ہے کہ اس دل آزار اور بے ہودہ روش کے باوجود اپنے بارہ میں یہ دعوےٰ کرتے تھے کہ وہ آخرت میں بڑے انعامات سے نوازے جائیں گے اس ضمن میں پھر اس بات کا اعادہ کیا جارہا ہے کہ سعادت اور شقاوت انسان کے عقائد اور اعمال پر موقوف ہے محض دعوؤں اور آرزؤں سے سعادت وکامیابی نہیں ملا کرتی ہے۔

ارشاد فرمایا تو ان تمام حقائق کے واضح اور ثابت ہوچکنے کے بعد عجیب بات ہے کیا ہوگیا ان کافروں کو آپ کی طرف آرہے ہیں دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے غول کے غول ہوکر چاہیئے تو یہ تھا کہ ان مضامین کو سُن کر غور کرتے اور ان حقائق پر غور کرتے اور ان حقائق پر ایمان لاتے لیکن بجائے ایمان لانے کے بطور استہزاء ومذاق غول کے غول آپ کی طرف چلے آرہے ہیں اور ان باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں پھر اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اگر قیامت آئی تو وہ بڑی آسائش وآرام کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا تو کیا ان میں سے ہر شخص اس بات کی طمع کر رہا ہے کہ وہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا خبردار ہرگز نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نافرمان جو قیامت جنت وجہنم اور جزا وسزا کا منکر ہو وہ اپنی ان تمام نافرمانیوں کے باوجود جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا بے شک ہم نے انکو پیدا کیا ہے اس چیز سے جو وہ بھی جانتے ہیں اور وہ مٹی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے لہذا صرف اس سے پیدا کیا ہوا انسان تو محض اپنے انسان ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں ہے کہ بہشت کے باغات اسکو ملیں یہ نعمتیں تو ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی پر مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ بیشک ہم قادر ہیں کہ انکے بجائے ان سے بہتر لے آئیں اور ہم ایسے نہیں کہ ہم کو عاجز کیا جاسکے کسی بھی ایسی بات سے جسکو ہم کرنے کا ارادہ کریں اور جب ہم انکے بجائے ان سے بہتر پیدا کرسکتے ہیں تو کیا ہم انکو دوبارہ نہیں پیدا کرسکتے جسکا وہ انکار کرتے ہیں اور جب وہ ہمارے قابو سے

نہیں نکل سکتے تو پھر اس بارہ میں کیا تعجب و حیرت کی گنجائش ہے نیز یہ کہ اگر یہ لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑا رہے ہیں اور انکار کر رہے ہیں تو کیا ہوا ہم ان سے بہتر اپنے پیغمبر کے واسطے اعوان و انصار پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ ہجرت مدینہ کی صورت میں اللہ نے منکرین قریش کے بجائے انصار مدینہ کا گروہ آپؐ کا ناصر و مددگار اور مطیع و فرماں بردار بنادیا تو اے ہمارے پیغمبر آپؐ انکی کوئی پرواہ نہ کیجئے اور انکو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی باتوں میں منہمک رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں یہاں تک کہ وہ ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس وقت خود حقیقت کھل کر انکی نظروں کے سامنے آجائے گی یہ دن وہ ہوگا کہ نکل رہے ہوں گے اپنی قبروں سے دوڑتے ہوئے اس طرح کہ گویا کسی نشان کی طرف دوڑ لگا رہے ہوں حال یہ ہوگا کہ نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی جا رہی ہوگی جیسے کہ کوئی غلاف کسی چیز کو ڈھانک رہا ہو بس یہی ہے وہ دن جس کا ان مجرموں سے وعدہ کیا جاتا تھا اور اس وقت کسی مجرم اور منکر کو عذاب خداوندی سے بچنے کا کوئی بھی امکان نہ ہوگا اور اس طرح قدرتِ خداوندی ان حقائق کو انکی نگاہوں کے سامنے لے آئے گی جس کا انہوں نے دنیا میں انکار کیا اور اس کا مذاق اڑایا

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

تم تفسیر سورۃ المعارج والحمد للہ علیٰ ذالک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۂ نُوْح

سورۃ نوح بھی مکی سورت ہے جسکی اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں

(ربط) اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید کی ترجمانی اور اثبات ہے اور شرک و بت پرستی کی تردید۔ بالخصوص اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے جذبۂ تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں جو دن رات جدوجہد فرماتے رہے اس کا بیان ہے اور یہ کہ اس بدنصیب قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ ہادی حق اور داعی توحید سے دور بھاگتے رہے حتیٰ کہ نفرت و بغض کی کوئی حد باقی نہ رہی کہ اللہ کے پیغمبر کا چہرہ دیکھنا بھی گوارہ نہ ہوا اور اپنے کانوں کو حق سننے سے بالکل بند کر لیں پیغمبر بہرکیف اولادِ آدم اور جنس بشر سے ہیں طبعی تاثرات سے کہاں تک بچ سکتے ہیں تو قوم کی اس بیزاری اور تنفر پر مغموم و رنجیدہ ہوتے ہوتے ایسے بدنصیب مجرموں کیلئے عذابِ خداوندی کی

طلب و التجاء کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ نو سو پچاس برس کی طویل ترین مدت جب اس طرح گذر جاتے کہ قوم اللہ کے پیغمبر کی دعوت توحید کے بالمقابل نہایت ہی گستاخی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ کہ اے لوگو ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑو، تو ہادیٔ حق اور داعیٔ توحید کی زبان سے یہی نکلنا چاہیئے تھا کہ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ان مضامین کو یہاں بیان فرماتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا مغفرت پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔

⁂

اٰيَاتُهَا ۲۸ ۷۱ سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ ۷۱ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ نوح مکّی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ

ہم نے بھیجا نوح کو اسکی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے

اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ

کہ پہنچے ان پر دُکھ والی آفت بولا اے قوم میری! میں تم کو ڈر سناتا ہوں

مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ

کھول کر کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو کہ بخشے

لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ

تمکو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تمکو ایک ٹھہرے وعدہ تک وہ جو وعدہ رکھا

اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ رَبِّ

اللہ نے جب آ پہنچے اسکو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے بولا اے رب

إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْ

میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن پھر میرے بلانے سے اور زیادہ

اِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا

بھاگتے ہی رہے اور میں نے جس بار اُن کو بلایا تا انکو تو معاف کرے ڈالنے لگے

اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَ

اپنی انگلیاں کانوں میں اور اوپر لپیٹے اپنے کپڑے اور ضد کی اور

اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ

غرور کیا بڑا غرور پھر میں نے انکو بلایا اجاگر پھر میں

اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا

نے انکو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ

رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا چھوڑ دے آسمان کی تم پر

مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ

دھاریں اور بڑھتی دے تمکو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے تمکو

جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ ۭ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ

باغ اور بنا دے تمکو نہریں کیا ہوا ہے تمکو کیوں نہیں امید رکھتے اللہ

وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ

سے بڑائی کی اور اسی نے تمکو بنایا طرح طرح سے کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے

اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ

اللہ نے سات آسمان تہ بر تہ اور رکھا چاند ان میں اجالا اور

جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
رکھا سورج چراغ جلتا ✲ اور اللہ نے اُگایا تم کو زمین سے
نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ
جما کر پھر دُہرا کر ڈالے گا تمکو اس میں اور نکالے گا تمکو باہر اور اللہ نے
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا
بنا دی تم کو زمین بچھونا تاکہ چلو اس میں کشادہ
فِجَاجًا ﴿۲۰﴾
رستے

بعثت رسولِ ہادی حق وداعی توحید نوح علیہ السلام وتمرد وسرکشی قوم ونفرت واستکبار از صدائے ایمان وتوحید خالق ارض وسماء

قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ...... اِلٰى .... سُبُلًا فِجَاجًا

(ربط) اس سے قبل سورۃ معارج میں قیامت اور قیامت کے احوالِ شدیدہ کا ذکر تھا اور یہ کہ اس روز مجرمین اور نافرمانوں کی پریشانی اور بدحالی انسان کے تصور سے بھی بڑھ کر ہوگی تو اب اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو حق تعالیٰ نے عالم میں سب سے پہلا وہ رسول بنا کر بھیجا جو شرک و بُت پرستی کا رد کرنے والے تھے انکی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا اور بڑی ہی گستاخی کے ساتھ شرک و بت پرستی پر ڈٹے رہے ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو انکی قوم کی طرف یہ پیغام دے کر کہ اے نوح ڈراؤ اپنی قوم کو انکی بُت پرستی اور نافرمانی پر قبل اسکے کہ پہنچ جائے ان پر دردناک عذاب کیونکہ خدا کی نافرمانی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی وہ قوم عذابِ خداوندی سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے چنانچہ نوح ؑ نے کہا اے میری قوم میں تمکو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں اللہ کے عذاب سے اور اس بات کی تمکو ہدایت

کرتا ہوں کہ تم صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اللہ کی عبادت و بندگی کا جو راستہ میں بتاتا ہوں تم اس پر چلو۔ اسی ایک رب پر ایمان لاؤ اگرچہ اب تک تم شرک اور نافرمانی کرتے رہے لیکن جب تم میرے بتائے ہوتے راستہ پر چلو گے اور اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف فرما دے گا۔ اور تم کو مہلت دے گا ایک معین وقت تک کہ تم اس طبعی مقرر و متعین کردہ وقت تک زندگی گذار لوگے اور سابق کفر و شرک اور بغاوت پر جو عذاب خداوندی آیا کرتا ہے اور آن کی آن میں ایسے عذاب قوموں کو تباہ کر دیتے ہیں وہ تم سے ایک مدت تک کے لیئے ٹل جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آجاتے تو پھر وہ موخر نہیں ہوتا جو بھی اللہ نے کسی انسان یا جاندار کے لیئے موت کا مقرر کر دیا ہے یا جو وقت بھی قیامت اور جزاء سزا کا متعین کر دیا گیا ہے وہ بہرکیف آکر رہے گا اور اس میں کوئی تاخیر نہ ہو گی اگر تم اس بات کو جان لو تو پھر میری باتوں پر عمل کرتے اور میرے بتاتے ہوتے راستہ پر چلنے میں تمکو کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہ ہو گی۔

نوح علیہ السلام قوم کو اسی طرح سمجھاتے رہے اسی پیغام توحید کو ان لوگوں کے سامنے ہر حال میں ہر زمان و مکان میں قوم کے سامنے دہراتے رہے لیکن جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس و تنگ دل ہو کر اپنے رب سے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کہتے ہوئے کہا اے میرے پروردگار بے شک میں اپنی قوم کو بلاتا رہا تیری توحید و بندگی کی طرف رات اور دن اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا رات کی تاریکی ہو یا دن کا اجالا برابر انکو تیری طرف بلاتا رہا لیکن یہ بدبخت و بدنصیب ایسے ہیں میرے بلانے نے ان میں کسی چیز کی بھی زیادتی نہیں کہ بجز بھاگنے کے جس قدر شفقت و دلسوزی کا معاملہ کر سکتا تھا وہ کیا لیکن ان کی نفرت و بیزاری کا یہ عالم کہ اور جب کبھی بھی میں نے انکو بلایا ایمان و توحید کی جانب تاکہ تو انکے گناہ معاف کر دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے اور اپنے چہرے چھپاتے کہ وہ میری صورت بھی نہ دیکھ سکیں اور میں بھی انکو نہ دیکھ سکوں جو خدا کے پیغمبر سے نفرت و بیزاری کی آخری منزل تھی اور بڑا ہی غرور و تکبر کیا اور اپنی روش سے قطعًا نہ پھرے اگرچہ ایک طویل مدت گذر گئی کہ اے اللہ میں انکو تیری طرف بلاتا رہا اور وہ اسی طرح نفرت و بیزاری کرتے رہے۔

اے پروردگار پھر میں نے انکو بلایا تیری توحید و بندگی کی طرف برملا کر علی الاعلان مجمعوں میں جاکر انکو دعوت دی اور انکے جلسوں میں انکو تیرا پیغام پہنچایا پھر میں نے انکو واضح طور پر کھول کر بتایا کہ خدا کی توحید و بندگی ہی میں نجات ہے اور خاموشی سے خفیہ طور پر بھی ناصحانہ انداز میں یہی انکو کہا ہر طرح اور ہر حال میں خلوت و جلوت اور اجتماعی و انفرادی غرض ہر حالت میں انکو بس میں نے یہی کہا معافی طلب کرو اپنے رب سے وہی گناہ بخشنے والا ہے جو اپنی رحمت و مغفرت سے تم پر آسمان کے دروازے رحمتوں اور برکتوں کے کھول دے گا جس کے بعد وہ تم پر بہاتے گا آسمان سے رحمتیں اور برکتیں بہا دینا یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط اور خشک سالی جس میں وہ قوم برسوں سے مبتلا تھی دور ہو جائے گی اور اللہ

رب العزت دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دے گا جس سے کھیت اور باغ سیراب ہوجائیں گے غلے پھلوں اور میوے کی افراط ہوگی مویشی فربہ ہونے کی وجہ سے دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو قوم کی بداعمالیوں کے باعث بانجھ ہوگئی تھیں نرینہ اولاد جننے لگیں گی اور اسی طرح اللہ بڑھا دے گا تمکو مختلف انواع کے مالوں اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغات اور بنا دے گا تمہارے واسطے نہریں ف تو ایمان و استغفار کی برکت سے وہ قحط سالی بھی دور ہوجاتی گی جو برسوں سے ان پر مسلط ہے اور بارش کی کثرت سے انکے کھیت سرسبز و شاداب ہوجائیں گے غلے اور پھلوں کی کثرت سے دودھ گھی بڑھ جاتے گا اور شامت اعمال سے عورتیں جو بانجھ ہوچکی تھیں وہ نرینہ اولاد جننے لگیں گی غرض اسی طرح استغفار و توبہ کی برکت سے آخرت کی نجات کے ساتھ دنیا کی خوشحالی بھی نصیب ہوگی اور دنیوی عیش و بہار کا ایک وافر حصہ مل جاتے گا اے پروردگار میں نے ان سے یہ بھی کہا کیا ہوگیا تم کو تم امید نہیں رکھتے اللہ سے عظمت و بڑائی کی

ف ان نعمتوں کا خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا گیا کہ طبائع عامہ انکی طرف راغب ہوتی ہیں استغفار کی واقعی یہی خاصیت ہے کہ جو بھی سچے دل سے عجز و نیاز کے ساتھ اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہے اسکے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے بلائیں اور قحط سالی دور ہوتی ہے اور زمین کی پیداوار میں برکت ہوتی ہے ۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے کہا کثرت سے استغفار کرو کسی اور نے آکر اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا تو فرمایا استغفار کرو ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں جواب دیا استغفار کرو کوئی آیا اور اس نے کہا کہ میرا کھیت خشک ہورہا ہے اور پیداوار نہیں تو فرمایا استغفار کرو پھر ایک اور آیا اور اس نے عرض کیا اے امام میرے کنوئیں کا پانی سوکھ چکا ہے اس میں پانی نہیں تو فرمایا استغفار کرو بعض حاضرین کو بڑا ہی تعجب ہوا کہ اس مجلس میں مختلف لوگ مختلف حاجتوں کے واسطے آتے اور حسن بصری رح نے سب کو ایک ہی جواب دیا ایک ہی علاج بتایا تو سوال کیا گیا جواب میں فرمایا میں نے ان سب کو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بتائی میں نے انکو وہی بتایا ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا استغفار صرف زبان سے لفظ استغفر اللہ کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے گناہوں پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنے کا نام ہے اس عہد اور دل کے پختہ ارادہ کے ساتھ کہ میں پھر یہ گناہ نہیں کروں گا

ہر صبح و شام استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

حالانکہ اسی نے تمکو پیدا کیا ہے مختلف احوال کے ساتھ کہ اصل مادہ سے طرح طرح کے اتار چڑھاؤ طے کرتے رہے طرح طرح کے رنگ بدلے پھر ولادت تک مختلف اطوار بدلتے ہوتے دنیا میں آنا ہوا پھر اسی طرح پیدائش سے لیکر موت تک پلٹیاں کھاتے رہو گے کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو پیدا کیا جو تہہ بر تہہ ہیں کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا ہے اور بنایا ہے ان آسمانوں میں چاند کو اجالا اور سورج کو بنایا ایک دہکتا ہوا چراغ علہ کہ اسکی روشنی پھیل کر تمام روئے زمین کو روشن کر دیتی ہے اور اسکی شعاعوں کی تمازت گرمی فراہم کرتی ہے اور اللہ ہی نے اگایا ہے تم کو زمین سے بڑی حکمت کے ساتھ اگانا کہ اول انسانوں کے باپ حضرت آدم کو جو سب بنی آدم کی اصل ہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نسل بعد نسل انسان بتوسط نطفہ کے پیدا ہوتے رہے جو غذا کا خلاصہ ہے اور ہر غذا اللہ تعالٰے نے مٹی سے ہی پیدا کی تو اس طرح نسل انسانی مٹی ہی سے اگائی جا رہی ہے وہی خدا پھر تمکو اسی میں لوٹا دے گا کہ مرنے کے بعد انسان کو قبر میں دفن ہونا ہے اور اس کا تمام جسم مٹی میں مل کر خاک ہو جانا ہے پھر اس مٹی میں مل جانے کے بعد باہر نکال لے گا بڑی ہی سہولت اور عجلت کے ساتھ نکال لینا اور تم سب قیامت کے روز میدان حشر میں جمع ہو گے جہاں تمہاری زندگی کے تمام افعال و احوال کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

اور بنا دیا اللہ نے تمہارے واسطے زمین کو فرش نہ زیادہ سخت کہ لیٹ بیٹھ نہ سکو اور نہ زیادہ نرم کہ اس میں دھنستے چلے جاؤ بلکہ نرم بھی بنایا اور مضبوط بھی تاکہ تم چلو اسکے کشادہ راستوں میں علہ اور اس طرح وسائل زندگی کی تکمیل آسان بنا دی کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے اور اس میں وہ کوئی رکاوٹ نہیں محسوس کر سکتا۔

علہ سورج کی روشنی چونکہ تیز اور گرم ہوتی ہے اس وجہ سے سورج کو سراج اور دہکتے ہوئے چراغ کے عنوان سے تعبیر کیا اور چاند کا نور ٹھنڈا اور دھیما ہوتا ہے اس بنا پر نُور فرمایا گیا یہی وہ چیز ہے جو دوسری آیت هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا میں شمس کے ساتھ ضیاء اور قمر کے ساتھ نور ذکر فرمایا گیا کیونکہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں چمک اور تیزی ہو اسکے برعکس نور اس روشنی کو کہتے ہیں جسمیں ٹھنڈک ہو ۱۲

علہ سُبُلًا فِجَاجًا۔ کشادہ راستوں کو کہا جاتا ہے حسی طور پر تو انسانوں کی نقل و حرکت کے لئے اللہ نے روئے زمین پر کشادہ راستے بنائے ہی ہیں ان کشادہ راستوں سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حلال و مباح اور خدا پرستی کے راستے بڑے ہی کشادہ ہیں جنکو ایک موقع پر سبل السلام کہا گیا ان پر انسان بڑی ہی سہولت اور آسانی سے چل سکتا ہے بالمقابل کفر و بدکاری کے راستے کہ وہ بہت تنگ اور پرخطر ہیں انسان کو چاہیئے کہ تنگ اور پرخطر راستوں کو چھوڑ کر کشادہ اور روشن راستوں پر چلے۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ

کہا نوح نے اے رب میرے! انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو

يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾

اسکے مال اور اولاد سے اور بڑھا ٹوٹا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا

اور بولے نہ چھوڑیو اپنے ٹھاکروں کو اور نہ چھوڑیو ود کو اور نہ سواع کو

وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا

اور نہ یغوث کو اور یعوق اور نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا

اور نہ تو بڑھا یتو بے انصافوں کو مگر بہکانا کچھ وہ اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے

فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾

پھر پیٹھائے (پہنچائے) گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی مددگار

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ

اور کہا نوح نے اے رب! نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر

دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا

بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے انکو بہکاویں تیرے بندوں کو اور جو جنیں

إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن

سو ڈھیٹھ حق نہ سمجھتا اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو

دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا

آوے میرے گھر میں ایمان دار اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو اور

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

گنہگاروں پر نہ بڑھا کچھ مگر برباد ہونا

شکوۂ نوح علیہ السلام ببارگاہِ خداوندی بر نافرمانی و سرکشئ قوم

قال اللہ تعالیٰ۔ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ ..... الیٰ .... اِلَّا تَبَارًا۔

(ربط) ابتداء سورت سے حضرت نوح علیہ السلام کے جذبۂ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا ذکر تھا کہ کیسے انہماک اور دل سوزی سے دن رات اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے رہے ہدایت وسعادت کا پیغام دیتے رہے کوئی حالت اور کوئی مجلس ایسی نہ چھوڑی جس میں ایسی لگن اور ولولہ سے قوم کو راہ حق کی طرف لانے کی کوشش نہ کرتے ہوں اب ان آیات میں اسکے بالمقابل انکی قوم کا کردار ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جس قدر نصیحت و ہمدردی بڑھتی گئی۔ اسی قدر قوم کی شقاوت وگستاخی بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ اس پر حضرت نوحؑ آزردہ و مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں اپنی قوم کی بدنصیبی وسرکشی کا شکوہ فرمانے لگے ارشاد فرمایا۔

کہا نوح نے اے میرے رب ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کسی طرح بھی میری بات سننے کو تیار نہ ہوئے اور پیروی کی ہے انکی جس نے انکے مال اور اولاد میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا بجز خسارہ اور نقصان کے وہ اپنے رؤساء اور سرداروں ہی کی بات مانتے رہے جس کے نتیجہ میں خدا کی عنایات اور رحمتوں سے محروم ہو کر مال واولاد کے خسارہ ہی میں مبتلا ہوتے اور مکر کیا بہت ہی زبردست قسم کا مکر کرنا اور اپنی انتہائی خطرناک سازشوں کے ساتھ نوحؑ کے مقابلہ اور انکی ایذاءرسانی پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے اے لوگو! ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز کبھی بھی نہ چھوڑنا وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث و یعوق اور نسر کو! الغرض اس طرح سرکشی پر آمادہ رہے گمراہ کیا بہت سوں کو ممکن تھا کہ اگر ان لوگوں کی یہ سازش کارفرما نہ ہوتی تو قوم کے بہت سے لوگ ایمان لے آتے تو اے پروردگار بس اب تیری ہی بارگاہ میں شکوہ ہے اور دعا ہے اے پروردگار تو ایسے ظالموں کے واسطے اضافہ نہ فرمانا بجز گمراہی کے اور کسی چیز کا تاکہ انکی گمراہی کے اضافہ سے عذاب خداوندی میں اضافہ ہو اور ان پر خداوند عالم کا قہر و عذاب بڑا ہی شدید ہو۔

غرض حضرت نوحؑ اپنی قوم کو دعوت ایمان دیتے رہے اور قوم کا سوائے نافرمانی اور سرکشی کے کوئی بھی ردّ عمل نہ ہوا حالت کی تبدیلی یا اصلاح تو درکنار اور زائد ہی سرکشی بڑھتی رہی اور اس پر سینکڑوں برس گذر گئے اور وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ. کہ سوائے چند لوگوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا اس پر بارگاہ رب العزت سے قوم پر عذاب کا فیصلہ جاری ہو گیا کہ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ کر اے

نوح اب یہ لوگ سب کے سب غرق کر دیئے جائیں گے۔

آسمان سے پانی کے دروازے کھل گئے اور زمین شق ہو کر پانی اُبلنے لگا اور آسمان و زمین کا پانی ایک دوسرے میں مل گیا فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ۔ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔

بہرکیف انکے گناہوں ہی کی وجہ سے انکو غرق کر دیا گیا دنیا کے اس عذاب نے تباہ و برباد کیا پھر آخرت کا یہ عذاب شروع ہوا داخل کر دیئے گئے جہنم کی آگ میں بس اللہ کے سوا انھوں نے اپنے واسطے کوئی مددگار و ہمدرد نہ پاتے اور عذاب خداوندی کے فیصلہ پر نوح نے کہدیا کفر اور کافروں کے ساتھ شدت عداوت اور نفرت کے جذبہ میں اے پروردگار زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑ اس لیے کہ اگر تو نے انکو چھوڑا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور یہ نہیں جنیں گے مگر صرف نافرمان اور کافر ہی کیونکہ کفر و خباثت انکی فطرت میں داخل ہو چکی ہے لہٰذا انکی نسل اور اولاد بھی انہی کی طرح خبیث و نافرمان ہوگی اور اولاد کے علاوہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے اسی لیئے بس دل یہی چاہتا ہے کہ تو زمین کو ایسے ناپاک لوگوں سے پاک فرمادے عہ۔

عہ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا۔ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ یعنی بھٹکتے ہی رہیں کوئی تدبیر سیدھی بن نہ پڑے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ استدراج کے طور پر اے اللہ انکو اپنی مغفرت سے آشنا نہ کر عام مفسرین نے ان آیات کے ظاہری معنی مراد لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے تاکہ جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں ظاہر ہے کہ یہ دعا انکی ہدایت سے قطعی طور پر مایوس ہونے کے باعث کی خواہ یہ مایوسی تقریباً ایک ہزار سال کے تجربہ سے ہوئی یا اللہ کی وحی اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ،، سے ہو ایسی حالت میں تنگدل و مایوس ہو کر ایسی دعا کرنا کوئی مستبعد بات نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جاتے اور نبی انکی استعداد پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلقاً گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی مسموم اور فاسد کر ڈالے گا تو اس وقت انکے کاٹ ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے انکو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر انکے اثر بد کو متعدی ہونے سے روک دیا جائے ورنہ پھر آخری صورت یہی ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ انکے وجود سے دنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے بس یہی وہ چیز ہے جس کو دعائے نوح علیہ السلام بتا رہی ہے اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا سورۂ یونس

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوئی عذاب خداوندی نافرمان قوم کی طرف متوجہ ہوا قہر الٰہی اور اسکے غضب کے شعلے بلند ہوتے تو عظمت وجلالِ خداوندی کا اثر نوحؑ کے قلب پر غالب آیا اور اسکی شانِ کبریائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے اور اپنے والدین اور متبعین کے لئے خدا کی مغفرت اور مہربانی طلب کرنے لگے اور فرمایا اے پروردگار بخش دیجئے مجھے اگر مجھ سے کوئی بھی غلطی بشری تقصیر کے باعث سرزد ہوئی ہو اور میرے ماں باپ کو بھی اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہوا ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں میں سے اور اے اللہ ان ظالموں کے واسطے ہلاکت کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ فرما وہ اسی قابل ہیں کہ انکو پوری طرح ہلاک و برباد کر ڈالا جاتے چنانچہ طوفان نوح آیا اور اس وقت انسانی آبادی بس وہی تھی تو کل عالم اس میں غرق کر دیا گیا بجز ان چند اہل ایمان کے جو بامر خداوندی سفینۂ نوح میں سوار ہو گئے جس کی تفصیل گذر چکی۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ یہ طوفان تمام دنیا پر اس وجہ سے آیا کہ اس وقت دنیا میں حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا اور کوئی نسل نہیں بستی تھی اس طوفان میں بچنے والے افراد سے ہی آئندہ دنیا میں نسلِ انسانی کا سلسلہ چلا۔

(تفصیل کے لیئے سورۃ ہود میں اس مضمون کی مراجعت فرمائی جائے)

دنیا میں شرک کا آغاز کیونکر ہوا

قرآن کریم کی آیت كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ نے اس امر کی تصریح کر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ایک طویل عرصہ تک دنیا کے انسان صرف ایک ہی اُمت اور ایک ہی ملت رہے پھر کفر و ایمان اور ہدایت و گمراہی کا اختلاف پیدا ہوا تو انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے جو مبشرین و منذرین ہوتے تھے اہل ایمان کو نجات و جنت کی بشارت سناتے اور اہل کفر کو جہنم اور عذاب خداوندی سے ڈراتے۔

مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دس قرن حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک گزرے یہ تمام قرن ایمان و توحید پر قائم تھے سب سے پہلے وہ رسول جو کفر کے مقابلہ کے لئے مبعوث فرمائے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و بعثت اور وحی کو حضرت نوحؑ کی بعثت اور وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی مثلاً فرمایا گیا شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي

میں حضرت موسیٰؑ کی دعا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ، اسی جذبہ پر مبنی ہے ۔ ۱۲

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى الخ اور ارشاد ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔

علامہ ابو الشکور سلمیؒ نے اپنی کتاب التمہید میں بیان کیا کہ شرک اور کفر کی ابتدا حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ہوئی اس سے قبل کل دنیا دین واحد اور توحید پر قائم تھی جزوی طور پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب تو آدمؑ کے بیٹے قابیل نے ہی کیا تھا کہ ہابیل کو قتل کیا لیکن یہ نوعیت کفر و شرک کی نہ تھی بلکہ ارتکابِ معصیت اور نافرمانی کی تھی شرک کا آغاز حضرت ادریسؑ یا اخنوخ کے بعد سے حضرت نوحؑ تک کے زمانہ میں ہوا حضرت نوحؑ اس وقت مبعوث ہوتے جب کہ دنیا شرک میں مبتلا ہو چکی تھی اسی کے باعث حضرت نوحؑ کو پہلا رسول کہا گیا کہ شرک کے مقابلہ کے لیے دنیا میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ادریس اس وجہ سے ہوا کہ وہ کثرت سے کتب سماویہ کا درس دیتے تھے تو درس و تدریس کی کثرت اور شغف کی وجہ سے انکا نام بالقب ادریس ہو گیا بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادریس علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھاتے گئے اخنوخ یا ادریس علیہ السلام سے علوم حاصل کرنے والے انکے خاص تلامذہ میں پانچ تھے جنکے نام وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے جب ادریس علیہ السلام دنیا سے گذر گئے یا انکو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو یہ ان کے تلامذہ اور خدام میں سے باقی پانچ رہ گئے جو اخنوخ علیہ السلام کے فراق پر انتہائی غمگین اور رنجیدہ ہوتے یہ اللہ کی عبادت کرتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے دین اور ایمان و توحید کی تعلیم دیتے رہے اب کچھ عرصہ گذرنے پر یہ لوگ بھی دنیا سے گذر گئے تو ان سے علم اور دین حاصل کرنے والے لوگ متحیر اور پریشان ہوتے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کریں اور اس امر پر انکو انتہائی بے چینی طاری ہوتی کہ اب علم اور دین کس سے حاصل کریں اسی عرصہ میں ایک گروہ کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور اس نے لوگوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم ان پانچوں حضرات کے جو ہمارے راہنما اور ہادی تھے مجسمے بنالیں تاکہ انکو دیکھ دیکھ کر انکی یاد تازہ ہوتی رہے اور ہم ان کی تعلیمات کو یاد کرتے رہیں اور اب تو ان حضرات کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بس اسی پر قناعت کی جا سکتی ہے اور اسی طرح ان حضرات کے مجسموں کو دیکھ کر ہم انکی یاد تازہ کرتے رہیں اور عبادت میں مشغول رہیں چنانچہ ان پانچوں کے مجسمے تیار کر لیئے گئے اور ہر مجسمہ یا بت کا نام ان ہی ناموں پر رکھ دیا گیا یہ لوگ تو صرف اسی حد تک رہتے ہوتے اپنے دین پر قائم رہے اور اللہ کی توحید و عبادت کرتے رہے حتی کہ ایمان و توحید ہی پر یہ لوگ دنیا سے گذر گئے اب انکی اولاد اور نئی نسل کے زمانہ میں ابلیس لعین آیا بعض روایات سے معلوم ہوا کہ اس نے ان مجسموں کے ذریعہ یہ آواز لگائی اَنَا رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمْ کہ میں تمہارا معبود اور رب ہوں اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہوں ہر ایک مجسمہ سے یہ آواز سنائی دی کہ تمہارے بزرگ میری عبادت کرتے تھے ان لڑکوں نے اتنی بات تو دیکھی ہی کہ یہ مجسمے بڑی

تعظیم وتکریم سے مخصوص جگہوں پر نصب کیئے ہوتے تھے اور اپنے بزرگوں کو دیکھا بھی تھا کہ وہ انکی تعظیم بھی کرتے تھے اس نئی نسل کو یہ فرق نہ معلوم ہوا کہ تعظیم کیا ہے اور عبادت کیا ہے اور ابلیس یہ بات انکے دماغوں میں رچانے میں کامیاب ہو گیا کہ واقعی تمہارے بزرگ انکی عبادت کرتے تھے یا وہ جو کچھ کرتے تھے وہ عبادت ہی تھی تو اس طرح یہ نسل ان مجسموں کو معبود سمجھ کر عبادت کرنے لگی اور پھر انکے مجسمے پیتل، سونے اور چاندی کے بنانے لگے اور یہ بات اس حد تک ترقی کرتی چلی گئی کہ شرک و بُت پرستی اور ان بتوں کی سارے عالم میں خوب کثرت ہو گئی اور لوگ پوری قوت اور شدت سے انکی عبادت پر جم گئے یہاں تک کہ اب حضرت نوحؑ اس شرک کا مقابلہ کرنے اور توحید کے اعلان ودعوت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تو جب حضرت نوحؑ نے قوم کو توحید وایمان کی دعوت دی اور بُت پرستی سے روکنا شروع کیا اور اسی جذبہ میں دن رات ایک کر ڈالا تو اس قوم نے جس کے رگ وریشہ میں شرک وبُت پرستی سرایت کیئے ہوتے تھی جواب دیا لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا۔ اس حالت پر حضرت نوح علیہ السلام اس قوم میں ساڑھے نوسو سال تک توحید وایمان کی دعوت دیتے رہے اور عذاب خداوندی سے ڈراتے رہے مگر وہ ایمان نہ لائے جب ہر طرح کی کوشش کر کے تھک گئے اور قوم سے مایوس ہو گئے ادھر وحی الٰہی نے یہ بتا دیا کہ اے نوح اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ تو مایوس وافسردہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں غیر اختیاری طور پر دُعا والتجاء جاری ہو گئی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا کہ اے پروردگار بس اب تو زمین پر کوئی کافر بسنے والا باقی نہ چھوڑ چنانچہ اللہ کی وحی آئی کہ اے نوحؑ کشتی تیار کرنا شروع کر دو اب خدا کا عذاب اس قوم کو غرق کرنے والا ہے تم اور تمہارے ساتھ جو ایمان لا چکے وہ اس کشتی میں سوار ہو جانا تو اللہ تعالےٰ تم کو اور تمہارے ساتھ اہل ایمان کو نجات دے دے گا عذاب خداوندی آیا اور اس کشتی میں اسّی نفر سوار تھے جن کو اللہ نے نجات دی چالیس مرد اور چالیس عورتیں پھر انکے انتقال کے بعد حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے صرف تین باقی رہ گئے سام، حام اور یافث اور انکی بیویاں تو پھر انسانی آبادی کا سلسلہ اللہ رب العزت نے ان ہی سے جاری فرمایا اس طرح طوفانِ نوح کے بعد کل انسان اولاد نوح میں سے سام حام اور یافث کی اولاد میں ہیں واللہ اعلم بالصواب

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ نوح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الجن

اس میں بھی دیگر سورتوں کی طرح اصول توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے اہم موضوع بیان جنّوں کا قرآن کریم سُن کر قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان لانا اور پھر اپنی قوم کی طرف ناصح اور ہادی بن کر جانا اور انکو ایمان کی دعوت دینا۔

چنانچہ سورت کی ابتداء ہی اس امر سے فرمائی گئی کہ جنّات کے گروہ نے قرآن کریم سنا اور قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کا اقرار کیا اسی ضمن میں یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں کو کسطرح محفوظ فرما رکھا ہے کہ کسی جن کی مجال نہیں ملکوتِ سمٰوٰت کی کوئی چیز سن سکے اور یہ کہ جن بھی انسانوں کی طرح مؤمن وکافر کی دو قسموں میں بٹے ہوتے ہیں پھر یہ بھی بیان ہے کہ ایمان وتوحید کا انجام نجات و کامیابی اور آخرت کی نعمتیں ہیں اور کفر و نافرمانی عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

سورت کے اخیر میں اللہ ربُّ العزت کی ذات وصفات میں وحدانیت کا بیان ہے اور یہ کہ جیسے اسکی ذات اور الوہیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اسکی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل جنات کا بعض آسمانی خبروں کو سن کر کاہنوں تک پہنچا دینا علم غیب نہیں غیب کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

سورۂ جن مکی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سُن گئے تھے کتنے لوگ جنّوں کے پھر کہا ہم نے

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَ

سنا ہے قرآن عجیب سوجھاتا نیک راہ پھر ہم اس پر یقین لائے اور

لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا

ہرگز نہ شریک بتاوینگے اپنے رب کا کسی ایک کو اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا

رکھی اس نے جورو نہ بیٹا اور یہ کہ ہمارا بے وقوف کہتا ہے اللہ

عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

پر بڑھا کر باتیں اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ نہ بولیں گے انس

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

اور جن اللہ پر جھوٹ اور یہ کہ تھے کتنے مرد

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶

آدمیوں کے پناہ پکڑتے کتنے مردوں کی جنوں میں پھر انکو بڑھا اور سر چڑھنا

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷

اور یہ کہ انکو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ اٹھاوے گا اللہ کسی کو

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

اور یہ کہ ہم نے ٹٹول ڈالا آسمان کو پھر پایا اُسکو بھر رہے ہیں اس میں چوکیدار سخت

وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ

اور انگارے اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے آسمان کے ٹھکانوں میں سننے کو پھر جو

يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ

کوئی اب سنے پاوے، پاوے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں اور یہ کہ ہم نہیں جانتے

أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

کہ کچھ بُرا ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا

وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ كُنَّا طَرَائِقَ

اور یہ کہ کوئی ہم میں نیک ہیں اور کوئی اس کے سوا ہم تھے کئی راہ پر

قِدَدًا ﴿١١﴾ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن

پھٹ رہے اور یہ کہ ہمارے خیال میں آیا کہ ہم پھیر (بڑھ) نہ جاویں گے اللہ سے زمین میں اور نہ

نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ﴿١٢﴾ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن

تھکا دیں گے اسکو بھاگ کر اور یہ کہ جب ہم نے سنی راہ کی بات ہم نے اسکو مانا پھر جو کوئی

يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾ وَأَنَّا مِنَّا

یقین لاوے اپنے رب پر سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے اور یہ کہ کوئی ہم میں

الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا

حکم بردار ہیں اور کوئی بے انصاف سو جو حکم میں آئے سو انہوں نے اٹکلی

رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَأَن

نیک راہ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن اور یہ

لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

حکم آیا کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے انکو پانی بھر کر

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

تاکہ اُن کو جانچیں اس میں اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ پیٹھا دیوے

صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾

اسکو چڑھتے عذاب میں اور یہ کہ سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ

اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ اسکو پکارتا لوگ ہونے لگتے ہیں اس پر

لِبَدًا ؕ ﴿۱۹﴾ ع

ٹھٹھ۔

تاثیر حقانیت قرآن بر قوم جن و قبول ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ... اِلٰی ... یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ؕ

(ربط) گذشتہ سورۂ نوح میں یہ بیان تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس قدر طویل مدت تک اپنی قوم کو ایمان و توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن بدنصیب قوم بجائے اسکے کہ ہدایت قبول کرتی اور شقاوت و بدبختی میں اضافہ ہی ہوتا رہا اب اس سورت میں قوم جن کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کس طرح ان میں سے ایک گروہ قرآن سن کر اسکی حقانیت کا گرویدہ ہوگیا کلام الٰہی کی معرفت نصیب ہوتی اور حق پہچان کر اس پر کھلے دل سے تیار ہوگئے صرف یہی نہیں کہ خود انہوں نے حق قبول کیا بلکہ وہ تو داعی حق بن کر دوسروں کو بھی ایمان و توحید کی دعوت دینے لگے۔

اس سورت کے شانِ نزول کے بارہ میں امام بخاری و مسلم امام احمد ترمذی رحمہم اللہ اور دیگر محدثین نے احادیث تخریج فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک عرصہ دراز تک اہل مکہ کو ایمان کی دعوت دیتے رہے پھر آپ طائف بھی تشریف لے گئے لیکن وہاں کے سردار عبد یالیل مسعود و حبیب نے جو بدسلوکی اور بے تمیزی کا برتاؤ کیا اس کا آپ کے قلب مبارک پر کافی اثر تھا آپ واپسی پر جب مقام نخلہ پر ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھا رہے تھے تو شہر نصیبین کے نو عدد جن وہاں سے گذرے جو اس تلاش میں نکلے ہوتے تھے کہ اب آسمان کی خبریں کیوں بند ہوگئیں پہلے جن آسمانوں تک پہنچ کر وہاں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنا لیتے تھے اور آسمانوں میں جو کوئی باتیں فرشتوں کے درمیان ہوتیں انکو سن کر زمین کی طرف آتے اور کاہنوں کو بتایا کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ قدرت خداوندی سے بند کر دیا گیا اور آسمانوں کو اس طرح کے استراق سمع سے محفوظ کر دیا گیا تھا تاکہ وحی الٰہی پوری حفاظت کے ساتھ اللہ کے پیغمبر تک پہنچے اب جو جن آسمان کا رخ کرتا شہاب ثاقب اسکو جلا کر خاک کر دیتا اس کے بعد کوئی امکان نہ رہا کہ کوئی جن یا شیطان آسمان کی کوئی بات اُچک سکے تو اس پر جنوں میں ایک بے چینی پھیل گئی تھی اور یہ طے پایا

تھا کہ روئے زمین کا کونہ کونہ چھان ڈالو اور تلاش کرو کہ کیا نئی چیز ایسی پیش آئی ہے کہ اب ہم آسمان کی کوئی بات نہیں سُن سکتے تو ایک جماعت شہر نصیبین کے جنوں کی بھی جو اس تلاش میں نکلی ہوئی تھی اس کا گذر اس مقام سے ہوا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے جیسے ہی ان کے کان میں قرآن کریم کی آواز پڑی اس پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے اور پھر اپنی قوم کو جا کر سب ماجرا سُنایا اور بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن اسلوب قوت تاثیر شیریں بیانی طرز موعظت و حکمت میں اور علوم و معارف کی بلندی میں عجیب و غریب اور بے مثال ہے معرفت ربانی اور رشد و فلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کو سعادت و تقویٰ کی اعلیٰ منزل تک پہنچاتا ہے اس وجہ سے ہم تو سنتے ہی بلا توقف و تردد اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم کو یقین کامل حاصل ہوگیا ہے کہ ایسا کلام اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا ہم اسکی تعلیم و ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں اپنا عقیدہ اور عمل قطعاً اسکی ہدایت کے مطابق بنائیں گے اور اپنے رب کے ساتھ جو وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے تنہا کائنات کا خالق و مالک ہے کسی کو اسکی عبادت والوہیت میں شریک نہیں کریں گے تو ان جنوں کا یہ تمام بیان اور مضمون اللہ نے وحی کے ذریعہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ نے اس سورت کی تفسیر میں مفصل اور مبسوط بحث فرمائی اور عربی میں اس موضوع پر جامع ترکتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" تالیف فرمائی گئی ہے غرض اس طرح اس واقعہ[1] اور جنوں کے کلام الٰہی پر گرویدہ و فریفتہ ہونے کی تفصیل اس طرح فرمائی جا رہی ہے ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ کان لگا کر سن گئے ہیں جنوں میں سے کچھ جب کہ آپ قرآن کریم کی نماز میں تلاوت کر رہے تھے اور وہ جماعت گشت کرتی ہوئی ادھر سے گذر رہی تھی جس پر انہوں نے قرآنی فصاحت و بلاغت پر فریفتہ ہوتے ہوتے کہا ہے بے شک ہم نے تو ایک عجیب قرآن سنا جو راہنمائی کرتا ہے نیکی کے راستہ کی طرف جو ہدایت و تقویٰ اور سعادت و فلاح کی منزل تک پہنچا دینے والا کلام ہے اور وہ یقیناً صرف اللہ ہی کا کلام ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اس کلام الٰہی نے جس طرح توحید خداوندی حقائق و دلائل کی روشنی میں بتاتے ہیں ہم انکو سُن کر خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ بے شک ہمارے پروردگار کی شان تو بہت ہی اونچی ہے ظاہر ہے کہ اس نے نہ تو اپنی کوئی بیوی بنائی اور نہ ہی کسی کو بیٹا بنایا اس لیے یہ خیالات نہایت ہی مہمل اور خلاف عقل ہیں خدا کا کوئی بیٹا ہے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں

[1] سورۂ احقاف میں یہ مضمون گذر چکا ہے مراجعت فرمالی جائے ۱۲۔

اور جب کسی کا بیٹا تجویز کیا جاتے تو ظاہر ہے اسکے واسطے بیوی بھی مانی جائے گی اور یہ بات قطعاً عقل اور فہم کے خلاف ہے اور محال ہے اور یہ تو ہم میں سے کوئی بے وقوف ہی تھا جو اللہ پر اس طرح کی زیادتی کی باتیں کرتا تھا اور نازیبا چیزیں منسوب کیں اور ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف لغو باتیں منسوب کرنے سے زیادہ اور کیا بے وقوفی ہوسکتی ہے اور ان میں سب سے بڑا بے وقوف ابلیس ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ جنوں نے اپنے اس قول "کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا" سے ابلیس ہی مراد لیا ہو اور یہ بھی نہایت ہی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ تھے انسانوں میں سے ایسے کہ جو قوم جن کے کچھ لوگوں کی پناہ حاصل کرتے تھے جب بھی انکا کسی جنگل و بیابان میں گذر ہوتا وہاں کے جنوں کے سردار کی پناہ طلب کرتے اور کہتے کہ اس وادی کے جنوں کے سردار ہم ہر موذی اور شر ہر چیز کے شر اور ایذاء سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کھلا شرک تھا کیونکہ ہر شر اور ایذاء سے تو پناہ اللہ ہی کی حاصل کی جاسکتی ہے[*] تو اس طرح ایسے انسانوں نے ان جنوں کو اور زیادہ سرکش بنا دیا اور یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی اور بے وقوفی کی کہ انہوں نے

** تفسیر مظہری میں ہواتف الجن کے حوالہ سے باسناد سعید بن جبیرؒ بیان کیا ہے حضرت رافع بن عمیرؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک رات میں کسی ریگستان میں سفر کر رہا تھا نیند کا غلبہ ہوا تو اپنی اونٹنی سے اترا اور اپنی قوم کی عادت کے مطابق سوتے وقت یہ الفاظ کہہ لیے اَللّٰھُمَّ اِنّی اعوذ بعظیم ھذا الوادی من الجن اے اللہ میں اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ لیتا ہوں بیان کرتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ہتھیار لیے میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے گھبرا کر اٹھا دائیں بائیں دیکھنے پر کچھ بھی نظر نہ آیا سوچا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے سوگیا تو پھر اسی طرح دیکھ رہا ہوں اٹھ کر دیکھتا ہوں تو کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے پھر سوگیا تو اسی طرح پھر دیکھتا ہوں اور اونٹنی کو اب دیکھا کہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا کہ وہی نوجوان جس کو خواب میں دیکھا تھا ہاتھ میں نیزہ لیئے ناقہ پر حملہ کر رہا ہے اور ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ پکڑے مجھے روک رہا ہے اسی حالت میں تین گورخر سامنے سے آتے اور بوڑھے شخص نے کہا انہیں سے کوئی ایک لے لے اور اس شخص کی ناقہ چھوڑ دے چنانچہ وہ نوجوان ایک گورخر لے کر روانہ ہوگیا پھر بوڑھے شخص نے میری طرف دیکھا اور مجھ کو اس بات سے منع کیا کہ میں کسی جنگل میں ٹھہروں تو یوں کہوں کہ اس وادی کے جنات کے سردار کی پناہ حاصل کروں بلکہ تجھے چاہیئے کہ یہ کہا کرے اعوذ باللہ رب محمد من ھول ھذا الوادی۔ بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں اس نے بتایا یہ نبی عربی ہیں پیر کے روز مبعوث ہوتے پوچھا کہ کہاں رہتے ہیں جواب دیا یثرب میں جو کھجوروں کی بستی ہے صبح ہوتے ہی میں مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا اس سے قبل کہ میں آپؐ سے کچھ کہتا آپ نے خود ہی مجھ سے یہ قصہ دریافت فرمایا اور اسکے*

ایسا ہی ایک گمان کیا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ ہرگز دوبارہ کسی کو نہیں اٹھاتے گا اور نہ کوئی قیامت ہوگی اور نہ ہی حشر و نشر ہوگا یا یہ کہ اللہ کسی کو مبعوث اور رسول بنا کر نہیں اٹھاتے گا بس جو رسول پہلے آچکے وہ آگئے لیکن اے لوگو! تم سن لو یہ سب کچھ غلط ہے اب اللہ نے ایک عظیم رسول بھیج دیا ہے اور اس رسول نے یہ بتا دیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے اور ہم نے تو آسمان کو ہر طرف سے ٹٹول کر دیکھ لیا ہے تو ہم نے آسمان کو پایا ہے کہ وہ بھر دیا گیا ہے بڑے سخت پہرو ں اور برسنے والے انگاروں سے کہ جو بھی جن اب آسمان کا رخ کرتا ہے ایک شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اسکو جلا کر خاک کر ڈالتا ہے اس صورت حال کے باعث کسی شیطان یا جن کو اب قدرت نہیں کہ غیب کی خبریں اور آسمان کی باتیں سن سکے یا معلوم کرلے اور بے شک ہم تو پہلے جایا کرتے تھے آسمان کے ٹھکانوں پر باتوں کے سننے اور کان لگانے کے لیے اور اس طرح کچھ نہ کچھ باتیں سن لیتے تھے لیکن اب تو جو بھی کان لگانا چاہے تو پاتا ہے ایک انگارہ جو اسکی تاک میں لگا رہتا ہے اور جوں ہی وہ آسمان کا رخ کرتا ہے یا اس طرف کان لگاتا ہے تو وہ شہاب ثاقب اس پر لپک کر ٹوٹتا ہے اور جلا کر خاک کر ڈالتا ہے یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں معلوم نہیں کہ کس لئے کی گئی ہیں اور انکا انجام ہمارے حق میں کیا ہونے والا ہے

* بارہ میں بتایا مجھے اسلام کی دعوت دی اور الحمد للہ میں مشرف باسلام ہوگیا اسی قسم کی بات عمر بن الخطابؓ کو بھی پیش آئی جس پر وہ مشرف باسلام ہوتے صحیح بخاری میں ہے عمر بن الخطابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر بت پر ایک گائے ذبح کی تو اس بت کے پیٹ میں سے آواز سنائی دی جو بہت سے لوگوں نے سنی یا جلیحُ امر نجیح رجل بصیح یقولُ لا الٰہ الا اللہ یعنی اے مرد قوی ایک بات بڑی ہی کامیابی کی ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک شخص باآواز بلند کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے میں اسی جگہ بیٹھا رہا کہ معلوم کروں یہ آواز کیا ہے دوبارہ پھر یہی آواز بلند ہوئی پھر میں نے توقف کیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی یہ آواز بلند ہوتی میں انتہائی حیران ہوا اسی حال میں تھا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوتے ہیں جو لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہیں

اسی طرح بیہقیؒ نے سواد بن اقاربؓ سے نقل کیا ہے بیان کیا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا دوست تھا مجھے آکر کچھ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا میں لوگوں کو بتاتا اور اسکے ذریعے خوب حلوامانڈا حاصل کرتا ایک رات اس نے میرے خواب میں آکر کہا اٹھ اور ہوشیار ہوجا اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہوگئے ہیں اور پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ اب جنوں میں بڑا ہی اضطراب برپا ہوچکا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے اڈوں سے واپس ہونے کے لیے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے شروع کردیتے ہیں۔

اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر بسنے والوں کے لیے کیا کوئی بُرا ارادہ کیا گیا ہے یا یہ کہ انکے رب نے انکے بارہ میں رشد و ہدایت اور سیدھے راستہ پر لانے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اسکے علاوہ ہیں اور اس سے کم درجہ کے ہیں ہم تھے متفرق طریقوں پر بٹے ہوئے اگرچہ یہ بات نزول قرآن سے قبل تھی لیکن اب بھی اس بات کی توقع نہیں ہے کہ سب ایک ہی راستہ حق و ہدایت کا قبول کر کے اسی کو اختیار کر لیں اب بھی خیال یہی ہے کہ لا محالہ اختلاف رہے گا اور بہت سے وہ ہوں گے جو اللہ کی ہدایت اور حق کا راستہ نہیں اختیار کریں گے خُدا پر ایمان لانے کے بجائے اس کی نافرمانی کریں گے

اور اس صورت حال میں کہ خُدا کا راستہ اور حق ظاہر ہو گیا ہے اس پروردگار کی قدرت و خالقیت ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ ہم اللہ کو اسکی زمین میں رہتے ہوئے عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اسکو مغلوب کر سکتے ہیں اس سے بھاگ کر کیونکہ نہ تو ہم اسکی سلطنت سے نکل سکتے ہیں اور نہ اسکے علم اور قدرت سے باہر نکل سکتے ہیں تو جب کوئی مجرم اپنے آقا سے نہ چھپ سکتا ہے نہ اسکی حدود سلطنت اور قدرت سے باہر ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے رب اور آقا کو نہ مغلوب کر سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت سے نکل اور بچ سکتا ہے نہ زمین میں چھپ سکتے ہیں اور نہ ہوا میں اڑ کر راہِ فرار اختیار کر سکتے ہیں اور جب کہ ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ایک لمحہ بھی ہم نے دیر نہیں کی اور بلاشبہ یہ بات ہماری سعادت اور فخر کی ہے بس ہم تو سمجھ چکے ہیں کہ جو بھی شخص اپنے رب پر ایمان لاتے گا اسکو کوئی ڈر نہ ہوگا نقصان کا اپنے رب کی طرف سے اور نہ کسی قسم کی زیادتی کا بلکہ پورے اطمینان و سکون سے اپنی زندگی گذارے گا نہ اسکو آخرت کے نقصان کا کوئی ڈر ہوگا اور نہ اس بات کا کہ اسکو وہاں کوئی تکلیف ہوگی یا اس پر کسی طرح کی ظلم و زیادتی ہو سکے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ ہم میں سے ظالم و جابر اور نا فرمان ہیں تو جو بھی اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہوں بس وہی ایسے ہیں کہ جنہوں نے نیکی کا راستہ سوچ سمجھ کر طے کر لیا ہے تو بے شک ایسے لوگ کامیاب ہیں لیکن جو لوگ ظالم اور ناانصاف ہیں پس وہ تو جہنم کا ایندھن ہو چکے کیونکہ احکامِ خداوندی ٹھکرا دینا اسکی فرماں برداری سے انحراف کرنا ظلم و سرکشی کا راستہ اختیار کر لینے کا یہی انجام ہو سکتا ہے اور ہمارے پیغمبر[له] یہ بھی کہہ دیجئے کہ میری

[له] ان الفاظ کے اضافہ سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس سے قبل تک تو جنات میں ان اہل ایمان کا قول اور انکے پاکیزہ خیالات اور توحید خداوندی کے رنگ میں رچے ہوئے افکار کا ذکر تھا جو بذریعہ وحی ان جنوں کے نقل کیے گئے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر اسکی حقانیت کے گرویدہ اور اس پر فریفتہ ہوئے اب اسکے بعد اللہ کا فرمان ہے اور قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ کے ماتحت اسی پر عطف ہے یعنی ایک تو آپ یہ بات اہل مکہ کو بتا دیجئے کہ مجھ *

طرف اللہ کی یہ وحی بھی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم انکو پانی بھر بھر کر خوب پلاتے اور ایمان و اطاعت کی بدولت انکو ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور یہ بھی اس لیے ہوتا کہ ہم انکو آزمائیں کہ وہ اللہ کے اس انعام کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا مال و دولت کی فراوانی سے سرکشی اور طغیانی پر قائم رہتے ہیں۔

چنانچہ اہل مکہ اس زمانہ میں اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا تھے اور طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب کا شکار رہتے ہوتے تھے کاش اگر یہ لوگ جنوں کی طرح قرآن کو سن کر اس پر ایمان لے آتے تو یقیناً ان پر رزق اور برکت کے دروازے کھول دیتے جاتے۔

اور اس حقیقت سے کسی کو بھی غافل نہ ہونا چاہیئے کہ جو بھی اپنے رب کی یاد سے بے رخی اختیار کرے گا ہم اسکو ڈال دیں گے دشوار گذار چڑھتے ہوتے عذاب میں ایسے شخص کو ہرگز کبھی سکون و چین نصیب نہ ہو سکے گا بلکہ وہ عذاب و پریشانی جس میں وہ مبتلا ہوا اور زائد بڑھتی اور چڑھتی ہی چلی جاتے گی اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیئے ہیں [عـلہ] یہ عبادتِ خداوندی کی جگہیں صرف اللہ کی عبادت و بندگی کے واسطے بنائی جاتی ہیں ان سے بس اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیئے اور اس عبادت کو ہر قسم کے شرک اور شرک کے شائبہ سے بچانا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح خدا کو پکارنے کے ساتھ غیر اللہ اور بتوں کو بھی پکارا جلتے لہٰذا اے لوگو! خدا کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارو! بس یہی کہو یا اللہ یا رحمٰن نہ کہ مشرکین مکہ کی طرح کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی پکاریں اور یہ دعویٰ کریں مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اللہ کو پکارتے ہوتے تو قریب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس پر ہجوم کر آئیں اور اژدحام کر لیں ہر طرف سے غول کے غول آکر جمع ہو جائیں چنانچہ جب بھی آپؐ قرآن کریم کی تلاوت کرتے مومنین تو شوق و رغبت میں آپ کا ہجوم کر لیتے اور کفار و مشرکین تمسخر و مذاق کے لیے یا یہ کہ جب آپؐ جنوں کے واسطے تلاوت فرمائیں جن غول کے غول آپ کے قریب آکر جمع ہو جاتے ہیں۔

٭ یہ اس واقعہ اور جنوں کے اس قصہ کی وحی کی گئی ہے اور دوسری بات کی مجھے وحی یہ کی گئی کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر چلتے، ایمان و ہدایت اختیار کر لیتے تو ان پر ہر طرح کی فراخی اور سیرابی واقع کر دیتے۔ ۱۲۔

عـلہ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے مساجد سے وہ اعضاء مراد لیئے ہیں جو سجدہ میں زمین پر ٹیکے جاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعضاء خدا کے بناتے ہوتے ہیں اور اسی کے عطا کردہ ہیں یہ بات قابل برداشت نہیں کہ انکو خالق کے سوا کسی اور کے سامنے جھکایا جائے ۱۲

وجود جن کے بارہ میں فلاسفہ کا خیال

اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کا انکار کرتے رہے ان کا قول یہ ہے کہ کائنات و موجودات کا دائرہ محسوسات تک ہی محدود ہے جو چیزیں انسانی ادراکات سے خارج ہیں وہ انکے وجود کا انکار کرتے ہیں اور انکا یہ دعویٰ ہے کہ وہ چیزیں محض وہمی تخیلات ہیں۔

موجودہ زمانہ کا یورپ بھی اسی فلسفہ کا قائل ہے اور یورپ کے اس فلسفہ سے بہت سے مسلمان بھی متاثر ہو کر ایسی آیات و روایات کی تاویل یا انکار کرنے لگتے ہیں جو دائرۂ محسوسات سے ماوراء اور بالا ہیں۔

طبیعین کا ایک گروہ جو خدا کا بھی قائل نہیں وہ تمام کائنات اور اس میں واقع ہونے والے جملہ احوال کو کواکب و سیارات کی تاثیر و حرکت کا نتیجہ قرار دیتا ہے آریہ سماج اسی قسم کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن قدیم فلاسفہ و حکماء اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ غیر محسوسات کا بھی وجود ہے اور عالم کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو حواس کے ذریعہ محسوس و معلوم نہیں ہوتیں اسی بناء پر قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ وجود جن کا قائل تھا اسی طرح مذاہب سماویہ سے تعلق رکھنے والے تمام حکماء بھی روحانیت کے قائل رہے ارواح سفلیہ اور ارواح کی تقسیم انکی کتابوں اور اقوال سے مفہوم ہوتی ہے عیسائی یہودی بھی جنات کے وجود کے قائل رہے ہر ایک کی زبان میں اس مخلوق جن کا کوئی نہ کوئی نام اور عنوان ملتا ہے موجودہ انجیلوں میں اس قسم کے مضامین ملتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ جنوں کو مریض سے نکالا کرتے تھے

جو حکماء اور فلاسفہ جن کے وجود کے قائل ہیں انکے دو نظریئے ہیں ایک نظریہ کا حاصل تو یہ ہے کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں اور نہ اجسام میں حلول کیئے ہوتے ہیں بلکہ جواہر ہیں اور موجود بالذات ہیں پھر ان کے مختلف انواع و اقسام ہیں بعض نیک شریف اور پسندیدہ اخلاق سے متصف ہیں اور بعض جن ان اوصاف سے محروم اسکے برعکس رذیل اور دنی الطبع بد اخلاق ہیں جیسے انسانوں میں نیک و بد اور شریف و رذیل کی تقسیم ہے اسی طرح جنوں میں بھی ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ جن اجسام ہیں مگر اجسام لطیفہ۔ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے وہ مختلف شکلوں میں متشکل اور ظاہر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس وجہ سے جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں اور انکی بھی انسانوں کی طرح خیر و شر کی طرف تقسیم ہے اور بعض اوقات وہ انسانوں کی مجالس میں آتے بھی ہیں۔

جنات اپنی جسمانی لطافت کے باعث فرشتوں کی طرح آسمانوں کی طرف چڑھتے تھے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ختم کر دیا گیا گویا جن کا وجود حیوان و ملائکہ کے درمیان ایک برزخی مقام

رکھتا ہے اسی لیے ان میں دونوں قسم کے احوال پائے جاتے ہیں اشکال مختلفہ میں تشکل فہم و فراست شعور حسن و
قبح ملائکہ کا وصف ہے جو ان میں پایا جاتا ہے اور مثلاً کھانا پینا حیات اور غصہ و نرمی نیز توالد و تناسل وغیرہ
جو حیوانی اوصاف ہیں اور انسان میں پائے جاتے ہیں اور جسم کے خواص میں سے ہیں تو اس نسبت سے
یہ اوصاف بشریہ اور احوال حیوانیہ بھی جنات میں ان کے از قبیل اجسام ہونے کے پائے جاتے ہیں اس
لحاظ سے حیوان و انسان اور فرشتوں کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہوتی انسانوں کی طرح ان میں بھی
حصول اقتدار کی طلب پائی جاتی ہے تو مخلوق جن کا آسمانوں سے غیب کی خبریں لاکر کاہنوں کو پہنچانا یا
بتوں کے منہ سے مختلف قسم کی آوازیں سنانا اسی طرح درختوں سے صدائیں دینا جیسا کہ بعض اوقات
لوگوں کو سنائی دیتا ہے تو یہ سب کچھ اسی لیے ہوتا ہے کہ انسان جنوں کی عظمت کے سامنے اپنا سر
جھکائیں اور ظاہر ہے کہ نفع و نقصان کا ـــــ مالک صرف اللہ ہے لیکن جس طرح انسان اپنی تدابیر
سے لوگوں پر ایسا اثر قائم کر دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں نفع و نقصان انکے قبضہ میں ہے اسی طرح
بعض جنات بھی اسی طرح کی باتیں کر کے انسانوں کو اپنا مسخر اور تابع کرنا چاہتے ہیں۔

الغرض قرآن کریم اور احادیث سے جنات کا وجود ثابت ہے اور ان کے احوال بیان فرمائے گئے
منجملہ انکے احوال کے یہ بھی ایک قصہ ہے جس کا سورۂ جن میں ذکر فرمایا گیا تفصیل کے لیے تفسیر روح المعانی
قرطبی اور تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر امام رازیؒ کی مراجعت فرمائی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں جنات کا قرآن کریم سننا اور اس پر ایمان لانا

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں آلام و مصائب اور کفار
مکہ کی مخالفت و دشمنی کی ایک طویل مدت گذرنے کے بعد طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے
کا ارادہ کیا اسی کے ساتھ یہ بات بھی واقع ہوئی تھی کہ ابوطالب کا انتقال ہو چکنے کے باعث اہل مکہ
آپؐ کی دشمنی پر اور زائد آمادہ ہو گئے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے انتقال پر طبعاً
افسردہ اور ملول تھے تو یہ خیال کرتے ہوتے کہ ثقیف کے لوگ شریف الطبع ہوتے ہیں تو بظاہر امید ہے
کہ وہ میری بات سنیں گے اور امید ہے کہ ایمان لے آئیں ثقیف کے تین بھائی عبد یالیل حبیب اور
مسعود جو طائف کے سردار تھے آپؐ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے نہایت ہی بے ہودگی
کا برتاؤ کیا حتی کہ قبیلہ کے آوارہ اور شریر لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو شور مچانے اور گالیاں دینے لگے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بچنے کے لئے ایک باغ میں پناہ لی جو عتبہ اور ربیعہ کا تھا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ہے آپؐ نے اس حالت میں پروردگار عالم سے اپنی مظلومیت اور بے سروسامانی کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اللّٰھم انی اشکو الیك ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس وانت ارحم الراحمین وانت رب المستضعفین الخ	اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنی ضعف قوت اور وسائل واسباب کی کمی کا شکوہ کرتا ہوں اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت کا اے پروردگار آپ ہی ارحم الراحمین ہیں اور آپ ہی کمزوروں کے پالنے والے ہیں

ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو یہ حال دیکھ کر ترس آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس کو انگور کا ایک خوشہ پیش کرنے کو کہا جس پر اس غلام نے ایک طبق میں انگوروں کا ایک خوشہ لے جا کر آپؐ کے سامنے رکھا آپ نے بسم اللہ پڑھ کر جب تناول فرمانا شروع کیا تو اس نے حیرت سے دریافت کیا واللہ یہ تو عجیب کلام ہے اور یہاں کے لوگ یہ کلام نہیں پڑھتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کون ہو کہاں کے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے عداس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں آپؐ نے فرمایا جہاں کے رہنے والے اللہ کے پیغمبر یونسؑ بن متی تھے عداس یہ سن کر کہنے لگا آپؐ کو یونسؑ بن متی کی کیا خبر۔ آپؐ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں اور اللہ کے رسول ہیں اس لحاظ سے میرے بھائی ہوتے۔ اس پر عداس آپؐ کے قدموں پر گر پڑا آپ کے سر مبارک اور ہاتھ پاؤں کو چوما اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ کی طرف لوٹے واپسی میں جب کہ آپؐ مقام نخلہ پر پہنچے اور آخر شب میں تہجد پڑھنے لگے تو یمن کے مقام نصیبین کے جنوں کا یہ قافلہ اس طرف سے گذر رہا تھا تلاوت کلام اللہ کی آواز سنتے ہی یہ سب رک گئے قرآن کریم سنا اسکی حقانیت کو سمجھا اور اس پر ایمان لاتے اور اپنی قوم کی طرف واعظ وناصح بن کر لوٹے[مہ] احادیث سے ثابت ہے کہ اسکے بعد جنات کے وفود آپؐ کے پاس آتے رہے اور خود آپؐ بھی جنات کو تبلیغ کے لیے ان کی طرف تشریف لے گئے جس کی تفصیل بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کے قصہ میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

تو کہہ میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اسکا کسی کو

مہ تفسیر مظہری

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَن

تو کہہ میرے ہاتھ نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ

يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾

بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اسکے سوا کہیں سرک رہنے کو جگہ

إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے پیغام دینے اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اسکے رسول کا

فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا

سو اسکے لئے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ

جو ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں

عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ

تھوڑے تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے یا کردے

لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿٢٥﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

اسکو میرا رب ایک مدت کی حد۔ جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ

مگر جو پسند کرلیا کوئی رسول تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے

وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ

اور پیچھے چوکیدار تا جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے

رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو انکے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی

حکم اعلان توحید و اعلان برأت از شرک و فیصلہ برائے عذاب مجرمین

قال اللہ تعالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ ...... الیٰ ...... كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا

(ربط) سورۂ جن کا مضمون شروع سے معرفت توحید خداوندی اور کلام الٰہی پر ایمان و یقین سے متعلق تھا اسی کے ضمن میں کلام الٰہی اور ایمان و معرفت سے متاثر ہونے والے جنات کا اپنی قوم کو اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی کی طرف دعوت دینے اور فکر آخرت کی ترغیب اور اسکے ثابت کرنے کے لئے دلائل و شواہد پر مشتمل تھا اسکے بعد اب ان آیات میں حق تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ آپؐ تمام عالم کے سامنے یہ اعلان کر دیں کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کی عبادت کروں گا اس کی عبادت والوہیت میں میں کسی کو شریک نہیں کرتا کیونکہ شرک و نافرمانی ایک بدترین جرم ہے اور اس جرم کا مرتکب اپنے رب کے عذاب سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا تو ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب ہی کو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا نہ اسکی ذات میں نہ اسکی صفات میں نہ اسکے حقوق میں اور نہ اس کے افعال میں غرض کسی چیز میں بھی کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا کہہ دیجئے بے شک میں مالک نہیں ہوں تمہیں نقصان پہنچانے کا اور نہ ہی مالک ہوں اور اختیار رکھتا ہوں راہ راست پر لانے کا یہ سب کچھ اسی پروردگار وحدہٗ لاشریک لہٗ کے قبضہ اور اختیار میں ہے جس کا یہ ثمرہ بھی ہے کہ اگر میں فرائض رسالت انجام دینے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی کروں اور اس پر میرا خدا گرفت فرمانے لگے تو مجھے کوئی اسکی گرفت سے نہیں بچا سکتا اسی لیئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی کروں بس میرے اختیار میں تو یہی چیز ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اسلئے کہہ دیجئے کوئی بھی مجھے اللہ سے نہیں بچاتے گا اور ہرگز میں نہیں پا سکتا ہوں اس کے سوا کوئی ہٹنے کی جگہ کہ ایک جگہ سے کسی دوسری ہی جگہ منتقل ہو جاؤں بس اس کے سوا میرا کوئی اختیار نہیں کہ یہ پیغام پہنچا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اسکے یہ احکام ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں اور جن کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں میں اپنی ذمہ داری تو پوری کر چکا اب یہ خوب جان لو کہ جو بھی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اس کے واسطے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اس عذاب سے انکو کبھی بھی نجات نہ ملے گی یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس وقت وہ جانیں گے کہ کون کمزور ہے اپنے مددگار کے لحاظ سے اور گنتی میں کون کم ہے ؟ تو اس وقت ہر ایک کو اپنی قوت و معاونین اور تعداد کا پتہ چل جائے گا اور دنیا میں وہ دعویٰ کرنے والے مغرور و متکبر جو کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو ہماری بڑی طاقت ہو گی اور بڑے مددگار رہوں گے تو وہ سب

اپنے آپ کو کمزور اور بے یار و مددگار دیکھتے ہوں گے۔

کہہ دیجئے جب یہ لوگ بڑے ہی غرور و سرکشی کے انداز میں پوچھیں کہ اچھا وہ عذاب کب آتے گا جس کی آپؐ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں میں نہیں جانتا کہ قریب ہے وہ عذاب جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے یا میرا پروردگار اس کے واسطے آئندہ کوئی مدت مقرر کرے گا اور جب تک وہ مدت نہیں گزرے گی عذاب نہیں آئے گا رہا یہ امر کہ وہ کتنی مدت ہے اور کون سا وقت ہے؟ سو یہ سب باتیں غیب سے تعلق رکھنے والی ہیں غیب کا جاننے والا تو صرف وہی پروردگار ہے وہ اپنے غیب اور بھید کی کسی کو خبر نہیں دیتا اور اس پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا بجز اس کے کہ جس کو وہ پسند کرلے کسی رسول اور قاصد سے تو جس رسول کو یا فرشتوں میں سے کسی فرشتہ کو پسند کرے گا اسی کو وہ اپنا راز اور بھید بتا دے گا یا اسی کے ذریعے وہ اپنا راز اور بھید بطور وحی اپنے پیغمبر پر نازل فرما دے گا اور جب بھی وہ کوئی وحی اور ملکوت سماوات کی کوئی بات اپنے رسول پر نازل کرتا ہے تو اسکی اس قدر حفاظت ہوتی ہے اور پہرے لگا دیتے جاتے ہیں کہ اس میں کسی کو قطعاً کسی آمیزش کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی جن و انس کو قدرت نہیں رہتی کہ اسکے قریب بھی پر مار سکے تو اس کی یہ شان ہوتی ہے چلاتا ہے اسکے آگے بھی اور اسکے پیچھے بھی ایک زبردست پہرہ تاکہ وحی الٰہی ہر طرح محفوظ رہے اور پھر پیغمبر خدا جب اس وحی الٰہی کو بیان کرے تو اس میں شک و شبہ کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تاکہ وہ جان لے اور دیکھ لے۔

ان رسولوں یعنی خدا کے قاصدوں یا پیغمبروں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیتے ہیں اور پیغاماتِ خداوندی میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور کمی و زیادتی نہیں ہوتی اور ہر چیز اسی کی نگرانی میں ہے کسی کی طاقت نہیں وہ ان چوکیوں اور پہروں کو توڑ سکے۔

اور اللہ ہی نے احاطہ کر رکھا ہے ان تمام چیزوں کا جو انکے پاس ہے اور شمار کر لیا ہے ہر ایک چیز کو گنتی کر کے اس طرح کہ کوئی علم اور کوئی چیز اللہ رب العزت کے احاطہ علمی سے باہر نہیں ہے بس وہی عالم الغیب ہے اور غیب کے خزانے بس اسی کے پاس ہیں جیسے ارشاد فرما دیا وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ کہ خدا ہی کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور کنجیاں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

الغرض غیب جاننے والا صرف اللہ ہے اور عالم غیب کی جب کوئی چیز اپنے کسی پیغمبر کو بتاتا ہے اور اس کی وحی کسی فرشتہ کے ذریعے سے بھیجتا ہے تو اسکی حفاظت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پہرہ اور چوکیاں قائم ہوتی ہیں اور حفاظتی دستے اس وحی الٰہی اور پیغام خداوندی کے ساتھ پوری پوری حفاظت کرتے ہوتے ہوتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی تاکہ جس پیغمبر کو اطلاع دی جا رہی ہو بس وہ اسی تک پہنچے ۔

تمام اُمّت کا اجماعی فیصلہ کہ عالم الغیب صرف اللہ رب العزت ہی ہے

توحید خداوندی ایمان کی اساس ہے اور توحید جس طرح ذات کے لحاظ سے ہے اسی طرح توحید صفات بھی ائمہ متکلمین نے جہاں شرک کے اقسام کی تحقیق و تفصیل فرمائی ہے اس میں شرک ذات کے علاوہ شرک فی الصفات شرک فی الافعال اور شرک فی الحقوق کو بھی صریح شرک قرار دیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا کہ جس طرح کوئی شخص ذاتِ خداوندی کے ساتھ کسی اور کو شریک مان کر خدا کے ساتھ کسی اور معبود کا قائل ہو تو وہ مشرک ہے اور خارج عن الملّت ہے اسی طرح اللہ رب العزت کی صفات اسکے افعال اور حقوق میں بھی غیر کو شریک ماننے سے شرک کا مرتکب سمجھا جائے گا مثلاً رازقیت، خالقیت صفاتِ خداوندی ہیں سے اسکی صفات ہیں تو اگر غیر اللہ کو رازق و خالق سمجھا تو مشرک ہوگا اسی طرح عالمِ غیب ہونا بھی اللہ رب العزت کی صفت ہے تو اس صفت کو بھی غیر اللہ کیلئے ثابت کرنا شرک ہوگا۔

قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر اسی امر کو بیان کر رہی ہیں کہ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ سورۃ انعام کی تفسیر میں بھی تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی گئی کہ علم غیب خدا کی صفت ہے اور خدا تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں یکتا ہے وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کما ھو باسمائہ وصفاتہ کا یہی مفہوم ہے۔

بالخصوص اس آیت میں اس امر کو نہایت ہی وضاحت سے ظاہر کر دیا گیا ہے کہ خدا کے پیغمبر نے جن احوال کی خبر دی اور بظاہر ان سے یہ گمان کیا گیا کہ یہ غیب کی خبر ہے حقیقت میں وہ غیب کا علم نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر کو مطلع کیا گیا ہے اور اس پر یہ ظاہر کیا گیا اسی چیز کو ان کلمات میں بیان فرمایا جا رہا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی یعنی یہ اظہار و اخبار ہر ایک کو نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ پسند کرے اسی پر ہوتا ہے خواہ اس نوعیت سے کہ وہ فرشتہ ہے اور اسکے ذریعے یہ وحی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول پر اتارنی ہے یا وہ رسول ہی ہے جس کو بتایا جائے گا تو اسکو کسی طرح بھی غیب کا علم نہیں کہا جا سکتا یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے ہم نے ان باتوں کو پیغمبر خدا کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کہ آخرت میں یہ ہوگا اس طرح جنت ہے اس طرح جہنم ہے اس طرح قیامت آئے گی دجال ظاہر ہوگا حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے نزول فرمائیں گے تو یہ امور پیغمبر خدا کے بتانے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں اور ان چیزوں کو جان کر ہم علم غیب رکھنے والے نہیں ہو گئے تو اسی طرح ان باتوں کو انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کے بتانے اور ظاہر کرنے سے جانتے تھے تو بالکل ایسی ہی جو چیزیں بھی غیب کی اللہ کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے معلوم کر کے بتائیں تو وہ علم غیب نہیں بلکہ خدا نے اپنے پیغمبر پر ان کا اظہار کیا ان باتوں کی خبر دی ہے تو علم غیب تو اللہ ہی کو ہے اور اس میں سے

جو چاہا اپنے پیغمبر کو بتا دیا یہ اظہارِ غیب اور اخبارِ غیب ہوا الغرض اس آیت کو دور کا بھی کوئی واسطہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے غیب کا علم ہونے سے نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اگر بالفرض اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کا استثناء اس امر پر دلالت کرتا ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ عالم الغیب اللہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا مگر جس رسول کو اللہ چاہے وہ عالم الغیب ہو جاتا ہے تو پھر اس فرمانے کا مطلب کیا ہوگا قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب ——— جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا ابھی اس کی مدت باقی ہے تو ایسے مفروضہ رکھنے والے سے (یعنی جو یہ دعویٰ کرنے والے سے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى کے استثناء سے وہ رسول مراد ہے جو علم غیب رکھتا ہوگا) پوچھا جائے گا کہ جب وہ رسول مستثنیٰ بھی اس استثناء کے باعث صاحب علم غیب ہوگیا اور اس وجہ سے اسکو مَا کَانَ وما یکون کا علم حاصل ہوگیا تو پھر اس کا یہ اعلان کیونکر درست ہوا کہ میں نہیں جانتا الخ جس پیغمبر کو اس اعلان کا مامور فرمایا جا رہا ہو کہ وہ یہ کہہ دے میں نہیں جانتا۔

اسی کو ان الفاظ کی ناقابل تصور اور بعید از قیاس تاویلات کر کے عالم الغیب ثابت کرنا مضحکہ خیز بات ہے پھر جب کہ قرآن و حدیث کی سینکڑوں نصوص اور واقعات بڑی صراحت سے یہ ثابت کر رہے ہوں کہ خدا کے پیغمبر غیب کا علم رکھنے والے نہیں ہوتے بلکہ جس چیز کی انکو وحی کردی گئی وہ انہوں نے بتائی ہے اور ظاہر ہے کہ اسکو علم غیب نہیں کہا جاتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے غیب کا علم مانا جاتے۔

علم غیب کا مفہوم اور اسکی تفصیلات سورۃ انعام میں گزر چکیں حضرات قارئین مراجعت فرمائیں اور یہ تفصیل بھی گزر چکی کہ علم غیب کمالات الوہیت میں سے ہے نہ کہ کمالات نبوت سے اس لیے پیغمبر سے علم غیب کی نفی پیغمبر کی کوئی تنقیص نہیں بلکہ علم غیب ثابت کرنے سے بہت سے کمالات عبدیت و بندگی ختم ہو جاتے ہیں اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ کا وہ پیغمبر جس کی سب سے بڑی عظمت و بلندی یعنی واقعۂ معراج کو بیان کرتے ہوئے عبدیت بیان کی گئی جیسے ارشاد ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ وہ عبدیت ہی کے کمالات سے محروم ہو (واللہ اعلم بالصواب)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الجن والحمد للہ علیٰ ذالک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ المُزَّمِّل

اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا وہ عظیم پہلو بیان کیا جا رہا ہے جسکو قرآن کریم کی اصطلاح میں انابت الی اللہ تبتّل اور انقطاع عن الخلق کی تعبیر سے ادا کیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طاعت و بندگی میں انسان کا ہر راحت و آرام اور طبعی تقاضوں کو قربان کر دینا اسکی یاد میں راتوں کو جاگنا تلاوت کلام اللہ کی لذت میں ایسا لطف اندوز ہونا کہ ہر جسمانی راحت سے بے نیاز ہو جائے یقیناً تعلق مع اللہ کا بلند ترین مقام ہے۔

اسی وجہ سے سورۃ کی ابتداء ہی ایک ایسی لطیف اور لذیذ نداء الٰہی پر مشتمل ہے جو اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی اور لطف و کرم اور محبت و عنایت کی پوری پوری ترجمانی کر رہی ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ مزمل متعین فرمایا گیا جس کے ضمن میں قیام اللیل کی عظمت اور تاثیر و برکت بھی بیان فرما دی گئی ساتھ ہی وحی الٰہی کی عظمت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ اگر مشرکین مکہ اللہ کی وحی پر ایمان نہیں لاتے تو آپ اس کا غم نہ کریں انکی طرف سے جو رنج یا تکلیف پہنچے اس پر آپ صبر کریں ایسے منکرین و مکذبین کو خدا کی قدرت بتا دے گی کہ کامیابی اور غلبہ کن کو حاصل ہوتا ہے اور مجرمین عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

آیاتها ۲۰ ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳ فیها رکوعان

سورۃ مزمل مکی ہے اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ

اے جھرمٹ مارنے والے! کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا

انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ

اس سے کم کر تھوڑا سا یا زیادہ کر اس پر اور کھول کھول پڑھ قرآن

تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ

کو صاف — ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر ایک بھاری بات — البتہ اُٹھان رات کا

الَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ

سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات — البتہ تجھ کو دن میں شغل

سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾

رہتا ہے لمبا — اور پڑھ نام اپنے رب کا اور چھوٹ جا اسکی طرف سب سے الگ ہو کر

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

مالک مشرق اور مغرب کا اس بن کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ اسکو کام سونپنا

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَ

اور سہتا رہ جو کہتے رہیں - اور چھوڑ انکو بھلی طرح چھوڑنا — اور

ذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ

چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے انکو تھوڑی سی — البتہ

لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا

ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکتا اور دکھ کی

اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ

مار — جس دن کانپے زمین

وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ

اور پہاڑ — اور ہو جاویں پہاڑ

كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

ریت پھسلتی

حکم قیامُ اللّیل و تاکید ترتیـــل و تحسین در تلاوت کلام اللہ تعالیٰ

قال اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۔۔۔ ۔۔ اِلیٰ ۔۔۔۔ ۔۔ ۔ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا ۔

(ربط) گزشتہ سُورت میں جنوں کا قِصہ ذکر فرمایا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم کو سن کر کیسے اس پر فریفتہ اور گرویدہ ہوتے اور اسس پر ایمان لاتے اور ایمان و ہدایت کا رنگ ان پر اس قدر غالب آیا کہ اپنی قوم کے واسطے داعی اور ہادی و ناصح بن کر لوٹے اب اســس سورت میں جو کہ ابتداءِ نبوت کے زمانہ میں نازل ہوئی اس میں مشرکین مکہ کی بے رُخی اور آپؐ کی شان میں توہین و گستاخی کا ذکر کر کے آپؐ کو تسلی دی جارہی ہے اور انکی ایذاؤں و زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی جارہی ہے۔

مشرکین سکہ آپؐ کو مختلف القاب سے یاد کر کے تمسخر و مذاق کرتے کوئی آپؐ کو کاہن کہتا۔ کوئی ساحر و جادوگر تو اسکے بالمقابل اللہ رب العزت نے آپؐ کو ایسے پیارے لقب سے پکارا کہ اسکی حلاوت نے ان تمام کلفتوں اور ذہنی کوفت کا ازالہ کر ڈالا جو مشرکین کے بے ہودہ اور طعن و طنز آمیز عنوانات سے قلب پر واقع ہوتی تھی اور جیسے بحالتِ رنج و غم کپڑوں میں لپیٹ کر کوئی لیٹا ہو آپ بھی مشرکین کی ان بے ہودہ باتوں پر کپڑوں میں لپٹے ہوتے تھے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے آپؐ کو نہایت ہی اندازِ ملاطفت میں اس عنوان سے پکارا یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر میں لپٹنے والے جسطرح کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ ایک مرتبہ گھر سے کسی بات پر۔ رنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کے صحن میں زمین پر لیٹ گئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا کہ علیؓ کہاں ہیں معلوم ہونے پر آپؐ قریب تشریف لاتے اور شانہ پر دیکھا کہ مٹی لگی ہوئی ہے اسکو اپنے دست مبارک سے صاف کرتے ہوئے یہ فرماتے جارہے تھے قم یا ابا تراب۔قم یا ابا تراب اے ابو تراب یعنی مٹی میں لتھڑے ہوتے اُٹھ جا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس پیار و ملاطفت کو زندگی بھر یاد کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے خدا کی قسم اس لقب سے مجھ کو پکارا جانا جس قدر محبوب ہے اتنا کسی بھی نام سے مجھ کو پکارا جانا محبوب نہیں تو اسی طرح یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کا عنوان اللہ رب العزت کی طرف سے اس حال میں جبکہ آپؐ رنج و غم کے عالم میں کپڑوں میں لپٹے ہوتے تھے۔ بارگاہِ خداوندی سے ملاطفت و محبت کا بیکراعظم ہے تو فرمایا۔

اے چادر میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو تہجد و عبادتِ خداوندی میں مصروف رہتے ہوئے

؎ اس ترجمہ میں یہ اشارہ ہے کہ اِلَّا قَلِیْلًا استثناء باعتبار عدد لیل ہے یعنی ہر رات کے لیے یہ حکم ہے لیکن اگر کسی رات قیام اللیل نہ ہو سکے کسی عذر و بیماری کے باعث تو کوئی حرج نہیں بعض *

مگر کسی رات کہ اتفاقاً یا کسی عذر سے نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں آدھی رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ زائد کر دیں جیسا بھی طبیعت کے نشاط اور ہمت کے لحاظ سے کر سکیں اور آہستگی وحُسن صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کریں قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لئے اسکی عظمت و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھیں۔

بے شک ہم آپ پر ڈال رہے ہیں بہت ہی وزن والا قول یعنی وحی الٰہی جس کی عظمت و ہیبت کا قوا تے بشریہ تحمل نہیں کر سکتے یہ تو اللہ کے پیغمبر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ قوت حاصل ہوتی ہے وہ اس کا تحمل کر لیتا ہے بے شک رات کی بیداری بہت ہی سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے اور بہت ہی درست ہے بات کہنے کے لحاظ سے کہ رات کی بیداری نفس کو چونکہ نہایت شاق ہے اس لحاظ سے

؎ مفسرین کی رائے ہیں قَلِیْلًا کا استثناء باعتبار اوقات وزمان اللیل ہے جس کا بیان اور تفسیر بعد میں اس طرح کی گئی نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ ۱۲۔

سلہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات ولوازم کے اعتبار سے بہت ہی بھاری اور گراں بار ہے احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپؐ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی سردی کے موسم میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہوجاتے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حارث بن ہشامؓ نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا فرماتی تھیں کہ نزول وحی کے وقت شدید سردی میں بھی آپکی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہوجاتی تھی اور اگر آپؐ کسی سواری پر ہوتے تو سواری برداشت نہ کر سکتی ایک مرتبہ آپکی فخذِ مبارک حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھی ہوئی تھی اس حالت میں وحی نازل ہونے لگی تو زید بن ثابتؓ کی ران پر اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ ڈرے کہیں ران بوجھ سے چورا چورا نہ ہوجائے ۱۲ (فوائد عثمانی)

سلہ بالعموم اہل عرب ناشئۃ اللیل رات کی ساعتوں اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والی گھڑیوں کو کہتے ہیں ناشئۃ اور ناشئ وضع لغت کی رُو سے تو پیدا ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے محاورات عرب میں کہتے ہیں نشأت نشأۃ اسی سے انشاء بمعنی پیدا کرنا ہے ابوعبیدہؒ بیان کرتے ہیں کہ ناشئۃ اللیل رات میں رونما اور پیدا ہوتے والی چیز کو کہیں گے تو انسان کا نفس بھی سونے کے بعد بیدار ہوا گویا کہ وہ دوبارہ پیدا ہوا ہے اس نسبت سے ناشئۃ اللیل قیام اللیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے ابن الاعرابیؒ کہتے ہیں اوّل شب سونے کے بعد بیدار ہونے کو ناشئۃ اللیل کہا جاتے گا شب میں بیدار ہونے کے بعد روح پر غیبی انوار وارد ہوتے ہیں۔

"وَطَاءً" واؤ کے فتح کے ساتھ بمعنی روندنا تو اس معنی وضعی کے لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا کہ "بہت ہی زیادہ سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے" باقی آئندہ صفحہ پر

وہ نفس کو روندنا اور کچلنا ہوا اور یہ وقت چونکہ رات کی تاریکی اور خلوت کا ہے اس لحاظ سے جو بات
بھی زبان سے نکلے گی وہ ذکر و تسبیح ہو یا دعا و استغفار، اخلاص اور اللہ رب العزت کی طرف خاص توجہ اور
رجوع کی کیفیت سے ہی ہوگی پھر یہ وقت اللہ رب العزت کے آسمان دنیا پر نزول کا اور اپنے بندوں
کی طرف خاص عنایت و رحمت کے ساتھ توجہ کا ہوتا ہے تو روحانی برکات سے اور زائد اسکی زبان اور
اسکے قول میں درستگی اور اثر پیدا ہوگا۔

بے شک آپ کے واسطے دن میں تو بڑی ہی طویل مشغولی ہے تعلیم و تبلیغ دین احکامِ الٰہی کے
بتانے کی اور انکے مطابق عمل کی تلقین و تربیت پھر کسی فرد یا جماعت کے لیے نہیں بلکہ پوری امت اور جملہ
عالم کے اس نظام کو بتانے اور چلانے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اور اس کا انجام دینا کوئی معمولی
بات نہیں بلا شبہ یہ بہت بڑی مصروفیت ہے اور ان مصروفیات کی تکمیل کے ساتھ جو کہ اصل مقصد
رسالت اور فرائض نبوت ہیں اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں مناجات عبادت و دعا بس رات کے

محاورات میں بولا جاتا ہے اشتدت علی القوم وطاء السلطان یعنی قوم پر بادشاہ
کی گرفت اور تعدی بہت شدید ہوگئی ہے اس معنی کے پیش نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی ایک دعا میں یہ لفظ وارد ہوا اللّٰھم اشدد وطاتک علی مضر یعنی اے اللہ تو اپنی
گرفت قوم مضر پر سخت کردے تو جب انسان رات کی وہ نیند جو سب سے زیادہ مرغوب
چیز ہوتی ہے قربان کرے گا تو لا محالہ نفس کو شاق ہوگا اور نفس اس طرح روندا جائے گا اس وصف
کی عظمت و خوبی کا اندازہ فرمان خداوندی تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ سے بخوبی ہو رہا ہے
مجاہدؒ اور ابن ابی ملیکہؒ وطاءً کے معنی مواطاۃ یعنی موافقت بیان کرتے ہیں اور اَشَدُّ وَطْاءً کے
معنی کرتے ہیں اشد مواطاۃ اللسان بالقلب کہ رات کی بیداری زیادہ سے زیادہ قلب
کے ساتھ زبان کی مطابقت کا وقت ہے اخیر شب کی بیداری اور تہجد کے فضائل کتب احادیث
میں کثرت سے ذکر فرماتے گئے ہیں سب سے بڑھ کر یہ نعمت اور شرف کہ تہائی رات باقی رہنے پر
اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول فرما کر اپنے بندوں کو پکاریں کہ ہے کوئی گناہوں سے معافی
مانگنے والے کہ میں اسکو معاف کردوں ہے کوئی رزق کا طالب کہ میں اسکو رزق دوں۔ ہے
کوئی عافیت مانگنے والا کہ اسے عافیت دوں۔

حضرات عارفین فرماتے ہیں تہجد گزار کے چہرے پر عجیب قسم کا نور نمایاں ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا
اسکی قبر میں کبھی اندھیرا نہ ہوگا اسکی مشکلات آسان ہونگی اور اسکو دنیا کی ہر ایک ظلمت سے
نجات ملے گی خواہ وہ ظلمت مصائب و آفات کی ہو یا افکار و فتن کی ہو واللہ اعلم ۱۲
(تفسیر ابن کثیر جلد رابع، تفسیر روح البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر فتح المنان)

ان ہی حصّوں میں ہو سکتی ہے کہ خلوت و یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرلیں اور اس طرح تہجد کے ذریعہ ریاضت اور صفاء باطن کے اعلیٰ مدارج و مراتب طے فرماتے رہیں اور یاد کیجئے اپنے رب کا نام اور تسبیح و تحمید کی صورت میں اسی کا ذکر کرتے رہیئے اور تمام شواغل و علائق سے منقطع ہو کر بس اسی کی طرف متوجہ ہو جاتیے۔

دنیا اور علائق دُنیا سے منقطع ہو جانے سے انسان کو ذرہ برابر بھی یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ میں اس مادی دنیا میں پھر اپنی زندگی کیونکر بسر کروں گا وہ تو مشرق و مغرب اور کائنات کے ہر ہر گوشہ کا رب ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں بس اسی کو اپنا کارساز بنا لیجئے جو ہر مخلوق کو عالم میں پالتا ہے یقیناً وہ اپنے اس بندے کے سارے کام بھی سنوار دے گا بالخصوص جو بندہ دنیا سے کٹ کر اپنے رب کی طرف رخ کر چکا ہے دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا نفس کے لیے بڑا ہی دشوار کام ہے اور اس میں بڑی رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں جیسا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بعثت کے بعد پیش آئیں مشرکین مکہ بڑی دل آزار حرکتیں اور باتیں کرنے لگے تو فرمانِ خداوندی نے ہمت دلائی کہ اور صبر کیجئے ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں اور چھوڑ دیجئے انکو مناسب طریقہ سے نہ دل میں کینہ رکھئے اور نہ ہی غیظ و غضب ہو اور نہ ہی رنج و فکر بلکہ بڑی ہی خوبی اور حوصلہ کے ساتھ ان سے صرف نظر کر لیجئے اور جھٹلانے والے مالداروں کو میں ایسے تکذیب و تردید کرنے والے متکبر مالداروں سے خود نمٹ لوں گا اور مہلت دیں انکو کچھ تھوڑی سی حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں انکی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی یہ لوگ خدا کی گرفت اور عذاب سے نہ دنیا میں بچ سکیں گے نہ آخرت میں بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں اور دہکتی ہوئی آگ ہے اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں پھنس جانے والا ہو اور بھی اسکے علاوہ دردناک عذاب، سانپ اور بچھو جن کے زہر سے پتھر بھی چورا چورا ہو جاتے جس کی ابتداء اس دن سے ہو جائے گی جب کہ زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ بھی جن کی جڑیں زلزلہ سے کانپ کر ڈھیلی ہو جائیں گی اور زمین پر گر کر وہ پہاڑ ہو جائیں گے ریت کے تودے جن پر قدم نہ جمتے ہوں گے۔

بلاشبہ اس وقت کے شدید عذاب کو کسی کی طاقت اس کا قبیلہ اور مال و دولت نہیں ٹلا سکے گی تو اے ہمارے پیغمبر آپؐ انکی بے ہودہ باتوں پر صبر کریں اور انتظار کریں اس عذاب و ذلت کا بھی جو دنیا میں ان کافروں کے واسطے طے ہے اور آخرت کے اس عذاب کا بھی جس کی شدت اس طرح ہو گی کہ زمین اور پہاڑ بھی لرز جائیں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا

كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ

جیسے بھیجا فرعون پاس رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے

الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن

رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو پکڑ وبال کی پھر کیونکر بچو گے ؟ اگر

كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ

منکر ہوگئے اس دن سے جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا آسمان پھٹتا ہے اس میں

بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ

ہے اس کا وعدہ ہونا یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾

بنا رکھے اپنے رب کی طرف راہ

ع ۱ ۱۹ ۱۳

اتمامِ حجّتِ خداوندی بر منکرین و کفّار بہ بعثت

سیّد الابرار خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۔۔۔۔ ۔۔ إلیٰ ۔۔۔۔ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

(ربط) ابتداء سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل کے امر کے ساتھ خدا کے ذکر کی تاکید فرمائی گئی تھی اور یہ کہ منکرین و مشرکین کی ایذاء رسانی پر صبر کریں اور اللہ رب العالمین کی مدد کا انتظار فرمائیں اور اس امر کا کہ خدا کا عذاب مجرمین پر دنیا اور آخرت میں آکر رہے گا اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرما کر کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت کو کفار مکہ بالکل ایسا ہی سمجھ لیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو اس تاریخی حقیقت سے کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجدیا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف اپنا رسول بھیجا تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک مستقل شریعت اور کتاب لیکر مبعوث ہوتے اور اسی کے ساتھ وہ اپنے وقت سے نبی آخر الزمانؐ کی بشارت بھی سناتے رہے پھر فرعون نے رسول خدا کی نافرمانی کی تو ہم نے پکڑ لیا اسکو بڑی ہی ذلت کی پکڑ کے ساتھ اور وہ باوجود اپنے لشکر، طاقت و قوت اور مال و دولت کے بھی دریا کی موجوں میں ایسی ذلت کے ساتھ غرق کردیا گیا کہ تاریخ عالم میں اس سے زیادہ ذلت و بے بسی کی ہلاکت تصور نہیں کی جاسکتی تو جب فرعون جیسا طاقتور رسول خدا کی نافرمانی پر ہلاک کردیا تو بتاؤ تم کیسے بچ سکو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس دن کے عذاب سے کہ اس کی شدت بچوں کو بوڑھا بنادے گی اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے گا اس دن کی شدت سے بے شک اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے خواہ تم اسس کو اپنی شقاوت و بدبختی سے کتنا ہی بعید سمجھو۔

بے شک یہ ایک نصیحت ہے جو تمہیں تاریخی حقیقت اور عبرت ناک انجام کے ساتھ کردی گئی ہے اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے انسان کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اسکو نصیحت کردی جاتے نفع و نقصان سے آگاہ کردیا جاتے اب اس کے بعد وہ اپنی رائے اور سمجھ سے جس راہ کو چاہے اختیار کرلے اگر اس نے اللہ کا راستہ اختیار کرلیا تو اللہ کے فضل و کرم سے نجات و فلاح پاتے گا اور اگر دیدہ و دانستہ ہدایت اور حق سے انحراف و نافرمانی کرے تو سزا اور عذاب کا عقلاً مستحق ہوگا اور اللہ رب العزت اسکی نافرمانی پر جو بھی سزا دے وہ اس کا عدل و انصاف ہی ہوگا اس پر اعتراض عقل اور فطرت کے خلاف ہے

یہ سورۃ مبارکہ مکی زندگی کی ابتداء میں نازل ہوتی تھی جب کہ عالم اسباب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ داعی اسلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے صحابہ کی اس بے سروسامانی اور تکالیف و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ایسا اعلان کیا جاسکتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو غالب فرماتے گا اور منکرین کو اسی طرح ہلاک و ذلیل کرے گا جس طرح کہ فرعون اور اسکی جماعت کو کیا گیا مگر تاریخ اسلام نے اللہ رب العزت کے اسس فرمان و بشارت کی تصدیق و تکمیل کردی کہ وہی منکرین بدر میں ذلیل ہوتے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ نصیب ہوئی اور تمام سرداران قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکاتے ندامت اور شرمساری کے ساتھ کھڑے معافی مانگ رہے تھے قوم قریش کی یہ ذلت و پشیمانی اور مغلوبی فرعون اور اسکی جماعت کے دریا میں غرق ہونے سے کم نہ تھی۔

یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا سے متعلق فائدہ

روز قیامت کی شدت و ہیبت یہاں پہلے اس عنوان سے ذکر فرمائی گئی یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ کہ زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ کی بلند چٹانیں ریزہ ریزہ ہو کر زمین کی سطح پر آگریں گی اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے اسکے بعد دوسری تعبیر روز قیامت کی شدت کی اس طرح فرمائی گئی۔ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا کہ وہ دن اپنے طول یا ہیبت و شدت کے باعث بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔

بعض ائمہ مفسرین اس کا منشاء اس دن کا طول بیان کرتے ہیں اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس دن کی مقدار کَاَلۡفِ سَنَۃٍ ایک ہزار برس کے برابر فرمائی ہے۔

عکرمہؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن قیامت کا ہوگا اور یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب کہ اللہ رب العزت میدانِ حشر میں آدمؑ کو فرمائے گا کہ اے آدمؑ اپنی ذریت میں سے جہنم کا ایندھن نکال لو یعنی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آدم پوچھیں گے کتنے عدد میں کتنے جہنم کے لیے نکالوں تو فرمایا جائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے (۹۹۹) تو یہ سن کر سب اہل محشر گھبرا جائیں گے کہ ایک ہزار کی تعداد سے صرف ایک آدمی نجات پاتے گا باقی جہنم کا ایندھن ہونگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جب یہ گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا "اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو کہ ہزار میں کا ایک تم میں سے ہوگا اور باقی یاجوج ماجوج سے پورے کر دیئے جائیں گے" اور دیگر امتوں کے کفار سے جس کا نتیجہ الحمد للہ یہ ہوگا کہ امتِ محمدیہ حق تعالیٰ کے فضل سے سب کی سب ہی کسی نہ کسی طرح نجات پالے گی اور جہنم کا ایندھن یاجوج وماجوج و دیگر ملتوں کے کفار سے پورا کر دیا جائے گا اور اگر دیکھا جائے تو کل انسانوں کی تعداد کے لحاظ سے امت محمدیہ کا عدد شاید اتنا ہی نکلے یعنی ایک فی ہزار تو اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وضاحت ایک عظیم بشارت ہوگئی۔

فللّٰہ الحمد حمدًا کثیرًا

اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ

تیرا رب جانتا ہے تو اٹھتا ہے

اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ

نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات اور سمیتے

الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا کہ

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

تم اسکو پورا نہ کرسکو گے پھر تم پر معافی بھیجی سو پڑھو جتنا آسان ہو قرآن - جانا

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

کہ آگے ہوں گے تم میں کتنے بیمار اور کتنے اور پھرتے ملک میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

ڈھونڈھتے اللہ کا فضل اور کتنے اور لڑتے اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

میں سو پڑھو جتنا آسان اس میں سے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم تخفیف در قیام لیل و رخصت برائے ضعفاء و مجاہدین

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ ..... اِلٰى .... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں تہجد اور قیام لیل کا حکم اسکی تاکید اور فضیلت کا بیان تھا اور اسی کے ساتھ اللہ پر

توکل و بھروسہ اور دنیوی مشقتوں پر تحمل و صبر کی تلقین تھی اب ان آیات میں تہجد کے بارہ میں اللہ رب العزت نے جو تخفیف فرمائی اس کا بیان ہے اور یہ کہ فرائض اسلام تو ہر حال میں لازم ہیں سفر و حضر ہو یا صحت و تندرستی لیکن جو عبادات تطوع اور نفل ہیں ان میں اللہ رب العزت نے مریضوں مسافروں مجاہدوں اور ضعیفوں کے لیئے رخصت و سہولت رکھی ہے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کھڑے رہتے ہیں تہجد اور عبادت خداوندی میں قریب رات کے دو تہائی حصہ کے اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات اور آپ کے ساتھ ایک گروہ ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں اسی طرح آپ کا اور آپ کے اصحاب کا شوق و جذبہ قیام اللیل اور صلوٰۃ تہجد کا، اللہ رب العزت دیکھ رہا ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب کبھی آدھی رات کے قریب اٹھ جاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی قبل حتیٰ کہ دو تہائی حصہ بیداری میں گذرتا ہے اور کبھی سفر و مرض اور مصروفیت کی وجہ سے ایک تہائی حصہ اور یہ سب احوال درحقیقت قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ پر عمل کی صورت تھی کہ قیام اللیل کے حکم میں رات کے ٹکڑے جس جس مقدار میں بیان کیے گئے ہیں ان سب پر عمل ہو جاتے۔

اور ظاہر ہے اللہ ہی ٹھیک ٹھیک اندازہ رکھتا ہے رات اور دن کا یا اس اندازہ کے لحاظ سے وقت عبادت میں گذرا یا یہ کہ ان ٹکڑوں میں کیسے آثار و برکات ہیں اور وہ عابدین و ذاکرین کو کس حد تک مل رہے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بطور فرض اس پر عمل پیرا رہے اور اسکی پابندی میں جو بھی جسمانی مشقت ہوتی برداشت کرتے رہے تا آنکہ اللہ رب العزت نے ایک سال بعد حکم تخفیف نازل فرماتے ہوتے ارشاد فرمایا خدا نے جان لیا ہے کہ تم اس کا احاطہ اور عملی پابندی نہیں کر سکتے ہو اس سہولت کے ساتھ جو اللہ نے اپنے دین میں رکھنے کا ارادہ فرما لیا ہے اور کبھی نہ کبھی سابق زمانہ میں کسی سے اس حد اور مقدار کے نباہ ہو سکنے کے باعث کوتاہی بھی ہوتی ہوگی تو اللہ نے تم پر مہربانی کی اور درگذر فرما لیا لہٰذا اب تمہاری راحت اور سہولت کے پیش نظر حکم ہے پڑھ لیا کرو جو کچھ تم کو قرآن میں سے آسان ہو اور یہ پابندی تم سے اس لیئے ہٹا دی گئی خدا کو معلوم ہے تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ ہر انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل اور اسکی رحمت و رزق تلاش کرتے ہوئے تجارت کے لیے حصول علم کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرنا ہوگا کچھ ہجرت کریں گے کچھ روحانی تربیت کے لیے اولیاء و صالحین کے پاس جائیں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور جہاد کے لیے ان کو مشرق و مغرب کا سفر کرنا ہوگا اس لیے اب حکم یہی ہے کہ پڑھ لیا کرو جس قدر بھی قرآن میں سے آسانی سے پڑھ سکو اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں اور البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور قرض دیتے رہو اللہ کو قرض حسنہ اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوتے جس کا وہ تمکو بہترین بدلہ دے گا

اور اس طرح تمہارا دیا ہوا تمہیں واپس مل جائے گا اور بڑی ہی برکت اجر و ثواب اور اللہ کی خوشنودی کے ساتھ اور یہ بات خوب جان لو جو بھی کچھ تم نیکی کا کام اپنے سے پہلے بھیجو گے یقیناً تم اسکو اللہ کے یہاں پاؤ گے کیونکہ وہ تو بہت ہی بہتر اور عظیم اجر و ثواب عطا کرنے والے ہیں اور انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں کر لیتا ہے تو اللہ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اسکی بارگاہ میں اہل ایمان کے استغفار و توبہ کی بڑی قدر و منزلت ہے

فرضیت تہجد اور ایک سال بعد تخفیف کا حکم

سورۂ مزمّل کی ان آیات کے ذریعہ ابتداءً اسلام میں تہجد کو فرض کیا گیا تھا اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ فرضیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سب کے حق میں تھی ایک سال تک اسی طرح اس پر عمل ہوتا رہا تا آنکہ ایک سال گذرنے پر اس سورۃ کا آخری حصہ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰى الخ سے فرضیت منسوخ کر کے نفل کر دیا گیا۔

ائمہ مفسرین میں سے مقاتلؒ اور ابن کیسانؒ سے منقول ہے کہ تہجد کو مکی زندگی میں سورۂ مزمّل کے نازل ہونے پر فرض کر دیا گیا تھا اور وہ نمازِ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت سے قبل تھا (جیسا کہ ظاہر ہے) پھر بعد میں فرضیت منسوخ کر دی گئی البتہ بطور تطوع اور نفل کے اس کی فضیلت قائم و برقرار رہی۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حدیث جابر بن عبداللہؓ میں اور امام ابوداؤدؒ احمد بن حنبلؒ مسلمؒ

ــــــــــــــــــــ

ــه امام بخاریؒ نے اعمش بن ابراہیم حارث بن سوید کی روایت ذکر کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ قالوا یارسول اللہ ما منا احد الا مالہ احب الیہ من مال وارثہ (الخ)	بتاؤ تم سے کون شخص ایسا ہے جسکو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم میں سے ہر شخص ایسا ہی ہے کہ اس کو

اپنا مال بہ نسبت اپنے وارث کے مال کے زائد محبوب ہے آپؐ نے ذرا سوچ کر کہنے کو فرمایا لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو یہی جانتے ہیں آپ نے فرمایا سن لو ہر شخص کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا) اور وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ کر مر گیا آیت مبارکہ میں قرض کا عنوان اللہ کی راہ میں خرچ کی عزت و کرامت پر نہایت واضح طور پر دلالت کر رہا ہے اور یہی وہ عنوانِ کرامت ہے جو اس آیت میں اختیار کیا گیا ہے۔

اور نسائیؒ وغیرہ نے سعد بن ہشامؒ سے روایت کیا ہے بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے ام المؤمنین آپ مجھے خُلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ارشاد فرمائیے کہ کیا تھا؟ فرمایا کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے ہو عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ بس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خلق مبارک (یعنی اسوہ اور عادت) قرآن تھا بیان کرتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں اٹھ کر واپس چلا جاؤں (کیونکہ اس جواب کی جامعیت کے بعد مزید کچھ سوال کی گنجائش ہی نہ رہی تھی) اور نہ یہی سوچا کہ اب آئندہ کسی سے بھی دریافت نہیں کروں گا جب تک میں زندہ رہوں لیکن پھر خیال آیا کہ (خاص طور پر) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام لیل کے بارہ میں دریافت کر لوں تو عرض کیا اے ام المؤمنین ارشاد فرمائیے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تہجد کے بارہ میں تو فرمایا کہ کیا تم سورۃ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھتے عرض کیا جی ہاں! فرمایا تو بس سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات سے قیام لیل فرض کیا تھا جس کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایک سال تک قیام لیل کرتے رہے (پوری پابندی کے ساتھ اور اس طرح کہ لازم سمجھتے تھے) اور اللہ رب العزت نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ مہینہ تک آسمانوں میں روکے رکھا تا آنکہ سورت کے آخری حصہ یعنی اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ کو نازل کر کے تخفیف فرما دی اور پھر اس کے بعد قیام لیل نفل کر دیا گیا۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ فرضیت کا نسخ عام صحابہ کے حق میں ہوا آپؐ کے حق میں فرضیت بدستور باقی رہی غالباً انکی نظر اس آیت پر ہوگی وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور نافلہ کے معنی زائدہ کیے گئے اور مفہوم یہ ہوا کہ صیغہ امر سے آپؐ کو تہجد کی پابندی کا خطاب اور حکم فرمایا جا رہا ہے اور تہجد کی اس پابندی کو یہ فرمایا گیا کہ یہ آپؐ کے حق میں خاص ہے اور اسکی فرضیت مفروضہ نمازوں سے زائد کی گئی نہ کہ دوسروں کے حق میں۔ دوسروں کے حق میں تو یہ تطوع ونفل کر دی گئی ہے لیکن یہ بات اس وجہ سے قابل تامل ہے کہ یہ حکم ناسخ جب نازل ہوا تو اس وقت پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا حکم نہیں اترا تھا۔

علامہ آلوسیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے جو جمہور محدثین ومفسرین کی رائے ہے بعض مفسرین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سورت سے قیام لیل کی فرضیت ہر ایک کے حق میں نہ تھی فرضیت صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھی ان کا مطمح نظر بظاہر یہ ہے کہ آیت ناسخہ میں یہ جو فرمایا گیا وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ "، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے ایک گروہ کا یہ معمول ہوا۔ اگر قیام لیل سب پر فرض ہوتا تو یہ فرمایا جاتا اَلَّذِيْنَ مَعَكَ لیکن یہ عنوان اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ممکن ہے بلکہ متوقع ہے کہ آپؐ کے ساتھ چند صحابہ بھی قیام لیل کرتے ہوں گے باقی جملہ صحابہ اپنی جگہوں مکانوں میں کرتے ہوں گے تو اس لحاظ سے وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ فرمایا۔

فائدہ سورۂ مزمّل مکی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ۲ھ میں نازل ہوا تو اس سورت میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے ساتھ حکم۔ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ نازل ہوا علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اجمالاً نفس فرضیت کا حکم تو مکہ مکرمہ میں نازل ہو گیا تھا نصاب کی تعیین اور تفصیل مدینہ میں نازل ہوئی اس لحاظ سے حکم زکوٰۃ کی فرضیت مدنی زندگی میں بیان کی جاتی ہے۔

نمازوں میں مطلق قرأۃ قرآن کی فرضیت

علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں بیان کرتے ہیں آیت مزمّل فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے حضرات حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز میں فرضیت مطلق قرآۃ کی ہے جو کچھ آسان ہو خاص طور پر سورۂ فاتحہ فرض نہیں کیونکہ نص کتاب اللہ یا حدیث متواتر سے فرضیت و رکنیت ثابت ہوتی ہے تو جس طرح اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کے کلمات قرآن کریم کی آیات میں رکوع وسجود کی رکنیت ثابت کر رہے ہیں اسی طرح فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کی تعبیر نفس قرآت کی فرضیت و رکنیت ثابت کرتی ہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ رکنیت و فرضیت فاتحہ کے قائل ہیں حدیث عبادۃ بن الصامت لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب الخ اور حدیث ابی ھریرۃ من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے اسکے متعدد جوابات اور بیان کردہ مسئلہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے ہیں جن کی تفصیلات شروح فقہ میں مذکور ہیں اصولی طور پر یہ بات واضح ہے جیسا کہ قاضی ابو بکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں بیان فرمایا ما تیسر میں حکم عموم اور اطلاق کے ساتھ ہے اسکو مخصوص کرنا خبر واحد کے ذریعہ سے اصولاً درست نہیں ہے اور یہ قرار دینا کہ ما تیسر میں اجمال ہے اور اسکی توضیح خبر واحد سے ہوئی صحیح نہیں ہے دلالت عربیہ سے یہ عنوان اطلاق ہی کا ہے۔

خبر واحد کو تفسیر وہاں قرار دیا جا سکتا ہے جہاں تعبیر میں از روئے وضع لغت ابہام ہو اور اس طرح اس پر عمل ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ صورت نہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں تو حدیث لا صلوۃ کو ما تیسر کی تفسیر قرار دینے میں خود نص ما تیسر کا ابطال لازم آجاتے بایں صورت کہ ایک شخص کو سورۂ فاتحہ کی سات آیات کی تلاوت دشوار ہو اور ممکن نہ ہو اسکے بالمقابل قرآن کی اور کوئی آیت آسان اور ممکن ہو تو ایسی صورت میں لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ ما تیسر سے ہم فرضیت ہونے کے قائل نہ ہوں اور ماسوئی فاتحہ کے دوسری آیات آسان اور ممکن التلاوت ہونے کے باوجود سورۂ فاتحہ کی قرآۃ کا اسکو مامور سمجھیں اس وجہ سے

حنفیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفس قرآۃ ما تیسر رکن اور فرض ہے قرآۃ فاتحہ رکن نہیں علاوہ ازیں یہ بھی اصولی امر ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی البتہ وجوب کی حد تک خبر واحد سے ثبوت ممکن ہے۔
تفصیل کیلئے شروح حدیث و شروح فقہ کی مراجعت فرمائی جاتے نیز یہ مسئلہ اور بحث نفس قرآۃ فی الصلوٰۃ سے متعلق ہے نہ کہ قرآۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ سے متعلق اسکے لیتے آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ، کی تفسیر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اصولی دلائل بیان فرما دیئے ہیں وہاں تفصیل ملاحظہ فرمائی جاتے

الحمد للّٰہ قد تم تفسیر سُورۃ المزّمّل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الْمُدَّثِّر

اس سورت میں خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہوتے دعوۃ اسلام اور پیغام توحید کے لیے مستعد و کمربستہ ہونے کا حکم فرمایا گیا یہی وہ پہلی سورت یا آیات ہیں جو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئیں انہی آیات کے نزول پر آپکے دور رسالت کا آغاز ہوا جبکہ اس سے قبل آپ موحیٰ الیہ اور نبی کی حیثیت میں تھے۔
غار حرا میں ابتداء وحی اور بعثت کے بعد ایک مدت ایسی گذری جس میں کوئی وحی نہیں اتری آپؐ منتظر و مشتاق رہتے اور کبھی کبھی شدت شوق و انتظار میں مکہ کی آبادی سے باہر بھی نکل جاتے تا آنکہ ایک دفعہ آپ نے آوازیں سنیں کہ کوئی آپ کو پکار رہا ہے آپ نے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سر بلند فرمایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا ایک کرسی پر ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اس نے آسمان کا کنارا گھیر رکھا ہے اسکو دیکھ کر آپ پر رعب طاری ہوا جیسے غار حرا میں نزول وحی سے ہیبت و کپکپی آپؐ پر طاری ہوتی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی پیش آئی اور آپ گھر واپس آکر فرمانے لگے دثرونی دثرونی۔ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔
نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کے لیئے کمربستہ ہونے کے حکم کے ساتھ چند اور بنیادی اصول بھی اس سورت مبارکہ میں بیان فرمائے گئے صبر و استقامت اور حلم و درگذر کی ہدایت فرمائی گئی اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے جرم پر ان کو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے یقیناً انکو اپنے اس

بے ہودہ کردار اور کفر و نافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اہل ایمان و طاعت خدا کے انعامات سے سرفراز کیے جائیں گے غرض اسی طرح کے مضامین کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کو بھی بیان فرمایا گیا۔

جن حضرات سے یہ منقول ہے کہ سورۃ مدثر اول ما نزل فی القرآن ہے انکی نظر جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے جس میں اس طرح بیان فرمایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے فترت وحی یعنی غار حرا میں اقراء نازل ہونے کے بعد جو ایک مدت تقریباً پورے تین سال انقطاع وحی کی گزری اسکے بعد سب سے پہلے یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہونے والی آیات بیان کی ہیں چنانچہ امام بخاری نے باب بدء الوحی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مجمل روایت کی وضاحت کردی جس سے سورۃ مدثر کی اولیت نزول کا گمان کیا گیا اور یہ اس طرح واضح فرما دیا کہ وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہ جابر رضی اللہ عنہ فترت وحی کا قصہ بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اسکے بعد جو آیات سب سے پہلے اتریں اور پھر نزول وحی کا سلسلہ پے در پے اور مسلسل جاری ہوا وہ یہ آیات ہیں لہٰذا اب اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ سب سے پہلے اقراء نازل ہوئی یا یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور یہی کہا جائے گا کہ یہ امر اجماعی اور متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلے وحی غار حرا میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اور پھر فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی کو روایت کر رہے ہیں۔

آیاتها ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعاتها ۲

سورۃ مدثر مکی ہے اور اس میں چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ

اے لحاف میں لپٹے! کھڑا ہو پھر ڈر سنا اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے

فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ

پاک رکھ اور گندگی کو چھوڑ دے اور نہ کر کہ احسان کرے اور بہت چاہے اور اپنے رب کی

فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ

راہ دیکھ پھر جب کھڑکھڑائے وہ کھوکھرا پھر وہ اس دن مشکل دن

عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ

ہے منکروں پر نہیں آسان چھوڑ دے مجھ کو اور اُسکو جو میں

وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾

نے بنایا اکیلا اور دیا اسکو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے

وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا إِنَّهُ

اور تیاری کر دی اسکو خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں کوئی نہیں

كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَ

وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اسس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی اس نے سوچ کیا اور

قَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ

دل میں ٹھہرایا سو مارا جائیو! کیسا ٹھہرایا ؟ پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا ؟ پھر

نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ

نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ دی اور غرور کیا پھر بولا

إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾

اور نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور نہیں یہ کہا ہے آدمی کا

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا

اب اسکو ڈالوں گا آگ میں اور تو کیا بوجھا کیسی ہے وہ آگ ؟ نہ باقی رکھے اور نہ

تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَا

چھوڑے نظر آتی ہے بنڈے پر اس پر مقرر ہیں انیس شخص اور ہم نے جو رکھے

أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً

ہیں دوزخ پر لوگ اور نہیں فرشتے ہیں اور ان کی جو گنتی رکھی سو جانچنے کو

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ

منکروں کے تا یقین کریں جن کو ملی ہے کتاب اور بڑھے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

ایمانداروں کو ایمان اور دھوکہ نہ کھاویں جن کو ملی ہے کتاب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ

اور مسلمان اور تا کہیں جن کے دل میں روگ ہے اور

الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

منکر کیا غرض تھی اللہ کو اس کہاوت سے یوں بچلاتا ہے اللہ

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ

جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر

اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ؀۳۱ۧ

مگر وہی آپ اور وہ تو سمجھوتی ہے لوگوں کے واسطے

حکم اعلان توحید و رسالت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

وتہدید و مذمت بر اعراض مجرمین

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ...... اِلیٰ ...... اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ

(ربط) سورۃ مزمل کے آخر میں بالخصوص احکام خداوندی کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا تھا اور یہ کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اہل ایمان نمازیں قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور حق تعالیٰ کی راہ میں انفاق و ایثار سے کبھی بھی گریز نہ کریں یہ تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ایک قرض حسن ہے جو بڑی ہی برکتوں اور زیادتی کے ساتھ قرض دینے والوں کو واپس ملے گا اور دار آخرت کے واسطے بہترین ذخیرہ ہے جو دنیاوی زندگی میں ہی آخرت کے لیے مہیا کیا جاتا ہے اور وہ خداوند عالم اپنے بندوں کے اعمال پر بہترین اجر و ثواب عطا فرمانے

والا ہے ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ نے اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور انکو جامع شریعت اور کامل ہدایت سے نوازا تو اس مناسبت سے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے خطاب فرما رہے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے چادر میں لپٹنے والے کھڑے ہو جایئے اور پوری مستعدی وسرگرمی کے ساتھ منصب رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے تیار ہو جایئے پھر لوگوں کو ڈرایئے عذاب آخرت سے اگر وہ خالق کائنات اور رب العالمین پر ایمان نہ لاتے اور اسکی اطاعت وفرماں برداری نہیں کی۔ اور اپنے رب کی کبریائی وعظمت بیان کرتے رہیئے تاکہ خداوند عالم کی عظمت وشوکت کو سن کر اور اس کو سمجھ کر منکرین ومشرکین اس کی توحید کی طرف مائل ہو سکیں اور یہ سمجھ لیں کہ شرک و بت پرستی کی وجہ سے جو عذاب خداوندی واقع ہوگا یہ ہمارے بت اسکو دفع نہ کر سکیں گے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے اور جب کہ کپڑوں کو بھی نجاست سے پاک رکھنے کی ضرورت ہے تو لامحالہ بدن اور اجزاء بدن کو بھی ہر طرح کی ظاہری اور معنوی عملی اور حسی گندگی سے پاک رکھنا چاہیئے اور جب بدن کو بھی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنا لازم ہے تو بلاشبہ قلب پر بھی ادنیٰ درجہ کی گندگی عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ نیز کفر وشرک کی ہرگز نہ ہونی چاہیئے اور جو حکم آپ کو کپڑوں کی پاکی کا دیا جا رہا ہے اس حکم سے اور اس کے نتائج ولوازم سے اے ہمارے پیغمبر دوسروں کو بھی آگاہ کر دیجیئے[۱]

اور گندگی سے دور رہیئے اور سب سے بڑی گندگی شرک وبُت پرستی ہے تو اس سے بھی بدستور اجتناب کیجیئے جیسے کہ آپؐ اب تک اس سے دور اور محفوظ ہیں[۲]۔

اور احسان نہ کیجیئے اس لیے کہ آپ اسکے ذریعہ بدلہ زائد چاہیں کیونکہ انسان طبعی کمزوری یا مال ومنال کی حرص کے باعث بسا اوقات احسان اس توقع یا تصور پر کرتا ہے کہ مجھے اس کا بدلہ زائد ملے گا تو آپؐ اس طرح کے تصور سے بھی اپنے قلب کو پاک رکھیئے اور اپنے رب ہی کے لیے اس کے دیئے ہوتے پر

---

[۱] لباس سے بطور کنایہ حالت اور طرز زندگی بھی مراد لیا جاتا ہے تو اس لحاظ سے کپڑوں اور لباس کی پاکی کا حکم گویا طرز زندگی اور اعمال واخلاق کی پاکی اختیار کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ ہر عملی حالت گویا پیکر لباس ہے ۱۲

[۲] مراد یہ ہے کہ یہ امر کے صیغے انشاء امر کیلئے نہیں بلکہ دوام کے لیے ہیں یعنی مطلوب ان چیزوں کا دوام ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ ان آیات کے ترجمہ میں اس طرح کے الفاظ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اسکے خلاف انشاء امر کے طور پر یہ ترجمہ کپڑے پاک کیجیئے سوء ادبی شمار فرماتے تھے۔

بس صابر رہیئے صبر و شکر اور قناعت انسانی کمالات میں عظیم تر وصف ہے ان پر آپؐ قائم رہیئے۔
دعوت و تبلیغ کی راہ میں شدائد پیش آتی ہی ہیں تو ان چیزوں کو اللہ کے لیئے صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہیں پھر جب آواز ہوگی ایک کھوکھری چیز میں اور صور پھونکا جاتے گا جس پر قیامت برپا ہوگی تو یہ دن بہت ہی دشوار ہوگا کافروں پر کسی طرح بھی آسان نہ ہوگا بلکہ اسکی دشواری بڑھتی ہی چلتے گی چہ جائیکہ اس میں کسی طرح کی سہولت اور آسانی ہو اس لیئے اے ہمارے پیغمبر آپ اپنے کام میں صبر و استقامت سے لگے رہیتے اور منکرین و مخالفین کی عداوت اور سازشوں کی قطعاً فکر نہ کریں۔
پس چھوڑ دیجیئے مجھ کو اور اسکو جسے میں نے پیدا کیا ہے تنہا کہ جس کے ساتھ پیدائش کے وقت کوئی بھی چیز نہ تھی ہر انسان ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ مال و اولاد لشکر و سامان کچھ بھی وہ ساتھ نہیں لاتا یہ جو کچھ دنیا میں انسان کو ملتا ہے وہ خدا کی عطا اور بخشش ہے اسس پر مغرور رہونا اسکو زیب نہیں دیتا چنانچہ ایسے انسان کو ہم نے یہ سب کچھ نعمتیں عطا کیں اور بنا دیا اسکے واسطے پھیلا ہوا مال اور دے دیئے ہیں اسکو بیٹے جو مجلس میں حاضر رہنے والے ہوتے اور جمادی اسکے واسطے ایک مسند عزت و ریاست

لمہ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے اکلوتے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ میں وحید اور یکتا شمار ہوتا تھا قریش مکہ اسکو وحید اور ریحانۃ القریش کہا کرتے دنیوی نعم کی کوئی کمی نہ تھی تجارت اور زمین و باغات کی آمدنی کی حد نہ تھی طائف میں اس کا بہت بڑا باغ تھا جسکے پھل موسم گرما اور سرما ہمیشہ رہتے تھے دس بیٹے تھے جو ہمیشہ باپ کے سامنے رہتے اور اسکی توقیر و تعظیم بڑھاتے رہتے۔
تو اس بدبخت نے اللہ کے انعامات کو ناشکری اور غرور و تکبر میں بدل ڈالا کبھی شکر کی توکیا توفیق ہوتی شرک اور بت پرستی میں منہمک رہا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی زیادہ سے زیادہ کرنے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت قیامت اور بہشت کا ذکر فرماتے تو یہ کہتا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو اور قیامت آئے گی تو وہاں بھی مجھے اسی طرح مال و اولاد اور نعمتیں ملیں گی۔
مفسرین فرماتے ہیں قریش مکہ نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید و ایمان روز بروز قبولیت حاصل کرتی جا رہی ہے تو انہوں نے ولید کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ بتاؤ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بات کس طرح بے اثر کی جائے اس پر ولید نے مشورہ دیا کہ آپؐ کو ساحر (جادوگر) کہو چنانچہ خود ہی مکہ کی ہر گلی کوچہ میں یہی کہتا پھرتا کہ محمد تو ساحر (جادوگر) ہے تو اسکے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں ولید کی تحقیر و تذلیل سورۃ ن میں حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ جیسے کلمات سے فرماتی ہے۔

کی خوب اچھی طرح جما دینا پھر بھی وہ اپنی طبعی حرص و لالچ کے باعث طمع کرتا ہے کہ میں اسکو اور بھی دونگا عزت و سر بلندی حتی کہ وہ یہ بھی جرأت کرنے لگا کہ آخرت میں بھی اسکو یہ سب کچھ مل جائے گا جو دنیا میں ملا ہوا ہے خبردار! ہرگز ایسا نہیں آخرت میں تو کیا وہ تو دنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیسا ذلیل و خوار ہوتا ہے اسلئے کہ وہ تو ہماری آیتوں کا بڑا ہی مخالف ہے اور بغض وعناد رکھنے والا ہے۔

اب عنقریب میں اسکو چڑھاؤں گا بڑی ہی دشوار چڑھائی پر ذلت و مصائب اور سخت ترین دشواریاں جو پہاڑ کی طرح دشوار گذار ہوں گی اور وہ مشقتیں اور دشواریاں اس سے جھیلی نہ جائیں گی جیسے کہ کوئی انسان کسی دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکتا[*] مگر افسوس شقاوت اور بدبختی کی حد ہوگئی اس نے کچھ سوچا پھر دل میں کچھ ٹھہرایا سو یہ بدبخت ہلاک ہو کہ اس نے کیسی بے ہودہ بات دل میں ٹھہرائی پھر ہلاک و غارت ہو کیسی بات اس نے ٹھہرائی جب کہ اہل قریش نے اس سے کہا آخر کوئی بات تو بتا کہ ہم کس طرح لوگوں کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بھٹکائیں تو اس نے بڑے ہی اندازِ تدبر و تفکر سے کچھ سوچا اور پھر دل میں کچھ طے کر کے کہا تھا کہ بس یہ کہو کہ محمدؐ ساحر ہیں اور یہ کلام بھی جو سناتے ہیں، سحر ہے تو اس نے پھر ایک نگاہ ڈالی اپنی جماعت پر جیسا کہ عیار لوگ جب اپنی مکاری کے جال میں لوگوں کو پھانسنا چاہیں تو دیکھا کرتے ہیں اور نظریں گھمایا کرتے ہیں۔

پھر مُنہ بنایا تیوری چڑھائی اور ایسا منہ بنایا جیسے کسی ناگوار چیز سے انسان اظہار کراہت کے لیے منہ بناتا ہو پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا اور ایسے انداز یعنی اظہار نفرت وکراہت اور غرور و تکبر کو اختیار کرتے ہوئے پھر بولا بس یہ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک جادو ہے جو نقل در نقل اور نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے پہلے بھی اسی طرح جادوگر تھے اور اب یہ بھی اسی قسم کا جادو اس کلام کی شکل میں پیش کر رہے ہیں یہ کچھ نہیں سوائے اسکے کہ ایک آدمی کا کہا ہوا ہے نہ کہ وحی اور خدا کا کلام پروردگار عالم اس مکار و عیار اور بدبخت کی یہ باتیں نقل کر کے فرما رہا ہے اچھا میں عنقریب ہی اس بدبخت کو گھسیٹ کر ڈالوں گا جہنم کی آگ میں اور اسکے سارے عناد تکبر اور غرور کا مزا چکھا دوں گا اور اے مخاطب کیا تو جانتا بھی ہے کہ کیسی آگ ہے وہ؟ وہ آگ ایسی ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی بلکہ دوزخیوں کی ہر چیز کو جلاتے گی اور کوئی بھی حصہ جلنے سے بچ نہ سکے گا اور پھر اس حالت پر کہ وہ جل بھن گئے ہوں باقی نہ چھوڑے گی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹا دیا جائے گا تاکہ پھر جلیں اور جلنے کی اذیت کا مزہ چکھتے رہیں جیسے کہ سورۃ نساء میں فرمایا گیا "كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ"

[*] روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد فوراً یہ بدبخت یعنی ولید بن مغیرہ طرح طرح کی مصیبتوں اور دشواریوں میں مبتلا ہوگیا پے در پے مالی نقصانات پیش آتے رہے تجارت برباد ہوگئی باغات ضائع ہوگئے آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مرا - ۱۲ فوائد عثمانی

یہ آگ جھلسنے والی ہوگی بدن کی کھال جس سے انکے جلتے ہی بگڑ جائیں گے اس جہنم پر انیس فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے احکام اور جہنمیوں کو سزا دینے کی ذمہ داری ادا کرتے ہوں گے اور نہیں بنایا ہے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتوں کو کہ ان ہی کو جہنم کا داروغہ مقرر کیا گیا ہے اور نہیں بنایا ہم نے انکی اس تعداد کو مگر آزمائش کافروں کے لیئے کہ وہ کس طرح اس تعداد کو سُن کر مذاق اڑائیں گے انکار کریں گے قیل وقال اور حجت بازی کہ اس عدد میں کیا مصلحت ہے لیکن اسکے بالمقابل یہ تعداد اس لیئے ہے کہ یقین کرلیں وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور ایمان والوں کے ایمان میں اور اضافہ ہوجائے اور کسی قسم کا دھوکہ نہ کھائیں

یہ جہنم پر مقرر کردہ فرشتوں کی تعداد انیس بیان کرتے ہوتے یہ فرمانا وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ - اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انیس فرشتے جو داروغۂ جہنم مقرر کیئے گئے ہیں تو یہ بحیثیت افسران بالا ہوں گے ہر ایک افسر کے تحت کس قدر عملہ ہوگا یہ تو خدا ہی جانتا ہے یہ اسکے لشکر ہیں جنکو کوئی ہی نہیں جان سکتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ نے انیس کے عدد کی حکمتیں بڑی عجیب اور لطیف بیان کی ہیں حضرات اہل علم مراجعت فرمالیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کے عذاب دینے کے سلسلہ میں انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے ایک فرشتہ وہ کام کرسکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے لیکن ہر فرشتہ کی قوت اور اسکی عملی مصروفیت اسی دائرہ میں محدود کر دی گئی جس کے لیے وہ مامور ہے مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ ملک الموت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا حضرت جبرئیلؑ چشم زدن میں وحی لاسکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں جسطرح انسان کی قوتوں کو قدرت خداوندی نے محدود کر رکھا ہے کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں اسی طرح جو فرشتہ بھی عذاب پر مقرر ہوگا وہ فرشتہ صرف اسی قسم کا عذاب دے گا جس قسم کے عذاب پر وہ مامور ہے دوسری قسم کا عذاب دینے کی اس کو قطعًا قدرت نہ ہوگی تو اس طرح انیس قسم کے عذاب ہوں گے کوئی ضرب سے عذاب دیتا ہوگا کوئی جلانے سے کوئی توبیخ و ملامت سے کوئی زقوم اور صدید وحمیم کے کھلانے اور پلانے پر مقرر ہوگا اس طرح یہ انیس فرشتے اپنے مقرر کردہ عذاب کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تفصیل کے لیے تفسیر عزیزی کی مراجعت فرمائیں)

وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور وہ جو اہل ایمان ہیں کیونکہ وہ اللہ کی ہر بات پر یقین کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور یہ تعداد اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ یہ کہیں کہ اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے اس چیز کو مثل بنانے سے اور بطور عدد اسکو بیان کرنے سے اسکی کیا غرض ہے بھلا یہ کیا بات ہے اور کون اسکو مان سکتا ہے اور نہیں جانتا ہے اے ہمارے پیغمبر آپ کے رب کے لشکر مگر بس وہی پروردگار اور نہیں ہیں یہ باتیں مگر وعظ و نصیحت دنیا کے انسانوں کے لیے کہ وہ جہنم اور عذاب جہنم اور اللہ کے لشکر اور جہنم پر مقرر انیس کی تعداد میں داروغہ کا ذکر سن کر عبرت و نصیحت حاصل کریں غضب الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے بچیں۔

ف بعض روایات میں ہے کہ جب یہ آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی اور مشرکین نے انیس کا عدد سنا تو مذاق کرنے لگے اور ایک دوسرے سے قہقہے لگاتے ہوئے کہنے لگے یہ انیس ہمارا کیا کرلیں گے ہم تو ہزاروں ہیں اگر کچھ ہوا بھی تو زیادہ سے زیادہ ہم میں سے دس دس ایک ایک کے مقابلہ کے لیے ڈٹ جائیں گے ان میں ایک پہلوان تھا وہ کہنے لگا بھائی سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں باقی جو دو رہ جائیں گے ان سے تم نمٹ لینا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً کہ یہ انیس تم جیسے کوئی انسان نہیں بلکہ یہ تو فرشتے ہیں اور فرشتوں کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک ہی فرشتہ نے قوم لوط کی پوری بستی کو ایک ہی بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

ربِّ سماوات و ارض کے لشکر بس وہی جانتا ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ اپنی تفسیر ابن کثیر میں آیت مبارکہ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ،، کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ حدیث معراج (جو صحیحین میں موجود ہے) سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "البیت المعمور،، کی صفت و کیفیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیت معمور ساتویں آسمان میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر ان کو لوٹنے کی نوبت نہیں آتی یعنی ملائکہ کا ہجوم و کثرت اس قدر ہے کہ ان ستر ہزار کے طواف کرنے کے بعد پھر انکے طواف کی نوبت ہی نہیں آتی تو جس پروردگار کی یہ عظمت و شان ہے تو ظاہر ہے کہ اسکے فرشتوں کا لشکر کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ معروف حدیث تخریج فرمائی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا کہ آسمانوں میں انگشت کے برابر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ بارگاہِ رب العزت میں سربسجود نہ ہو اور فرمایا اے لوگو! اگر

تم کو وہ بات معلوم ہو جاتے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا یہ حال ہو جاتے کہ تم کثرت سے رونے لگو اور ہنسنا کم کر دو اور تم اپنے بستروں سے لطف اندوز ہونے کے بجاتے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوتے آہ وزاری کرتے ہوتے گڑگڑ انے لگو۔

یہ وہی حقیقت ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں واضح کر دی گئی وَمَامِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ حافظ ابن کثیرؒ نے ایک اور روایت بیان فرمائی عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز کے لیے تشریف لاتے جب کہ جماعت کھڑی ہو رہی تھی تو آپ نے دیکھا کہ تین آدمی بیٹھے ہوئے ہیں جو نماز کے لیے اٹھے نہیں جن میں ایک شخص ابو جحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو نماز کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھو تو ان میں سے دو آدمی تو کھڑے ہو گئے اور تیسرے یعنی ابو جحش نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھڑا ہوں گا جب تک کوئی شخص مجھ سے زیادہ طاقتور بازوں والا اور مجھ سے قوی گرفت والا نہ آجاتے اور وہ مجھے پٹخ دے اور میرے چہرہ کو مٹی میں روند دے تو بس میں اس وقت ہی اُٹھ سکتا ہوں حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خبیث کو زمین پر دے مارا اور اس کا چہرہ مٹی میں رگڑا وہ شخص عثمان غنیؓ کے پاس آیا اور یہ قصہ بتایا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے روکا عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں غصہ میں بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عمرؓ اس پر راضی ہوا تو (خیر بہتر ہے) میں تو اے عمرؓ یہ چاہتا تھا کہ تم اس خبیث کا سر قلم کر کے میرے پاس لاتے۔

پھر آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ میں تم کو بتاتا ہوں خداوند عالم اس ابو جحش کی نماز سے بے نیاز ہے اللہ کے لیے تو آسمانوں میں فرشتے ہمہ وقت عبادت و بندگی میں اس طرح مصروف ہیں کہ ایک لمحہ بھی اسکی بندگی سے خالی نہیں گزرتا آسمان دنیا میں وہ فرشتے ہیں جو ہمہ وقت سربسجود ہیں اور وہ قیامت تک سجدہ سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے اور جب قیامت پر وہ اٹھیں گے تو کہتے ہوں گے ماعبدنا کَ حق عبادَتِکَ اسی طرح ہر آسمان پر فرشتوں کی ایک ایک عبادت رکوع و سجود اور قیام اور تسبیح و تحمید کا ذکر فرمایا کہ وہ اسی حالت میں قیامت تک رہیں گے تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں

تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔

كَلَّا وَالۡقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَ

سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی اور

الَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبۡحِ اِذَآ اَسۡفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحۡدَى الۡكُبَرِ ﴿۳۵﴾

رات کی جب پیٹھ پھیرے! اور صبح کی جب روشن ہوتے وہ دوزخ ایک ہے بڑی چیزوں میں

نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾

ڈراوا ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾

ہر جی اپنے کئے میں پھنسا ہے مگر داہنے والے

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي

باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا احوال تم کاہے سے پڑے

سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ

دوزخ میں وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھلاتے

الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ

محتاج کو اور تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے اور ہم تھے جھٹلاتے

بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

انصاف کے دن کو جب تک آپہنچی ہم پر یقین آنیوالی پھر کام نہ آوے گی انکو سفارش

الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ

سفارش کرنیوالوں کی پھر کیا ہوا ہے انکو سمجھوتی سے منہ موڑتے ہیں جیسے وہ

حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ

گدھے ہیں بدکے بھاگے غل کرنے سے بلکہ چاہتا ہے ہر مرد ان

مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ

میں کہ اسکو ملیں ورق کھلے کوئی نہیں! پر ڈرتے نہیں

الْآخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ

آخرت سے کوئی نہیں یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے یاد کرے اور وہ یاد جبھی کریں

ربع

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝۵۶

کہ چاہے اللہ وہ ہے جس سے ڈر چاہیئے اور وہ بخشنے کے لائق

تنبیہ برانکار مجرمین وبیان قانون جزاء وسزا در روز قیامت

قال اللہ تعالیٰ ۔ كَلَّا وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ..... الیٰ ... هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ

(ربط) گذشتہ آیات میں کفار ومنکرین کی کچھ بے ہودہ خصلتوں اور انکی نافرمانی کا ذکر تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پیغمبر خدا اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے اب ان آیات میں ایسے مجرمین ومنکرین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ ایسی ذلیل حرکات سے باز آجائیں ساتھ ہی قیامت کے روز جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ اہل ایمان کیسی راحتوں اور نعمتوں میں ہوں گے اور کفار ومشرکین جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان پر حسرت وندامت کا کیا عالم ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس وقت حسرت اور پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا۔

خبردار مجرمین ومنکرین کو اسی قسم کی لغو اور بے ہودہ باتوں اور حرکتوں سے باز آجانا چاہیئے یہ جو کچھ وحی الٰہی سے بتایا جارہا ہے بالکل حق ہے اور قسم ہے چاند کی اور قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے اور قسم ہے صبح کی جب کہ وہ روشن ہو بے شک وہ جہنم جس پر انیس فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے ایک بہت ہی بڑی چیز ہے بڑی عظیم الشان چیزوں میں سے جو ڈرانے والی ہے انسان کو ہر اس شخص کے لئے جو تم میں سے چاہے آگے بڑھنا اور سعادت وفلاح کے میدان میں یا یہ کہ وہ پیچھے رہے اور ایمان وتقویٰ کی طرف رخ بھی نہ کرے آگے بڑھنے سے نیکی اور تقویٰ کے عمل کرے گا اور اسکا نتیجہ بہشت اور بہشت کی نعمتیں ہوں گی۔ اور پیچھے ہٹنا بدی اور برائیوں میں مبتلا ہونا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایمان اعمال اور نیکی یا کفر ونافرمانی اور شقاوت کے نتائج قیامت ہی کے روز سامنے آئیں گے اسی وجہ سے یہ قانون خداوندی ہے کہ ہر ایک انسان اپنے کیئے ہوئے کاموں میں گرفتار رہے ان کاموں میں سے جو بھی شقاوت ومعصیت اور بدی کا کام ہو اسکی سزا سے وہ کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔

مگر داہنے ہاتھ والے جنکو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ باغوں میں ہوں گے ہر طرح کی عیش وراحت اور لذتوں میں جو بطور مزاح یا حق تعالیٰ کی نعمتوں میں خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے مجرموں کے بارہ میں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو دنیا میں اپنا فخر وغرور جتایا کرتے تھے اور ایمان واعمال صالحہ کی جزاء اور جنت کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اور یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قیامت آئے گی اور قیامت میں مجرموں پر خدا کا عذاب ہوگا پھر خود وہ ان مجرموں کی طرف متوجہ

ہوتے ہوتے دریافت کرتے ہوں گے کس چیز نے تمکو پہنچایا ہے جہنم میں اور تم تو بڑے ہی عقل مند تھے اسس دانائی وعقل کے باوجود تم اس ہلاکت و تباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے بولیں گے ہم نہ ہوتے نماز پڑھنے والوں میں سے اور نہ ہی صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کی صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بلکہ ہم تو خدا اور رسول کی باتوں میں طعن وتشنیع کرنے والوں کے ساتھ اللہ کے دین میں تمسخر اور اعتراض کرنے میں منہمک رہتے تھے چہ جائیکہ ہم خدا اور اسکے رسول پر ایمان لاتے اور ہم جھٹلاتے رہے انصاف کے دن روز قیامت کو یہاں تک آپہنچی ہم پر یقین کی بات کہ قیامت ہی آگئی اور جن جن باتوں میں شک کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے ان پر یقین بھی حاصل ہوگیا حتی کہ مشاہدہ کر لیا کہ یہ ہے وہ جہنم جس سے خدا کے پیغمبر نے ڈرایا تھا تو اسس طرح انجام ہوگا ان منکرین ومکذبین کا جو کسی طرح بھی عذاب خداوندی سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں گے سو انکو سفارشس کرنیوالوں کی کوئی سفارشس فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ یہ سب کچھ ان منکرین کو بتایا جارہا ہے جو قریش مکہ میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آخر کیا ہوگیا انکو جو ہر نصیحت سے بے رخی اختیار کر رہے ہیں بلکہ نفرت اور پیغام نصیحت سے دور بھاگنے کی صورت یہ معلوم ہو رہی ہے کہ گویا یہ بدکے ہوتے جنگلی گدھے ہیں جو کسی ہیبت ناک آواز سے بھاگ رہے ہیں تو اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے کہ نعرۂ حق اعلانِ توحید اور دعوت ایمان کی صدا نے انکے قلوب ودماغ میں کھلبلی مچا دی جو کفر وشرک کی گندگیوں سے بھرے ہوتے ہیں عقل وفطرت کے لحاظ سے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اعلانِ توحید اور دعوتِ حق سے اعراض کریں اور اسکو قبول نہ کریں اصل روگ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اسکو کھلے ہوتے ورق دے دیئے جائیں اور نام بنام ہر ایک پر آسمان سے ایک ورق اور صحیفہ آکر گرے اور اس میں لکھا ہوا ہو کہ اے فلاں بن فلاں خدا تجھ کو کہتا ہے کہ تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آ[۲] خبردار ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ نہیں ہے کہ یہ بات وہ اپنے کسی شک اور تردد کو دور کرنے کے لیئے کہتے ہیں بلکہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں جب اس پر ایمان و یقین ہی نہیں تو کیا خاک ڈریں گے خبردار اے انسان غفلت سے باز آجا یہ تو ایک نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر نے سب کو کردی اور یہ پیغام نصیحت سب کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے

---

[۲] یہ وہی چیز ہے جس کو سورۃ انعام میں فرمایا وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ ۔ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہ اگر ہم آپؐ پر ایک لکھی ہوئی کتاب کاغذوں میں اتار دیتے پھر وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو تب بھی یہی کہتے یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے مطلب یہ کہ بالفرض انکا یہ مطالبہ اور خواہش بھی پوری کر دی جاتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔

اسکو قبول کرلے اور جس کا دل چاہے اسکو ٹھکرا دے اور جو لوگ بھی اسکو قبول کریں گے وہ وہی ہوں گے جن کو اللہ چاہے کیونکہ حق و ہدایت کا قبول کرنا پروردگار عالم کی توفیق و مشیّت پر موقوف ہے اور وہ ذات خداوندِ عالم اپنی عظمت و کبریائی اور اپنے جلال و جمال کے باعث لائق ہے ڈرنے کے اور اہل ہے مغفرت کا کہ اپنے لطف و کرم سے بندوں کو معاف کر دے اور اپنے انعامات سے نوازے یعنی آدمی کتنا ہی گناہگار ہو لیکن پھر بھی اگر خدا سے ڈر کر تائب ہو جاتے گا اور معافی مانگے گا تو خدا تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرماتے ہوتے اسکی مغفرت فرما دے گا یہی اس کی شانِ کریمی سے متوقع ہے۔

اللّٰهم اغفر لنا وارحمنا وارض عنا وتقبل منا وادخلنا الجنة ونجنا من النار بالخير فانت اهل التقوىٰ واهل المغفرة آمين يا رب العٰلمين (تم تفسير سورة المدثر)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُورَةُ الْقِيٰمَةِ

سُورۂ قیامہ بھی مکی سورتوں میں سے ہے جو مکی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اسکی چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔

اس سورت میں احوال قیامت کا ذکر ہے اور وہ دلائل قاطعہ اور واضح بعث ونشر کے ثابت کرنے کے لیے ذکر فرماتے گئے جن کو سن کر ہر شخص عقل وفطرت کی رو سے مجبور ہے کہ وہ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لاتے۔

؎ انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرتے ہوتے بطور تشریح وتوضیح فرمایا قال ربکم انا اهل ان اتقى فلا يشرك شيء فاذا اتقاني عبدٌ فانا اهل ان اغفر له یعنی میں اسکے لائق ہوں جب میرا بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ شریک نہ کیا جاتے تو میں مغفرت کر دوں حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ کی تفسیر بھی یہی ہے عربیت کی رو سے یہ ظاہر ہوا کہ اہل التقویٰ میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے اور اہل المغفرۃ نسبت فاعل کی طرف ہے اور اس روایت میں بیان کردہ کلمات اس طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں جملہ معطوف علیہا بمنزلہ شرط ہے اور جملہ معطوفہ بمنزلہ جزا ہے ۱۲

ایمان بالآخرۃ دین اسلام کی بنیاد ہے تو اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال بیان کیے گئے اور یہ کہ انسان پر جب سکراتِ موت طاری ہونے لگتے ہیں تو اس پر کس طرح کی بے چینی اور کرب واقع ہوتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ قیامت برپا فرمائیں گے تو نظامِ عالم اور آسمان و زمین اور چاند و سورج کس طرح درہم برہم کر دیئے جائیں گے خدائے تعالےٰ انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح انکی قبروں سے اٹھائے گا اور کس طرح وہ اپنی عظیم قدرت سے جسم کے اجزائے منتشرہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی ہڈیوں کو جوڑے گا۔

پھر جب میدان حشر میں حاضری ہوگی تو انسان اپنے اعمال پر کیسا پچھتائے گا اور نامۂ اعمال اسکے سامنے ہوں گے اس کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی کتاب اعمال خود پڑھے ان اہم مضامین کو بیان کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں پھر ایک بار انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کیا گیا۔

آیاتہا ۴۰ (۷۵) سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۱) فیہا رکوعان

سورۃ قیامہ مکی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ﴿۲﴾

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں جی کی، جو اولاہنا دیتا ہے

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اسکی ہڈیاں؟ کیوں نہیں سکتے ہیں ہم

اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ ﴿۵﴾

کہ ٹھیک کر دیں اسکی پوریاں بلکہ چاہتا آدمی کہ ڈھٹائی کرے اسکے سامنے

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ

پوچھتا ہے کہ کب ہے دن قیامت کا؟ پھر جب چوندھ لانے لگے آنکھ اور گہہ جاوے

الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ

چاند اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند کہے گا آدمی اس دن کہاں جاؤں بھاگ

الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّأُ

کر کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ تیرے رب تک اس دن جا ٹھہرنا جتا دینگے

الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ

انسان کو اس دن جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ

بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ

سوجھ ہے اور پڑا لا ڈالے اپنے بہانے نہ چلا تو اسکے پڑھنے پر اپنی زبان

لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ

کہ شتاب اسکو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اسکو سمیٹ رکھنا اور پڑھنا پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو

قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

رہ ساتھ اسکے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اسکو کھول بتانا کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتی

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا

اور چھوڑتے ہو دیر آتی کتنے منہ اس دن تازے ہیں اپنے رب کی

نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا

طرف دیکھتے اور کتنے منہ اس دن اداس ہیں خیال میں ہیں کہ ان پر وہ ہووے

فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾

جس سے کمر ٹوٹے کوئی نہیں جس وقت جان پہنچی ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا

وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ

اور وہ اٹکلا کہ اب آیا بچھوٹنا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی تیرے رب کی

يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ

طرف ہے اس دن کھنچ جانا پھر نہ یقین لایا ہے نہ نماز پڑھی پر جھٹلایا ہے

وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾

اور منہ موڑا - پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا خرابی تیری! خرابی پر خرابی تیری!

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾

پھر خرابی تیری! خرابی پر خرابی تیری! ۞ کیا خیال رکھتا ہے آدمی ؟ چھوٹا رہے گا بے قید

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ

بھلا نہ تھا ایک بوند منی کی جو ٹپکے پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اس نے بنایا

فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ

اور ٹھیک کر اُٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ کیا ایسا

ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

شخص نہیں سکتا ؟ کہ جلا دے مردے

احوال روز قیامت مع ذکر مناظر محشر و شدت کرب بوقت مرگ انسانی و حسرت و ملال بر محرومی از ہدایت

قال اللہ تعالیٰ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ... الیٰ ... اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۔

(ربط) گذشتہ سورتِ مدثر میں قیامت کے ظاہری احوال کا ذکر تھا اور یہ کہ قیامت کے قریب کیا کیا واقعات پیش آئیں گے اور قیامت کس طرح برپا ہوگی اب اس سورت میں قیامت کے باطنی احوال بیان کیے جا رہے ہیں اور یہ کہ قیامت قائم ہونے پر انسان پر کیا کیفیات گزریں گی وہ کس طرح بے چین و بدحواس ہوگا نامۂ اعمال کی پیشی نہایت ہی ہیبت ناک اور ہوش و حواس معطل کر دینے والا مرحلہ ہوگا اور اس وقت نافرمان اور فاجر و بدکار انسان کو سوائے ملال و حسرت کے

اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔
قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی جس کے صدق اور وقوع پر دلائل قطعیہ قائم ہوچکے اور ہر صاحب عقل انسان پر اس کا ماننا لازم ہوچکا خواہ وہ مانے یا نہ مانے اور قسم کھاتا ہوں میں ملامت کرنے والے نفس کی جسکی ملامت و حسرت کی کیفیات انسان ہر محرومی و ناکامی کے مرحلہ پر محسوس کرتا ہے اور ایسے ہر مرحلہ پر یہ احساس قدرت خداوندی اور اسکے دین کی حقانیت کی اعلیٰ اور روشن تر دلیل ہے۔
کیا گمان کرتا ہے انسان یہ کہ ہم اسکے مرنے کے بعد نہیں جمع کر سکیں گے اسکی ہڈیاں؟ ہرگز نہیں اس کا یہ خیال باطل ہے بلکہ ہم تو قادر ہیں اس بات پر کہ اسکی انگلیوں کی پوریاں بھی برابر کر دیں جو انسان کے بدن میں نازک ترین ہڈیاں اور اجزاء ہیں تو جب ہم ایسی نازک اور باریک ہڈیاں اور جوڑ بھی درست کر سکتے ہیں تو پھر تمام اجزاء اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے اصل بات یہ نہیں ہے کہ ہماری قدرت کی نشانیاں اور دلائل واضح نہیں ہوتے بلکہ یہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ ڈھٹائی کے ساتھ فسق و فجور کرتا رہے اس سے پہلے اور قیامت کا خیال تک دل میں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قیامت اور حشر و نشر کے تصور سے بھی اسکے عیش و عشرت اور نفس کی لذتوں میں خلل پڑ جاتے گا وہ بس یہی چاہتا ہے کہ اعمال کے حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے خیال سے لاپرواہ ہوکر نفس کی خواہشات اور لذتوں میں منہمک رہے اس لیے بطور استہزاء سوال کرتا ہے کب آتے گا قیامت کا دن؟ ایسے مسخرے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں وہ تو ایسی ہولناک ساعت ہوگی جب چندھیا نے لگے آنکھ تجلیات کی شدت و عظمت سے اور حیرت سے نگاہیں خیرہ ہوں گی سورج سر کے قریب ہوگا اور بے نور ہوجاتے چاند گہن لگنے کی طرح اور جمع کر دیا جاتے سورج اور چاند کہ نفخ صور کے بعد دونوں کو بے نور کرکے اور آسمان و زمین کا تمام نظام جو شمسی و قمری نظام پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جاتے اور اس آسمان و زمین کے بجاتے دوسرے آسمان و زمین بنا دیتے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ تو قیامت کا دن اے سوال کرتے والے انسان! ایسا ہیبت ناک دن ہوگا جس میں بدحواسی کا یہ عالم ہوگا انسان کہتا ہوگا۔ کہاں ہے بھاگنے کی جگہ کہ میں ان پریشانیوں سے بچ نکلوں نہیں ہرگز نہیں خبردار کہیں نہیں۔ بچنے کی کوئی جگہ کوئی طاقت ہی نہیں کہ انسان خدا کی گرفت سے بچ کر نکل سکے۔
بس اے انسان تیرے پروردگار ہی کی طرف اس دن ٹھیرنے کا مقام ہے کہ اسی رب کی عدالت کی حاضری اور پیشی سب کو بھگتنی ہے اور وہیں سب کو پیش ہونا ہے نہ کوئی امکان ہے اور نہ ہی کوئی مکان ہے کہ انسان وہاں پناہ لے سکے ہر انسان کو جتلا دیا جاتے گا اس دن جو

کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ اس نے بعد میں کیا یا جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا۔ نامہ اعمال پیش ہوگا اور زندگی کا ہر عمل اسکے سامنے ہوگا جس کا نہ انکار کر سکے گا اور نہ اس میں کسی قسم کی حجت بازی ممکن ہوگی اور نامۂ اعمال کی پیشی کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ انسان تو اپنے نفس کو خوب سمجھتا ہوگا اور اس کے بدن کا ہر ہر جزء ہر اس عمل کی گواہی دیتا ہوگا جو اس نے کیا (اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) اگرچہ وہ پیش کرنے لگے اپنے اعذار اور بہانے اور خواہ کچھ ہی بات بناتے حیل و حجت کرے لیکن کچھ کام نہ چلے گا حتی کہ اس کا یہ کہنا بھی وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ کسی درجہ میں مفید نہ ہوگا۔ اے ہمارے پیغمبر مت حرکت دیجئے آپ اپنی زبان کو تاکہ جلدی سے اسکو محفوظ کرلیں آپؐ کو اس محنت و مشقت کی ضرورت نہیں جو آپؐ

سے صحیح بخاری اور دیگر روایات میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابتداء وحی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جبریل امینؑ جس وقت اللہ کی وحی لیکر آتے اور وحی آپؐ پر نازل ہوتی تو آپ ساتھ ساتھ ہر ایک لفظ اپنی زبان سے پڑھنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ ذہن اور یاد سے نکل نہ جاوے اور اس وجہ سے آپؐ اپنے اوپر کافی مشقت برداشت فرماتے تو یہ آیت نازل ہوتی جس میں آپؐ کو اس طرح کی محنت و مشقت سے روک دیا گیا اور وعدہ کرلیا گیا کہ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کو آپؐ کے دل میں جمع اور محفوظ کردیں اور پھر آپکی زبان سے اسکی تلاوت و قراءت کرا دیں جس کو لوگ سن کر آپ سے یاد کرلیں اور یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کی توضیح و بیان اور اس سے متعلقہ احکام کی تفصیل و تشریح بھی کرا دیں اس وجہ سے آپکو چاہیئے کہ جب ہم اسکو بزبانِ فرشتہ پڑھیں تو آپؐ اسکی اتباع کریں یعنی خاموش رہیں اور کان لگا کر سنیں چنانچہ پھر آپ ایسا ہی کرتے کہ جبرئیلؑ کے وحی لانے پر خاموش رہ کر سنتے اور جب جبرئیلؑ چلے جاتے تو اسی طرح بلا کسی زبر زیر کے فرق کے آپؐ پڑھنے لگتے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی قدرت کا ایک عظیم نمونہ ہے کہ ایک سینہ میں کلام محفوظ کر دیا جاتے اور پھر اسکو جب چاہو اعادہ کرلو اور زبان سے اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر کر دیا جاتے تو جس طرح خدا کے پیغمبر کے سینہ میں یہ کلام محفوظ ہو رہا ہے اور پھر تلاوت کیا جا رہا ہے اور پڑھا جا رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انسان کے اعمال محفوظ رکھے اور قیامت کے روز ان اعمال کو اسی ترتیب سے جس طرح سے کہ وہ کیتے گئے ہیں انسان کے سامنے ظاہر کر دے بلکہ ہر انسان کے قلب میں کسی چیز کا محفوظ ہونا پھر اس کا زبان سے اسی ترتیب سے بیان و ظاہر کرنا قیامت کے روز اعمال کی پیشی اور گواہی کا نمونہ ہے غرض اس توضیح سے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کا جو شان نزول مفسرین نے بیان کیا اور احادیث میں اسکو ذکر کیا گیا اسکا ربط سورۂ قیامہ کے اس مضمون سے اور ماقبل و مابعد آیات سے واضح ہو رہا ہے ۱۲۔

جبرئیل امینؑ کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے بھی وہی کلمات پڑھنے کی مشقت اٹھاتے ہیں بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کر دینا آپ کے سینہ میں اور اسکا پڑھنا زبان سے اس لیئے جب ہم اسکو پڑھیں فرشتہ کی زبان سے تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی نہ کیجئے خاموشی سے سنیئے اور اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے پھر ہمارے ذمہ ہے اسکا واضح کرنا اور بتلانا اور آپکے ذریعہ اسکے معانی و مضامین کا دنیا تک پہنچا دینا۔

یہ مناظر اور حقائق تو اس بات کے واسطے کافی ہیں کہ انسان آخرت اور آخرت میں اعمال کی پیشی کو سمجھ لے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انسان فکر آخرت سے بالکل ہی لاپرواہ ہو چکا ہے اور یہ اس بناء پر نہیں کہ آخرت اور قیامت کے دلائل واضح نہیں یا انسان کی عقل و فطرت اسکو سمجھ نہیں سکتی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اے لوگو تم پسند کرتے ہو جلدی کی چیز کو جو دنیا میں اسی زندگی میں مل جاتے اسی زندگی کی لذتوں اور عیش و عشرت کا خواہاں ہو جس میں انہماک و شغف نے تم کو فکر آخرت سے بے پرواہ بنا دیا اور چھوڑتے ہو آخرت کو اور آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کو کاش کہ فکر آخرت نصیب ہوتی اور آخرت کی نعمتوں کی قدر و منزلت کا شعور ہوتا جانتے بھی ہو وہاں کے احوال کیا ہوں گے ؟ روز قیامت یہ ہوگا کہ کچھ چہرے اس روز تر و تازہ و شاداب ہوں گے جو اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن اداس اور مرجھائے ہوتے بد حواس اور بے رونق ہوں گے جو گمان کرتے ہوں گے اب انکے ——— ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتے گا جو کمر توڑ دینے والا ہو اور ایسی شدت و کرب کی کیفیت محسوس کریں جو انکی کمر ہی توڑ ڈالے۔

خبردار اے غافل انسانو! قیامت کی شدت کا کیا کہنا وہاں کا عذاب و سختی تو کیا برداشت کی جا سکے گی یہ دنیا میں موت کی گھڑی کچھ دور نہیں اور سفر آخرت کی یہ پہلی منزل ہی اس قدر دشوار گزار ہے کہ انسان اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا چنانچہ جب انسان کی جان گلے تک پہنچنے لگے اور نزع روح کا وقت آجاتے اور تدبیر و علاج سے مایوسی کے بعد کہا جاتے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور وہ سمجھے کہ اب فراق کا وقت ہے دنیا اور دنیا کی ہر محبوب چیز سے جدائی کا منظر آنکھوں سے نظر آنے لگے اور کرب و بے چینی کا یہ عالم ہو کہ پنڈلی پنڈلی کے ساتھ لپٹنے لگے تڑپنے کی کیفیت سے جیسے کہ سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی سے دوسری پنڈلی لپٹ لپٹ جاتی ہے تو ہر انسان کو ایسے سکرات موت کی شدت کو سوچنا چاہیئے کہ یہ کیسا کرب اور بے چینی کا عالم ہو گا۔

تو جب آخرت کی یہ پہلی منزل اس قدر شدید ہے کہ بڑے سے بڑے طاقت ور انسان برداشت نہیں کر سکتے تو ظاہر ہے کہ قیامت اور محشر کی شدت کا کیا عالم ہو گا اور انسان عجیب ہے کہ آخرت تو کیا موت جو قریب کی چیز ہے اور اس کا منظر روز اسکی نظروں کے سامنے ہے اسکو بھی بھلاتے ہوتے ہے تو اے انسان آخر کیوں اس بات کو نہیں سوچتا کہ

بس تیرے رب ہی کی طرف گھسیٹ کر تجھے لے جانا ہے اور ہر شخص میدانِ حشر کی طرف لے جایا جاتے گا جیسے جانوروں کو ہنکایا جارہا ہو۔

یہ باتیں بہت کافی ہیں کہ انسان ان پر غور کر کے عبرت و نصیحت حاصل کرے حق اور ہدایت کو تسلیم کرے لیکن افسوس بدنصیب ہے وہ انسان جس نے یقین نہ کیا کہ اللہ اور اسکے رسول کی بات پر ایمان لے آتا اور نہ نماز پڑھی اپنے رب کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے۔ہاں البتہ اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور منہ موڑا غرور و تکبّر سے نافرمانی کرتے ہوئے پھر لوٹا وہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا اے مغرور و بدنصیب انسان ہلاکت و بربادی ہو تیرے واسطے پھر ہلاکت و بربادی پھر تباہی ہو تیری اور پھر تباہی* کہ دنیا میں ذلت و نحوست اور ہلاکت ہو اور پھر آخرت میں بھی عذابِ جہنم میں مبتلا ہو آخرت کے عذاب اور قیامت کی شدت سے کون بچ سکتا ہے ہر صاحب عقل کو اس کی فکر اور تیاری میں لگ جانا چاہیئے اور جب تک دنیا میں ہے ان لمحات زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے تو کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسکو آزاد ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ جو چاہے کرے نیک و بد اور حلال و حرام کا فرق بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشات اور نفس ہی کی پیروی کرتا رہے اور یہ تصور بھی نہ کرے کہ اسکی ذمہ داری کیا ہے اور کس لیئے پیدا کیا گیا اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو اپنے خالق و مالک کو کیا جواب دے گا ایسا انسان آخر کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتا اور اللہ کی قدرت پر کیوں یقین نہیں کرتا کیا وہ نہیں تھا منی کا قطرہ ٹپکا ہوا رحم میں اور پھر یہ ناپاک قطرۂ منی کس طرح نشوونما پاتا رہا پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا پھر اسکو نشوونما دیا اور بتدریج نہایت ہی تناسب کے ساتھ اعضاء بنائے ہاتھ پاؤں شکل و صورت بنائی اس طرح کہ نطفہ سے خون کا لوتھڑا بنا اور خون کے لوتھڑے کو شکل و صورت بخشی متناسب اعضاء بنا دیئے پھر اس سے بناتے جوڑے

---

* یہ کلمات اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی کے مفہوم کی توضیح کے لیے ہیں علماء عربیہ سے منقول ہے کہ کلام عرب میں اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ہلاکت و بربادی کیلیئے استعمال کیا جاتا ہے۔
حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں موسیٰ بن ابی عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی - کے بارہ میں دریافت کیا تو فرمایا یہ وہ الفاظ تھے جو آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ابوجہل لعین کے انکار و تکبّر اور گستاخی کے مظاہرہ پر نکلے جب کہ وہ انتہائی غرور کے ساتھ آپکی شان میں بدتمیزی اور گستاخی کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلا ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی یہ الفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے جبریل امینؑ ان ہی لفظوں کے ساتھ یہ آیت لے کر اُترے ان الفاظ کا تکرار تباہی و ذلت اور عذاب کی شدت پر دلالت کر رہا ہے اور یہ کہ ایسے مغرور و نافرمان کو یہ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاں جہنم کی شدتیں اور آگ کی لپٹیں ہر ایک جانب سے احاطہ کیئے ہوتے ہوں گی ۔

مذکر و مؤنث کہ کسی نطفہ کو لڑکے کی شکل دیدی اور کسی کو لڑکی بنا دیا اور ظاہر ہے کہ ایک قطرۂ منی سے یہ تصرفات اور تغیرات خود بخود نہیں ہو رہے ہیں اور نہ کوئی عقل والا اس کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ ہر ایک مرحلہ اور حالت بتا رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی بڑے ہی زبردست علیم و حکیم اور قادر و خلاق کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے ورنہ یہ کون سے مادہ اور طبیعت کا اقتضا ہے کہ ایک قطرہ ایسے تغیرات قبول کرتا جا رہا ہے پھر اعضاء بن رہے ہیں شکل و صورت تیار ہو رہی ہے اور اس میں کوئی حمل لڑکے کی شکل اختیار کر رہا ہے تو کوئی لڑکی آخر یہ تفاوت کیوں ہو رہا ہے اور کون یہ صناعی کر رہا ہے اور کون اس گوشت کے لوتھڑے کو شکل و صورت دیکر آنکھ، ناک، کان اور ان میں ادراک کی صلاحیتیں پیدا کر رہا ہے تو کیا ایسا قادر مطلق اور خلاق عظیم قادر نہیں ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کر دے اور قیامت کے روز میدان حشر میں سب کو جمع کر دے؟ کیوں نہیں ضرور بالضرور اور بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور جب کہ ہر انسان کی تخلیق بلکہ ہر گھاس کا تنکا اور زمین کی تہوں میں سے ہر تخم کی روئیدگی بعث بعد الموت کا نمونہ ہے تو قیامت پر ایمان لانے میں کیا تامل ہو سکتا متعدد اسانید سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب سورۃ قیامہ کی یہ آخری آیت تلاوت فرماتے تو آپؐ فرماتے بلیٰ اور بعض روایات میں ہے "سُبْحَانَكَ بَلٰى" کہ بے شک اے پروردگار کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔

جیسا کہ سورۃ والتین کے بعد بَلٰى وانا علٰى ذالك من الشاهدين اور سورۂ مرسلٰت کے ختم فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پر آپؐ یہ فرماتے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ان آیات کی تلاوت پر ان کلمات کا پڑھنا ایمان و یقین کی تقویت اور اضافہ کا باعث ہے اسلئے احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کے پڑھنے کی ہدایت وارد ہوتی ہے۔

نفس کی حقیقت اور اس کی قسمیں

نفس کی حقیقت پر امام غزالیؒ نے مفصل کلام کیا ہے۔

اکثر فلاسفہ اور معتزلہ نفس اور روح کی حقیقت ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات فلاسفہ اجمالاً اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ نفس سے مراد جان یا روح انسانی ہے وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتساب کمالات کے لیئے اس کا آلہ ہے اور ، نفوس انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے مختلف مراتب اور درجات پر ہوتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے نفوس، نفوس قدسیہ ہوتے ہیں ان کے بعد درجہ اولیاء کرام کا ہے ایسے نفوس کو حق تعالےٰ سے قرب کا مقام حاصل ہونے کے باعث طمانینت و سکون کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ تو یہ نفوس مطمئنہ کہلاتے ہیں جو عام مومنین وصالحین کے مقام سے بہت بلند تر ہوتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا ہے۔

ان اللّٰہ تعالیٰ خلق اٰدم وجعل فیہ نفسًا وروحًا فمن الروح عفافہ وفہمہ، وحلمہٗ وجودہٗ وسخائہٗ ووفائہٗ۔ ومن النفس شہوتہٗ وغضبہٗ وسفہہٗ وطیشہٗ۔

کہ اللّٰہ رب العزت نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت وپاکدامنی اس کا علم وفہم اور اس کا جود وکرم اور وفاء عہد ہے اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔

حدیث کا مضمون نفس اور روح مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان میں اللّٰہ تعالیٰ نے دو متضاد اور مختلف قوتیں پیدا کی ہیں ایک قوت اسکو خیر پر آمادہ کرنے والی ہے جس کا نام روح ہے اور دوسری قوت شر پر آمادہ کرنے والی ہے اسکو نفس کہتے ہیں اسی چیز کو متکلمین نے اختیار کیا ہے اور نصوص قرآنیہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے ائمہ محدثین اور حضرات عارفین یہی بیان فرماتے ہیں۔

استاذ ابوالقاسم قشیری رح فرماتے ہیں اخلاق حمیدہ کے معدن اور سرچشمہ نفس کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کا سرچشمہ نفس ہے جسم لطیف ہونے میں اگرچہ دونوں مشترک ہیں لیکن ایک طاقت انسانی زندگی کے لیے محرک خیر ہے اور دوسری طاقت محرک شر ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے روح کو امر رب فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور یہی وجہ ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ اور بری خصلتوں کو روح کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

چنانچہ ارشاد ہے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ اور فرمایا وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى تو ان آیات میں شہوت حرص اور ہوا (خواہشات نفس) کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا ان مواقع میں کسی جگہ بھی لفظ روح یا ارواح نہیں بولا گیا اسی طرح آیت وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ میں بھی سفاہت کو نفس کی طرف منسوب فرمایا علیٰ ھٰذا القیاس ایک حدیث میں یہ فرمانا اعدیٰ عدوّک نفسک التی بین جنبیک کہ اے انسان سب سے بڑا تیرا دشمن وہ تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے تو اس موقع پر نفس کو انسان کا دشمن فرمایا کہیں قرآن کریم میں یہ فرمایا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ اور لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ جس سے حسد اور کبر کا نفس کی طرف ہونا بیان فرما دیا۔

علامہ ابن الجوزی نے زاد المسیر میں سورۂ زمر کی تفسیر میں بیان کیا ہے:

عن ابن عباسؓ — ابن آدم نفس وروح فالنفس العقل والتمیز والروح نفسٌ والتحریک فاذا نام العبد قبض اللّٰہ نفسہ ولم یقبض رُوحہٗ۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان مجموعہ ہے نفس اور روح کا نفس سے تو انسان ادراک امتیاز کرتا ہے اور روح سے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے اور جب انسان سوجاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتے ہیں مگر روح کو قبض نہیں فرماتے۔

یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن کریم میں اس طرح فرمایا اَللّٰہُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا الآیۃ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں روح اور نفس ہے اور انکے درمیان ایک پردہ حائل ہے سوتے وقت اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کر لیتے ہیں اور بیداری کے وقت اسکو واپس کر دیتے ہیں اور جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو سونے کی حالت میں موت دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکے نفس کو واپس نہیں کرتے اور روح کو قبض کر لیتے ہیں۔

بہرکیف ان تصریحات سے یہی چیز واضح ہے کہ نفس اور روح ایک چیز نہیں اور نفس انسانی زندگی میں شر اور برائیوں پر آمادہ کرنے والی قوت کا نام ہوا اسی وجہ سے نفس کی اس اصل خصوصیت اور تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ کہ نفس امّارہ بالسوء یعنی برائیوں پر خوب آمادہ کرنے والا ہے تو یہ حالت نفس کی اصل حالت ہوئی لیکن اس نفس کو جب تربیت دی جاتے اور اصلاح کی جاتے تو پھر اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ برائی کو برائی سمجھے اور اگر برائی سرزد ہو جاتے تو اس پر انسان شرمندہ ہو اور نفس ملامت کرنے لگے تو یہ نفس لوّامہ ہوا پھر جب تعلیم و تربیت اور ریاضت کے آثار سے قلب لطافت و پاکیزگی حاصل کر لے تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے جس کو آیت مبارکہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ میں بیان فرمایا گیا۔

نفس کی مثال امام رازیؒ نے کلب اور کتے کی سی بیان فرمائی اور فرمایا لیکن وہ کلب جو معلّم ہو یعنی شکاری کتا تعلیم و تربیت اس کی درندگی کو ختم کر کے اسکے شکار کو حلال اور پاک بنا دیتی ہے جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کا منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنا دیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم و تربیت کے بعد جب مطمئنہ ہو جاتے گا تو اسکے عمل اور تحریک میں بھی خیر اور پاکیزگی آجاتے گی جب کہ اسکے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

روح کی بحث سورۂ اسرا کی تفسیر میں گذر چکی ہے وہاں مراجعت فرمائی جاتے

فائدہ یوم قیامہ کی قسم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا تحقق اور وقوع قطعی اور یقینی امر ہے جو مخبر صادق کی خبر اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے اگرچہ اسکے مخاطب وہ مشرکین تھے جو قیامت کا انکار کرتے تھے لیکن ان کا انکار روز قیامت کے قطعی الثبوت ہونے کے باعث ایسا ہی قرار دیا گیا جیسے کوئی احمق انسان دن کی روشنی میں سورج کا انکار کرے اقسام قرآن کی بحث پہلے گذر چکی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رح اپنے فوائد میں فرماتے ہیں «واضح ہو کہ دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی لوگ قسم کھاتے ہیں اپنے معبود کی، کسی معظم و محترم ہستی کی کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب کی یا نادر شے کی اس کی خوبی اور ندرت جتانے کے لیئے پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے شاہد ہے جیسے کہ ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے اٹھ نہ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیئے حرام کر دیا لیکن اللہ کی شان بندوں کی شان سے جدا ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اسکے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع و مہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لیے بطور حجت و دلیل کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے (کذا فی الفوائد العثمانیہ)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القیامۃ
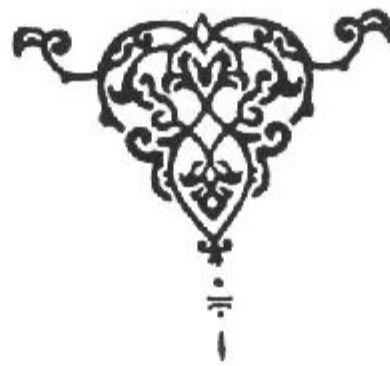
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الدَّھر

اس سورت کا نام سورۃ الدھر اور سورۃ الانسان حدیث کی رُو سے ثابت ہے اس میں دھر کا ذکر ہے اور انسانی تخلیق کا اس وجہ سے یہ دونوں نام مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں

اس سورت میں آخرت اور احوالِ آخرت کا خصوصیت سے بیان ہے اور تفصیل کے ساتھ آخرت میں ابرار و متقین کو جن انعامات سے نوازا جاتے گا ان کا ذکر ہے سورت کی ابتداء حق تعالےٰ شانہٗ کی قدرت عظیمہ کے بیان سے ہے۔ کہ کس طرح وہ اپنی قدرت سے انسان کو ایک ناپاک قطرہ (نطفہ) سے وجود عطا فرماتا ہے۔

اور اس ناپاک قطرہ پر کیا کیا تغیرات و احوال گذرتے ہیں جن کے بعد یہ انسان عدم سے ہستی میں آتا ہے اس قدرتِ عظیمہ کے ذکر سے مقصود انسان کو اپنے مقصدِ حیات کی طرف توجہ دلانی ہے اور اس مقصد کی تکمیل پر انسان کو کیا کیا نعمتیں اور راحتیں آخرت میں میسر آئیں گی ان کا بیان ہے۔

پھر سورت کے خاتمہ پر قرآنِ کریم کے نزول کا ذکر ہے اور اسکے اوامر و نواہی کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمان و سرکشوں سے احتراز و اجتناب کا حکم اور یہ کہ ذکر خداوندی ہی انسان کی ہدایت اور فلاح کا ضامن ہے۔

سورۃ دہر مکی ہے اور اس میں اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ

کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جو نہ تھا کچھ بچیز

شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝۱ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ
تکرار میں آتی ہم نے بنایا آدمی ایک بوند کے لچھے سے
نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ
پلٹتے رہے اسکو پھر کردیا سنتا دیکھتا ہم نے اسکو سوجھائی راہ
اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ
یا حق ماننا یا ناشکر ہم نے رکھی ہیں منکروں کو زنجیریں
وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝۴ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ
اور طوق اور آگ دہکتی البتہ نیک لوگ پیتے ہیں پیالہ
كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا
جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے چلاتے ہیں
تَفْجِيْرًا ۝۶ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ
اسکی نالیاں پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اسکی برائی
مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ
پھیل پڑے گی اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور
يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ
بن باپ کے لڑکے کو اور قیدی کو۔ ہم جو تمکو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہنے کو نہ تم سے
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا
ہم چاہیں بدلہ نہ چاہیں شکرگزاری ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداس سے
قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً
سختی کے پھر بچایا انکو اللہ نے برائی سے اسدن کی اور ملائی انکو تازگی

وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ

اور خوشی وقتی ؛ اور بدلہ دیا انکو اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے باغ اور پوشاک ریشمی لگے بیٹھیں

فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ ۚ

اس میں تختوں پر نہیں دیکھتے وہاں دھوپ نہ ٹھٹھر

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ

اور جھک رہیں ان پر اسکی چھاویں اور پست کر رکھے ہیں اسکے گچھے لٹکا کر اور لوگ لیئے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠

پھرتے ہیں ان پاس باسن روپے کے اور آبخورے جو ہو رہے ہیں شیشے شیشے پر

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ

روپے کے ماپ رکھا ان کا ماپ اور ان کو وہاں پلاتے ہیں پیالہ جس کی

مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ ۚ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ

ملونی ہے سونٹھ ایک چشمہ ہے اس میں اس کا نام کہتے ہیں سلسبیل اور پھرتے ہیں

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا

ان پاس لڑکے سدا رہنے والے جب تو انکو دیکھے خیال کرے کہ موتی ہیں

مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾

بکھرے اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ

اوپر کی پوشاک انکی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے اور انکو پہناتے ہیں کنگن

مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ

روپے کے اور پلائی انکو ان کے رب نے شراب جو دل کو دھووے یہ ہے

ع ۲

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾ ع

تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری نیگ لگی

ابتداء ہستی انسان درعالم وعطا صلاحیت برائے فرق درمیان حق وباطل مع ذکر انعامات ابرار ومتقین وتعذیب مجرمین

قال اللہ تعالیٰ هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ ..... الٰی ..... سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۔

(ربط) گزشتہ سورۃ قیامہ میں احوال قیامت کا ذکر تھا اور ان منکرین کا دلائل وحقائق کے ساتھ رد تھا جو روز آخرت کے بارہ میں شکوک وشبہات اور اعتراضات کرتے تھے اب اس سورت میں قدرتِ خداوندی کا بیان ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناپاک قطرہ کو انسانی وجود بخشتا ہے انسان کا کتم عدم سے ہستی میں آجانا اللہ رب العزت کی عظیم تر دلیل ہے پھر یہ کہ اس انسان کے سامنے دونوں راستے ہدایت اور گمراہی کے واضح کرکے رکھ دیئے گئے اسکو ہوش وحواس شعور وادراک اور عقل کی صلاحیتیں پوری طرح عطا کر دی گئیں اب اگر وہ حق وہدایت کا راستہ اختیار کریگا تو خدا کے عظیم انعامات کا مستحق ہوگا اور اگر عقل و فطرت کے تقاضوں کو فراموش کرکے گمراہی کا راستہ اختیار کریگا تو خدا کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ ابرار ومتقین کی جزائیں اور انعامات کیا ہوں گے اور فساق وفجار اور مجرمین کیسی ذلت میں مبتلا ہوں گے؟ آگے اسکی تفصیلات ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا۔

کیا نہیں گذرا ہے انسان پر ایک ایسا وقت زمانہ میں سے کہ وہ نہیں تھا ایسی چیز جو قابلِ ذکر ہو اس کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے ایک قطرہ منی سے جو ملی ہوتی ہے عورت کی منی سے یا وہ مخلوط ہے مختلف قسم کی غذاؤں سے اور ان کا جوہر وخلاصہ ہے جسکو ہم لوٹاتے پلٹاتے رہے پھر ہم نے اسکو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے بعد اس کے کہ نطفہ سے خون کا جما ہوا ٹکڑا بنایا پھر اسکو گوشت کا لوتھڑا پھر اس کی شکل وصورت اور اعضاء کی ساخت کی اور اس میں جان ڈالی حس وحیات اور ادراک و شعور کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا اور اس بناء پر ہر انسان میں اللہ نے فطری استعداد اور صلاحیت کے علاوہ عقل وفکر کا مادہ رکھا ہے بے شک ہم نے انسان کو دکھا دیا راستہ حق اور ہدایت کا اب اس کے بعد یا تو وہ شکر گذار ہے اپنے پروردگار کا اور اس کا فرماں بردار یا ناشکری کرنے والا ہے۔

نیکی اور تقویٰ کا راستہ بتانے اور اسکو اختیار کرنے کے لیئے عقل وفہم اور ادراک وشعور عطاء

کرنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری اور عطا کردہ نعمتوں کا شکر گذار ہوتا لیکن افسوس اس انسان کی بدنصیبی پر کہ ان فطری دواعی اور تقاضوں کو ٹھکرا کر خدا کا نافرمان اور ناشکر گذار رہا ظاہر ہے نافرمانوں اور مجرموں پر جرم کی سزا جاری کرنی چاہیئے تو اس بناء پر بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہیں نافرمانوں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوتی آگ اور بلاشبہ ایسے نافرمان جنہوں نے رسم ورواج اور اوہام کی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑے رکھا اور غیر اللہ کی پرستش کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا اور حق نیز حق پرستوں کے خلاف عداوت ودشمنی اور بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑکاتے رہے وہ اسی کے مستحق ہیں کہ طوق وسلاسل میں جکڑے جائیں اور دہکتی ہوتی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں مگر انکے بالمقابل مطیعین وفرماں بردار اللہ کے انعامات اور اعزاز واکرام کے مستحق ہوں گے اس وجہ سے بے شک نیکوکار لوگ پیئں گے ایسے جام سے جسکی ملاوٹ کافور ہوگی اور جنت کا یہ کافور نہایت ہی لذیذ وخوشگوار اور خوشبو سے مہکتا ہوگا یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پیتے ہوں گے اس طرح کہ وہ اللہ کے خاص بندے بہاتے ہوں گے اس چشمہ کو بہت سی نالیوں اور نہروں کی صورت میں کہ جہاں چاہیں گے اس شراب طہور کی نالیاں اور جدول بہتے چلے جائیں گے یہ اللہ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جو پورا کرتے ہیں اپنی نذر کو جو بھی اللہ کے لیے وہ نذر مان لیں کسی خیر کے حاصل ہونے پر یا کسی مصیبت اور تکلیف کے ٹلنے پر اور ان کے ایمان وتقویٰ کا یہ عالم ہے ڈرتے ہیں اس دن سے جسکی مصیبت اور برائی پھیلنے والی ہے کہ کوئی گنہگار اس کی تکلیف وشدت سے نہیں بچ سکتا اور کوئی بھی اسکی ہیبت وپریشانی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا جو آسمان وزمین کو محیط ہوگی ان لوگوں میں ایمان وتقویٰ اور فکر آخرت کے ساتھ ایثار وہمدردی کا یہ جذبہ ہے کہ کھلاتے ہیں کھانا اس کے محبوب[*] ومرغوب ہونے کے باوجود ہر مسکین ویتیم اور قیدی کو جو کسی بھی مصیبت

---

* عَلٰی حُبِّہٖ کی ضمیر اکثر حضرات مفسرین کی رائے میں طعام کی طرف ہے اسی لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا اور حب مصدر بمعنی محبوب بھی آتا ہے اس وجہ سے محبوب ہونے کے باوجود لفظ کی تصریح کردی اور ساتھ ہی لفظ مرغوب کا اضافہ کرکے یہ ظاہر کیا گیا کہ مراد یہ ہے کہ جس وقت انسان کو اس کھانے کی رغبت وضرورت ہے یا وہ اسکا محتاج ہو اس وقت کھلانا اور زائد فضیلت اور کمال کی صفت ہے گویا یہ اس آیت کا مفہوم ہوگیا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت مجاہدؒ یہ بیان کیا کہ ائمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اسکی تصریح آیت مبارکہ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ اور "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" میں ہے

بعض مفسرین نے حبہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے یعنی علی حُبِّ اللہ تعالیٰ جس سے اخلاص اور آخرت کے اجر وثواب کی غرض کی طرف اشارہ کیا گیا یعنی دنیا میں اسکا کوئی عوض نہیں چاہتے ہوں گے۔

میں گرفتار[۱] ہو انتہائی مروت اور اخلاص کے جذبہ سے یہ سب کچھ کرتے ہیں ان غربار مساکین اور یتامیٰ کو کہہ دیتے ہیں اے لوگو! ہم کھلاتے ہیں تمکو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیئے ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے کسی قسم کے بدلہ کو تم ہمیں اسکا کوئی مالی بدلہ دو یا ہماری توقیر و تعظیم کرو اور ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے شکر گزاری کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو ہم تو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کی سختی اور ہیبت سے جو سخت اداسی اور چہروں کی گھٹن کا سبب ہوگا اس طرح کہ انسان کا چہرہ اس کلفت اور کوفت سے بگڑا ہوا نظر آنے لگے پیشانی سکڑ کر اوپر ہو جاتے اور آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں تو یہ مخلصین اپنی اس ہمدردی و اعانت اور انفاق پر غرور تو کیا بلکہ ڈرتے ہوں گے ایسے ہیبت و جلال کے دن سے (جو ہر ایک انسان کو اس طرح مرعوب و بدحواس بنا دینے والا ہوگا) معلوم نہیں ہمارا یہ عمل ہمارا یہ صدقہ قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں[۲]۔

یقیناً ایسے لوگ خداوندِ عالم کی طرف سے بڑے ہی اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں جسکے باعث بس خدا نے انکو بچا دیا اس دن کی تکلیف و برائی سے اور یہ فیصلہ کر دیا کہ عطا کر دے گا انکو تازگی اور سرور جو انکے چہروں پر برس رہا ہوگا اور مسرت و خوشی سے انکے چہرے جگمگا رہے ہوں گے اور ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کے

---

[۱] لفظ اسیرًا کے ترجمہ میں "مصیبت میں گرفتار" کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اس اسیر و قیدی سے صرف وہی قیدی مراد نہیں جو جیل خانہ میں قید ہو بلکہ عام ہے خواہ یہ ظاہری اور حسی قیدی ہو یا معنًا قیدی ہو یعنی مصائب و آلام میں گرفتار ہو۔

سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے قیدی سے اہل اسلام مراد ہے لیکن ابن عباسؓ کی روایت میں ہے قیدیوں سے مراد وہ قیدی بھی ہیں جو مشرکین میں سے مسلمانوں کی قید میں ہوں چنانچہ اسکی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں حضرات صحابہ نے بدر کے قیدیوں کو بہتر سے بہتر کھانا کھلانا شروع کر دیا اور بعض تو انکو اپنے ساتھ کھلاتے حالانکہ وہ مسلمان نہ تھے اسیر کے مفہوم میں مقروض بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح قید ہیں۔

عکرمہؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد غلام ہیں اور متعدد احادیث میں غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی گئی (تفسیر ابن کثیر)

[۲] یہ تشریح گویا اس آیت مبارکہ کے مضمون کے مطابق ہو سکے گی جو ارشاد فرمایا كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کہ بہت کم رات کا حصہ ہوتا ہے کہ اس میں وہ لیٹیں پوری رات ہی انکے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں اور اس انہماک فی العبادۃ کے باوجود حالت یہ ہوتی ہے کہ جب سحر کا وقت ہونے لگتا ہے تو خدا سے معافی مانگتے ہوتے ہیں۔ ۱۲

علاوہ دیدارِ خداوندی سے شاداں و فرحاں ہوں گے اور بدلہ دے گا اللہ انکو اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا دنیا کی شدتیں برداشت کیں خواہشاتِ نفس کو روکا اور شکر و قناعت کرتے ہوتے غرباء و مساکین پر ایثار کیا ایک وسیع باغ کا جس کے پھل اور رزق سے انکی زندگی عیش و راحت کی ہو گی اور ریشمی پوشاک کا کہ زندگی کے عیش و راحت اور ہر لذت کے ساتھ لباس کی یہ عظمت انکو اور زیادہ بلندی و تقرب کا مقام بخشنے والی ہو گی اطمینان و سکون کا یہ عالم ہو گا کہ تکیہ لگاتے ہوں گے اپنی مسندوں پر جو مزین اور مرصع تخت ہوں گے وہاں آرام و راحت کی یہ شان ہو گی کہ ادنیٰ کلفت اور تعب کا نام و نشان بھی نہ ہو گا چنانچہ نہیں دیکھتے ہوں گے وہاں دھوپ اور گرمی اور نہ ہی شدید سردی بلکہ وہاں کا موسم معتدل ہو گا نہ دھوپ کی تمازت ہو گی اور نہ ٹھٹھر جس سے انسانی بدن کو تکلیف ہوا کرتی ہے اور آرام و راحت نیز نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہو گا جھکے ہوتے ہوں گے ان پر اسکے سائے اور نیچے کر دیتے گئے ہوں گے اسکے خوشے لٹکا کر تاکہ جب بھی اہل جنت کسی پھل اور خوشہ کے لینے کا ارادہ کریں بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں اور گھماتے جاتے ہوں گے ان پر برتن چاندی کے اور آبخورے جو معلوم ہو رہے ہوں گے شیشے چمک اور لطافت میں درحقیقت[1] وہ شیشے ہی ہوں گے چاندی کے جن کا اہل جنت اندازہ کریں گے اندازہ کرنا کہ جس قدر چاہیں گے ان آبخوروں اور جام میں شراب طہور سما جاتے گی کم و زائد طبیعت کے تقاضا اور خواہش کے مطابق وہ بھر جاتے ہوں اور یہ اس لیتے کہ اہل جنت کو کسی طرح بھی طبعی گرانی نہ ہو جیسا کہ انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے مثلاً پیاس کی زیادتی پر گلاس چھوٹا ہو اور طبعی خواہش پوری نہ ہونے پر ذہنی کوفت ہوتی ہے یا کسی وقت تھوڑی مقدار کی خواہش ہے لیکن منہ کے سامنے ایک بہت بڑا لبریز پیالہ آجاتے تو اس طرح کی معمولی الجھنوں سے بھی وہ بے فکر ہوں گے جیسا چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے وہ جام شراب طہور سے بھرے ہوں گے اور پلاتے جائیں گے وہ لوگ ایک اور[2] جام جس میں ملا ہو گا زنجبیل (سونٹھ) جو ایک چشمہ ہے جنت میں جس کا نام لیا جاتا ہو گا سلسبیل اہل جنت اس نام سے اس چشمہ کا ذکر کرتے

[1] ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ عربیت کی رو سے قواریر کے بعد دوسری دفعہ قواریر ماقبل سے بدل اور بمنزلہ بیان ہے - ۱۲

[2] یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے یہاں دوبارہ "کَاْسًا" نکرہ کی صورت میں استعمال کیا جانا غیر الاُولیٰ کی نوعیت سے ہے تو ایک قسم جام کی وہ ہو گی جسکی شراب طہور کافور کے ساتھ ملی ہو گی اور اسکی خوشبو سے مہکتی ہو گی دوسری قسم شراب طہور کی وہ ہو گی جس میں زنجبیل ہو گی اور کوئی تعجب نہیں کہ جنت کے کھانوں سے قبل جو شرابِ طہور دی جاتے وہ کافور کی خوشبو اور تاثیر کے ساتھ کھانوں اور پھلوں کی خواہش کو پیدا کرنے والی ہو تاکہ بھوک اور اشتہاء کی حالت میں جنت کے اطعمہ کھاتے جائیں کیونکہ ہر لذیذ طعام اور پھل کی لذت خواہش اکل پر موقوف ہے

ہوں گے اور اعزاز و اکرام کا یہ عالم ہوگا کہ گشت کرتے ہوں گے انکے سامنے خدمت گزار لڑکے جو ہمیشہ اپنے حسن وجمال پر قائم رہیں گے جو حسن وجمال اور لطافت و صفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ اے دیکھنے والے جب تو انکو دیکھے تو انکو یہ سمجھے کہ یہ تو زمین پر بکھرے ہوتے خوبصورت موتی ہیں اور جنت کا حال کیا بیان کیا جائے اللہ اکبر! بس یہ ہے کہ جب تو وہاں نظر ڈالے تو دیکھے گا تو بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے کہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ وہاں کی اس سلطنت کی شان وشوکت کا کوئی تصور ہو سکتا ہے اور ان اہل جنت پر ریشمی لباس ہوں گے سبز رنگ کے نہایت ہی قیمتی گاڑھے ریشمی کپڑے بھی مزید ہوں گے تاکہ باریک لطیف اور دبیز ہر قسم کے لباس استعمال کریں جو انکی عظمت و وقار کو اور بلند کرنے والے ہوں گے اور پہنائے جائیں گے انکو کنگن چاندی کے[1] تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے انکو مزین کر دیا جائے اور یہ زیور جنت کی شان کے مناسب ہوگا اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت میں اس قسم کی آراستگی و زینت سے دنیا میں پرہیز کیا تھا اور صبر کیا تھا اب اللہ تعالےٰ اس نوع کی تمام زینتیں جنت میں حسًا بھی عطا فرما دے گا اور پلائے گا انکو انکا پروردگار ایک خاص جام شراب طہور کا جو دونوں قسم کے جام کے علاوہ ہوگا جن کا ذکر پہلے ہو چکا اور ہو سکتا ہے کہ تمام نعمتوں کے بعد یہ خاص جام محبوب حقیقی کی طرف سے ایک خاص اعزاز کے ساتھ عطا کیا جائے جو خوشبو اور لطافت و لذت کے ساتھ طہوریت کا وصف بھی رکھتا ہوگا اور یہ طہوریت ایسی کامل اور مؤثر ہوگی جو اپنے پینے والے کو بھی ہر گندگی اور کدورت سے پاک و صاف کر دے اس کا گھونٹ پیتے ہی قلب و بدن پاک و صاف ہو جائے اور پسینہ نکلے جس کی مہک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوگی اور اس جام طہور کا نوش کرنے والا اس کی تاثیر سے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کا مصداق اکمل ہو جائے گا اہل جنت کے سامنے شرابِ طہور کو پیش کرتے ہوئے کہا جاتا

---

[1] ایک آیت میں ہے کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ممکن ہے کہ اہل جنت کے درجات کے لحاظ سے بعض کو سونے کے اور بعض کو چاندی کے دیئے جائیں ۱۲

٭ کھانے کی خواہش کے بغیر لذیذ سے لذیذ کھانا بھی مرغوب نہیں ہوتا اور کھانوں سے فراغت کے بعد ضرورت ہے کہ معدہ سے غذا کا انہضام ہوتا کہ طبیعت پر گرانی واقع نہ ہو تو اس وجہ سے یہ بعد کی شراب طہور زنجبیل والی ہوگی سبحان اللہ کیسا عجیب تناسب رکھا گیا اللّٰهم اجعلنا منهم وارزقنا بفضلك وكرمك من نعماء الجنة واسقنا من كوثر وسلسبيل - آمين يارب العالمين -

ہوگا اے جنتیو! بے شک یہ ہے بدلہ تمہارے ایمان و اعمال صالحہ کا اور تمہاری کوشش اور عملی جدوجہد قابل قبول ہوئی اور محنت کارآمد ہوئی اور تمہارے رب کی بارگاہ میں اسکو سراہا گیا[1] جس کو سن کر جنتی اس قدر خوش ہوں گے کہ انکی یہ خوشی جنت کی لذت سے زیادہ خوشگوار ہوگی۔

نسل انسانی کا عدم سے وجود میں آنا

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ سے واضح طور پر یہ بیان فرما دیا گیا کہ نسل انسانی نہ اپنے مادہ کے لحاظ سے اور نہ ہی اپنی اس صورت وضعیہ کے ساتھ ہمیشہ سے تھی بلکہ اس پر ایک وقت گذرا ہے کہ اس کا کوئی وجود اور نام و نشان ہی نہ تھا اس کا سلسلہ پیدائش تخلیق آدمؑ سے شروع ہوا اسکے بعد نسل انسانی بصورت توالد و تناسل بڑھتی رہی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اور فرما دیا اَلَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً بہرکیف اس کی پیدائش کی یہ ابتداء ہے یہی عقیدہ جملہ اہل کتاب کا ہے اور بعض دیگر مذاہب بھی اسکے قائل ہیں۔

حکماء یونان اور فلاسفہ نوع انسانی کو قدیم زمانی کہتے ہیں دہریہ بھی مادہ کے قدیم ہونے کا قول اختیار کرتے ہوئے اوضاع فلکیہ اور تاثیر نجوم سے تجردات و انقلابات کے قائل ہیں یہ تمام باتیں محض اوہام اور تخیلات ہیں جن کو فلسفیانہ رنگ دے کر بیان کیا گیا حقیقت بس وہی ہے جو خداوند عالم خالق کائنات نے بیان کر دی۔

بہرکیف اس آیت شریفہ سے صاف طور پر واضح ہے کہ انسان کوئی ایسی ہستی نہیں کہ جس کی خلقت اور پیدائش کی ابتداء نہ ہو اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح چلا آیا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتداء نہیں اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آرہا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے کہ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ اس طریقہ کے خلاف پیدائش ہو سکتی ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اور دیگر آیات قرآنیہ میں فلاسفہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کا نام و نشان بھی نہ تھا ہم نے اپنی قدرت سے اس سلسلہ کا اس طرح آغاز فرمایا کہ سب سے پہلے آدم علیہ

---

[1] یہ وہی مضمون ہے جو آیت مبارکہ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ صدق اللہ العظیم،، میں بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

السلام کو "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں روح ڈالی اسکے بعد ان کے بائیں پہلو سے انکی بیوی حوّا کو پیدا کیا بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ جاری کر دیا کہ ایک ناپاک اور گندے پانی یعنی قطرۂ منی سے انسان کو پیدا کرتے ہیں یہ ہماری قدرت ہے ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں کہ پانی کے ایک ناپاک اور بدبو دار قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنا سکے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردست بر آب صورت گری

غرض یہ کہ انسان ابتداء میں معدوم تھا اور اسکو کسی قسم کا عقلی یا حسّی وجود حاصل نہ تھا پھر خدا ہی نے اسکو وجود کا خلعت پہنایا انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا جیسا کہ فلاسفہ اور دھریہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی اور صورتِ انسانی کا ظہور مادہ اور نیچر (فطرت) اور اسکے حرکت کا رہین منت ہے مسلمان یہ کہتا ہے کہ مادہ تو ایک بے شعور چیز ہے جو علم اور ادراک اور ارادہ و اختیار سے بالکل عاری اور کورا ہے اس کی غیر شعوری اور غیر ارادی اور غیر اختیاری حرکت سے یہ ذی شعور اور ذی علم اور ذی عقل انسان کس طرح وجود میں آگیا اور ایک گونگے اور بہرے مادہ (ایتھر اور نیچر) سے سمیع و بصیر اور متکلم یعنی سننے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا کیسے پیدا ہو گیا جس کمال اور جمال کا وجود خود اس مادہ کی ذات میں نہیں وہ کمال و جمال دوسروں کو کیا دے سکتا ہے کیا ایک برہنہ اور نادار اور بھوکا فقیر بھی کسی کو امیر اور مالدار بنا سکتا ہے مادہ پرستوں کو بھی اسکا اقرار ہے کہ مادہ میں کسی قسم کا کمال نہیں اور کوئی فیلسوف اور کوئی حکیم آج تک اس بات کا قائل نظر نہیں آیا کہ جس نے مادہ اور عناصر میں علم اور ادراک اور ارادہ اور اختیار کو تسلیم کیا ہو بلکہ تمام مادیین اس بات کو مانتے چلے آتے ہیں کہ جو افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں وہ بے شعور اور بے اختیار صادر ہوتے ہیں۔

اب غور تو کیجئے کہ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے اور لڑکا یا لڑکی بنتا ہے تو ماں کو بھی خبر نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا صنعت گری ہو رہی ہے اور نقاش قدرت میرے شکم میں کیا کیا نقش و نگار کر رہا ہے لڑکا بنا رہا ہے یا لڑکی اور ظاہر ہے وہ نطفہ تو ایک قطرۂ آب ہے اسے تو کچھ بھی خبر نہیں اب حیرت کہ مجھ میں کیا تغیرات اور انقلابات ہو رہے ہیں۔

معدے میں غذا ہضم ہو رہی ہے اور کیا کیا ہو رہا ہے مگر معدے کو کچھ خبر نہیں اب حیرت کا مقام ہے کہ انسان میں تو حسن و جمال بھی ہو اور فضل و کمال بھی ہو اور عقل و ادراک بھی ہو اور وہ چیز یعنی مادہ جسکو منکرینِ خدا اس انسان کا بلکہ سارے عالم کا خالق سمجھتے ہیں اس میں یہ تمام صفات کمال بالکلیہ نیست و نابود ہوں کیا عقلِ سلیم اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو ایسی چیز عطا کر دے جس کا خود اسکی ذات میں نام و نشان نہ ہو ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ کسی زبردست اور با اختیار حکیم و علیم نے انسان کو یہ کمالات عطا کئے ہیں وہی خدا اور واجب الوجود ہے اور

وہی ذاتِ بابرکات واہب الوجود ہے جس نے انسان کو وجود عطا کیا ہے اور وہی اس کے وجود کا رب اور مربی ہے جس کی عنایت اور رحمت کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہ انسان محتاج ہے اسی کو ہم اللہ اور خدا کہتے ہیں ۔

افسوس اور صد افسوس ہے ان محرومین عقل پر جو اَب بھی یہ سمجھیں کہ کوئی واجب الوجود اور واہب الوجود نہیں بلکہ اس بے شعور مادہ کے طبعی تاثیرات سے تمام کارخانۂ عالم چل رہا ہے اس صورت حال پر بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح بت پرست بے جان پتھروں کے سامنے سر جھکائے ہوئے انکو معبود بنائے ہوتے ہیں اسی طرح یہ مادہ پرست ایک بے جان اور بے شعور مادہ کو اپنا صانع اور مدبر اور مربی سمجھے ہوتے ہیں کیا یہ رونے کا مقام نہیں ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اس لحاظ سے قرآن کریم میں جتنے مضامین بُت پرستوں کے حق میں نازل ہوتے ہیں وہ سب ان دہریوں اور منکرینِ خدا پر صادق آتے ہیں ۔

ڈاروِن کا عجیب وغریب نظریہ

انیسویں صدی عیسوی میں سر زمینِ مغرب میں ایک مادی فلسفی شخص گذرا ہے جس کا نام ڈاروِن تھا اس نے اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں ایک یہ انکشاف کیا کہ انسان اصل میں بندر تھا بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے بالآخر انسان بن گیا ۔

مغربیت سے مرعوب اذہان نے بلا دلیل اور بغیر اسکے کہ اپنی عقل اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس نظریہ کو قبول کر لیا اور اسکو پھیلانا شروع کر دیا حالانکہ اس پر آج تک نہ کوئی دلیل عقلی پیش کی جا سکی اور نہ ہی کوئی دلیل تجربی ۔

ہر صاحب عقل ادنیٰ تعقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ صرف ایسا شخص ہی پیش کر سکتا ہے جو فاتر العقل ہو اور ایسا شخص ہی اسکو قبول بھی کر سکتا ہے، سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بے شمار انواع و اقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں جانوروں میں گدھا۔کتا۔خنزیر۔سانپ۔بچھو۔کیڑے مکوڑے چرند۔پرند غرض حیوانوں میں بر و بحر اور رفضا ء کی یہ بے شمار مخلوقات ہیں ہر ایک کی طبیعت اور فطرت بالکل جدا ہے یہ کہنا کہ فلاں حیوان یعنی بندر ترقی کر کے انسان بن گیا ایسی ہی مہمل بات ہے جیسے یہ کہا جاتے کہ فلاں کیڑا مکوڑا ارتقائی مدارج طے کر کے مرغا بن گیا اور پھر اس مہمل تخیل کو تھیوری کہنا اور بھی خلافِ عقل بات ہے۔

کیا اس تھیوری کے قائلین اس کا جواب دیں گے کہ یہ ارتقاء صرف ایک نوع حیوان میں کیوں

ہوا دیگر حیوانات اس سے کیوں محروم رہے۔

پھر[۲] یہ بھی بتائیں کہ نوع حیوان کے علاوہ نباتات و جمادات بھی ہیں ان میں یہ ارتقائی مراحل کیوں نہیں واقع ہوتے ایک نوع کا ارتقاء اسی کی حدود میں محدود رہتا ہے ایک گھاس کا تنکا ارتقاء کے بعد تنا ور درخت تو ہوسکتا ہے لیکن پہاڑ نہیں بن سکتا علیٰ ھٰذا القیاس زمین کی سطح پر ابھرنے والا ٹیلا پہاڑ تو ہو جاتے گا لیکن وہ کوئی اور نوع کی شکل اختیار کر کے اس میں تبدیل ہو جاتے یہ ناممکن اور خلاف عقل ہے۔

پھر یہ نظریہ رکھنے والے یہ بتائیں بالفرض اگر بندر نے ارتقاء کر کے انسانی پیکر اور وضع اختیار کر لی تو یہ ارتقاء نوعی تھا یا ارتقاء فرد تھا ظاہر ہے کہ چند بندروں کے ارتقاء کا تو مسئلہ بھی نہیں نوع من حیث النوع کے ارتقاء کا دعویٰ ہے تو اصولاً یہ بات ہے کہ کوئی بھی چیز تغیر و تبدل قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی صورت کو چھوڑ دیتی ہے تو یہ کس قسم کا ارتقاء ہوا کہ دنیا میں بندر بھی موجود اور ارتقائی شکل اختیار کرنے والے انسان بھی موجود (تفصیل کی گنجائش نہیں) بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں بہت سے مہمل اور خلاف عقل نظریات ظاہر ہوتے ہیں لیکن ایسا مہمل اور خلافِ عقل اور مضحکہ خیز نظریہ کوئی بھی سننے میں نہیں آیا کہ اچھے خاصے عقل و فہم اور شعور و تدبر رکھنے والی اشرف المخلوق حسن و جمال اور کمالات و فضائل کے جوہر سے آراستہ انسانوں کو بندر کی اولاد تجویز کر دیا جاتے دبریں عقل و دانش بباید گریست)

غرض عقل اور فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اسی پر ایمان لایا جاتے جو رب العالمین نے انسانی تخلیق کے بارہ میں فرما دیا کہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً اور اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ۔

صدق اللّٰہ العظیم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والموقنین وعلیٰ ذالک آمنا وعلیہ نحیی ونموت ونبعث عند رب العالمین۔

عجب بات ہے کہ اس نظریہ کے قائلین ایک طرف تو بندر کے ترقی کر کے انسان بن جانے کو تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف جب قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے واقعات میں انکے نافرمان افراد کے مسخ کے واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ انکو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تو اسکو خلافِ فطرت اور خلافِ عقل کہہ کر رد کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو تو سہولت سے یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو ضرور ایسا ہونا چاہیئے کہ انسان تنزل کر کے بندر بن جاتے بلکہ یہ شکل تو آسان ہے بہ نسبت پہلی صورت کے کیونکہ انکے قانون کے مطابق یہ صورت تو کل شیٔ یرجع الی اصلہ کے تحت آسکتی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ

ہم نے اُتارا تجھ پر

الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا

قرآن سہج سہج اُتارنا ۔ سو تو راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور کہا نہ مان ان میں کسی گناہگار

أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ

یا ناشکر کا اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح اور شام اور کچھ رات میں

فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ

سجدہ کر اسکو اور پاکی بول اسکی بڑی رات تک یہ لوگ چاہتے ہیں شتاب

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ

ملنے والی اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک دن بھاری ہم نے انکو بنایا

وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ

اور مضبوط باندھی انکی گرہ بندی اور جب ہم چاہیں بدل لاویں اُنکی طرح کے لوگ بدل کر یہ تو

تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا

سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور تم نہ چاہو گے مگر

أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَنْ

جو چاہے اللہ بے شک اللہ ہے سب جانتا حکمت والا داخل کرے جسکو

يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ

چاہے اپنی مہر میں اور جو گنہگار ہیں رکھی ہے

عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

انکو دکھ کی مار

عظمت کلام رب العالمین و تاکید بر پابندی احکام و دوام ذکر و بندگی

قال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ ... اِلیٰ .... عَذَابًا اَلِيْمًا۔

(ربط) گذشتہ آیات میں انسانی تخلیق کا ذکر تھا اور یہ کہ اسکو عقل و فہم کی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے ہدایت و گمراہی کا فرق بتادیا گیا لیکن اسکے بعد اسکی بدنصیبی ہے کہ وہ عقل و شعور کو بالائے طاق رکھ کر گمراہی میں پڑ جاتے اسکے بالمقابل سعادت و کامیابی ہے ان انسانوں کی جو خدا کو پہچان کر اس کی عبادت و بندگی میں مصروف ہوگئے ساتھ ہی ہر دو گروہ کے احوال بھی بیان کر دیئے گئے اب ان آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور احکام ہدایت کا کامل مجموعہ ہونا بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ کے احکام کی پابندی اور اسکے ذکر و تسبیح میں مصروف رہنا اور عبادت کا دوام ہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے اور آخرت کی کامیابی اور ابدی زندگی کی راحت اسی میں مضمر ہے اور یہ کہ انسان کی یہ بہت بڑی غلطی اور چوک ہے کہ دنیا کی محبت میں آخرت برباد کر دے تو ارشاد فرمایا۔

بے شک ہم نے اتارا ہے آپ پر قرآن نہایت ہی محفوظ طریقہ پر اتارنا کہ ہر وحی اور آیت کے نزول کے ساتھ ایک پہرہ ہوتا ہے اور فرشتوں کی مکمل حفاظت ہوتی ہے جسکے بعد ممکن نہیں ہوسکتا کہ اس میں کوئی پر بھی مار سے اس کتاب الٰہی قرآن میں انسانی ہدایات کے جامع احکام نازل کیے گئے جن کی اطاعت و پیروی انسان کو سعادت و کمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے والی ہے اگر کوئی قوم اس کتاب الٰہی پر ایمان نہیں لاتی اور اسکے احکام نہیں مانتی تو اے ہمارے پیغمبر آپ اس پر بے چین و مضطرب نہ ہوں بس آپ انتظار کریں اپنے رب کے حکم کا اور اسکے فیصلہ کا جو اس نے حق کی فتح اور اپنے پیغمبر کی کامیابی کا کر رکھا ہے اور اس راہ میں مخالفت کرنے والے اگر مخالفت کرتے ہیں تو کرنے دیجیئے آپ کسی عارضی اور ظاہری مصلحت کے خیال سے ان میں سے کسی بھی نافرمان اور ناشکر گزار کی موافقت ہرگز نہ کیجیئے۔ حق لوگوں پر خود واضح ہو جاتے گا یہ مجرمین اگر آپ سے چکنی چپڑی باتیں کریں یا دنیا کی دولت کا لالچ دیں تو ہرگز انکی طرف توجہ بھی نہ دیجیئے آپکے رب نے جو فیصلہ کر رکھا ہے بس اسی کا انتظار کریں اور ذکر کرتے رہیں اپنے رب کے نام کا صبح و شام اور

لہ صبح و شام سے مراد ہمہ وقت ہے کیونکہ یہ اوقات خصوصیت سے انسان کے غفلت یا آرام یا کاروبار یا کھیل تماشے کے ہوتے ہیں تو انکو اہمیت کے لحاظ سے ذکر کر دیا گیا اور مِنَ الَّيْلِ سے بظاہر تہجد کی نماز مراد ہے اور تہجد کے ساتھ تسبیح اور ذکر خداوندی کی تاکید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ذاکرین کو تہجد کے علاوہ رات کا طویل حصہ ذکر و تسبیح میں گزارنا چاہیئے - ۱۲۔

رات کے حصوں میں سے کچھ حصہ میں بھی بس اسی کے لیئے سربسجود رہیئے اور اسی کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہیئے رات کے طویل حصہ تک شب کی تنہائی اور سکون میں ذکر اللہ کی حلاوت اور اسکے باطن پر عجیب کیفیت محسوس ہوگی اور اہل اللہ اس وقت وہ لذت محسوس کریں گے کہ دنیا کی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز بھی اس سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں ہو سکتی محبوب رکھتے ہیں جلدی حاصل ہونے والی چیز کو یعنی دنیا اور دنیا کی راحت و لذت اور چھوڑ رہے ہیں اپنے پیچھے ایک بہت ہی بھاری دن کو جس کی ہیبت و گرانی کسی سے برداشت نہ ہوگی غفلت و لاپرواہی سے اس دن کو بھلا دیا اور موجودہ لذتوں میں منہمک ہو کر عذاب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں کس ظلم کی بات ہے کہ اپنے خالق کو بھلا دیا جاتے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے ہم نے ہی انکو پیدا کیا ہے اور مضبوط بنائے ہیں انکے جسم کے تمام جوڑ تو جس قدرت و حکمت سے ہم نے انکو پیدا کیا انکے جسم کی ہڈیاں اور جوڑ بڑی خوبی اور حکمت سے بناتے اسی قدرت سے ہم سب کچھ کر سکتے اور انکو فنا کر کے جب چاہیں انکے بدلے ان جیسے لوگ لے آئیں ہمیں اس ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور یہ ظاہر ہے کہ جب ہم مجرمین و نافرمانوں کو ہلاک کر کے انکی جگہ دوسروں کو لائیں گے تو وہ ان جیسے مجرم و نافرمان نہیں ہوں گے بلکہ وہ مطیع و فرماں بردار ہوں گے بہر حال یہ ایک پیغام نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت سے دنیا کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے اسکی اطاعت و بندگی کا اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کر لے اور اصل راز یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے طے کر دی گئی ہے اس لیئے تم نہیں چاہو گے کوئی چیز مگر وہی جو اللہ چاہے اللہ بے شک سب کچھ جاننے والا بڑی ہی حکمتوں والا ہے اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے وہ اپنی استعداد و صلاحیت سے بتوفیق خداوندی ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور رہا ظالموں کا معاملہ ؟ جو اپنی کجروی اور عقل و فطرت کے تقاضوں کو ٹھکرا کر گمراہی اختیار کر لیں اور نہ کسی ہادی کی بات کو سنیں اور نہ حق کو سمجھیں تو ان کے واسطے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے بس مرنے کی دیر ہے جسم سے روح نکلتے ہی ان مجرموں کو اپنا انجام نظر آجائے گا اور جس عذاب کا انکار کرتے تھے اسکی گرفت سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

فائدہ سورت کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ نیست و نابود تھا پھر اس کو حق تعالٰی نے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا کہ ایک قطرۂ منی کو مختلف

لہ چنانچہ مشہور ہے اہل اللیل فی لیلھم ھم الذین اہل العیش فی عیشھم کہ راتوں کو بیدار رہنے والے عابدین و ذاکرین کو ذکر اللہ سے وہ لذت محسوس ہوتی ہے جو عیش پرستوں کو اپنے عیش و عشرت میں نصیب نہیں ہو سکتی ۔۱۲

ادوار و مراحل سے نشو و نما عطا کیا ہوش و حواس ادراک و شعور کی صلاحیتوں کے ساتھ اسے پیدا کیا اور اسکے سامنے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے گئے کہ یہ ہدایت کا راستہ ہے اور دوسرا گمراہی کا اب اس کے بعد جو انسان اپنی فطری صلاحیت سے ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ آخرت میں جنت اور انعامات خداوندی کا مستحق ہے اور جو دیکھتی آنکھوں ہلاکت و گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو بس اسکے واسطے دردناک عذاب ہی ہونا چاہیئے جو اسکے ربنے تیار کر رکھا ہے تو اس طرح سورت کا آغاز اور سورت کی انتہاء باہم نہایت ہی مربوط واقع ہوتی ہے اور یہ ربط قرآن کریم کے اعجاز اور کمال بلاغت کی دلیل ہے تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الدھر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ

سورت المرسلات مکیہ ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدۂ توحید آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہے اسکے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتداء ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع و اقسام کے تکوینی امور پر مامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ،، کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا اگرچہ اسکو اجمالاً بیان فرمایا اثبات قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اسکے دلائل ذکر کیئے گئے اور دلائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض دبے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلۂ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز انکا حال نہایت ہی بُرا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقارت و نفرت کے ساتھ انکو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جسکی تم تکذیب کرتے تھے۔

اختتام سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرما دیا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیئے یہ تو خدا کی طرف سے انکو ڈھیل دی جا رہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لیئے اہل ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔

آیاتہا ۵۰ ۷۷ سورۃ المرسلٰت مکیۃ ۳۳ فیہا رکوعان

سورۃ مرسلٰت مکی ہے اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے چلتی باؤں کی دل کو خوش آتی پھر جھونکا دینے والیاں زور سے پھر ابھارنے والیاں

نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾

اُٹھا کر پھر پھاڑنے والیاں بانٹ کر پھر فرشتے اُتارنے والوں کی سمجھوتی الزام اتارنے کو یا ڈر سنانے کو

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ

مقرر جو تم سے وعدہ ہوا سو ہونا ہے پھر جب تارے مٹلتے جاویں اور جب آسمان میں

فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾

جھروکے پڑیں اور جب پہاڑ اڑاتے جاویں اور جب رسولوں کا وعدہ ٹھہرے

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

کس دن کی ان کو دیر ہے اس فیصلہ کے دن کی اور تو کیا بوجھا کیا ہے فیصلہ

الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ

کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم کھپا نہیں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ

چکے اگلے پھر انکے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلے ہم یہی کچھ کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ

گنہگاروں سے خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ

ایک بے قدر پانی سے ؟ پھر رکھا اسکو ایک جمے ٹھہراؤ میں ایک وعدہ

مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

مقرر تک پھر ہم کر سکے سو کیا خوب سکت والے ہیں خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾

جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی جیتوں کو اور مُردوں کو

وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾

اور رکھے اس میں بوجھ کو پہاڑ اونچے اور پلایا تمکو پانی میٹھا پیاس بجھاتا

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی چلو دیکھو! جو چیز تم

تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا

جھٹلاتے تھے چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں نہ

ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾

گھن کی اور نہ کام آوے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾

جیسے وہ اُونٹ ہیں زرد خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾

یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے اور نہ انکو حکم ہو کہ توبہ کریں

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی یہ ہے دن فیصلے کا

جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾

جمع کیا ہم نے تمکو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا، تو چلا لو مجھ پر

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو ڈر والے ہیں وہ چھاؤں میں ہیں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اور ندیوں میں اور میوے جس قسم کے جی چاہے کھاؤ اور پیو

هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

رچ سے بدلہ اس کا جو کرتے تھے ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں

اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا

تم مقرر گنہگار ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

کہیے انکو نوو نہیں نوتے خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ

جھٹلانے والوں کی. اب کس

حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ

بات پر اسکے بعد

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

یقین لاویں گے

اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت و بربادی مجرمین وانعام والطاف بر مؤمنین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔۔۔۔ الیٰ۔۔۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ

(ربط) گذشتہ سورت میں انسانی ہستی کا بیان تھا کہ کائنات کی تخلیق اور دنیا میں انسانوں کی آبادی اس طرح پیش آئی کہ ایک وقت تھا کہ انسان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکو عدم سے وجود بخشا اور اسی کے لئے یہ کارخانۂ عالم قائم کیا جیسے کہ فرمان ہے وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسان اور نظام کائنات قائم کرنے کی غرض ہے اللہ کی عبادت و بندگی ہے جس پر انسانوں کے دو گروہ بٹ گئے ایک گروہ اہل ایمان و اطاعت کا ہوا دوسرا گروہ نافرمان و مجرمین کا تو اب اس سورت میں نظام عالم درہم برہم کر دینے کا ذکر ہے اور یہ کہ رب العالمین نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کس طرح پورا ہوگا اسکے لئے ان احوال کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو قیامت کے واسطے مبادی ہوں گے اور ان کے پیش آنے پر کائنات کا یہ جملہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان خوشگوار ہواؤں کی جو جاری ہیں لطافت و نرمی کے ساتھ جن کے لطیف جھونکوں سے مخلوق کی زندگی اور انکے منافع وابستہ ہیں؎ پھر قسم ہے ان تیز و تند آندھیوں کے جھونکوں کی جو اکھاڑ پھینکنے

؎ ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ عرفًا کے معنی لغوی وعرفی کے پیش نظر کیا گیا اور اس امر کو بھی ملحوظ رکھتے ہوتے یہ لفظ عربیت کے لحاظ سے تمیز ہے المرسلٰت کے لئے اور مقصد و غرض بھی ایسے نرم و لطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں کے واسطے۔

اس موقعہ پر خداوند عالم نے جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہیں المرسلٰت۔ العاصفات الناشرات الفارقات اور الملقیات،

سورۂ والمرسلٰت میں اختیار کردہ الفاظ قسم کی تشریح

ان پانچ چیزوں کی مراد اور انکے مصداق کے متعلق ائمۂ مفسرین سے متعدد اقوال بعض حضرات صحابہ اور تابعین سے نقل کیے ہیں اعمش ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ ان سے ملائکہ اور فرشتے مراد ہیں لیکن اسکے بالمقابل سفیان ثوری رح یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب ان آیات کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان سے مراد ہوائیں ہیں

باقی ۳۳۳ پر

والی ہوں درختوں اور عمارتوں کو اکھاڑ پھینکنے کی شدت کے ساتھ پھر ان ہواؤں کی جو بلندی تک لے جانے والی ہوں کسی چیز کو اٹھا کر وہ بخارات ہوں یا گرد و غبار یا بادل ہوں جن کو ہوائیں بلندی تک لے جائیں اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ابن عباسؓ اور مجاہدؒ و قتادہؒ سے بھی یہی منقول ہے ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت پانچوں کو فرشتوں کے معنی پر محمول کرتی ہے دوسری جماعت سب کو ہواؤں پر منطبق کرتی ہے۔

ملائکہ۔ مصداق ہونے کی صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں (حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف) نیکی اور بھلائی کیلئے" اس لیئے کہ وہ وحی الٰہی لے کر آتے ہیں اور اللہ کی وحی ہی دین و دنیا کی خیر اور فلاح کی ضامن ہے پھر ان فرشتوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والے ہیں کہ وہ عالم میں تغیر و تبدل اور ہنگامہ و تہلکہ جیسی باتوں کے لیئے مامور ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلا دینے والے ہیں یعنی ایسی جماعت جو مثلاً قحط و ارزانی صحت و بیماری جیسی چیزوں کو عالم میں پھیلانے پر مامور ہے پھر ان فرشتوں کی جو فرق کر دینے والے ہیں عالم میں فرق کر دینا حق و باطل۔ ضعف و قوت، نور و ظلمت، حرارت و برودت اچھے برے اور نفع و نقصان جیسے امور میں اور ایک جماعت فرشتوں کی نظام عالم کی تدبیر میں اسی پر مامور ہے پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ڈالنے والے ہیں ذکر یعنی وہ فرشتے جو تدبیر عالم میں اس پر مامور ہے کہ تکمیل مخلوق کے بعد ان میں ذکر الٰہی ڈالتے ہیں۔ خواہ وہ ذکر غیر اختیاری طور پر اس مخلوق میں ڈالتا ہو جیسے کہ نباتاتِ اشجار و احجار طیور و بہائم اور حشرات سبکی فطرت اور سرشت میں ذکر ڈالا گیا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اور ارشاد ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ غرض ہر مخلوق ذکر الٰہی کر رہی ہے جیسا کہ کہا گیا۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
دلے داند دریں معنی کہ گوش است

یا وہ ڈالنا اس طرح ہو کہ مخلوق اپنے ارادہ اور اختیار سے اس ذکر میں مصروف ہو یہ نوعیت ذوی العقل یعنی انسانوں کے لیے ہے یا جن و ملائکہ کے لیے کہ فرشتے انکے دل میں ذکر کا القاء کرتے ہیں اور فرشتے ہی لوحِ محفوظ سے اللہ کے ذِکر تسبیح و تحمید اور اسکی طاعت و عبادت کے احکام لے کر آتے ہیں اور پھر اللہ کے بندے (فرشتوں اور جنوں میں سے اہل ایمان) وہ ذکر کرتے ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی جو ان فرشتوں کے ذریعہ اتری اس سے انسانوں کے عذر اور حیلے بہانے ہی ختم کر دیئے گئے اور عذاب آخرت سے ڈرایا بھی گیا بہر کیف یہ دونوں قسم کا ذکر فرشتوں ہی نے مخلوق میں لا کر ڈالا تو ان فرشتوں کی ان کلمات میں قسم کھائی گئی تو اس

باقی صـ ۳۳۳ پر

فضاء میں پھیلا دیں اور جہاں حکم خدا ہو وہاں پہنچا دیں پھر ان ہواؤں کی جو پھاڑ دینے والی ہوں نباتات یا پھل اور پھولوں کو یا بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ ان ہی جھونکوں نے زمین کی تہوں کو شق کر کے زمین

باقی حاشیہ ص۳۳۲ نوعیت سے ان پانچوں کلمات سے فرشتوں کی ان قسموں کا بیان ہوا جو نظامِ عالم اور تدبیر خلائق میں ان امور پر مقرر ہیں جن میں تکوینِ عالم اور عالم کی ہر موجود چیز کی ابتدائی حالت پھر اسکی قوت و کمال تک پہنچنے کی نہایت پھر ممکنات کے اکتساب خیر و شر اور اس کے بعد کی حالت پھر بقاء عالم کے اسباب اور ہر شے کی نشو و نما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور تک کیا کیا صورتیں اور تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ اور غرض دارِ آخرت کی تیاری اور اس ضمن میں اہل عقل کے لیے اتمام حجت اور عذاب آخرت سے ڈرانا غرض یہ انواع و اقسام ہیں جو تدبیر عالم میں فرشتوں کے ذریعہ مخلوقات میں جاری ہیں۔

یہ ترجمہ تو اس تقدیر پر ہوا کہ فرشتے مراد ہوں اور اگر ہوائیں مراد ہوں تو پہلی چار قسموں کا مطلب ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا اب اس صورت میں اگر فالْمُلْقِیَاتِ ذِکْرًا بھی ہوا پر محمول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہوائیں جو ذکر اور وحی کو لوگوں کے کانوں میں ڈالنے والی ہیں کیونکہ آواز کا کانوں تک پہنچانا ہوا ہی کا کام ہے جیسے شاہ عبدالعزیز رحمہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا۔

تو اس دوسرے قول کے پیشِ نظر ہوا کی ان پانچ قسموں کو قسم کھانے کے لیے اس بناء پر مخصوص کیا گیا کہ ہوا کا عالم کی بقاء و فناء اور کاروبار میں عجیب دخل ہے سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سب کچھ ہوا پر ہی موقوف ہے آواز بھی ہوا کے ذریعے متکیف ہو کر کان پر پہنچتی ہے دیکھنے میں بھی شعاع بصریہ شئے مرئی اور مبصر تک رسائی کرتی ہے کیونکہ عنصر لطیف ہے تو جب کہ کوئی حائل نہیں تو ہوا بھی شعاع بصریہ کے نفوذ کا ذریعہ ہے علیٰ ھذا القیاس دیگر ادراکات کا بھی یہی حال ہے نیز ہوا ہی سے ہر جاندار کی حیات وابستہ ہے تو اس عظمت کے پیش نظر ہواؤں کی قسم کھاتے ہوتے فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نرم و لطیف اور خوشگوار جھونکوں کی صورت میں چلتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جن کے تیز و تند جھونکے درختوں اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اکھاڑ پھینکے اور سمندر میں طوفان برپا کر دیں گویا یہ ہوائیں تلاطم اور انقلاب برپا کرنے والی ہیں پھر فا کا لفظ لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ہر چیز کے دو وصف ہوتے ہیں تو وہی ہوائیں جو ابتداء میں نرم و لطیف ہوتی ہیں وہی شدت اختیار کر کے طوفان و تلاطم بھی برپا کر دیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو عالم میں بکھیرنے اور پھیلانے والی ہیں کہیں بادلوں کو پھیلا رہی ہیں کہیں سردی گرمی کو کہیں صحت و مرض کو کہیں رطوبت و یبوست کو حتیٰ کہ آوازوں کو پھر قسم ان ہواؤں کی جو جدا کرتی ہیں اور فرق کرتی ہیں حتیٰ کہ غلہ کو گھاس کے تنکوں اور پانی کو کدورت سے نیز اجزاء

باقی ص۳۳۴ پر

میں دبے ہوتے تخم اور بیج کو سبزہ کی شکل میں رونما کیا اور ان ہی جھونکوں نے پھولوں کی کلیاں شگفتہ بنائیں اور انہی ہواؤں نے خوشوں کو پھاڑ کر پھل نمودار کیئے اور ان ہی ہواؤں نے بادلوں کو پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے اور پھر مختلف جانبوں میں پھیلایا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اتار کر لاتے ہیں اللہ کی وحی کو عذر ختم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے کہ کافروں اور نافرمانوں کے لیے کوئی عذر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہمیں تو خبر نہ تھی یا ڈرانے کے لیے عذاب آخرت سے کہ اگر کسی کو علم بالاحکام ہو تو ہو لیکن اسکو خوفِ خدا نہیں اور آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں تو فرشتوں نے اللہ کی وحی اتار کر حیلے اور معذرت کا دروازہ بھی بند کر دیا اور اس وحی الٰہی میں خوفِ خدا اور عذابِ آخرت کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ہر ذکر اور وحی خداوندی میں ان دونوں باتوں میں سے ضرور ایک نہ ایک چیز موجود ہے اس سے خلو ممکن نہیں البتہ یہ دونوں چیزیں بہت سی جگہ مجتمع ہو کر بھی پائی جاتی ہیں[ل] آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! بے شک بس اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا وہ یقیناً واقع ہونے

باقی حاشیہ ۳۳۳ نباتیہ کو اجزاءِ حیوانیہ سے جدا کرنا اسی ہوا کا کام ہے پھر یہی ہوا ہے جو مغروروں اور سرکشوں کے اجسام کے اعضاء کو مرنے کے بعد پارہ پارہ کرکے اڑانے اور جدا کرنے والی ہے کہ سر کہیں اور جسم کہیں الغرض یہ ہوا ہی تمام عالم میں جمع وتفریق اور تالیف وانتشار کا کرشمہ دکھا رہی ہے تو یہ ناشرات وفارقات ہوائیں انقلاب وتغیر اور اشیاءِ عالم کی پراگندگی اور انکے اجتماع کو ظاہر کرکے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہیں اور پھر اخیر میں ان ہواؤں کی قسم کھائی جو ذکر الٰہی اور وحی خداوندی عالم میں پھیلانے والی ہیں تو اسی طرح مخاطب کے ذہن میں ان احوال وامور کا جو قیامت کا نقشہ بڑی سہولت سے ہر مخاطب کے سامنے لاسکتے ہیں جواب قسم میں قیامت کا واقع ہونا بیان فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ۔ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بے شک ہو کر رہے گی۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے کہ اول چار قسمیں ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے ہم نے ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پانچویں قسم کے ساتھ فرشتوں کا ترجمہ کیا واللہ اعلم بالصواب تفصیل کے لیئے روح المعانی تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائیں ۱۲

[ل] ان کلمات کا اضافہ اس بات کو واضح کرنے کیلئے ہے کہ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا میں اَوْ انفصالِ حقیقی کے لئے نہیں ہے اور نہ مانعۃ الجمع ہے بلکہ یہ بطریق قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے کہ ہر وہ ذکر جس کا فرشتوں نے القاء کیا ہے اس میں کسی جگہ عذر ومعاذیر کو ختم کرنا ہے تو کسی جگہ عذاب سے ڈرانا ہے یہ دونوں باتیں کبھی علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں اور کہیں کسی ذکر اور وحی میں دونوں مجتمع اور موجود ہوتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔

والی ہے اور وہ قیامت ہے آخرت میں میدان حشر کی پیشی حساب وکتاب اور جزاء سزا جیسے جملہ احوال ہیں جن میں جنت وجہنم بھی ہے بلاشبہ ان میں سے ہر ایک بات واقع ہو کر رہے گی اور انکے وقوع میں شبہ کرنے والے کو دیکھ لینا چاہیئے کہ عالم میں چلتی ہوئی ہواؤں میں دن رات قیامت بعث بعد الموت اور فناء وبقا کے نمونے موجود ہیں جن کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو پھر کون ہے جو اس روز قیامت کے آنے میں شبہ کرے جان لینا چاہیئے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جب کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور پھٹ کر ان میں دریچے اور جھروکے جیسے نظر آنے لگیں گے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے حتی کہ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے اور جب کہ رسولوں کو ایک وقت مقرر کر کے ساتھ متعین ومقرر کر دیا جائے گا جو یکے بعد دیگرے اپنی اپنی امتوں کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں پیش ہوں گے اور پھر رسولوں سے بھی سوال ہوگا اور انکی امتوں سے بھی پوچھا جائے گا یہ ہے قیامت! اور قیامت کے وقت پیش آنے والے احوال اور جانتے بھی ہو اے لوگو! کس دن کے واسطے ان چیزوں کو مؤخر اور ایک طے شدہ وقت کیلئے موقت کیا گیا ہے یہ سب کچھ اس دن کے لیے جو ہر بات اور ہر چیز میں آخری اور دوٹوک فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ دن اسی وقت برپا کر دیتا اور ابھی ہر چیز کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اسکی حکمت کا تقاضا تھا کہ اسکو مؤخر کیا جائے اور اے انسان تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے یہ فیصلہ کا دن مت پوچھو کہ یہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اسکی ہیبت وشدت کی کوئی حد نہیں اور جھٹلانے والوں کے لیے اس روز سخت مصیبت وتباہی کا سامنا ہوگا اور یکایک ایسی ہولناک صورت سامنے آجائے گی کہ ہوش وحواس پراگندہ ہوں گے اور حسرت وندامت ان منکرین پر مسلط ہوگی بس ہلاکت وبربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے یہ منکرین ومکذبین سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں اس قدر وسیع دنیا ہلاک ہو جائے گی اور کس طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نسل انسانی نیست ونابود ہو کر کس طرح زندہ کی جائے گی کہاں جہنم اور عذاب جہنم اور کیسی جنت اور جنت کی نعمتیں تو منکرین ومکذبین کو کیا یہ معلوم نہیں ہم ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر ہم ان کے بعد لاتے رہے بعد والوں کو تو موت وہلاکت اور پہلوں کے دنیا سے نیست ونابود ہو کر پچھلوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہماری قدرت کا یہ سلسلہ تاریخ قدیم سے چلا آرہا ہے جسکو

لہ جیسا کہ ارشاد ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً اور ارشاد ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۔ ۱۲

لہ یہ وہی مضمون ہے جو يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ میں ذکر فرمایا گیا۔

یہ دیکھتے رہے ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے خیال کیا تھا کہ ہم دنیا کے انسانوں کو فنا کر کے دوبارہ قیامت کے روز انکو نہیں اٹھائیں گے ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ کہ ان پر جرم کے سبب عذاب نازل کیا انکو ہلاک کر کے پھر دوسری قوم کو لے آتے تو اب ہم نے قیامت کے روز سب مجرموں کو جمع کر لیا تاکہ انکو عذاب دیں اور سب اہل ایمان کو بھی جمع کر لیا تاکہ مجرمین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ایمان ویقین والوں کے واسطے کیسے کیسے انعامات ہیں پس ہلاکت وبربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیئے آخر انکار کرنے والوں نے کیوں قیامت کا انکار کیا اے انسانو ! کیا ہم نے پیدا نہیں کیا ہے تمہیں ایک حقیر پانی سے نطفۂ منی سے پھر کیا نہیں رکھا ہے ایک محفوظ ٹھیراؤ کی جگہ میں یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفہ نے نہایت ہی محفوظ طریقہ سے نشو ونما پایا اعضاء کی ساخت ہوتی شکل وصورت بنی اس میں حیات وروح کو ڈالا یہ سب کچھ اس کے معین کردہ وقت تک کیلیئے ہوتا

۷۔ اس موقعہ پر جس اہم اور عظیم الشان مضمون کے لیئے خداوندِ عالم نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی اور ان قسموں پر اصل مدعیٰ اور مقصد کو واضح فرمایا وہ مقصد ومدعیٰ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ہے کہ قیامت جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور صادق ہے اور بلا شبہ قیامت واقع ہو کر رہے گی تو اس کے ثابت کرنے کے لیے منجملہ دلائل یہ بھی ایک اہم دلیل بیان کی گئی اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ یعنی انسانی تخلیق کا یہ سلسلہ یقیناً اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کی دلیل تو ہے ہی لیکن اس نظامِ قدرت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا بھی پورا پورا نمونہ موجود ہے کہ کس طرح خداوندِ عالم نے ایک قطرہ میں انسان کے تمام جسم اور اعضاءِ جسم کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضاء بطور جوہر اس ایک قطرہ میں ہیں پھر صرف یہی نہیں کہ اجزاء بدنیہ بلکہ ہر شخص کی عادات خصلتیں مزاج شکل وصورت حتیٰ کہ آواز اور طرزِ گفتگو جیسی کیفیات بھی اس میں جمع کر دی ہیں چنانچہ اسی ذریعہ سے یہ ساری صفات اور کیفیات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں تو اس طرح بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کہ بس سمجھ لو ایسے ہی خداوندِ عالم انسانوں کے مرنے کے بعد انکے اجزاء بدنیہ سمیٹ کر اٹھالے گا خواہ وہ کسی بھی حالت کو اختیار کر چکے ہوں اور انسانی اجزاء کا جمع کر کے اٹھانا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک قطرۂ منی میں تمام اجزاء بدن اور اوصاف وعادات جمع کر کے اس کو دوبارہ ایک انسانی شکل وصورت میں پیدا کیا جاتے تو اس طرح اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کا مضمون اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر مرتب کیا گیا واللہ اعلم بالصواب ۔ ۱۲

ہے جو مدتِ حمل ہے اس وقت پر انسان ان تمام تدریجی مراحل کو طے کر کے دنیا میں آتا ہے تو ہم نے ایک وقت کا اندازہ کر دیا ہے اور طے کر لیا ہے بس ہم بہت ہی اچھے انداز سے وقت مقرر کرنے والے ہیں کہ کیسی خوبی سے ایک نطفہ کے لیے تدریجی مراحل سے نشو و نما مقدر کر کے اسکو انسانی شکل میں پیدا کیا جبکہ انسانی عقل و فکر کے محدود دائرہ میں سوچنے والا انسان تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حقیر سا قطرہ اتنی مدت کے بعد بہترین اعضاء کی ساخت شکل و صورت حیات و ادراک اور عقل و شعور کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہو جاتے گا تو بس اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ انسان مرنے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ ہو کر اٹھے گا رہا یہ امر کہ وہ قیامت کب آئے گی۔ تو یہ ایک مقرر کردہ وقت ہے جو اللہ نے اپنی ایسی ہی حکمت بالغہ اور کاملہ سے مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ ہر نطفہ کی پیدائش کا اس نے اپنی حکمت [1] سے وقت مقرر کیا اور اس میں مہلت رکھی پس ہلاکت و بربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے تو کیا یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ وہ خداوند عالم قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور ان منکرین کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں ملنے کے بعد جب کہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کیونکر ہم دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں"، نہایت ہی لغو اور مہمل بات ہے انکو دیکھنا چاہیئے کہ کیا ہم نے نہیں بنایا ہے زمین کو جو سمیٹنے والی ہے زندوں کو اور مردوں کو جس پر زندہ بھی آباد ہیں اور مردے بھی اسی میں مرنے کے بعد دفن ہیں اس طرح زندوں کو بھی اسی خاک سے حیات و زندگی ملی اور مر کر بھی اسی میں چلے گئے تو جس خاک سے انسانوں کی نشو و نما ہے اسی خاک میں ملنے والے انسانوں کے اس میں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے پر کیا تعجب ہے کیوں نہیں اس بات کو دیکھ کر کہ ہر دانہ زمین میں بو دیتے جانے کے بعد جب کہ وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ اور بظاہر مٹی ہی بن جاتا ہے کس طرح اگ رہا ہے قیامت اور بعثِ بعد الموت کا مسئلہ نہیں سمجھتے تو جب زمین میں دفن ہو چکنے کے بعد ہر دانہ اور تخم دوبارہ پیدا ہو رہا ہے تو کیوں نہیں انسان زمین میں مل کر اور خاک ہو کر دوبارہ پیدا ہو سکتے تو جس قادر مطلق کی قدرت کے یہ نمونے دن رات نظروں کے سامنے ہیں اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ عالم کو فنا کر کے قیامت قائم کر دے اور اس زمین میں ہم نے بناتے ہیں ایسے جم جانے والے بوجھل پہاڑ جن کی چوٹیاں بلند ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ بھی جنبش نہیں کھاتے تو یہ زمین کس قدر مضبوط ہے کہ اس نے اپنے اوپر ایسے وزنی پہاڑوں کو اٹھا

---

[1] ان کلمات سے اشارہ کیا گیا کہ آیت فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ کا تعلق ہر دو مدتوں کی تقدیر اور تعیین سے ہے یعنی مدّت حمل کی تقدیر پر تو جس طرح مدت حمل کی تقدیر اللہ کی حکمت کاملہ پر مبنی ہے اسی طرح قیامت کی مدت بھی اللہ نے اپنی حکمت کاملہ سے طے کر رکھی ہے اور وہ اسی پر واقع ہو گی۔ ۱۲۔

رکھا ہے جنکی بلند چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر تک پہنچی ہوتی ہیں اور اسی زمین اور پہاڑوں سے چشمے جاری کرکے تمکو میٹھا پانی پلایا جو پیاس بجھانے والا ہے پانی کے یہ سیال چشمے مضبوط زمین اور سخت چٹانوں سے جاری ہوکر خدا کی عظیم قدرت کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو جو خداوندِ عالم اپنی قدرتِ کاملہ کے یہ متضاد نمونے دکھلا رہا ہے اور موت وحیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کر رہا ہے کیا وہ خدا میدانِ حشر میں نرمی و سختی اور نجات و ہلاکت کے مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ نیز جس کے قبضہ میں تمام اسبابِ حیات ہیں اور وہ پہاڑوں کے سینہ میں معدنیات پانی کے چشمے اور بے شمار چیزیں جمع کرنے والا ہے اس پروردگار کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد زمین میں دفن ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد ابدان کو اور ان اجسام کو جو ریزہ ریزہ ہوکر ہواؤں میں اڑ رہے ہوں یا پانی کی موجوں میں بہہ رہے ہوں انکو اپنی قدرتِ بالغہ سے سمیٹ کر جمع کرلے اور دوبارہ میدانِ حشر میں اٹھالے ان حقائق اور مناظرِ قدرت کو دیکھ کر تو کسی کی یہ مجال نہ ہونی چاہیئے کہ انکار کرے لیکن افسوس کہ پھر بھی بہت سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں پس ہلاکت و تباہی ہے انکار کرنے والوں کے لیے بہرکیف قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور خداوندِ عالم جس کی قدرت کے یہ عظیم کرشمے نظروں کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں انکے ہوتے ہوئے کسی کو مجال نہیں کہ قیامت کا انکار کرسکے تو جب قیامت قائم ہوگی مردوں کو انکی قبروں سے اٹھایا جا رہا ہوگا آفتاب کی تپش سے لوگوں کے دماغ کھول رہے ہوں گے اہل ایمان کیلئے سایۂ عرش ہوگا اور مجرمین و منکرین بدحواسی کے عالم میں ہوں گے تو ان سے کہا جاتے گا چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے اور اسکا انکار کرتے تھے وہ نامۂ اعمال کی پیشی اور میزانِ اعمال پر حاضری اور جہنم کے کناروں پر قائم کردہ پل پر سے گذرنا ہے اس اعلان پر منکرین و کفار بے چینی سے گریہ وزاری کرنے لگیں گے تو پھر انکو کہا جاتے گا اچھا چلو ایک ایسے سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں ایک طرف اشارہ کرکے کہا جاتے گا دور سے ظاہر ہوگا کہ وہ ایک سایہ ہے جس کی تین شاخیں ہیں فرشتوں کے اس اعلان

ے یہ تین شاخوں والا دھواں اس طرح ہوگا دائیں بائیں اور سر پر محیط گویا ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا بظاہر اسکی حکمت یہ ہوگی کہ عالم آخرت میں انسان کے اعمال عالم مثال میں حقائق موجودہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں تو یہ انکے اعمال فاسدہ اور عقائدِ باطلہ کی تاریکی ہوگی جو ہر طرف سے ان کو محیط ہوگی اور دھوئیں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہوگی۔

حضراتِ عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جنکی اصلاح اسکو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے اور اسکا فساد اسکو شیاطین کے زمرے میں شامل کردیتا ہے ایک بائیں طرف جو لطیفۂ قلب ہے جس کا فساد قوتِ غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم و سرکشی پر آمادہ کرتا ہے دوسرا دائیں طرف ہے جس کا فساد قوتِ شہویہ کو بڑھاتا ہے اور اسکی وجہ سے انسان فسق و فجور*

پر وہاں پہنچیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے نہ تو وہ سایہ ہوگا ڈھانکنے والا جس میں کوئی ٹھنڈک اور چین ہو اور نہ ہی وہ جہنم کی لپٹوں اور شعلوں سے بچانے والا ہوگا بلکہ وہ سایہ تو درحقیقت جہنم سے اُٹھنے والا دھواں ہوگا اور قعرِ جہنم سے اُٹھنے والے سیاہ شعلے ہوں گے جو پہاڑوں کی بلندی کی طرف اوپر کی جانب بلند ہوتے ہوں گے اور دور سے محسوس ہوگا کہ وہ کوئی سایہ ہے۔

وہ جہنم پھینکتی ہوگی ایسے شعلے اور انگارے جو محل کی طرح بلند ہوں گے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوگا گویا وہ اونٹ ہیں زرد رنگ کے کہ ابتداء میں وہ انگارے اور شعلے محل کی بلندی کے بقدر قعرِ جہنم سے بلند ہوتے ہوں گے پھر ان میں سے ٹوٹ ٹوٹ کر چنگاریاں ایسی نظر آئیں گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوں یہ ہے وہ عذاب جو آخرت میں مجرمین و منکرین کے لئے ہوگا افسوس ہلاکت و بربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے اس دن کی شدت اور عذاب کی سختی کا کیا حال بتایا جائے یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور اگر اس سے قبل روز محشر کچھ بولے بھی ہوں وہ بے سود تھا اور نہ انکو اجازت ہوگی کہ وہ کوئی معذرت پیش کریں اور توبہ کریں پس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں میں جس طرح حیل و حجت اور عذر و معذرت سے کام چل جاتا ہے شاید میدانِ حشر میں اسی طرح ہم کچھ حیلے بہانے یا معذرت و توبہ کر کے چھوٹ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں وہاں نہ تو بولنے کی سکت ہوگی اور نہ کوئی معذرت و توبہ قبول ہوگی بہرحال یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں حق و باطل نیکی و بدی اور ایمان و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر عمل کا انجام سامنے ہوگا مومنین جدا ہوں گے اور مجرمین و منکرین جدا ہوں گے ایک گروہ نجات و کامیابی پر شاداں و فرحاں ہوگا تو دوسروں کے چہروں پر ذلت و حقارت اور پریشانی و پشیمانی برس رہی ہوگی غرض ہر چیز کا فرق سامنے ہوگا اور ہر عمل کا فیصلہ ہو رہا ہوگا جمع کر دیا ہے ہم نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں تاکہ سب کو اکٹھا کر کے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سب کو سنا دیں تو اے مجرمو! اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو کر لو وہ

٭٭ اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے کیونکہ جگر معدن خون ہے اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے اور تیسرے لطیفہ کا فساد عقائدِ باطلہ کا سبب ہے اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوتے تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے واللہ اعلم بالصواب

(روح المعانی۔ فتح المنان)

تدبیر میرے مقابلہ میں اور آجائیں وہ گستاخ بھی جو کہا کرتے تھے دوزخ کا ذکر (اور ان پر مقرر انیس فرشتوں کو) سُن کر کہ "سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا" باقی دو سے تم نمٹ لینا بس ہلاکت و تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیئے ظاہر ہے کہ سب کچھ مصائب اور عذاب کی شدّت و سختی اور میدانِ حشر کی پریشانی منکرین و مکذّبین کے لیئے ہے جو انکے کفر و نافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ ہے لیکن انکے بالمقابل اہل ایمان وطاعت کامیاب و کامران ہوں گے اللہ ربّ العزت کی نعمتوں اور اسکی رضاء و خوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ جن کی راحت و نعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ بے شک تقویٰ اور ایمان والے نہایت ہی راحت و سکون کے ساتھ جنت کے سایوں میں اور چشموں میں جن سے پانی اور دودھ کی نہریں بہتی ہونگی اور ہر قسم کے میوے اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے بھی وہ چاہیں غرض ہر طرح کا آرام و سکون عزت اور ہر قسم کی نعمتیں ہونگی اور انکو کہہ دیا جاتے گا کھاؤ اور پیو مزے سے خوب بلا کسی روک ٹوک کے یہ سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے دنیا کی زندگی میں بیشک ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو مگر اس کے برعکس ہلاکت و تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے یہ مجرمین و مکذبین جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت میں مست تھے اور آخرت کو انہوں نے بھُلا رکھا تھا انکو دنیا میں ہی اسی وقت بتا دیا گیا تھا کھا لو اور مزے اڑا لو تھوڑے دنوں تک یقیناً تم مجرم ہو اور تم کو یہ چند دن اور قلیل مدت گذرنے پر معلوم ہو جاتے گا کہ تمہارا انجام کس قدر بُرا ہے افسوس! ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے دنیا کی زندگی نے ان مجرموں کو ایسا سرکش و نافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ جھک عہ جاؤ اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے اور کسی طرح خدا کے سامنے سرنگوں ہونے اور عبادت و بندگی کے لیے تیار نہ ہوتے جس کا یہ انجام دیکھ لیا بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے قرآن حکیم نے کس قدر واضح دلائل بیان کر دیتے جن کے بعد خدا اور آخرت پر ایمان لانے میں کوئی تردّد ہی نہ رہنا چاہتے لیکن انکار کرنے والے اب بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو پھر اسکے بعد اور کون سی بات ہو گی جس پر وہ ایمان لائیں گے اور اس پر یقین کر کے آخرت کو مانیں گے نہ تو قرآن کے بعد اب کوئی اور کتاب نازل ہو گی اور جو دلائل و حقائق ذکر کیتے گئے ان کے بعد احاطۂ تصور میں مزید کسی دلیل اور تحقیق کا امکان نہیں اور نہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی مبعوث ہوگا کہ یہ توقع کر لی جاتے کہ شاید کسی اور پیغمبر کے کسی معجزہ کو دیکھ کر یا دلیل کو سن کر مان لیں اور ایمان لے آئیں بہرحال جو بدنصیب بھی

عہ لفظ ارکعوا کا ترجمہ "جھک جاؤ" اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اسکے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جاتے ۱۲-

ان قرآنی دلائل وحقائق کے باوجود ایمان سے محروم رہے تو اسکے بعد کوئی توقع نہیں کہ وہ کسی اور بات پر ایمان لا سکے گا۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ اعاذنا اللہ منہ ووفقنا من فضلہ وکرمہ للایمان والثبات علی الدین فیارب ثبتنا علی الاسلام وعلی ملۃ نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیرخزایا ولا مفتونین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آیت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کے تکرار کی حکمت

سورۃ المرسلات میں یہ آیت مبارکہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ دس جگہ ارشاد فرمائی گئی تکرار آیاتِ قرآنیہ کی حکمت سورۃ الرحمٰن میں "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" میں بیان کردی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن کریم میں بار بار ہیں ان پر منطبق ہوتی ہے یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اسکے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کا اعادہ کرکے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرینِ قیامت دس وجوہ سے ہلاکت وبربادی میں ہیں تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت وبربادی کی یہ وعید بیان فرمادی گئی جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جاتے کہ انسان میں قدرتِ خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے اور انکے فساد سے شقاوت وبدبختی اور ہلاکت وبربادی ہے اوّل قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اسکو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اوّل ذاتِ خداوندی کا شرک کرکے دوم صفاتِ خداوندی میں بیہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کرکے سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک ومختار ہیں چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت پنجم قضاء وقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور انکے اوامر وہدایات سے سرتابی تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوتِ نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں دوسری قوتِ شہویہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے تو یہ دونوں عیب منکرینِ قیامت میں تھے تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور

درندوں سے بڑھا دیتا ہے اور اس کی وجہ سے ظلم و تعدی کی کوئی حد نہیں رہتی اور تفریط انسان میں سے حمیت و غیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو دو خرابیاں یہ ہوئیں اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل ایک بار فرما دیا گیا وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ واللہ اعلم بالصواب

تمّ بحمد اللہ تفسیر سُورۃ المرسلات

الحمد للہ ۲۹ ویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔
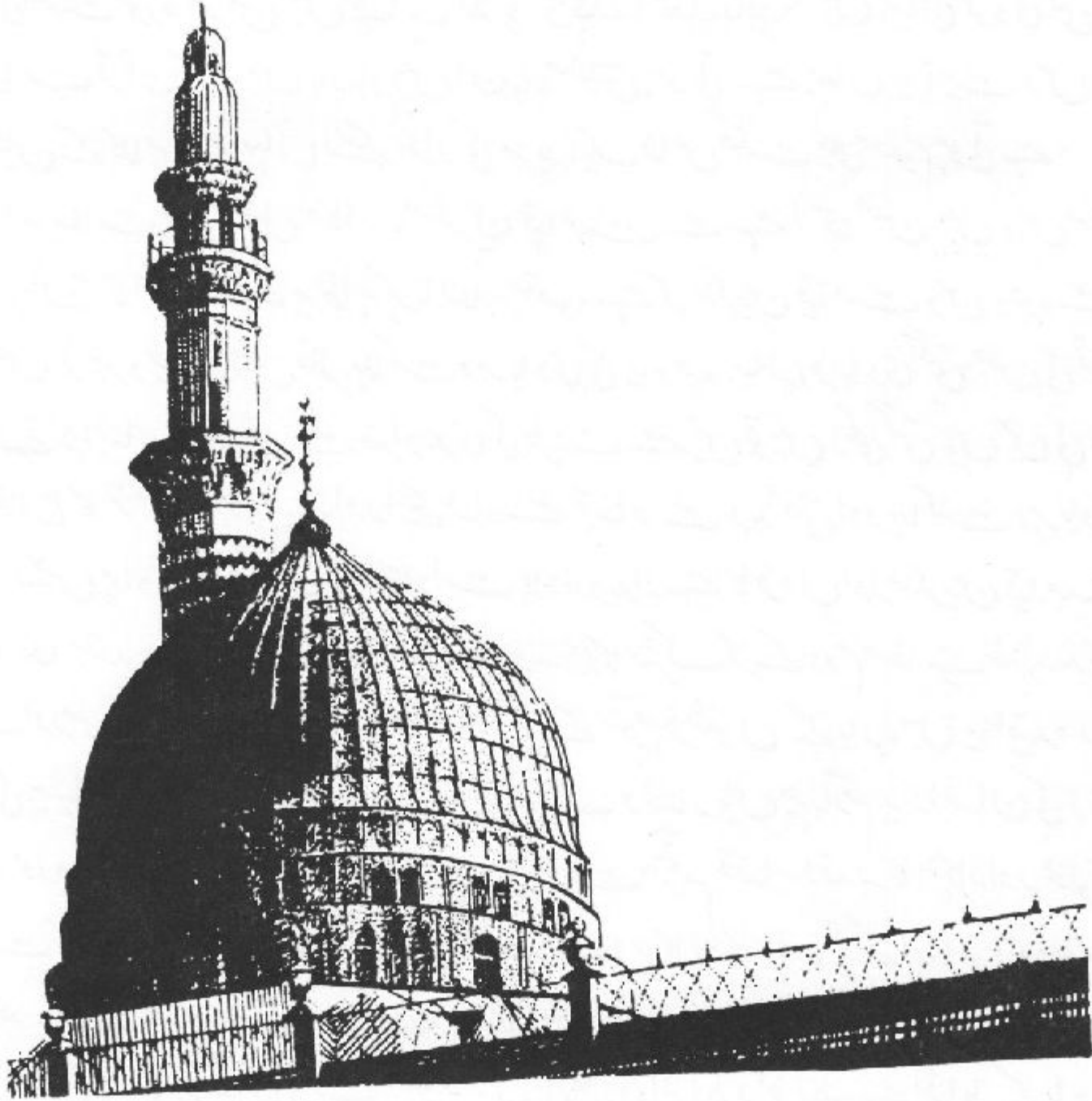
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ النَّبَا

اٰیاتھا ۴۰ ۷۸ = سُورَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ = ۸۰ فیھا رکوعان

سورۃ نبا مکی ہے، اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِىْ

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ وہ بڑی خبر - جس میں

هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

وہ کئی طرف ہو رہے ہیں۔ یوں نہیں! اب جان لیں گے۔ پھر بھی یوں نہیں! اب جان لیں گے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّ

ہم نے نہیں بنائی زمین بچھونا؟ اور پہاڑ میخیں؟ اور

خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا

تم کو بنایا جوڑے جوڑے۔ اور بنائی نیند تمہاری دفع ماندگی۔ اور بنائی

الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ

رات اوڑھنا۔ اور بنایا دن روزگار کو۔ اور چنی تم سے اوپر

سَبْعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ

سات چنائی مضبوط۔ اور بنایا ایک چراغ چمکتا۔ اور اتارا

الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّ

نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا - کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ - اور

جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ

باغ پتوں میں لپٹ رہے۔ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہر رہا - جس

يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ

دن پھونکیں نرسنگا، پھر چلے آؤ جُٹ جُٹ - اور کھولا جاوے آسمان،

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

تو ہو جاویں دروازے۔ اور چلائے جاویں پہاڑ، تو ہو جاویں ریتا -

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾

بیشک دوزخ ہے تاک میں - شریروں کا ٹھکانا -

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا

رہتے ہیں اس میں قرنوں - نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا۔ اور نہ ملے

شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ

کچھ پینا، مگر گرم پانی اور بہتی پیپ - بدلہ ہے پورا - وہ تھے

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

توقع نہ رکھتے حساب کی - اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکرا کر

وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی لکھ کر - اب چکھو کہ ہم بڑھاتے نہ جاویں گے

اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

تم پر مگر مار -

گستاخی مجرمین بصورت سوال و مطالبہ روز قیامت و ذکر قانون جزاء و سزا مع دلائل قدرت

قال اللہ تعالیٰ۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ .... الیٰ .... فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا

(ربط) سورۂ نباء مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی۔ اس کے لیئے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا۔ تو زمین و آسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا۔ اب اس سورت میں مجرمین و منکرین قیامت کے معاندین جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی۔ اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کرکے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

کس چیز کے بارہ میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں۔ آخر کس بات کی تحقیق و تفتیش مقصود ہے۔ کیا ان میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ جس چیز کو آپس میں ایک دوسرے سے بطور استہزاء و مذاق پوچھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھ لیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یا یہ کہ وہ جو پیغمبر خدا اور مؤمنین سے سوال کر رہے ہیں اور بطور تمسخر کہہ رہے ہیں کہ جناب وہ قیامت کب آئے گی۔ دیر کیوں ہو رہی ہے اور اب تک کیوں نہیں آئی۔ اے مخاطبو! جانتے بھی ہو کہ یہ کیسی چیز کا سوال کر رہے ہیں۔ یہ پوچھ رہے ہیں ایک بہت ہی عظیم الشان خبر اور ہیبت ناک بات کو۔ جس میں وہ خود مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ ہرگز قیامت نہیں آئیگی کوئی اس کو مانتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عذاب و ثواب روح پر ہوگا۔ بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ بدن بھی اٹھایا جائے گا تو جس چیز میں خود یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اس کے بارہ میں اس طرح کا سوال یا مطالبہ یا اس کا مذاق نہایت ہی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ خبردار ہو جاؤ اب عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے پھر خبردار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جان لیں گے کہ قیامت کیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر کیسے ہیں یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے گا آخر ان کو اس بارہ میں کیا تردد اور شبہ ہے۔ ہماری قدرت تو ہر چیز پر غالب ہے۔ تو کیا نہیں بنایا ہے ہم نے زمین کو بستر انسانوں کے لیے جس پر وہ آرام کرتے ہیں۔ اور اسی پر ان کا اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ہے۔ اور کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں جنہوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی زمین کو میخوں کی طرح قائم ہو کر ساکن بنادیا۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تم کو جوڑے بنا بنا کر یعنی مرد و عورت۔ تاکہ مرد عورت کو اپنا جوڑا بنا کر

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے ذریعے سکون حاصل کرے جیسا کہ آیت وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْہَا میں فرمایا۔ یا طرح طرح کی شکلیں اور صورتیں بنائیں۔ اچھی بُری یا انسانوں میں بعضے نیک اور بعضے بد۔ وغیرہ تو اس طرح اے انسانو! تم کو تقابل اور جوڑے کی شکل میں بنایا ہے۔ اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور بدن کی راحت کا ذریعہ اور دن بھر کی محنت ومشقت کے بعد تکان و تعب سے سکون حاصل کرنے کا سامان۔ اور بنا دیا رات کو تمہارے واسطے اوڑھنا جو لباس کی طرح تم کو اپنے میں چھپا لیتی ہے اور لباس کی طرح انسان کے بدن کو راحت و آرام پہنچاتی ہے اور لباس پردہ بھی ہے تو رات کی تاریکی میں ہر کام چھپا ہوا رہتا ہے۔ رات کی تنہائیوں میں خدا کی عبادت کرنے والے، لوگوں کی نگاہوں سے مستور۔ اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ بدنصیب رات کے پردہ میں چھپ کر جرائم و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غرض رات کا پردہ مخلوق کے عیب و ہنر کو خالق کے سامنے عیاں کرنے کا بھی سامان ہے۔ اور بنایا ہے دن کو روزی کا ذریعہ کہ اس میں ہر ایک کسب معاش اور روزی کمانے میں مصروف ہوتا ہے۔ اہل سعادت کسب معاش یا کسب فضائل کے لیے رات کے آرام کو عملی قوتوں کے لیے مستعد اور توانا بناتے ہیں۔ لیکن اہل شقاوت اور غافلوں کی زندگی بس اسی طرح گذر جاتی ہے۔ دن کا وقت روزی کمانے میں اور رات کا وقت آرام وراحت یا عیش و عشرت میں گذر جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت انسانوں کی نظروں کے سامنے ہمہ وقت ظاہر ہے اور بنایا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات آسمانوں کو مضبوط چھت کی طرح جو تمہارے سروں پر قائم ہے جو مُدّتِ دراز گذرنے کے باوجود نہ بوسیدہ ہوئے اور نہ ہی ان میں کوئی رخنہ پیدا ہوا۔ تو جس خُدا نے یہ آسمان اپنی حکمت و قدرت سے بنائے اس کی قدرت و حکمت کو سمجھنا چاہیئے اور اس سے اپنی زندگی کا رشتہ قائم کرکے اپنے شب و روز فکر آخرت میں گذارنے چاہئیں نہ کہ غفلت اور محض دنیا کمانے میں۔

اور بنایا ہم نے سورج کو ایک دہکتا ہوا چراغ۔ پھر اس سورج کے نُور سے چاند اور تاروں کو نور بخشا۔ اور اس جہان میں بندوں کے لیئے جو بھی راحت کے اسباب اور رزق کے سامان تھے وہ مہیا کیئے اس طرح کہ اتارا ہم نے بادلوں سے برستا ہوا پانی۔ فلاسفہ اور حکماء خواہ اس کے کچھ بھی اسباب بیان کریں لیکن ان اسباب کی یہ کار فرمائی بھی ایک عظیم قدرت کا کرشمہ ہے کہ کس طرح بادلوں سے بارش چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل میں برستی ہے۔ پھر زمین اس کو جذب کرتی ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے پیدا کریں ہر قسم کا غلہ اور سبزہ اور اگائیں گنجان باغات جن میں طرح طرح کے پھل اور میوے لگتے ہیں۔ غلّوں اور سبزوں سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش و عشرت اور راحت و لذت کے جملہ اسباب پیدا کیئے پانی بھی ایک زمین بھی

(بقیہ صفحۂ گزشتہ سے) ؎ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا فرمایا وہ حرکت کرنے لگی اور لرزنے لگی۔ تو پہاڑ پیدا فرمائے اور پہاڑوں کو زمین کے مختلف حصوں اور جانبوں میں میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ جس پر زمین ساکن ہوگئی۔ ۱۲ (جامع ترمذی)

ایک ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے۔ لیکن دیکھو کہ غلوں۔ پھلوں اور پھولوں کے کس قدر مختلف اور کیسے[1] متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں۔ پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کر کے ہر ایک کو خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر نفع اٹھانے کی اجازت دیدی لیکن یہ سب کچھ صرف اس جہان میں ہے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کی نعمتیں راحتیں اور باغات اور پھل و پھول مؤمن کے ایمان اور اعمال صالحہ اور اعتقادات صحیحہ ہی ہوں گے جو ان صورتوں میں اہلِ ایمان کے سامنے آئیں گے

اور دنیا میں انسان کے عقائد خبیثہ کفر و شرک اور بداعمالیاں آخرت میں شجر زقوم۔ حمیم وغساق (کھولتا ہوا گرم پانی زخموں سے بہنے والا خون راد اور پیپ) بن کر اہل جہنم کا رزق ہوگا۔ یہی وہ جزاء و سزا ہے جو یوم الفصل میں ہر ایک کو ملے گی چنانچہ فیصلہ کا یہ دن ایک متعین کردہ وقت ہے جس میں اس کا امکان نہیں کہ مقدم و مؤخر ہو سکے۔ یہ دن وہ ہوگا جب صور پھونکا جائے گا جس پر دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام دنیا الٹ پلٹ کر نیست و نابود ہو جائے گی۔

پھر تم آؤ گے جوق در جوق[2] میدانِ حشر میں اپنے رب کے سامنے اعمال کی پیشی کے لیے اور رب العالمین کی عدالت میں حاضری ہوگی۔ اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ پھر جس میں کھولنے کے بعد دروازے ہو جائیں گے جیسے کوئی مضبوط اور مستحکم گول چھت میں دراڑیں پڑ جائیں اور پھر وہ چھت منہدم ہو جائے۔ ایسے ہی کچھ آسمانوں کے پھٹنے اور ان میں شگاف پڑنے یا دروازوں کے کھل جانے کا حال ہوگا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ہو جائیں گے ریت کے ذرات جو فضا میں اڑ رہے ہوں گے یہی وہ پہاڑ تھے جن کو زمین کی سطح پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا تھا تاکہ وہ ٹھیری رہے۔ تو جب یہ میخیں ہی ختم ہو جائیں گی تو وہ زمین کہاں ٹھیری رہے گی جو ان کے ذریعہ قائم تھی تو اس طرح آسمان و زمین سب ہی درہم برہم ہو جائیں گے اور جب آسمان د

---

[1] جیسا کہ ارشاد ہے وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ جس کی تفسیر سورۂ رعد میں گذر چکی۔ لفظ معصرات کی تفسیر ابن عباسؓ بادلوں سے فرماتے تھے۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ "ماء ثجاج" مسلسل برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔

[2] افواجاً جمع فوج کی ہے جس کا ترجمہ جماعت اور ٹولیوں کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جو دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا تو ہو سکتا ہے کہ یہ افواج ہر ایک پیغمبر کی اُمت ہو لیکن اس لحاظ سے کہ یہ خطاب ہے اہل مکہ کو اس وجہ سے اس کا مفہوم یہی زیادہ واضح ہے کہ جماعتوں اور پارٹیوں کی صورت میں ان مجرمین کو لایا جائے گا۔ اور اس کی صورت بظاہر یہ ہوگی کہ مختلف قسم کے عقائد باطلہ اور مختلف قسم کی بدکاریوں میں پڑنے والوں کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس لحاظ سے مختلف اور متعدد ٹولوں کی شکل میں محشر میں ان کی حاضری ہوگی۔ ۱۲۔

زمین ہی نہ رہیں گے تو دنیا کا وجود کیا باقی رہے گا چنانچہ نیست ونابود ہو جائے گی۔ اور اس طرح عالم آخرت قائم ہو جائے گا۔ جہاں مجرمین ونافرمانوں کو نظر آئے گا کہ بیشک جہنم تاک میں ہو گی اور منتظر ہو گی۔ سرکشوں اور مجرموں کی کہ کب یہ مجرمین ومنکرین اور نافرمان میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہو گی ان کا ٹھکانا بننے کے لیے جس میں یہ ٹھہرنے والے ہوں گے بڑی ہی طویل مدتوں تک[ع۱] جس کے طول کی کوئی انتہا نہ ہو گی اور ابدالآباد اسی میں رہیں گے۔ ان بدنصیبوں کے لیے آرام وراحت کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت ان کے مقدر میں ہو گی اس طرح کہ نہیں چکھ سکیں گے اس جہنم میں کوئی مزا ٹھنڈک کا اور نہ ہی ٹھنڈے پانی کا۔ نہ جگہ سکون اور ٹھنڈک کی[ع۲] ہو گی اور نہ لباس اور نہ ہی طعام اور پانی۔ کچھ نہ ہو گا۔ بجز کھولتے ہوئے گرم پانی اور زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ کے یہ بدلہ ہو گا پورا پورا۔ جو ان کی بداعمالیوں شہوت پرستی اور عیش وعشرت میں زندگی گزار دینے کا پورا پورا اور عین مطابق بدلہ ہو گا شہوت وحرص اور دنیا کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا کرتی تھی۔ قیامت میں اسی کے مطابق کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دنیا میں عملی زندگی فواحش وبدکاری میں گزاری تھی جن کی غلاظت وگندگی زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ سے کم نہ تھی تو کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ یہ

ع۱ "بڑی ہی طویل مدتوں تک" لفظ احقاباً کا ترجمہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ احقاب کسی محدود اور متناہی مدت کے لئے نہیں بولا گیا ہے بلکہ ایسی طویل مدت مراد ہے جسکی کوئی حد اور انتہاء ہی نہ ہو۔

اگرچہ نفس لغت میں حُقُبٌ جس کی جمع احقاب ہے، کے معنی بعض اہل لغت نے مخصوص ومعین طویل مدت کے ذکر کیئے ہیں مثلاً کسی نے ایک ہزار برس یا اس سے زائد کہا۔ مگر سعیدؒ نے بروایت قتادہؒ بیان کیا کہ احقاب وہ مدت ہے جس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

نافعؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اہل نار جہنم سے ہرگز نہ نکل سکیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں پڑے رہیں گے۔ احقاباً یعنی مدتِ دراز اور راوی نے اس کی بھی تفسیر کی ہے۔ لہٰذا اہل لغت نے اس کے معنی میں کوئی مدت "بیان کیئے ہیں تو اس سے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ شاید اہلِ جہنم کسی مدت کے گذرنے کے بعد جہنم سے نکال لیئے جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تصور کیونکر ممکن ہے جب کہ خلود نار کی تصریح قرآن کریم نے متعدد آیات میں بڑی ہی وضاحت سے فرما دی حتیٰ کہ یہ فرما دیا گیا۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ اور وَمَاهُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا —— اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وغیرہ وغیرہ تو ان آیات کے بعد اس طرح کا کوئی تصور ممکن ہی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

ع۲ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں نیند کو بھی بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ نیند کی راحت تو کیا نصیب ہو گی۔ اس کا مزا بھی چکھنا نصیب نہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ نیند کی حالت انسان کے لیے سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ ۱۲

جمع کر دیا جائے گا۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کوئی توقع نہ رکھتے تھے۔ حساب و کتاب کی اور اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ قیامت اور روزِ جزاء آنے والا ہے اسی اعتقادِ باطل میں مبتلا رہ کر انہوں نے اپنی قوتِ نظریہ بھی ضائع کی اور قوتِ عملیہ کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں صرف کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا خوب جھٹلانا جس میں انہوں نے کسی طرح کسر نہ اٹھا رکھی۔ آیاتِ خداوندی کا بھی انکار کیا۔ احکام خداوندی کی بھی تعمیل نہ کی اور دلائل قدرت اور اللہ کی نشانیوں کو بھی نہ مانا۔ ایسے مجرموں کو تکذیب و نافرمانی کر کے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ ان کو جان لینا چاہیئے کہ وہ ہماری گرفت سے بچکر نہیں جا سکتے۔ اور ہر چیز کا ہم نے احاطہ کر رکھا ہے اس طرح کہ وہ ایک طے شدہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ تو ہم مجرمین کے ہر جرم کو بھی جانتے ہیں اور اس کی سزا کا وقت بھی ہم نے طے کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت ہوگا۔ اسی لیے جب وہ عذاب اور سزا اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو ان کو کہا جائے گا پس چکھ لو۔ عذاب کا مزا اور یہ توقع نہ کرو کہ شاید یہ عذاب کسی وقت کم ہو جائے گا نہیں ہرگز نہیں۔ تو ہم نہیں بڑھائیں گے۔ تمہارے واسطے کوئی بھی چیز بجز عذاب کے کہ لمحہ بلمحہ عذاب اور دکھ بڑھتا ہی جائے گا۔ اور دم بدم جہنم کی شدت اور مصیبت بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اے مجرمو! جوں جوں احکام خداوندی نازل ہوتے تم کو وعظ و نصیحت کی جاتی تو اسی کے ساتھ تمہاری شقاوت و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تو آج روز قیامت اسی کی مطابقت و مناسبت سے لمحہ بلمحہ عذاب میں زیادتی اور شدت ہی ہوتی جائے گی۔

فائدہ حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ سے روایت ہے حسن بصریؒ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لیے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا جب جہنمی تمنا کریں گے۔ یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾

بے شک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور۔

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

اور نوجوان عورتیں ایک عمر سب کی۔ اور پیالہ چھلکتا ۔ نہ سنیں گے وہاں بکنا

لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

اور نہ مکرانا۔ بدلہ ہے تیرے رب کا دیا حساب سے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ

جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے بڑی مہر والا، قدرت نہیں کہ

مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا

کوئی اس سے بات کرے، جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار ہو کر۔ کوئی نہیں

يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ

بولتا، مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے، اور بولا بات ٹھیک۔ وہ

الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ

دن ہے تحقیق، پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا۔ ہم نے

اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک کی، جس دن دیکھ لیوے آدمی، جو آگے بھیجا اسکے ہاتھوں

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

نے اور کہے منکر کسی طرح میں مٹی ہوتا۔

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا .... الیٰ .... يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا

(ربط) گزشتہ آیات میں قیامت اور روز حساب کی شدت اور مجرمین کی بدحالی اور شدت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان و تقویٰ پر کیسے کیسے عظیم انعامات ہوں گے اور ان کا روز آخرت کیسا اعزاز و اکرام ہوگا بیان ہے۔ فرمایا۔

بے شک تقویٰ والوں کے لیئے طرح طرح کی کامیابی اور حیاتِ جاودانی کی سعادت وخوشی نصیب ہوگی جب وہ دیکھیں گے ہر مراد ان کی پوری ہو رہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو حاصل ہے۔ باغات ہوں گے اور ہر قسم کے پھل اور بکثرت انگور ہوں گے جو دوسرے جملہ اقسام کے پھلوں میں اہلِ جنت ان کے خوشوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ذائقوں سے اہلِ جنت دنیا میں آشنا تھے۔ اب وہ جنت کی شانِ عظمت کے مطابق ان کو حاصل ہوں گے اور ثمرات وفواکہ کی لذتوں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا سایہ بھی کس قدر خوش گوار اور فرحت بخش ہوگا۔ کھانے پینے کی ان تمام لذتوں کے علاوہ ان کے واسطے جنت میں نوجوان اٹھان والی عورتیں ہونگی جو عمر میں ایک دوسرے کے برابر ہمسن ہوں گے وہ نوجوان دوشیزائیں بھی اور یہ ایمان وتقویٰ والے مرد بھی تاکہ ہمعمری کے باعث عیش وتنعم کا لطف کامل نصیب ہو۔ اور جام ہوں گے چھلکتے ہوئے۔ شرابِ طہور کے ایسے لبریز جام جنکا دور چل رہا ہوگا پھر سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ نہیں سنیں گے ان باغوں میں کوئی لغو بیہودہ بات اور نہ ہی کوئی جھوٹ اور فریب۔ کیونکہ یہ جنت کی شراب طہور ہوگی اور اس کا کسی طرح بھی کوئی بُرا اثر دماغ وشعور پر ہرگز واقع نہ ہوگا۔ اس لیے وہاں ایذا اور مار پیٹ یا بیہودہ اور لغو باتیں جیسے دنیا کی شراب میں پیش آتی ہیں قطعًا نہ ہونگی اور نہ ہی کوئی رنج اور تکلیف وہ بات ہوگی کہ جس کو جھٹلایا جائے بلکہ وہ شرابِ طہور تو محبّت الٰہی کا مظہر ہوگی اور اس کا خمار درجات کی بلندی اور قرب الی اللہ اور معرفت رب اور اس کی ذات وصفات میں انہماک وانشراح کا سرور ہوگا۔ جیسے دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی عظیم پایہ نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں صرف اسمی اشتراک ہوتا ہے اسی طرح لفظ خمر اسمی اشتراک کے باعث ہے۔ ورنہ تو شراب دنیا اور آخرت کی شراب طہور میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ پورا پورا تقابل اور تضاد ہے۔

بہرکیف یہ سب نعمتیں اور اعزاز واکرام اے مخاطب بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے تیرے اعمالِ حسنہ اور ایمان وتقویٰ کا۔ اور ذاتِ رب کی تو شان ربوبیت جیسے ایک دانہ کو اُگا کر اسے نشو ونما عطا کرنے والی ہے اور ہر مخلوق کو پال کر اس کے کمال اور منتہیٰ تک پہنچاتی ہے اسی طرح وہ بندہ کی ہر نیکی کو پالنے والی اور نشو ونما کے انتہائی مراتب تک پہنچانے والی[1] ہے یقینًا جو بطور عطاء اور بخشش ہی ہے۔ کیونکہ انسان اگر اپنی تمام زندگی بھی عبادت وطاعت میں گذار دے تب بھی اللہ کے انعامات میں ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ جملہ بے پایاں نعمتوں کا۔ لہٰذا آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں بخشش ہی بخشش ہے۔ پورے پورے حساب کے ساتھ تاکہ بندہ کے معیار طاعت اور اعمال کی عظمت وخوبی کے مطابق اس پر جزاء اور انعامات ہوں۔ جو رب ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بڑی ہی رحمت والا ہے۔ تو جس طرح اس رب السمٰوات والارض نے اپنی شانِ ربوبیت سے آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو عدم سے وجود

---

[1] یہ الفاظ اس آیت مبارکہ "جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً" میں لفظ رب اور لفظ عطاء کی حکمت اور نکتہ کی وضاحت کے لیے ہیں۔ ۱۲۔

بخشا اور پھر ہر چیز کے بقاء کے بہترین اسباب پیدا فرمائے اور ہر ایک چیز کو بڑی ہی حکمت اور خوبی سے حد کمال تک پہنچایا۔ وہی رب اپنے بندوں کے اعمال کو باقی رکھے گا اور ان کو نشوونما فرما کر حدِ کمال یعنی مرتبۂ انعام و اکرام تک پہنچائے گا۔ اور یہ سب کچھ اس کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے۔ جس رب کی رحمت و عنایت کے ساتھ عظمت و کبریائی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کو قدرت نہ ہوگی اس سے بات کرنے کی۔ حتیٰ کہ روز حساب حق تعالےٰ کی اس شان عظمت و جلال سے انبیاء علیہم السلام تک بھی ہیبت زدہ ہوں گے اور ہر ایک یہ کہتا ہوگا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غیری[۱] - ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ ولن یغضب بعدہٗ۔ یہ ہیبت و جلال اور عظمت کی شان بالخصوص اس دن ہوگی جب کہ روح[۲] اور فرشتے کھڑے ہوں گے صف بستہ وہ بات نہیں کر سکیں گے اس کے جلال کی وجہ سے۔ بجز اس کے کہ جس کو وہ اللہ رحمٰن اجازت دیدے بس وہی بول سکے گا۔ وگرنہ سب دم بخود اور مرعوب و مبہوت ہوں گے اور وہ کہے گا درست اور صحیح بات یہ ممکن ہی نہ ہوگا کوئی غلط اور لغو بات کرے یہ ہے وہی دن برحق۔ جس کا واقع ہونا بھی قطعی اور یقینی ہے اور اسی دن میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانے حاصل کرنے کا راستہ اختیار کر لے۔ اسی میں اس کی فلاح و نجات ہے۔

اے انسانو! بس خبردار ہو جاؤ ہم نے ڈرا دیا ہے تم کو ایک قریب ہو جانے والے عذاب سے جو نہایت ہی قریب ہے جس کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں۔ اور اصل قیامت تو جب بھی آئے۔ ویسے ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ جس قدر ہر انسان کے ساتھ اس کی موت قریب ہے، بالکل قیامت بھی اس سے اسی قدر قریب واقع ہوئی ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب انسان دیکھ لے گا کہ اس نے خود آنے سے پہلے کیا عمل کر کے بھیجا ہے اور کافر انتہائی حسرت و ندامت سے کہتا ہوگا۔ اے کاش میں خاک ہو چکا ہوتا اور اس صورت حال میں یہاں میدانِ حشر کی پیشی کی نوبت نہ آتی[۳]

. تم تفسیر سورۃ النبا بحمد اللہ عزوجل.

---

[۱] یعنی مجھے تو آج اپنی فکر پڑی ہے میرے سوا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ میرا رب آج اس قدر غضب و جلال میں ہے کہ ایسا جلال نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ یہ حدیث شفاعت کا مضمون ہے جبکہ ہر پیغمبر شفاعت سے انکار کر دے گا اور آخری نوبت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے گی اور آپؐ شفاعت کریں گے۔ ۱۲۔

[۲] روح سے مراد بعض مفسرین روح اعظم لیتے ہیں جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہو یا روح القدس اور جبریل امینؑ۔ اور کسی نے روح سے ہر روح انسانی مراد لیا ہے۔ ۱۲۔

[۳] مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز حق تعالےٰ جب انسانوں کے اعمال کا حساب لیکر فارغ ہو جائے گا۔ اپنی شانِ عدل اور یوم الحساب کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورَۃُ النّٰزِعٰتِ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدۂ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں۔ اور اصولِ دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثباتِ رسالت بعث ونشر کے لیے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کردیا گیا کہ قیامت کے روز شدت واضطراب کا ناقابلِ تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لیے عذاب جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کردیا گیا۔ جب کہ فرعون اپنے غرور وسرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوندِ عالم نے اس کے غرور ونخوت کو کس طرح پامال کیا۔ اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السّلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا۔ ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ از ص ۳۵۲)

تقاضے کی تکمیل کے لیے حیوانات کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے نیک وبد کا اور باہمی مظالم کا۔ اور جب ان کا حساب ہوجائے گا تو ان کو حکم ہوگا کہ تم خاک ہو جاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت وجہنم ان کے لیے نہیں جن وانس کے لیے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست ونابود ہوجائیں گے۔ اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہوجاتے۔

بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کرلیتا اور خدا کے سامنے سر جھکا لیتا۔ افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر وغرور کے ساتھ سرکشی اور نافرمانی کرتا رہا۔ ۱۲ (روح المعانی ج ۴)

آیاتها ۴۶ — ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ — فیها رکوعان

سورۂ نازعات مکی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی، ڈوب کر۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی، کھول کر۔ اور پیرنے والوں کی،

سَبْحًا ۝٣ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥ يَوْمَ

پیرنے پر۔ پھر آگے بڑھتے دوڑ کر۔ پھر کام بناتے حکم سے۔ جس دن

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوْبٌ

کانپے کانپنے والی۔ اس کے پیچھے دوسری۔ کتنے دل

يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا

اس دن دھڑکتے ہیں۔ ان کے تیور نیچے (خوفزدہ) ہیں۔ لوگ کہتے ہیں، کیا

لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١

ہم پھر آویں گے اُلٹے پاؤں؟ کیا جب ہو چکیں ہم ہڈیاں کھوکھری؟

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

بولے تو تو یہ پھر آنا ٹوٹا ہے۔ سو وہ تو ایک جھڑکی

وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ

ہے۔ پھر تبھی وہ آ رہے میدان میں۔ کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات

مُوْسٰى ۝١٥ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦

موسیٰ کی؟ جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى

جا فرعون پاس، اس نے سر اُٹھایا۔ پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو

اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ

سنور سے۔ اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو۔ پھر دکھائی اس کو وہ بڑی

الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

نشانی۔ پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر چلا پیٹھ پھیر کر تلاش کرتا۔ پھر سب کو جمع کیا،

فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ

پھر پکارا۔ تو کہا، میں ہوں رب تمہارا سب سے اُوپر۔ پھر پکڑا اس کو اللہ نے،

نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

سزا میں پچھلی کے اور پہلی کے۔ بیشک اس میں سوچ کی جگہ ہے، جس کو

يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ع

ڈر ہے۔

ہیبت و اضطراب در روزِ محشر و فلاح و کامرانی اہلِ ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا .... الی .... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى

(ربط) سورۂ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارہ میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب ورد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں۔ اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بےچینی قلوب پر وارد ہوگی۔ اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے۔ جزاء و سزا اور مؤمنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا جا رہا ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟۔ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے مغرور و متکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا۔ اور فرعون کو ہلاک کیا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو گھسیٹ لانے والے ہیں غوطہ لگا کر جو کافروں کی رگوں میں گھس کر ان کی روح کو سختی کے ساتھ ان کے بدن سے نکالتے ہیں۔ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کھول دینے والے ہیں گرہ کو سہولت کے ساتھ کھول دینا جو فرشتے اہلِ ایمان کی ارواح سہولت سے قبض کر لیتے ہیں اور روح کی گرہ بدن سے نہایت ہی راحت اور نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر ان کی جو تیرنے والے ہیں تیزی کے ساتھ تیرتے ہوئے جو فرشتے روحوں کو زمین سے لے کر آسمانوں پر چڑھنے والے ہیں ان کا تیزی سے جانا گویا پانی کی سطح پر تیر رہے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو سبقت کرنے والے ہیں آگے بڑھ کر جو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے

عہ وَالنّٰزِعَاتِ غَرْقًا یہاں بھی پانچ قسموں سے تاکید واہتمام کرتے ہوئے اصل مدعی یعنی قیامت کا ہولناک منظر واقع ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔ نازعات۔ ناشطات۔ سابحات۔ سابقات۔ مدبرات یہ پانچ کلمات ذکر فرما کر جواب قسم یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ بیان فرمایا۔ ان کلمات کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ یہ ستارے ہیں۔ عطاءؒ بیان کرتے ہیں السابقات یہ وہ گھوڑے ہیں جو میدانِ جہاد میں دوڑتے ہیں اور عطاءؒ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ السابحات پانی کی سطح پر تیرنے والی کشتیاں ہیں۔ کسی نے نازعات اور ناشطات سے ہوائیں مراد لی ہیں۔ حسن بصریؒ نازعات کی تفسیر ستارے بیان کرتے ہیں لیکن جمہور مفسرین اور حافظ ابن کثیر رحمہُ اللہ نے ان پانچوں کلمات کو فرشتوں پر محمول کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا۔

فرشتوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ خداوندِ عالم نے قیامت برپا ہونے اور میدانِ حشر میں حاضری کے مضمون کو بیان اور ثابت کرنے کے لیے فرشتوں میں پہلے ان فرشتوں کی قسم کھائی جو کافروں کی روحوں کو سختی اور شدّت سے جسم کی رگوں سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدّت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لیئے نکلے گی تو اسی طرح کافر کی رگیں نزوعِ روح سے متاثر ہوتی ہیں اور فرشتوں میں سے ان کو اس مقام پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کلام کے اصل مخاطب منکرینِ قیامت ہیں تو انِ ہی فرشتوں کی قسم مقدم فرمائی جو کافروں اور منکروں کی روح قبض کرنے والے ہیں اس کے بالمقابل پھر ان فرشتوں کی بھی قسم کھائی جو مؤمن کی روح بڑی ہی سہولت سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے کہ پیشانی کے پسینہ کا قطرہ ٹپک جائے۔ پھر ان فرشتوں کی جو مؤمنین کے اعمال بارگاہِ رب العزت میں لے جانے کے لیئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور پھر انکی جو تکوینی نظام پر ہواؤں۔ بادلوں اور غلّوں کے اُگانے۔ احوال صحت ومرض اور عافیت وحوادث اور منافع ومَضار جیسے امور کی تدبیر پر مامور ہیں تو ان جملہ انواع واقسام کے فرشتوں کی قسم کھا کر مخاطب کے سامنے اور اس کے ذہن میں ان جملہ احوال کی عظمت کو ظاہر کرنا ہے پھر جبکہ مخاطب کا ذہن ان عظمتوں سے لبریز ہو چکا ہو تو پھر قیامت جیسے عظیم دن کے واقع ہونے کا بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں اور ان ارواح کے بارہ میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے لیئے دوڑتے ہیں۔
پھر ان کی جو عالم تکوین کے امور میں ہوائیں ہو یا بادل چاند سورج اور ستارے تدبیر و انتظام میں لگے ہوئے ہیں
ہر کام کے لیے۔ جیسا بھی حکم خداوندی ہوا آسمانوں میں یا زمین میں فورًا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ بے شک قیامت آنی
ہے اور وہ دن ایسا عظیم الشان ہوگا جب کہ لرزنے والی چیز لرز رہی ہوگی۔ وہ زمین ہے کہ اس پر زلزلہ طاری
ہوگا اور پہاڑ اپنی چوٹیوں سے گر رہے ہوں گے اور ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اڑتے ہوں گے جس کے پیچھے لگی
ہوگی ایک پیچھے لگنے والی چیز جو زمین اور پہاڑوں کے زلزلہ اور کانپنے کا ایک مسلسل بھونچال ہوگا جو پچھلے نفخ
صور کے بعد دوسرے صور کے پھونکنے سے شروع ہوگا۔ اس روز کتنے ہی دل ہوں گے جو اضطراب و بے چینی سے دھڑکتے
ہوں گے۔ ذلت و ندامت کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ہمت نہ ہوسکے گی کہ نگاہ اوپر کرکے
دیکھ سکیں۔ کہتے ہوں گے کیا ہم لوٹا دیئے جائیں گے الٹے پاؤں کہ قبر میں جانے کے بعد کیا پھر یہ ممکن ہے کہ ہم دوبارہ
زندہ کردیئے جائیں گے اور اس طرح ہم کو محشر میں حاضری دینی ہوگی کیا یہ بات ممکن ہوگی جب کہ ہم ہوچکیں گے
کھوکھری ہڈیاں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اور جب کہ انسان کی ہڈیاں بھی کھوکھری ہوچکی ہوں تو تمسخر
اور تحقیر کے انداز میں کہنے لگے بس پھر تو یہ لوٹنا بہت ہی خسارہ کی بات ہوگی۔ یہ مشرکین و منکرین تو اس معاملہ کو بہت
ہی عظیم اور ہیبت ناک سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہماری قدرت کے سامنے تو اس کی عظمت اور اہمیت نہیں بس یہ
تو ایک دفعہ کی ایک چیخ ہوگی جو صور پھونکنے کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ جس پر فورًا ہی وہ سب میدان حشر میں
نظر آرہے ہوں گے پیشی کے لیے بارگاہِ خداوندی میں اور جو مغرور و متکبر انسان خدا کی بات سننے کے لیے تیار
نہ ہوتے تھے وہ ایک ہی آواز میں ذلت و خواری کے ساتھ سر جھکائے نظریں نیچی کیئے حاضر ہوں گے اور حیرت و
بدحواسی کے عالم میں منتظر ہوں گے کہ اب ان کے بارہ میں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ اس شدت و اضطراب اور
بے چینی کے احوال سننے والے مخاطب تو کیوں نہیں قیامت اور روز محشر کی حاضری مان لیتا۔ تیرا رب تو بڑی ہی
قدرت والا ہے تو کیا تجھ کو خبر نہیں موسیٰ کے قِصّہ کی جب کہ موسیٰ کو اس کے رب نے پکارا وادی مقدس مقام طویٰ
میں۔ جہاں کوہ طُور پر اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰؑ سے ہمکلامی کی اور اس میں یہ فرمایا۔ جاؤ فرعون کی طرف اس کو
خدا پر ایمان لانے کی دعوت دو بے شک وہ بہت ہی سرکش ہوچکا ہے۔ اس کو خدا پر ایمان لانے کی تلقین
کرنا پھر کہنا کیا تو نہیں چاہتا کہ تو پاک ہوجائے۔ کفر و نافرمانی اور غرور و تکبر کی گندگی سے اور کیا نہیں چاہتا کہ
میں تجھے راستہ بتاؤں تیرے رب تک پہنچنے کا پھر تو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ معرفت اور خوف خداوندی سے
اپنی زندگی سنوار لے۔ کیونکہ انسانی زندگی کی اصلاح اور اس کی ہر خوبی معرفت الٰہی اور خشیّت خداوندی پر موقوف
ہے۔ چنانچہ موسیٰؑ نے وہاں پہنچ کر پیغام خداوندی اور دعوت ایمان کی ذمہ داری ادا کی اور حجّت و برہان قائم کرنے
کے لیئے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی جو عصا کا معجزہ تھا مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی اور پھر پیٹھ پھیر کر چلا
کوشش کرتے ہوئے پھر سب جادوگروں کو جمع کیا اور جب سب جمع ہوگئے تو پھر پکار کر کہا تاکہ سب مرعوب ہوجائیں۔
میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب موسیٰؑ کہاں سے آگیا اور کس نے اس کو بھیجا اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے

معجزۂ عصا نے اژدھا بن کر جادوگروں کے ظاہر کیے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا۔ باوجودیکہ وہ جادوگر جو مقابلہ کے لیے آئے تھے ایمان لے آئے اور ایمان پر ایسی استقامت و پختگی حاصل ہوئی کہ فرعون کی ہر دھمکی کا مقابلہ کیا اور دنیا میں انسان کو پیش آنے والی ہر بڑی سے بڑی اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے (جیسا کہ تفصیل سے گذر چکا) مگر فرعون نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آیا تو پھر پکڑ لیا اللہ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں، دنیا میں یہ سزا دی کہ پانی میں ڈبو دیا اور آخرت کی یہ سزا ہے کہ وہاں نارِ جہنم میں ہمیشہ جلے گا۔

بے شک اس تمام قصہ میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے اور سوچنے کا مقام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو۔ خداوندِ عالم کا یہ انتقام کس قدر شدید ہے اس نے ایسے مغرور و متکبر کو جو اپنی ربوبیت کا اعلان کرتا ہو اس طرح ذلیل و عاجز کر کے دنیا کے سامنے اس کی ہلاکت اور اپنے پیغمبر کی کامیابی ایک عظیم تاریخ بنا کر رکھ دی تاکہ ہر مغرور و متکبر جو اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہو اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

راجفہ اور رادفہ کی تفسیر

رجف کے معنی لغت میں جھڑ جھڑا دینے کے ہیں تو قیامت برپا کرنے کے لیے نفخ صور دو مرتبہ ہو گا۔ جیسے ارشاد فرمایا گیا ـــــ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ تو پہلی مرتبہ جو صور پھونکا جائے گا اس سے زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو جائے گا اس لیے اس کو راجفہ کہا گیا اور دوسرا صور اس کے پیچھے ہو گا جیسے کہ کوئی چیز کسی کے پیچھے لگی ہوئی اس لیے اس کو رادفہ فرمایا گیا۔ قرب قیامت کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْهِ۔

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دو تہائی رات گذر جاتی تو اٹھ جاتے اور فرماتے (اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو) بس سمجھ لو کہ جھڑ جھڑا دینے والی چیز راجفہ آ چکی اور اس کے پیچھے لگی ہوئی رادفہ (جو قیامت برپا کرنے والی ہے) اور (جان لو کہ) مدت (سامنے) آ چکی ہے مع اپنی تمام کرب و بے چینی کی حالت کے۔

ف حافرہ کی تفسیر میں مجاہدؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ یہ قبور ہیں۔ ابن عباسؓ عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ بیان فرماتے تھے کہ حافرہ حیات بعد الموت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ کہ کیا ہم دنیا میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ کسی زندگی میں اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ ہماری ہڈیاں بھی پرانی ہو کر کھوکھلی ہو چکی ہوں گی۔ تو اس پر

ع۵ مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ ۱۲۔

رَد فرمایا اور تنبیہ کی گئی ایسے منکرین کو سُن لینا چاہیئے کہ اِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾

کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان ؟ اُس نے وہ بنایا ۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ

اُونچی کی اس کی بلندی، پھر اس کو صاف کیا ۔ اور اندھیری کی رات اس کی ، اور کھول نکالی

ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا

اسکی دھوپ ۔ اور زمین کو اس پیچھے صاف بچھایا ۔ نکالا اس سے

مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

اس کا پانی اور چارا ۔ اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا ۔ کام چلانے کو تمہارے

وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ

اور تمہارے چوپایوں کے ۔ پھر جب آوے وہ بڑا ہنگامہ ۔ جس دن

يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ

یاد کرے آدمی جو کمایا ۔ اور نکال رکھی دوزخ ،

لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾

جو چاہے دیکھے ۔ سو جس نے شرارت کی ۔ اور بہتر سمجھا دنیا کا جینا

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ

سو دوزخ ہی ہے ٹھکانا ۔ اور جو کوئی ڈرا اپنے رب

رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

پاس کھڑے ہونے سے ، اور روکا جی کو چاؤ سے ۔ سو بہشت ہی ہے

الْمَأْوٰى ﴿٤١﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾
ٹھکانا ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں، وہ گھڑی، کب ہے ٹھہراؤ اس کا ؟
فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ
تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے ؟ تیرے رب تک ہے پہنچ اس کی ۔ تو تو
اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا
ڈر سنانے کو ہے، اس کو جو اس سے ڈرتا ہے ۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو،
لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾
کہ دیر نہیں لگی ان کو، مگر ایک شام یا صبح اس کی ۔

اعلان خداوندی بقدرت کاملہ و عاجزی و پستیٔ کائنات پیش عظمت الٰہی

قال اللہ تعالیٰ۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ .... الی .... اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا

(ربط) گزشتہ آیات میں خداوند عالم نے اپنی شان حاکمیت عظمت و جلال کا ذکر کرتے ہوئے قیامت اور قیامت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اور یہ کہ کائنات کا یہ سارا نظام دم کے دم میں درہم برہم ہو جائے گا۔ زمین و آسمان اور پہاڑ چاند سورج اور ستارے غرض سب ہی ختم کر دیئے جائیں گے اور دلوں کا اضطراب و بے چینی کا عالم ناقابلِ تصور ہوگا تو اب ان آیات میں حق تعالےٰ شانہٗ اپنی قدرت کاملہ کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اور یہ کہ کائنات کی کوئی طاقت اور قوت خداوندِ عالم کی عظمت و کبریائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ارشاد فرمایا۔

اے منکرو! بتاؤ کیا تم ہو زیادہ سخت پیدا کرنے کے لحاظ سے یا آسمان؟ [ع] یقیناً ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے بہت بڑھ کر عظیم اور اہم ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ

ع یہ مضمون بعینہٖ وہی ہے جو آیت مبارکہ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ میں ارشاد فرمایا گیا۔

کا واضح ثبوت ہے تو جو ذات رب العالمین آسمان جیسی عظیم چیز پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے اس کی قدرت عظیمہ سے یہ بات کیونکر بعید ہوسکتی ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں اٹھائے اور زندہ کرے۔

پھر آخر ان کافروں کو کیوں تردد ہے۔ حالانکہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی پروردگار نے اس آسمان کو بنایا اس کی بلندی کو کس قدر اونچا کیا پھر اس کو ہموار اور برابر بنایا کیسا مضبوط کس قدر اونچا اور کیسا برابر اور ہموار کہ کسی جگہ سے کوئی فرق نہیں۔ پھر اس کا نظام کیسا باقاعدگی سے جاری ہے چاند سورج کا طلوع وغروب اور ستاروں کی رفتار اور لیل ونہار کی تبدیلی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی غرض یہ سارا نظام فلکیات ایسا محکم ومنظم ہے کہ ہر ایک دیکھنے والا اس کے صانع وخالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کیئے بغیر نہیں رہ سکتا تو جس ذات نے ایسی عظیم مخلوق پیدا کردی اس کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو قیامت میں اٹھالے یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے اور اس نے تاریک کردیا اس کی رات کو اور نکالا اس کے دن کو سورج کے طلوع اور اس کی روشنی سے جوکہ کواکب وسیارات کے نظام ہی کے کرشمے ہیں اور آسمانوں سے ہی ان سب چیزوں کا تعلق ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔ جس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ بھی اُگایا۔ چشموں اور نہروں کو جاری

ع۔: اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلق ارض آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہے اور سورۂ حٰم سجدہ میں خلق ارض کو مقدم بیان فرمایا گیا اور زمین — اور زمین پر پیدا کی ہوئی چیزوں کی تخلیق کے بعد ارشاد فرمایا گیا ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ اس اشکال کی توضیح اور جواب اس مقام پر ذکر کردیا گیا۔ مراجعت فرمائی جائے۔

پہاڑوں کا زمین میں گاڑنا۔ حدیث انس بن مالکؓ میں بروایت احمد بن حنبلؒ اس طرح مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی۔ اللہ نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا جس سے زمین ٹھیر گئی۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی شدت وسختی پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ بھی کوئی طاقتور چیز ہے اللہ نے فرمایا ہاں لوہا ہے۔ تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا اے رب اس سے زیادہ کوئی چیز تیری مخلوق میں شدید ہے فرمایا ہاں! اور آگ پیدا کر کے دکھادی گئی۔ فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے زیادہ کوئی طاقتور چیز ہے جواب میں فرمایا ہاں! اور پانی پیدا کردیا۔ اس پر بھی وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر ایک سخت اور طاقتور چیز۔ ہوا ہے فرشتوں نے اس پر بھی تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یارب کیا اس پر بھی بڑھ کر کوئی طاقتور چیز ہے جواب دیا گیا۔ نعم ابن آدم یتصدق بیمینہ لا تعلم شمالہ ما تنفق بیمینہ۔ کہ اس سے طاقتور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

اس مضمون کی تفصیل کے لیئے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن"، کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲

کرکے سبزے غلے پھل اور پھول اور طرح طرح کی غذائیں پیدا کیں اور پہاڑوں کو قائم کر دیا زمین کی سطح پر ایسی مضبوطی سے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے۔ اے انسانو! تمہارے واسطے سامان زندگی بناکر اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ نظامِ قدرت قائم نہ کیا جاتا تو کہاں سے انسان کھاتے اور کہاں سے جانوروں کا چارہ ملتا۔ لوگ کیسے اپنی زندگی کے کاروبار کرتے اور کس طرح اس میں یکسانیت وتسلسل قائم کرتے۔ اگر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی وسکون نہ ہوتا۔ غرض آسمان اور زمین اور اس میں پیدا کی ہوئی ہر ایک چیز اللہ رب العزت کی قدرت وحکمت کی عظیم نشانی ہے تو جب رب العالمین یہ سب کچھ انتظامات کر رہا ہے کیا وہ انسان کی بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اس میں شک وتردد یا انکار انسان کی بڑی ہی غفلت اور بھول ہے جس سے یقیناً اس کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ چونکے گا۔ چنانچہ جب آجائے گی وہ چوراچورا کرنے والی بہت بڑی ہیبت ناک چیز تو وہ دن ہوگا ایسا کہ انسان یاد کرے گا ہر اس چیز کو جو اس نے کمائی ہے اور زندگی کا ہر عمل اس کو یاد آجائے گا اور اس وقت سوائے پچھتانے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور جہنم ظاہر کر دی جائے گی ہر اس کے لیے جو دیکھ رہا ہوگا۔ اور اس کو ایسے منظر عام پر لایا جائے گا کہ بلاکسی حائل اور رکاوٹ ہر ایک کو نظر آرہی ہوگی۔ بہر حال جس کسی نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو اس نے بہتر سمجھا اور اسی کو آخرت پر ترجیح دی۔ حتیٰ کہ آخرت کو بھلا دیا تو بس دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ جس سے اس کو کسی طرح بھی چھٹکارا میسر نہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سوچنے لگا کہ کیا منہ لے کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہوسکوں گا اور میدان حشر میں کس طرح کھڑا ہوسکوں گا۔ اس اعتقاد وتخیل اور خوف خدا کے اثر سے اس نے اپنے نفس کو روکے رکھا ہر خواہش سے، تو بلاشبہ جنت اس کا ٹھکانا ہے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشات ہی انسان کو اللہ کے احکام کی اطاعت وپیروی سے روکنے والی چیز ہے۔ اس لیے جب یہ صاحب ایمان خشیت وتقویٰ سے معمور خداوند عالم کی اطاعت وفرماں برداری کرتا رہے گا تو لامحالہ اللہ کے فضل وکرم سے جنت کا مستحق ہوگا۔
انسانی سعادت اور اس کی عقل وفطرت کا تقاضا یہ ہے[ع] کہ وہ ان حقائق کو سمجھے اور ان پر ایمان لائے۔

[ع] ظاہر ہے کہ جو شخص اس خیال کو اپنے قلب ودماغ میں رچالے گا وہ کسی بھی معصیت اور برائی میں مبتلا نہیں ہوسکتا اور یہ وصف بلاشبہ انسان کی طغیانی وسرکشی کی ضد ہے اور قوت نظریہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى نفسانی خواہشات سے بچنے کا نام ہے اس لحاظ سے یہ وصف اس کی قوتِ عملیہ کی اصلاح وتکمیل ہے اور ان ہی دو قوتوں کی اصلاح انسانی سعادت ہے۔ لہٰذا ایسے انسان کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔
بعض مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت یعنی اَمَّا مَنْ طَغٰى الخ کا مصداق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن کفارِ مکہ کی شقاوت و بدنصیبی کی کوئی حد نہ تھی انحراف و سرکشی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ لے ہمارے پیغمبر یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وقت اس کے قائم ہونے کا اور کب وہ ظاہر ہوگی تو کس فکر میں پڑے ہو آپ اس کا وقت بتانے کے بارہ میں یہ آپ کا کام ہی نہیں کہ آپ یہ بتائیں یا یہ سوچیں کہ ان کے سوالوں کا کیا جواب دوں اور کیا وقت ان کو بتاؤں آپ کے رب ہی کی طرف اس کی نہایت ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی اور خواہ اس کا کسی سے سوال کیا جائے ان جملہ سوالات کا منتہیٰ اسی کی ذات ہے اور اس کا علم صرف اسی کو ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ۔ آپ تو بس آخرت اور عذابِ آخرت سے ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت اور قیامت کو مانتا ہی نہیں وہ کیا خاک عذابِ آخرت سے ڈرے گا۔ حالانکہ جب قیامت واقع ہوگی ایسا محسوس ہوگا جب یہ اس کو دیکھیں گے گویا کہ نہیں ٹھیرے ہیں دنیا میں یا مرنے کے بعد سے اس وقت اٹھنے کے زمانہ تک مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح۔ بعث بعد الموت کے بعد یہ لوگ[ع] دنیوی زندگی کو صرف ایک صبح و شام کے بقدر ٹھیرنا تصور کریں گے یا یہ تصور کریں گے کہ مرنے کے بعد بس اتنا ہی تھوڑا سا وقت گذرا ہے جس طرح کہ سو کر بیدار ہونے والا شخص محسوس نہیں کر سکتا کہ نیند کی حالت میں اس پر کتنا طویل وقت گذرا ہے بس یہی لگتا ہے کہ آنکھ لگی تھی اور اب کھل گئی۔

مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت

مسائل اعتقادیہ اور علوم نظریہ میں قرآن کریم نے مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت نہایت ہی

ع یہ کلمات اس آیت کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ لوگ قیامت میں اٹھنے کے بعد دنیوی زندگی کو اس قدر مختصر محسوس کریں گے کہ گویا یہ صرف ایک شام یا صبح کے بقدر دنیا میں رہے ہیں قتادہؒ بھی اسی کو بیان کرتے ہیں ضحاکؒ نے ابن عباسؓ سے بھی یہی بیان کیا۔ اور بعض ائمہ مفسرین فرماتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اس قدر قلیل مدت سمجھیں گے کہ گویا انہوں نے صرف ایک صبح یا شام گذاری ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ۔۱۲۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۲) عامر بن عمیر تھا جو نہایت ہی بدکار اور دنیا پرست تھا اور دوسری آیت یعنی وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ الخ کا مصداق اسی کے دوسرے بھائی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو تارک الدنیا اور پیکر زہد و تقویٰ تھے۔ اور غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور صورتِ حال یہ تھی کہ کفن کے واسطے ایک چادر بھی ایسی نہ تھی کہ سارا بدن ڈھانکا جاسکے۔ ۱۲

اہتمام اور بڑی ہی تحقیق اور بسط وتفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول، آخرت پر ایمان ویقین ہی پر موقوف ہے سورۃ بقرہ کی ابتداء ہی میں قرآن کریم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے واسطے ذریعۂ ہدایت ہے جو تقویٰ اور ایمان بالغیب یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر یقین رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی تعمیل وتکمیل پر آمادہ ومستعد ہیں۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ) اور آخرت پر وہی یقین وایمان رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوگیا کہ ایمان باللہ والرسول، ایمان بالآخرت سے منفک اور جدا نہیں بلکہ ایمان باللہ والرسول کا دار ومدار ایمان بالآخرۃ ہی پر ہے۔ "آخرت اور یوم آخرت" قرآن کریم نے متعدد مواقع پر دونوں ہی عنوان اختیار کیے ہیں۔ عالم آخرت کا آغاز دنیا اور دارِ دنیا کا آخری دن ہے اس وجہ سے یوم آخرت کہا جاتا ہے حق تعالیٰ نے انسانی زندگی دو عالموں سے متعلق فرمائی ہے۔ ایک زندگی ولادت کے بعد سے اس کے مرنے تک ہے۔ اور دوسری زندگی موت کے بعد مبعوث اور دوبارہ اُٹھنے کے بعد سے جنت وجہنم کی لازوال حالتوں تک۔ پہلی زندگی کو "دنیا" کہا گیا اور دنیا لغت کے اعتبار سے قریب تر چیز کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی انسان کو پہلے حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کا نام دنیا ہوا اور مرنے کے بعد مبعوث ہونے پر جو زندگی ہے وہ بعد میں ہے تو اس کو عقبیٰ اور آخرت فرمایا گیا۔ اسی اعتبار سے دنیوی زندگی کو (النشأۃ الاولیٰ) یعنی پہلی پیدائش اور اُخروی زندگی کو (النشأۃ الأخریٰ) یعنی دوسری اور آخری پیدائش فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حیاتِ انسانی کے ان دونوں ادوار کو الاولیٰ اور الآخرۃ جیسے متقابل عنوان سے قرآن کریم تعبیر کرتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔

مفسرین کی ایک جماعت اس آیت کی مراد یہ بھی بیان کرتی ہے کہ آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں دنیوی زندگی اور اس کی راحتوں سے زائد بہتر ہے۔ بعض حضرات علماء نے آسمان و زمین کے پھٹ جانے اور چاند وسورج اور ستاروں کے ٹوٹ جانے اور شب وروز کا نظام درہم برہم ہونے کو جو آخرت قرار دیا وہ اس لحاظ سے کہ یہ امور یوم آخرت کا مبداء وآغاز ہیں ورنہ اصل یوم آخرت تو وہ ہے جب دوبارہ نفخ صور کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت کے روبرو حاضر کردئیے جائیں گے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ (سُوْرَۃُ الزمر)	اور جس روز کہ صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو کر گر پڑیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ سب کھڑے ہو جائیں گے در آنحالیکہ وہ دیکھتے ہوں گے۔

تو دوبارہ نفخ صور پر جب مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوگی، اس وقت دنیا اور حیات دنیاوی کا کوئی حصّہ باقی نہ رہے گا اور پھر اس دن کے بعد نہ کبھی رات آئے گی اور نہ رات کے ختم

ہونے پر دوسرا دن آئے گا۔

دنیا تو اس جہان کی صفت حیات کا نام ہے جب حیات ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کا وجود کیونکر رہے گا۔ اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو پھر کبھی اس کو دوبارہ دنیا کی حیات حاصل نہیں ہوتی۔ اور دنیا کی جب تمام ضروریات ختم ہوجائیں گی اور جو کچھ چیزیں دنیا میں ہیں وہ فنا ہوجائیں گی تو اس وقت حشر اموات ہوگا بس اسی کا نام آخرت ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورۂ ابراھیم)

وہ دن جبکہ یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور اسی طرح آسمانوں کو بھی اور سب لوگ اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہونگے۔ (اور نکل کھڑے ہوں گے)

اسی روز کو حق تعالیٰ شانہٗ کے دربار میں حاضری اور پیشی کا دن فرمایا گیا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

کہ اس دن لوگ کھڑے ہوئے ہوں گے رب العالمین کے سامنے[۱]۔

---

[۱] اسی یوم کا نام یوم الفصل بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ اور اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ کہ یہ فیصلہ کا دن ہے اے لوگو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو جمع کرلیا ہے۔ اسی کے بارہ میں ارشاد ہے اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا کہ تم سب کا اللہ ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ یہ ایک وعدہ ہے برحق اور پختہ۔ اسی بناء پر قیامت کو "یوم موعود" بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔ قیام قیامت کے کچھ احوال ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا۔ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا۔

اور جس دن کہ ہم پہاڑوں کو سرکا دیں گے (اور ان کو دوڑائیں گے کہ دیکھنے والا ان کو روئی کے گالوں کی طرح محسوس کرتا ہوگا) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا ایک کھلا ہوا میدان جس میں تمام مخلوق جمع ہوگی) اور سب کو اکٹھا کریں گے اس طور سے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب اللہ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ بیشک تم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قیام قیامت اور یوم آخرت کو قرآن نے "الساعۃ" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ڃ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۔
(سورۃ الاعراف)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ کہہ دیجئے اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی ظاہر کرے گا اس کے وقت پر وہ بہت ہی بھاری ہے۔ آسمانوں اور زمین میں وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی مگر اچانک۔

اس روز جب کہ اوّلین و آخرین میدان حشر میں حیران و پریشان کھڑے ہوں گے اور ہر ایک مبہوت و بدحواس اور کرب و بے چینی میں مبتلا ہوگا کہ اچانک رب العالمین اور احکم الحاکمین نہایت ہی عظمت و جلال کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے۔ ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ اسی منظر کو ان کلمات نے بیان کیا۔

وَجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
اور (اے مخاطب) تیرا رب (فیصلہ کیلئے)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۔
(سورۃ کہف)

(تقریر [illegible] ص ۳۶۵)

ہمارے پاس آئے ہوا اسی طرح (برہنہ) جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بلکہ تم تو یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے واسطے (حاضری کا) ہم نے کوئی وقت ہی مقرر نہیں کر رکھا ہے اور (لوگوں کے سامنے) نامۂ اعمال رکھ دیئے جائیں گے تو اس وقت اے مخاطب تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ ڈر رہے ہوں گے۔ اور کہتے ہوں گے ہائے افسوس ہماری بدبختی! کیا ہوا اس کتاب (نامۂ اعمال) کو کہ اس نے کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہیں چھوڑا کہ اس کو اس کتاب نے لکھ نہ لیا ہو اور سب لوگ اپنے ان تمام اعمال کو سامنے موجود پائیں گے۔ جو انہوں نے کیے اور اے مخاطب تیرا رب کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ ۱۲۔

صَفًّا صَفًّا۔ آئے گا۔ اور فرشتے جوق در جوق قطار در قطار
(الفجر) کھڑے ہوں گے۔

جبریل امینؑ اور تمام ملائکہ مقربین اور عالم سمٰوٰت وارضین کے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اور خداوندِ عالم کی عظمت وجلال اور ہیبت سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ انبیاء ومرسلین بھی حیران ومتفکر ہوں گے۔ سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انبیاء ومرسلین کو خطاب فرمایا جائے گا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ جس دن کہ اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر ان سے فرمائے گا (بتاؤ) تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری امتوں کی طرف سے) عرض کریں گے اے پروردگار (ظاہر میں جو جواب دیا گیا وہ تو معلوم ہے لیکن) حقیقت کا ہمیں علم نہیں بے شک چھپی ہوئی باتوں کا تو ہی خوب جاننے والا ہے۔

علماء متکلمین نے لکھا ہے کہ یوم حشر، صرف اجساد وابدان ہی کا حشر اور جمع نہیں ہے بلکہ اس روز تمام مخلوق کے ابدان واجسام کے جمع کرنے کے ساتھ انسانوں کے تمام اعمال وافعال اور احوال بھی جمع کر لیے جائیں گے۔ اعمال صالحہ اور سیئہ ہر ایک اس کے سامنے موجود ہوں گے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا اور جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حرکت سامنے آرہی ہے تو مایوسانہ جذبات اور حسرت وملال کے ساتھ کہے گا۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔

ایمان بالآخرۃ اور حشر ونشر اور بعثِ جسمانی، دین کے بنیادی اصول میں سے ہے جس طرح کوئی شخص خداوندِ عالم اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قیامت اور روزِ قیامت پر ایمان لائے بغیر شریعت کے نزدیک وہ شخص مؤمن کہلانے کا کسی طرح بھی مستحق نہیں۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش خاص طور پر دو چیزوں کا بڑی شدت سے انکار کرتے تھے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دوسرے قیامت کا۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیئے جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی ہر چند دلائل وبیّنات کے مشاہدہ کے بعد بھی یہی کہتے کہ:-

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۔ (سورۃ انعام) اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ ہماری دنیاوی زندگی ہے۔ (اسی میں ہماری حیات وموت ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

بلکہ کفار مکہ تو بعث بعد الموت کے بیان پر استہزاء اور تمسخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ۔ (سورۃ سبا)

کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ نہ بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم جب کہ ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے (مرنے کے بعد) تو پھر تم کو یقیناً ایک نئی پیدائش کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔ کیا یہ بات اللہ پر جھوٹ بہتان نہیں ہے یا یہ کہ اس شخص کو کچھ سودا (جنون) ہے

حق تعالیٰ شانہ نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا اور فرمایا۔ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ (کہ خدا ہی تم کو حیات و زندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے اور پھر وہی تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں) مسئلۂ بعث بعد الموت میں تردد کرنے والوں کو قرآن کریم نے ایک نہایت سادہ معقول اور فطری انداز میں سمجھایا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۃ احقاف)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا تو کیا وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ مُردوں کو زندہ کردے؟ بیشک وہ خداوند عالم ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی جب ایک چیز کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود اور ظہور میں لانے پر قادر ہے اور کائنات کو عدم محض سے پیکر وجود اسی نے عطا کیا تو اس کے اعادہ اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے میں تردد پیدا کرنا خلاف عقل ہے۔ حالانکہ کسی شے کے ایجاد سے اس کا اعادہ سہل اور آسان ہوتا ہے تو ایسے لوگ عقل و شعور سے کس قدر بعید ہیں کہ خالق کائنات کے لئے مخلوق کو دوبارہ قیامت میں اٹھانے کا انکار کرتے ہیں کفار مکہ کا یہ سوال قرآن کریم نے نقل کرکے یہی استدلالی جواب ارشاد فرمایا۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۔ (سورۃ یٰسٓ)

(کافروں نے کہا کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ وہی خدا ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا

اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

انسان کو اس کی تخلیق اور اطوار تخلیق کے نمونے ذکر کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی ظلمتوں سے نکال دینے کے لئے اس مسئلہ کو ایسے دلنشین انداز میں دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ اس کوشش کر کوئی بھی صحیح العقل انسان ادنیٰ تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں پائے گا۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو تو (تم اس پر کیوں نہیں غور کرتے کہ) بیشک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد ہم نے (ان کی نسل کو) نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے (بوٹی) سے جو نقشہ بنی ہوئی ہے اور بدوں نقشہ بنی ہوئی ہے تاکہ ہم اپنی قدرت کھول کر دکھلا دیں تم کو اور پھر ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ ہم تم کو پیٹ میں جب تک بھی ہم چاہیں مدت معینہ تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ایک بچہ ہونے کی صورت میں۔ پھر یہ کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کی قوت اور زور تک۔ اور تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو قبض کر لیا جاتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ارذل عمر یعنی عمر کے آخری حصہ تک لوٹایا جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ سمجھنے اور جاننے کے بعد بھی کسی چیز کو نہیں سمجھتا (قویٰ بیکار ہو جانے سے) اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خراب اور خشک پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو تر و تازہ ہو گئی اور ابھری اور اگانے لگی قسم قسم کے رونق کی چیزیں (پھل اور پھول) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بیشک اللہ ہی قادر مطلق اور ذات برحق ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ (سورۃ الحج)

اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یقیناً وہی چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور قیامت بیشک آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور یقیناً وہ پروردگار دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا ان مُردوں کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ دھوکہ لگ رہا ہے کہ انسان کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ اس کو زندگی کس طرح دی جائے گی تو انسان کو چاہیئے کہ خود اپنی پیدائش۔ پیدائش اطوار پر اور بنجر زمین پر بارشوں کے برسنے کے بعد طرح طرح کے سبزے اور شادابیوں کے اُگنے کے مناظر دیکھ کر یقین کرلے کہ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی دوبارہ حیات و زندگی عطا فرمائے گا جب زمین میں ہر تخم اور بیج ڈالے جانے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے اجزاء میں اس طرح خلط ملط اور حتیٰ کہ ذرہ خاک بن کر بھی پھر وہی تخم ایک درخت کی صورت میں زمین پر نمودار ہو رہا ہے تو اسی طرح اگر انسان کی ہڈیاں اس کا گوشت پوست بھی خواہ زمین میں مل کر خاک ہو چکا ہو یا ہواؤں میں اسکے ذرات اڑ رہے ہوں یا پانی میں بہہ رہے ہیں تو ان سب اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی دیدے تو کیا عجب ہے۔ زمین پر اُگنے والا ہر درخت اور گھانس کا تنکہ بعث بعد الموت کا ایک کامل ترین نمونہ ہے۔

اس سائنسی دور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتی ہیں۔ تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتیٰ کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت و پوست کو بھی جمع کرکے دوبارہ مبعوث فرما دے گا۔

مسئلۂ بعث بعد الموت سے متعلقہ یہ مضامین اگرچہ گزشتہ حصۂ تفسیر میں متعدد مواقع میں گذر چکے لیکن مزید تحقیق کے طور پر ان مضامین کا پھر یہاں ایک مرتبہ اعادہ کر دیا گیا۔ بہرکیف یہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں۔

عالم جسمانی کی حقیقت اور اسکی موت و حیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات و ممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں۔

"عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف ادوار گزرتے ہیں۔ طفولیت

وشباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیّت وشباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیامِ قیامت کا وقت ہے اس وقت مجموعۂ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہو جائے گی آسمان وزمین پھٹ جائیں گے اور عالم کا تمام شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے انسان ایسے متضاد اجزاء یعنی عناصر اربع آب وخاک وآتش وہوا سے مرکب ہے کہ باہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ ہر ایک کا مزاج دوسرے کے مخالف ہے ایسے ہی یہ سارا عالم بھی اشیاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر سے مرکب ہوا ہے۔ انسان کے اجزاء اس قدر مختلف المزاج اور مختلف التاثیر نہیں، جتنا کہ عالم کے اجزاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر ہیں اور جب ہر چیز کا مزاج اور اس کی تاثیر علیحدہ ہے تو لامحالہ ایک دوسرے کا دشمن ذاتی اور مخالف اصلی ہوگا اور جب کبھی کسی جز کا ذرا بھی غلبہ ہوگا تو مزاج عالم میں ضرور فساد آئے گا اور جو اعتدال اس سے قبل تھا وہ باقی نہ رہے گا اور یہ حالت عالم کے لیے بمنزلہ مرض کے ہوگی جیسے انسان میں جب کوئی مرض آتا ہے تو وہ کسی خاص جز کے غلبہ ہی کی وجہ سے آتا ہے مثلاً جب آگ کا غلبہ ہوتا ہے تو بخار آتا ہے جب پانی کا غلبہ ہوتا ہے تو زکام اور فالج اور وجع المفاصل جیسے امراض ظاہر ہوتے ہیں اور جب خاک کا غلبہ ہوتا ہے تو یبوست (خشکی) کی وجہ سے خارش پیدا ہوتی ہے اور ہوا کی زیادتی سے ورم اور ریاحی درد پیدا ہوتے ہیں۔

آدمی کا بدن فقط چار اجزاء سے مرکب ہے جب ان چار ہی کے غالب ومغلوب ہونے سے ہزاروں امراض پیدا ہوتے ہیں تو عالم جو کہ بے شمار اجزاء سے مرکب ہے ان کے غالب ومغلوب ہونے سے تولاکھوں امراض پیدا ہونے چاہئیں۔

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور رؤئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفنا کا طاری ہونا نظام قدرت ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمایا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ تمام عالم دنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض، آفات مصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفنا کا راستہ اختیار کرلے گا اور اسرافیل علیہ السّلام کا نفخ صور عالم دنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کر ڈالے گا۔ع

مسئلہ بعث اور معادِ ابدان

حافظ ابن قیم رحمہُ اللہ نے "کتاب الروح" میں فرمایا۔ مسئلۂ بعث اور معاد ابدان ایک ایسا متفق علیہ

ع تقریر دلپذیر بحوالہ علم الکلام حضرت نانوتویؒ کا یہ مقالہ عجیب حقائق ومعارف کا خزانہ ہے۔ اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

مسئلہ ہے کہ اس پر تمام مذاہب و ادیان سماویہ پر ایمان رکھنے والوں کا اتفاق ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔

جلال الدین الدوانی ؒ نے یہی مسئلہ بعث کے ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر تمام اہل ملل (یعنی سماویہ) کا اجماع ہے اور قرآن کریم کی ایسی واضح اور صریح نصوص سے مثلاً آیت۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ ثابت ہے کہ کسی بھی فلسفی کو تاویل کی گنجائش نہیں۔ [1]

امام بیہقی ؒ نے ابن عباس ؓ سے ایک روایت تخریج کی کہ عاص بن وائل (جو مشرکین میں سے ایک بہت بڑا سرغنہ تھا) ایک سوکھی ہوئی ہڈی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس کو چُورا چُورا کر کے کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ اس کو بھی زندہ کرے گا بعد اس کے کہ یہ ریزہ ریزہ ہو چکی۔ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ رب العزت اس کو زندہ کرے گا اور اس کے بعد تجھ کو عذاب دے گا۔ اس واقعہ پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ۔ (سورۃ یٰسٓ)	کیا نہیں دیکھا انسان نے اس بات کو بیشک ہم ہی نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر ناگہاں وہ کھُلم کھُلا خصومت کرنے والا ہو گیا ہے۔

امام رازی ؒ نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن ہی نہیں ان ہی دلائل و نصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے قائل فلاسفہ ہیں۔ حشرِ جسمانی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف اصول شریعت اور بیان کردہ دلائل سے یہ ظاہر ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو مع ان کے ابدان اور اجزاءِ اصلیہ کے زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو محشر کی جانب لے جایا جائے گا تاکہ ان کے اعمال کی جزاء و سزا کا فیصلہ ہو اس طرح سے آخرت اور حشر جسمانی پر ایمان لانا کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ۔ اور اجماع امت و سلف سے ثابت ہے جس کے استحالہ پر عقلی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ اول تو اجزاء بدنیہ معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا استحالہ اور تغیر ہو جاتا ہے دوسری صورتوں میں جس طرح کہ لکڑی جلنے کے باوجود معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ راکھ اور کوئلہ کے شکل کی طرف مستحیل ہوتی ہے لیکن بالفرض معدوم بھی قرار دے لیا جائے تب بھی کوئی عقلی دلیل محال ہونے پر قائم نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ جب دلائل ظاہرہ اور حجج قاہرہ سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالےٰ ایجاد معدوم پر قادر ہے اور یہ ساری کائنات اس کا ثبوت ہے تو اعادۂ معدوم پر وہ کیونکر قادر نہ ہوگا یہی وہ حقیقت ہے جس کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔

كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهٗ ۔ (سورۃ الانبیاء)	جس طرح ہم نے مخلوق کو اوّل مرتبہ ایجاد کیا اسی طرح ہم اس کا اعادہ بھی کریں گے۔

---

[1] شرح عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۱۵۱۔

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ فرمایا۔ جو لوگ سمندر میں غرق ہو جائیں اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں اور ان کی ہڈیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں اور پھر اسی طرح کچھ عرصہ پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بوسیدہ ہو جائیں۔ اور پھر اس جگہ پر اونٹوں کا گذر ہو وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کردیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد کوئی قافلہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور ان مینگنیوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلالے تا آنکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہو جائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دور دراز میدانوں تک منتشر کردیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مُردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہو چکی ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا جن کے ابدان قبور میں ابھی صحیح وسالم ہیں۔

شیخ مرعیؒ فرماتے ہیں خداوندعالم انسانوں کے ان تمام اجسام کو بھی دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے گا۔ جن کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں۔ زمین کی تہوں اور سمندر کی موجوں اور بحری جانوروں کے مونہوں میں ہیں ہر ایک ٹکڑے کو اللہ اپنی قدرت سے سمیٹ کر یکجا کردے گا اور ان کو زندہ کرکے اٹھائے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث کے مضمون سے واضح اور ثابت ہوتی ہے۔

عَنْ ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال رجل لم یعمل خیرًا قط لاھلہٖ وفی روایۃ رجل اسرف علٰی نفسہٖ فلما حضرہُ الموت اوصٰی لبنیہِ اذا مات فحرقوہ ثم اذروا نصفہٗ فی البرّ وَنصفہٗ فِی البحرِ فواللّٰہ لئن قدر اللّٰہ علیہ لیعذّبنہٗ عذابا لا یعذبہٗ احدًا من العٰلمین ۔ فلما مات فعلوا ما امرھم فامر اللّٰہ البحر فجمع ما فیہ وامر البرّ فجمع ما فیہ ثم قال لہٗ لِمَ فعلت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہُ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے اپنے اوپر بہت ہی تعدّی (زیادتی) کی تھی تو جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو پہلے اس کو جلادینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اڑا دینا اور نصف سمندر میں بہا دینا اور کہا کہ خُدا کی قسم اگر خدا تعالےٰ مجھ پر قادر ہوگیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا۔ الغرض جب وہ شخص مرگیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے جو اجزاء ہیں وہ جمع کرلے۔

هذا - قال من خشيتك يا رب وانت اعلم. فغفر له - (صحیح بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)

چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر لیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ جمع کرلے اُس نے بھی راکھ کے وہ تمام اجزا جمع کرلیے (جو سمندر میں بہہ رہے تھے اس طرح اللہ رب العزت نے اسکو زندہ کرکے اٹھایا اور فرمایا اے بندے! یہ تونے کس لیے کیا۔ عرض کیا! اے میرے پروردگار تیرے خوف سے تو حق تعالےٰ شانہٗ نے اُس کی اس خشیت اور عذاب خداوندی کے ہیبت پر مغفرت فرمادی۔

معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندیؒ مسئلۂ بعث و معاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسئلۂ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت و مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزاء و سزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو بُرے اعمال و افعال ظلم و تشدد خیانت مکر و فریب فواحش و منکرات سے بچانے والی چیز ہے۔ اگر انسانی اذہان اس فکر و خوف سے خالی ہوجائیں تو بھرنہ قتل و خونریزی میں کسی کو کوئی تامل ہوگا نہ اعمال و اخلاق اور معاشرت کے مفاسد و تباہیوں کی کسی کو پرواہ ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بڑی سی طاقت و رحکومت اور زائد سے زائد باوقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم سے رُک سکتے ہیں جہاں تک اِن پر حکومت کے نگران حکام قائم اور مسلط ہیں ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے۔ فوراً اسی ظلم و ستم قتل و غارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کرلیں گے۔ رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑ سکتی ہو۔ بے راہروی سے باز رکھنے والی طاقت صرف خوفِ خداوندی اور یوم الحساب (آخرت) کا اندیشہ ہی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اسی پر موقوف ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نظام عالم کی تکمیل اور درستگی بعث و معاد پر ایمان اور دار آخرت کے شوق و خوف کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مسئلۂ معاد تسلیم نہ کیا جائے تو انسان بجائے اشرف المخلوقات ہونے کے حیوانات سے بھی زائد خسیس اور کم درجہ ہوجائے گا کیونکہ حیوانات عقل و ادراک کی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ وہ ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہیں برخلاف انسان کے کہ وہ طرح طرح کے افکار اور پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے کبھی ماضی کے احوال پر نظر کرکے وہ غم اور ملال میں مبتلا ہے۔ تو کسی وقت مستقبل کے فکر اور اندیشہ سے اس کی جان گھلی جارہی ہے۔

رہا جسمانی لذتوں اور راحتوں کا سوال؟ سو اس میں حیوان و انسان کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ جس

طرح ایک انسان لذیذ غذاؤں اور قسم قسم کے پھلوں کو لذت و رغبت سے کھاتا ہے۔ حیوانات اسی لذت و رغبت سے گھاس اور چارہ کھاتے ہیں جیسے حضرت انسان اپنے عالیشان مکانوں میں آرام و راحت حاصل کرتا ہے۔ جانور چرند پرند اپنے اپنے اصطبل گھونسلوں، آشیانوں اور بلوں میں آرام حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ نجاست کا کیڑا نجاست کو اسی لذت سے کھاتا ہے جیسے نوع بشر میں لذیذ غذائیں استعمال کی جاتی ہوں تو اگر آخرت کے مسئلہ سے صرف نظر کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ انسان بہت ہی خسارہ اور نقصان میں پڑنے والی مخلوق ہے کہ جسمانی لذتوں اور راحتوں میں تو یہ عام حیوانات ہی کے برابر رہا اس کے بعد امتیازی خصوصیت کا یہ طغرا ملا کہ طرح طرح کے افکار و آلام اور ہموم و غموم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے جس میں حاکم و محکوم امیر و غریب بوڑھا اور جوان، مرد و عورت غرض سب برابر کے شریک ہیں۔ گویا اس کے عقلی و فکری کمالات نے بجائے کسی عظمت و برتری کے اور مصیبت و ذلت میں ڈال دیا تو انسان کے اس عقلی کمال اور ادراکی صلاحیتوں کے ساتھ اگر مسئلۂ معاد ہی نہ ہو اور اُخروی سعادت کا حصول ہو تو وہ تمام عملی اور اخلاقی کمالات، زہد و تقویٰ۔ صبر و قناعت۔ خدمت خلق۔ ایثار و ہمدردی جیسی تمام خوبیوں سے محروم رہے گا۔ مسئلۂ عقاب و ثواب کے بغیر انسانی زندگی کسی طرح بھی حیوانی زندگی سے کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان محیر العقول انسانی کمالات کے باوجود انسان اپنی زندگی کو اگر صرف اسی حد تک محدود کر دے جن حدود میں حیوانات محدود ہیں تو بلا شبہ یہ چیز اس کو زیادہ سے زیادہ خسیس و ذلیل بنا دینے والی ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے منکرین آخرت کو اَنعام (چوپایوں) کے درجہ میں بلکہ ان سے بھی زائد حقارت و پستی کے مقام میں شمار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ — کچھ نہیں ہیں یہ کافر مگر چوپاؤں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے۔

کیونکہ چوپائے بہرحال اپنے پرورش کرنیوالے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اسکو محسن سمجھتے ہیں۔ کسی نہ کسی درجہ میں نفع و ضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراگاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں انکو غذا اور پانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل و فہم سے یہ خدا کو پہچان کر بے شمار دینی اور دنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعملی کا مقام ہو سکتا ہے؟

عہ مسئلۂ معاد اور بعث بعد الموت کی تفاصیل کے لیے اہل علم کتب علم الکلام کی مراجعت فرمائیں۔ شرح عقیدۃ السفارینی میں علامہؒ نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے اور الرسالۃ الحمیدہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ میں علامہ حسر طرابلسیؒ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز سے تفصیل بیان کی ہے۔ کتاب علم الکلام تالیف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی اردو زبان میں مسائل کلامیہ کا ایک بلند پایہ مجموعہ ہے۔

اثبات قیامت اور حشر و نشر سے تمام قرآنِ کریم از اوّل تا آخر بھرا ہوا ہے یہ مضامین مندرجہ ذیل ایک سو ایک سورتوں میں مذکور ہیں۔

البقرۃ[۱] - اٰل عمران[۲] - المائدۃ[۳] - انعام[۴] - الاعراف[۵] - یونس[۶] - ھود[۷] - ابراھیم[۸] الحجر[۹] - النحل[۱۰] - بنی اسرائیل[۱۱] - الکہف[۱۲] - مریم[۱۳] - طٰہٰ[۱۴] - الانبیاء[۱۵] - الحج[۱۶] - المؤمنون[۱۷] النور[۱۸] - الفرقان[۱۹] - النمل[۲۰] - القصص[۲۱] - الروم[۲۲] - لقمان[۲۳] - السجدۃ[۲۴] - الاحزاب[۲۵] - السبا[۲۶] یٰسٓ[۲۷] - والصافات[۲۸] - صٓ[۲۹] - الزمر[۳۰] - المؤمن[۳۱] - حٰمٓ السجدۃ[۳۲] - الشوریٰ[۳۳] - الزخرف[۳۴] الدخان[۳۵] - الجاثیۃ[۳۶] - الاحقاف[۳۷] - قٓ[۳۸] - الذاریات[۳۹] - الطور[۴۰] - النجم[۴۱] - القمر[۴۲] - الرحمٰن[۴۳] الواقعۃ[۴۴] - المجادلۃ[۴۵] - الممتحنۃ[۴۶] - التغابن[۴۷] - التحریم[۴۸] - الملک[۴۹] - القلم[۵۰] - الحاقۃ[۵۱] المعارج[۵۲] - المزمل[۵۳] - المدثر[۵۴] - القیٰمۃ[۵۵] - المرسلٰت[۵۶] - النبا[۵۷] - النزعٰت[۵۸] - عبس[۵۹] - التکویر[۶۰] - الانفطار[۶۱] - الانشقاق[۶۲] - الطارق[۶۳] - الغاشیۃ[۶۴] - الفجر[۶۵] - التین[۶۶] - العٰدیات[۶۷] القارعۃ[۶۸] - وغیرہ

مضامین قیامت اور حشر و نشر پر مشتمل سورتوں کی تعداد - ۶۸

مضامین قیامت اور حشر و نشر پر مشتمل آیات کی تعداد ۱۶۹

اور یہ تعداد ان آیات کی ہے جن میں یہ مضامین قصداً اہمیت و تفصیل اور دلائل کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ ان کے علاوہ جن میں ان مضامین کا تبعًا و اشارۃً یا ضمناً ذکر آیا وہ آیات بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ عَبَسَ

اس سورت میں خاص طور پر عقیدۂ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ اور ان دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا۔ اور اس کو صرف اپنی ہی فکر و پریشانی ہوگی۔ ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارت ایمان کا تقاضا ہے ان کو دنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہیئے۔ بلکہ اہل دنیا اور متکبر مالداروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہیئے۔

اٰیَاتُهَا ۴۲   ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴   رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا۔ اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے؟

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا

شاید کہ وہ سنورتا۔ یا سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا۔ وہ جو

مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا

پروا نہیں کرتا۔ سو تو اس کی فکر میں ہے۔ اور تجھ پر گناہ نہیں کہ وہ

يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ

نہیں سنورتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا۔ اور وہ ڈرتا ہے۔ سو تو

عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲

اس سے تغافل کرتا ہے۔ یوں نہیں! یہ تو سمجھوتی ہے۔ پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ

لکھی ہے ادب کے ورقوں میں۔ اونچے دھرے ستھرے۔ ہاتھوں میں

سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷

لکھنے والوں کے۔ جو سردار ہیں نیک۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے؟

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۸ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۹

کس چیز سے بنایا اس کو۔ ایک بوند سے۔ بنایا، پھر اندازہ رکھا اس کا۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ إِذَا

پھر راہ آسان کردی اسکو ۔ پھر اس کو مُردہ کیا، پھر قبر میں رکھوایا ۔ پھر جب

شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ

چاہا اس کو اُٹھا نکالا ۔ کوئی نہیں! پورا نہ کیا جو اس کو فرمایا ۔ اب نگاہ کرے

الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

آدمی اپنے کھانے کو ۔ کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے ۔ پھر

شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَعِنَبًا

چیرا زمین کو پھاڑ کر ۔ پھر اُگایا اس میں اناج ۔ اور انگور

وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَفَاكِهَةً

اور ترکاری ۔ اور زیتون اور کھجوریں ۔ اور باغ گھن کے ۔ اور میوہ،

وَأَبًّا ﴿۳۱﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَإِذَا جَاءَتِ

اور دوب ۔ کام چلانے کو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا ۔ پھر جب آوے

الصَّاخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾

وہ غل ۔ جس دن بھاگے مرد اپنے بھائی سے ۔ اور اپنے ماں باپ سے ۔

وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ

اور اپنی ساتھ والی سے اور بیٹوں سے ۔ ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہے، جو

يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾

اسکو بس ہے ۔ کتنے منہ اس دن روشن ہیں ۔ ہنستے خوشیاں کرتے ۔

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

اور کتنے منہ اس دن ان پر گرد پڑی ہے ۔ چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی ۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

وہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ۔

ترغیب ملاطفت باضعفاء مؤمنین و استغنا و بے نیازی از اہل دنیا و متکبرین

قال اللہ تعالیٰ۔ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ .... الیٰ .... أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۔

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر تھا۔ اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں نجات و کامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت و تقویٰ۔ فکرِ آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے۔ یہی انسان کی عزت و عظمت ہے اس کے برعکس غرور و تکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے دنیا دار اور مغرور و سرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہیے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سردارانِ قریش کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اور آپ کو بڑا امید اور طمع تھی کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کے قبیلے اور ان کے ماتحت لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اسی دوران عبداللہ بن ام مکتومؓ ایک نابینا صحابی جو قدیم الاسلام تھے آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کرنے لگے اور آپؐ چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کچھ ٹھہر جائیں۔ تاکہ میں وہ بات (جو قریش کے کسی سربرآوردہ سے فرمارہے تھے) وہ پوری کرلوں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ گرانی واقع ہوئی اور ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہ کی بلکہ گرانی کے آثار بھی چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے یہ سوچا کہ ابن ام مکتومؓ تو مسلمان ہیں ان کو بعد میں بھی بتایا جاسکتا ہے اور تعلیم کے مواقع ان کو بعد میں بہت مل سکتے ہیں، اس لیے آپؐ اسی شخص کی طرف متوجہ رہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ۔ ارشاد فرمایا۔

تیوری چڑھالی ترش روئی اختیار کی اور منہ موڑا اس بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور اے ہمارے مخاطب تمہیں کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا۔ آپؐ کی توجہ اور اس کے سوال کا جواب دینے سے یا وہ غور و فکر کرتا تو پھر اس کو کام آتا سمجھانا اور آپؐ کی بات سے تزکیہ و پاکی اور اس طرح کے بہت سے فوائد حاصل ہو جاتے۔ جس سے آپ نے اعراض کیا۔ اور بے رخی کرتے ہوئے اس پر کچھ گرانی محسوس کی۔ لیکن اس کے بالمقابل جس شخص نے بے نیازی اور لاپرواہی برتی بس آپ اسی کی فکر میں لگے رہے۔

اس خیال سے کہ شاید یہ ہدایت قبول کر لے حالانکہ یہ شخص اپنے غرور و تکبر سے آپؐ سے بے نیازی برت رہا ہے اور وہ نابینا طالبِ حق تھا۔ طلب صادق لے کر آپؐ کے پاس آیا تھا گو یہ طالب حق شکستہ حال تھا۔ لیکن درحقیقت توجہ اور التفات کا یہی مستحق تھا اور اسی کو آپ کی توجہ اور نصیحت کا فائدہ پہنچ سکتا تھا برخلاف اس مغرور و سرکش کے جو اس بات کا ارادہ ہی نہیں رکھتا کہ حق اور ہدایت قبول کر لے۔

رہا آپؐ کا یہ جذبہ اور شوق کہ اگر یہ ہدایت قبول کر لے گا تو بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے تو یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو ہی جائے اور آپ پر تو اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ راہ راست پر کیوں نہیں آتا اور اپنی زندگی نہیں سنوارتا وہ تو اپنے غرور اور شیخی میں آپؐ کی بات کی پرواہ تک بھی نہیں کرتا اور بہرحال وہ شخص جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ انتہائی تڑپ اور طلب صادق کو لے کر اور حال یہ ہے کہ وہ ڈر رہا ہے کہ ملاقات میسر ہوتی ہے یا نہیں پھر وہ چونکہ نابینا ہے ڈر رہا ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر کہیں گر نہ پڑوں یا یہ کہ آپ کی طرف جاتا دیکھ کر دشمن اس پر ٹوٹ نہ پڑیں تو جو ضعیف و معذور مؤمن صادق ان جذبات و کیفیات کے ساتھ آ رہا ہے پس آپ اس سے زیادہ بے رخی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہی شخص زیادہ التفات و توجہ اور عنایات و ملاطفت کا مستحق ہے۔ اس سے امید ہو سکتی ہے کہ آپؐ کی ہدایات سے منتفع ہو اور آئندہ اسی کے ذریعے اسلام کی ترقی اور عظمت[1] ہو۔ بہرحال آگاہ ہو جائیے بس یہ ایک نصیحت ہے جس کا دل چاہے

---

[1] چنانچہ یہی نابینا بزرگ جنگ قادسیہ میں زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لیئے جہاد میں شریک ہوئے اور بالآخر اسی معرکہ میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ وارضاہٗ۔

ان کلمات میں بارگاہِ خداوندی سے اپنے پیغمبر پر محبت بھرے عتاب سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ایک شکستہ حال مؤمن صادق کی دلجوئی مقصود ہے اور اس اندازِ تعبیر سے اسلام کی تعلیم و تبلیغ کرنے والوں کو یہ سبق سکھانا ہے کہ وہ کسی وقت بھی محض اپنے ذہنی افکار و تمناؤں کے پیش نظر اہلِ ایمان اور ضعفاء مخلصین سے اعراض و بے رخی نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعہ۔ ابوجہل بن ہشام اور عباسؓ بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپؐ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کر لیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتومؓ بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر آنحضرتؐ سے عرض کرنے لگے۔ علمنی یارسول اللہ مما علمك اللہ کہ یارسول اللہ مجھے وہ سکھا دیجئے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے، آنحضرتؐ نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان ہی سرداران قریش کو سمجھاتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپؐ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس کو پڑھ لے یہ پیغام نصیحت بہت ہی عزت والے صحیفوں اور ورقوں میں لکھا ہوا ہے جو نہایت ہی بلند اور پاکیزہ ہیں ایسے قاصدوں اور فرشتوں کے ہاتھوں میں جو بہت ہی بلند رتبے والے نیکوکار ہیں۔

وحی الٰہی کے یہ صحیفے نہایت صاف ستھرے عزت و کرامت کے ساتھ اللہ کے فرشتے لوح محفوظ سے لے کر اترتے ہیں پھر ان علوم و ہدایات پر عمل کرنے والوں کے اعمال و افعال عزت و عظمت کے ساتھ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچتے ہیں اور یہ اعمال و اوصاف اپنے عاملین کو عزت و عظمت کی بلندیوں پر بھی پہنچاتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ۔ غرض یہ تذکرہ لانے والے بھی بلند۔ خود وہ بھی بلند پایہ اور جو ان پر عمل پیرا ہوں وہ بھی بلند مرتبہ اعمال بھی بلند پایہ حتیٰ کہ جن اوراق پر لکھا جائے وہ بھی قابلِ تعظیم و تکریم اور بلند جگہ پر اٹھا کر رکھنے کے مستحق ہیں۔ تو ایسی عظمت و عزت والی نصیحت اور ہدایت کو تو چاہیئے کہ ہر انسان قبول کرے۔ مگر افسوس کہ مغرور و سرکش انسان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں ہوتا۔ ہلاک ہو یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور و سرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا یہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا کیا یہ نہیں سوچتا کہ کس چیز سے اس کو پیدا کیا ہے؟ اس کو اپنی حقیقت کو پہچاننے کیلئے جان لینا چاہیئے۔ اس کے رب نے منی کے ایک قطرہ سے اس کو پیدا کیا ہے جو ایک ناپاک اور حقیر قطرہ تھا جس میں کوئی حسن شعور عقل و ادراک اور شکل و صورت حسن و جمال کچھ بھی نہ تھا مگر پھر اس پروردگار نے اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کی ساخت کو ایک خاص اسلوب اور بہترین انداز سے اس کو بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی اور اعلیٰ ترین قالب اس کو عطا کیا پھر رحم مادر میں اس کی جسمانی تصویر و تخلیق کے بعد آسان کر دیا۔ اس کے واسطے راستہ۔ سہولت کے ساتھ پیدائش ہو گئی۔ اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی کی ہر راہ آسان کر دی۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اسباب فراہم کر دیئے تاکہ وہ بر و بحر پر حکمرانی کر سکے اور منافع کونیہ سے منتفع ہو سکے۔ ہدایت و فلاح کے اصول بتا دیئے۔ خیر کے کاموں کی تلقین کر دی گئی اور ہر شئے سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ زندگانی کا ہر راستہ سہولت و آسانی سے طے کر لےع پھر اس پروردگار نے اس کو موت دی جب کہ اس کے لیے مقدر کی ہوئی

ع: ان کلمات سے ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہے اگرچہ بالعموم مفسرین اس کا مفہوم ولادت کی آسانی بیان فرماتے ہیں لیکن الفاظ کی دلالت دوسرے مفہوم کو بھی حاوی ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰) راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن ام مکتومؓ جب کبھی بھی آتے آپ ان کا بہت اکرام فرماتے۔ اور ایک روایت میں ہے یہ فرماتے۔ یہ تو وہ ہے جس کے معاملہ میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

زندگی پوری ہوگئی جس کے بعد قبر میں اپنے احکام و ہدایات کے مطابق اس کو دفنایا۔ تاکہ زندوں کے سامنے اس کی لاش کی بیحرمتی نہ ہو پھر جب چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔ غرض یہ سب کچھ اس کی قدرت سے ہے۔ قطرۂ منی سے بلکہ مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے تک کے تمام مرحلے صرف اللہ ہی کی قدرت سے ہیں اور ابتداء سے لے کر اس انتہاء تک کا ہر دور اور مرحلہ خداوندِ عالم کی قدرتِ کاملہ کا عظیم نمونہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس ذات کی قدرتِ عظیمہ سے تخلیق کے یہ عظیم مرحلے طے پا رہے ہیں اس کو قطعاً ذرّہ برابر بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ قیامت میں دوبارہ اٹھالے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام دلائل و حقائق کے باوجود انسان اپنے رب کی فرماں برداری نہ کرے خبردار اس انسان نے پورا نہیں کیا وہ کام جس کا اسے حکم دیا۔ نہ اپنے مالک کا حق پہچانا اور نہ کوئی حکم بجا لایا۔

نظامِ قدرت و ربوبیت کے کرشمے

اس صورتِ حال میں کہ انسان اپنے رب کی قدرت و عظمت کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہے بس اس آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ کس طرح وہ خداوندِ عالم اپنی قدرت سے رزق پیدا کرتا ہے اور کیسی عجیب اور کامل قدرت سے انسان کی روزی کے تمام اسباب مہیا کرتا ہے جو اس نوعیت سے دنیا کی نظروں کے سامنے ہے کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے زمین پر برستا ہوا۔ بادلوں سے بارش برسائی پھر ہم نے زمین کو شق کیا اس کو چیر کر کہ جو دانہ زمین کی تہہ میں دبا دبا گیا تھا زمین کی سطح کو چیر کر گھانس کے تنکے کی شکل میں اس کو ہم نکالتے ہیں۔ ورنہ دنیا کی کیا طاقت تھی کہ اس باریک اور کمزور گھانس کو زمین کی تہہ میں سے نکال لاتی۔

پھر ہم نے اُگائے اس میں دانے اور مختلف انواع کے غلّے اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں جن سے مخلوق کی روزی ان کی راحت اور عیش و عشرت وابستہ ہے اور اسی بارش اور آسمان سے برسنے والے پانی سے ہم نے پیدا کیئے۔ وہ باغ جو درختوں سے بھرے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے پھل اور مختلف قسم کے گھانس جو سامان زندگی اور نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تمہارے واسطے اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ تو دیکھو اللہ رب العزّت نے اپنی قدرت سے یہ تمام سامانِ زندگی جس پر انسان کی حیات و بقاء ہے اور انسانوں کے کام آنے والے جانوروں کے واسطے پیدا کیا اس پر چاہیئے تھا کہ انسان نظر کرتا۔ اور اس سے اپنے خالق کو اور اس کے انعامات کو پہچان کر اس کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جاتا۔ مگر کس قدر بدنصیبی ہے اس انسان کی جو ان تمام باتوں سے غافل رہ کر اپنی زندگی گذار دیتا ہے اور سوچتا ہی نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن جب آجائے گی وہ کان پھاڑ دینے والی چیخ اور وہ صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن ایسا

ہو گا بد حواسی اور بے چینی کا ہر ایک انسان بھاگتا ہو گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور حتیٰ کہ اپنی بیوی سے جو اس کی رفیقۂ حیات اور زندگی کی ساتھی رہی ہے اور اپنے بیٹوں سے جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے ان سب علائق سے انسان بیگانہ ہو جائے گا اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک ایسی حالت ہو گی جو اس کو ہر ایک سے بے نیاز کر دینے والی ہو گی۔ ہر ایک کو اپنی فکر لگی ہو گی نہ احباب و اقارب کی طرف توجہ کرے گا اور نہ ہی زندگی میں جو محبوب ترافراد تھے ان کی طرف رخ کرے گا۔ وہ دن یوم الحساب ہو گا۔ ہر شخص کو زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اس دن کچھ چہرے روشن ہنستے ہوئے خوشیاں مناتے ہوں گے اور اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر فرحاں و شاداں ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر ذلت و سیاہی برس رہی ہو گی۔ کفر و نافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی و نحوست ان کے چہروں کو ڈھانکے ہو گی بے شک یہی تو ہیں کافر اور بڑے ہی بے حیا لوگ جو حد درجہ ڈھٹائی سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے۔ نہ کبھی خدا سے ڈرے اور نہ مخلوق سے شرمائے۔ بے حیائی۔ تکبر و سرکشی میں زندگی گذارنے کا بس یہی انجام ہو سکتا تھا کہ روزِ قیامت ان کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے اور ان پر ذلت برس رہی ہو گی۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوذُبِکَ مِنَ الکفر والفسوق والعصیان توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین الذین وجوھھم مسفرۃٌ ضاحِکَۃٌ مستبشرۃ۔ آمین یارب العٰلمین۔

فقراء و درویش دراصل عنایت و توجہ خداوندی کے مظہر ہوتے ہیں

بظاہر یہ کلام عتاب تھا لیکن درحقیقت اس بات پر تنبیہ تھی کہ منکسرۃ القلوب یعنی شکستہ دل فقراء اور مساکین پر حق تعالیٰ کی تجلّی اغنیاء سے کہیں زائد ہے اور فقیروں پر حق تعالیٰ کی توجہ اور عنایت بادشاہوں سے زیادہ ہے بادشاہوں پر حق تعالیٰ کی تجلّی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ دائم نہیں ہوتی۔ اور فقراء سے خدا کی رحمت اور عنایت کبھی دور نہیں ہوتی اس لیئے اشارہ فرما دیا کہ فقراء کی دلجوئی کو اغنیاء کی دلجوئی پر مقدم رکھو۔

نکتہ جب کوئی امیر کسی فقیر اور درویش کے پاس آتا ہے تو وہ اپنی شان و شوکت کو ترک کر کے آتا ہے تو شریعت نے اس کی دلجوئی کے لیے بحق زیارت اس کا اکرام اور احترام واجب کیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اِذا جاءکُمْ کریم قوم فاکرموہ، "جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کرو" اور تبسم اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آؤ۔

تو اس واقعۂ عَبَسَ وَتَوَلّٰی میں جو اغنیاء پہلے سے آئے بیٹھے تھے اُن کا بحق زیارت اکرام ہو چکا تھا۔

اور اس کا وقت گذر چکا تھا اب آنے والے کا حق زیارت زیادہ اہم اور مقدم تھا اور یہ آنے والا منکسرۃ القلوب میں سے تھا جو تجلی الٰہی اور عنایت ربانی کا خاص محل اور مورد ہے وہ زیادہ التفات کا مستحق تھا۔ اور اس کا اکرام اُن گزشتہ آنے والے اغنیاء کے اکرام سے زیادہ اہم ہے۔

جو غنی آپ کے پاس آیا ہے وہ اپنے اصلی منصب کو چھوڑ کر آیا ہے اور اس کی یہ نیازمندانہ حاضری اس کی عارضی تواضع ہے اور فقیر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے وہ اپنے اصلی منصب کے ساتھ آیا ہے۔ فقر اور تواضع اس کا اصلی اور ذاتی منصب ہے اور اس کا دائمی مقام ہے۔

حسب ارشادِ خداوندی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ آپؐ نے اغنیاء کو اپنی بارگاہ عالی میں جگہ دی اور ان کو حکمت اور موعظت حسنہ حق کی دعوت دی۔ ان کا حق ادا ہوگیا وہ اس سے زیادہ کے مستحق نہیں اور یہ آنے والا درویش تو بارگاہِ خداوندی کے سکان میں سے ہے اور فی الحال آنے والے سردارانِ قریش کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دعوتِ حق کے دسترخوان سے کوئی لقمہ اٹھا بھی لیں گے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

(من افادات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلویؒ)

اثبات قیامت کے لیے دلائل آفاق وانفس

قرآن حکیم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ دلائل توحید و خالقیت حشر ونشر اور بعث بعد الموت کا مضمون ثابت کرنے کے لیے دلائل کی دونوں قسموں کا احاطہ کر دیتا ہے کسی موقعہ پر اجمال سے اور کسی موقعہ پر تفصیل سے جن کی تحقیق پہلے گذر چکی یہاں بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے مسئلۂ حشر ونشر اور بعث بعد الموت ثابت کرنے کے لیے دلائل الانفس کے ذیل میں انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی موت و حیات کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد دلائل آفاق کے طور پر فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ سے کائنات میں اللہ رب العزت کی قدرت کے جو عظیم نمونے دنیا کے نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ تاکہ قرآن حکیم کا یہ مدعیٰ اور مقصد بخوبی واضح اور ثابت ہو جائے۔ مقصود انسان کے غرور و تکبر کا ابطال اور اپنی قدرت کاملہ کا اثبات تھا۔ جو ان دلائل سے پوری طرح ثابت ہوگیا۔

اموات کے لیے قبر اور دفن قانون فطرت ہے

"قبر" لغت کے اعتبار سے زمین میں کھود کر بنائے ہوئے گڑھے کو کہا جاتا ہے۔ مگر اصطلاح شریعت

میں "قبر" عالم برزخ کا نام ہے۔ یعنی وہ محل اور حالت جو انسان کے مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے تک کی ہے۔ نزع روح کے بعد وہ جسم انسانی کسی بھی جگہ ہو خواہ زمین میں دفن کر دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے یا آگ میں جل جائے یا کوئی جانور اس کو کھا جائے یا جسم کے ذرات ہواؤں میں اڑ جائیں غرض ہر حالت اور مکان برزخ ہے اور اسی برزخی حالت یا محل کو شریعت قبر کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے اسی بنا پر ہر میت سے مرنے کے بعد نکیرین کے سوال کا ذکر احادیث میں آتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سوال ہر ایک میت سے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کی لاش بسا اوقات ان حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔

"قبر" چونکہ اصل فطرت انسانی کا ایک قانون اور مقرر کردہ طریقہ ہے۔ جیسے کہ ہابیل و قابیل کے قصہ میں گذر چکا کہ نسل انسانی میں پہلا قتل اور موت کا واقعہ پیش آیا اور قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا اور اب تک انسان کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی لاش کا کیا کیا جائے تو حق تعالیٰ نے انسان کے سامنے اپنی ہدایت اور اس قانون فطرت کی تشریح و توضیح کا عجیب انداز اختیار فرمایا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ۔ ایک کوا بھیجا جو اپنی چونچ میں ایک مُردہ کوا اٹھائے ہوئے تھا اس نے مردہ کوے کو زمین پر رکھ دیا پھر چونچ سے زمین کھودنے لگا اور گڑھا کر کے اس میں مردے کو چھپا دیا اور پھر پروں سے اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر دیکھ کر قاتل بھائی اپنے قصور فہم پر افسوس کرنے لگا کہ میں تو اس کوے سے بھی زیادہ غافل و عاجز رہا کہ اتنا ہی سمجھ جاتا جتنا کہ اس نے سمجھا اور اسی طرح میں بھی اپنے بھائی کو زمین کے اندر دفن کر دیتا۔ غرض اس فطری امر کو خداوند عالم نے اس نوعیت سے نسل انسانی کے لیے ظاہر اور مشروع فرما دیا۔

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورِ قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح باہر پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکرِ جسد کی بیحرمتی بھی تھی اور اس کے تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی اور امراض بھی پھیلتے تو خداوند عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی۔ گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ اتنا کرتے ہیں ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل کا بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں مردہ کو چھوڑ کر چلے آتے ہیں۔ پھر گدھ، چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو "دخمہ" کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات و انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طریقے انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل و فطرت

کے خلاف انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں ہی دفنا دیا جائے۔ اسی کو حق تعالےٰ شانہٗ نے فرمایا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

یہ سورت بھی مکیہ ہے۔ اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ سورتوں کی تلاوت کرے۔ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عبس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی۔ ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا جا رہا ہے۔ ایک قیامت کی حقیقت۔ دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جن پر از اوّل تا آخر جملہ مضامین دائر ہیں۔

ع۵ جامع ترمذی۔ ابن کثیر۔ طبرانی۔

آیاتها ۲۹ ۸۱ سُورَۃُ التَّکْوِیرِ مَکِّیَّۃٌ ۷ رکوعها ۱

سورۂ تکویر مکی ہے اور اس میں اُنتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جاوے۔ اور جب تارے میلے ہو جاویں۔ اور جب

الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا

پہاڑ چلائے جاویں۔ اور جب بیائی اونٹنیاں چھٹی پھریں۔ اور جب

الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا

جنگل کے جانوروں میں رول پڑے۔ اور جب دریا جھونکے جاویں۔ اور جب

النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ

جیوں کے جوڑ بندھیں۔ اور جب بیٹی جیتی گاڑدی کو پوچھے۔ کس

ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ

گناہ پر ماری گئی۔ اور جب کاغذ کھولے جاویں۔ اور جب آسمان کا

كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ

چھلکا اُتارے۔ اور جب دوزخ دھکائی جاوے۔ اور جب بہشت پاس

أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَا أُقْسِمُ

لائی جاوے۔ جان لے جی جو لے کر آیا۔ سو قسم کھاتا ہوں

بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾

پیچھے ہٹ جاتے۔ سیدھے چلتے دبک جانیوالوں کی۔ اور رات کی جب اس کا اٹھان ہو۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ

اور صبح کی جب دم بھرے ۔ مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا۔ قوت

قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

رکھتا، تخت کے مالک پاس درجہ پایا۔ سب کا مانا، وہاں کا معتبر ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾

اور یہ تمہارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ ۔ اور اس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے آسمان کے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ

اور غیب کی بات پر نہیں بخیل ۔ اور یہ کہا نہیں کسی شیطان

رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

مردود کا ۔ پھر تم کدھر چلے جاتے ہو؟ یہ تو ایک سمجھوتی ہے جہان کے واسطے ۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

جو کوئی چاہے تم میں کہ سیدھا چلے ۔ اور تم جبھی چاہو کہ

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

چاہے اللہ جہان کا صاحب ۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ---- الیٰ ---- اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

(ربط) سورۂ عبس کا مضمون دراصل اثباتِ قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت و فلاح اور عزت و عظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں رہے۔ اس کے برعکس وہ مغرور و متکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے

وہ خدا کی نظروں میں ذلیل وحقیر ہے طالب حق اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہ رسالت میں ہر عزت و اکرام کا مستحق ہے۔ آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔ اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہولناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جا رہے ہیں جو روز قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہولناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اگل دے گی۔ الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کیئے گئے جو وحی الٰہی کے نزول پر پیش آئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین و منکرین کی محرومی و بدنصیبی بھی ذکر کر دی گئی جو وحی الٰہی اور پیغمبر خدا سے اعراض و انحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

ارشاد فرمایا۔ جس وقت کہ سورج کی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور اس طرح آفتاب بے نور ہو کر چکی کے مانند رہ جائے گا اور جب کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے یا ٹوٹ کر ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے اور جبکہ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اڑنے لگیں گے اور جب کہ دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی جو ابھی بیانے کے قریب ہیں اور دودھ دینے والی ہیں اور عرب کی نظروں میں سب سے قیمتی اور قابل قدر مال ہے ان کی طرف بھی کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو اور جب کہ وحشی جانور جو انسانوں سے وحشت کرتے ہیں اور انسان کو دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ شہر اور آبادی میں جمع ہو جائیں گے[1] اور آ گھسیں گے۔ انسانوں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے۔

اور جس وقت سمندر کھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح اُبال اٹھ رہا ہو جیسے کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہو یا سمندروں کا پانی شدت گرمی کے باعث دھواں اور آگ بن جائے جو درحقیقت خداوند ذوالجلال کے غضب و قہر کے آثار ہوں گے اور جس وقت کہ تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ[2] دیئے جائیں گے۔ کافر کافر کے ساتھ اور مسلمان مسلمان کے ساتھ اور بدعمل بدعمل کے ساتھ اور نیکوکار نیکوکار کے ساتھ اور جبکہ

---

[1]: بعض مفسرین نے حشرت کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے "ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کر رہا۔

[2]: بعض ائمہ مفسرین نے اس آیت میں اجسام کو روحوں کے ساتھ جوڑنے کی مراد بھی بیان کی ہے۔

زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئی؟ [عله]
اور ظاہر ہے کہ وہ معصوم بچی جو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی گئی کیا گناہ اور جرم کر سکتی ہے جس کو عرب کے لوگ دور جاہلیت میں اپنے واسطے عار سمجھتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے تو یہ سوال ان کے جرم کو ثابت اور نمایاں کرنے کے لیے ہو گا اور جب کہ تمام صحیفے اور نامۂ اعمال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے کہ ہر ایک کو اپنا نامۂ اعمال جو اس کے سامنے ایک کتاب منشور کی صورت میں نظر آرہا ہو گا اور جس وقت کہ آسمان کا جرم اس سے کھینچ لیا جائے گا۔ جیسا کہ کسی جانور کو ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ لی جائے اور اس کے بعد اس کے تمام اعضا گوشت ہڈیاں اور رگیں نظر آنے لگتی ہیں تو اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی جب کہ اس سے قبل کسی انسان کو نظر نہیں آسکا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔
اور جس وقت کہ دوزخ دہکائی جائیگی اور زور و شور سے اس کی لپٹیں سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے مار رہی ہوں گی اور جب کہ جنت قریب کر دی جائے گی۔ اہل ایمان و تقویٰ کے جس کو نزدیک سے دیکھ کر اہل جنت فرحت و مسرت محسوس کرنے لگیں گے تو اس وقت جب یہ تمام احوال رونما ہو رہے ہوں گے تو ہر انسان جان لے گا کہ [عله۲]

عله جاہلیت کے زمانہ میں اہل عرب بچی کی پیدائش کو عار سمجھتے تھے اور جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہوتی وہ اس کو زندہ زمین میں دبا دیتا تھا۔ اکثر اہل عرب جہاں اور عملی و اخلاقی گندگیوں میں مبتلا تھے ان میں یہ بھی ایک ظالمانہ انسانیت سوز عیب تھا۔ چند ایک نفوس تاریخ میں بیشک ایسے ملتے ہیں جن کو اس مذموم فعل سے نفرت تھی۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل ؓ ان کے تذکرہ میں ہے کہ بتوں پر جانوروں کے ذبح کرنے کو بھی شدت سے منع کرتے تھے اور اس طرح اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی معصوم بچی زمین میں نہ دبائی جائے تو وہ تلاش میں رہتے جس کے یہاں بچی پیدا ہوتی اس سے جا کر کہتے بھائی تو اس کو دفن نہ کر میں اس کو پالتا ہوں تو اس کو پالتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کی شادی کر دیتے۔ تفصیل کے لیے صحیح بخاری۔ تاریخ ابن کثیر اور طبقات کی مراجعت فرمائیں۔
حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطابؓ سے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصمؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں۔ آپ نے فرمایا اس جرم کے کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یا رسول اللہ میں تو اونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اونٹ ذبح کرو۔ اور اس کو صدقہ کر دو۔

عله۲ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ جواب ہے ان امور مذکورہ کا جو اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ سے یہاں تک بیان کیے گئے اور یہ بارہ امور ہیں جن میں ہر ایک کو اس کی اہمیت اور عظمت کے باعث لفظ اِذَا کے ساتھ بیان کیا گیا۔ ۱۲۔

اس نے پہلے سے کیا بھیجا ہے اور کیا لے کر وہ میدان حشر میں حاضر ہوا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں کی تھیں یا برائیاں۔ تو اس طرح ہر انسان اپنے کیے ہوئے عمل اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا۔

الغرض یہ سب باتیں دلائل وشواہد ہیں اس امر پر کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور اپنی عملی زندگی میں اس کی فکر اور تیاری کرے۔ ان دلائل وشواہد کی حقانیت میں کسی طرح تردد کی گنجائش نہیں پس قسم کھاتا ہوں میں ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں سیدھے چلنے والوں کی جو سیدھے چلتے چلتے کبھی الٹے چلنے والے ہوتے ہیں پھر سورج کی شعاعوں میں آکر چھپ جانے والے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ ڈوبنے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے اور اپنی روشنی پھیلا دے۔ بے شک یہ قرآن یقیناً قول ہے ایک بھیجے ہوئے قاصد کا جو بڑی ہی عزت والا ہے جو اللہ کے پیغامات لے کر اس کے رسول کے پاس آتا ہے بڑی ہی قوت والا ہے عرش والے پروردگار کے یہاں بڑے ہی اونچے درجے والا ہے اور یہ قاصد جبریل امین ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے ملکوت سمٰوٰت میں وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں پھر وہ قاصد بڑا ہی امین ومعتمد ہے۔ خدا کے اس قاصد نے ان تمام باتوں کی خبر خدا کے پیغمبر کو بذریعہ وحی دی۔ یہ باتیں اور بیان کردہ ہولناک حوادث کسی عقلی استدلال یا سائنسی تحقیق کا نتیجہ نہیں کہ اس میں کوئی شخص اختلاف کرنے لگے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو ایسی عزت وکرامت والا فرشتہ اور معتمد قاصد لے کر اللہ کے پیغمبر کے پاس آیا ہے۔ اور تمہارا یہ صاحب اے قریش مکہ کوئی دیوانہ نہیں ہے۔ جیسے کہ تم میں سے بعض بیہودہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ ان کے پاس یہ سب باتیں اللہ کا قاصد لے کر آیا ہے اور اس پر خدا کے پیغمبر کو یقین کامل ہے محض یقین ہی نہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس پیغمبر نے تو خدا کے

ع۵:۔ خُنَّسِ الْجَوَارِ الْکُنَّسِ ستاروں کے احوال یا ان کے نام ہیں بروایت حارث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح ابن عباسؓ مجاہدؒ حسن بصریؒ وغیرہم سے بھی منقول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ یعنی زحل مشتری۔ مریخ۔ زہرہ و عطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو "الجوار" (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے "الخنس" کہا گیا۔ کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بنا پر ان کو الکنس کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان کلمات کی مراد ستاروں کے علاوہ اور کچھ بیان کی ہے تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲۔

اس قاصد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے[۱] آسمان کے کھلے کنارہ پر اور یہ قاصد غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی سے ملکوت السمٰوٰت اور آخرت کی جو باتیں انسانی ادراک سے غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ہی ایمان ہے۔ جیسے کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ میں ظاہر کر دیا گیا تو ان سب باتوں کو اللہ کا یہ قاصد پورا پورا پہنچا دیتا ہے اور قاصد کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ پیغام مکمل اور پوری طرح پہنچا دے۔ اور جب آپ نے اللہ کے اس قاصد کو دیکھ لیا تو اب کسی قسم کے تردّد اور شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی اس لیے وہ کسی شیطان مردود کا کہا ہوا نہیں ہے۔ جب یہ سب باتیں واضح اور ثابت ہیں کہ قرآن کریم حق و صداقت کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی قسم کے وہم اور تخیل کی گنجائش نہیں تو پھر اے لوگو! تم کدھر چلے جا رہے ہو اور راہِ حق سے بھٹک رہے ہو یہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اس کا ہر مضمون، ایک ایک لفظ ہدایت و نصیحت اور ایسا مکمل دستور العمل ہے جس سے سعادت دارین وابستہ ہے ہر اس شخص کے لیے تم میں سے جو یہ چاہے کہ سیدھا چلے عناد اور کجروی اختیار نہ کرے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے تم کوئی چیز نہیں چاہ ہو گے بجز اس کے کہ جو اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا چاہے اور فیصلہ کرے اس کے فیصلہ اور ارادہ کے بغیر تو ایک پتہ بھی درخت سے نہیں گر سکتا۔ اس لیے تمہیں بھی چاہیئے کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اسی سے توفیق مانگو۔ یہی طریقہ ہر نصیحت اور ہدایت سے منتفع ہونے کا ہو سکتا ہے۔

شمس و قمر کی قسموں سے مضمون کی مناسبت

قرآنِ کریم کے اسلوب بیان میں یہ اسلوب بھی نہایت ہی بلند ترین اور معجزانہ اسلوب ہے کہ مخلوقات خداوندی کی قسموں کے ساتھ کوئی مضمون ان قسموں پر مرتب کیا جائے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے یہ ثابت ہو چکا کہ ہر قسم کے ساتھ جوابِ قسم کے مضمون میں مناسبت اور ربط ہوتا ہے یہاں بھی شمس و قمر کے بے نور کر دینے اور پہاڑوں کو اڑانے اور سمندروں کے دہکانے وغیرہ وغیرہ کی قسموں پر

---

[۱] یعنی شرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں نہایت واضح طور پر دیکھ لیا اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ اللہ کا فرشتہ ہے اور یہی اللہ کی وحی لے کر آتا ہے تو اب کیا تردّد ہو سکتا ہے کہ شبہ کیا جا سکے کہ شاید کسی جن یا شیطان کا قول ہے اس وجہ سے آیات قرآنیہ کو کسی کاہن کا قول کہنا جیسا کہ کفار مکہ کہتے تھے بعید از عقل ہے اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کیا شیطان ایسی پرہیزگاری اور تقویٰ کی باتیں بتائے گا؟ ۱۲۔

حشر ونشر اور قیامت برپا ہونے کا مضمون بڑی ہی قوی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وحی الٰہی کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے بھی ایک بلند پایہ اور عظیم تر درجہ رکھتا ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، اور پھر چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ انبیاء سابقین پر بار بار وحی آنے کا ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہوکر چھپ جانے اور غائب ہونے کا اور رات کا آنا اس تاریک دور کا نمونہ ہے جو خاتم الانبیاءؐ والمرسلینؐ کی ولادت باسعادت سے پہلے گذرا کہ کسی شخص کو حق وباطل کی تمیز نہیں رہی تھی جس طرح رات میں سیاہ وسپید کا فرق نہیں معلوم ہوتا مگر رات کے بعد جب صبح صادق سانس لیتی ہے اور دم بھر کر اپنی روشنی تمام عالم میں پھیلا دیتی ہے تو بالکل اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جہالت وگمراہی کی تاریکیوں کو پھاڑ کر عالم میں ہدایت کا نور پھیلا دینے والی ہے۔ انبیاء سابقین ستاروں کی طرح تھے مگر آپؐ کی رسالت ایک آفتابِ عالم بن کر عالم کے سامنے درخشاں ہوئی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے یہ دو شعر بھی نقل فرمائے۔

فانّہٗ شمسُ فضلٍ ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للنّاس فی الظلم

حتّٰی اذا طلعت فی الکون عمّ ھُداھا للعٰلمین واحییت سائر الاُمم

بعض ائمہ مفسرین کا قول ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گذرنا اور صبح کا آنا قرآن کریم کے ذریعہ ظلمتِ کفر کے دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح پھیل جانے کی مشابہ تو اس طرح ان قسموں کے ساتھ مضمون قیامت اور وحی الٰہی کی حقانیت کا ثبوت پوری طرح مربوط ہے اور ان میں مناسبت واضح ہے۔

ان آیات اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔ میں جبریل امینؑ کی صفات کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو صفات ایسی عظیم اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے علم کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ قرآن کے صادق اور مُنزّل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اس وجہ سے اس کی بات بے چون وچرا مانتے ہوں تو یہ تمام صفات جبریل امینؑ میں موجود ہیں وہ کریم عزت وکرامت والے ہیں اور ظاہر ہے عزت وکرامت والا وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ وطہارت کا وصف رکھتا ہے۔ بقانون اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور بڑی ہی قوت والے ہیں۔ حفظ وضبط کی صلاحیت اعلیٰ واکمل رکھتے ہیں اور رب العرش کے یہاں ان کا مرتبہ نہایت ہی عزت وقرب

کا ہے جس کے باعث ملکوت سمٰوٰت میں وہ فرشتوں کے سردار ہیں اور سب فرشتے ان کی بات اور حکم مانتے ہیں۔ ان کے امین و معتبر ہونے میں کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تو ایسے فرشتہ کے ذریعے یہ قرآن نازل ہوا اور اللہ کے بندوں تک پہنچا اور جس رسول کے ذریعے دنیا کو یہ قرآن پہنچا آئندہ اس رسول خدا کی صفات و احوال کا بیان فرما دیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا کے ایسے عظیم پیغمبر نے یہ کلام پہنچایا ہے جو صدق و امانت اور عقل و دانش کا پیکر ہے۔ ایسی صورت میں قریش مکہ اور مخالفین کا ان کو یہ کہنا کہ یہ دیوانہ یا کاہن ہیں بلاشبہ خود ان کہنے والوں کی دیوانگی اور پاگل پن کی دلیل ہے (فوائد شیخ الاسلامؒ)

ابطالِ جبر و قدر

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ میں انسان کے لئے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کی تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے۔ اور ہر انسان قضا و قدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضا و قدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اس کے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے۔ اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور و ادراک اور ارادہ و اختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب و عتاب کا مستحق ہوتا ہے تو اس آیت (لِمَنْ شَآءَ) سے جبر کا ابطال ہو گیا۔ اور اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ سے قدر کا ابطال اور فرقہ قدریہ کا رد ہو گیا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ انسان نہ تو فاعل مختار ہے اور نہ مجبور محض بلکہ جبر و قدر کے بین بین ہے۔ مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

سورۃ انفطار مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲

جب آسمان چر جاوے۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں۔

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾

اور جب دریا بہہ پڑیں ۔ اور جب قبریں اٹھائی جاویں ۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا

جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا ۔ اے

الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿٦﴾ الَّذِي خَلَقَكَ

آدمی ! کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر ؟ جس نے تجھ کو بنایا

فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾

پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا. جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا ۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿٩﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ

کوئی نہیں : پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا ۔ اور تم پر نگہبان

لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾

مقرر ہیں ۔ سردار لکھنے والے ۔ جانتے ہیں جو کرتے ہو ۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾

بیشک نیک لوگ آرام میں ہیں ۔ اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں ۔

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾

پیٹھیں گے (پہنچیں گے) اس میں انصاف کے دن. اور نہ ہوں گے اس سے چھپ رہنے والے ۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا

اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا ؟ پھر بھی تجھ کو کیا خبر ہے؟ کیسا

يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا

ہے دن انصاف کا ؟ جس دن بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ ۔

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

اور حکم اس دن اللہ کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَار

حوادث ارض و سما و شمس و قمر بر قیام قیامت

سورۂ انفطار بھی مکی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں۔ اس کا مضمون بھی سورۂ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے۔ قیامت کے وقت انقلابات کونیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر ابرار و نیکو کار لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اور فساق و فجار کس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہونگے۔

سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا کہ آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگ سے دہکا دیئے جائیں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

جب کہ آسمان شق ہو جائے اور جب ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں اور جب سمندر ابلنے لگیں اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں اور اس طرح آسمان و زمین کا نظام تباہ ہو جائے تو ہر انسان جان لے گا۔ اس نے اپنے سے پہلے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے یا اس نے زندگی میں پہلے کیا کام کیا اور بعد میں کیا کیا۔ ہر عمل اور ہر چیز اس کے سامنے آجائے گی ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد تو اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ انسان کو اپنے پروردگار اور اس کی قدرت اور روز جزاء۔ حساب و کتاب کے بارہ میں کسی قسم کا شبہ یا دھوکہ باقی رہے لیکن افسوس اے انسان کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جس رب کریم نے تجھ کو بنایا ہے عدم سے تجھ کو وجود میں لایا۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا۔ پھر تجھ کو برابر کیا کہ اعضاء جسمانی ٹھیک ٹھیک بنائے اور ان میں ایک بہترین تناسب اور اعتدال رکھا کہ انسان کے بدن کا کوئی حصہ بے جوڑ اور غیر مناسب نہیں اور ان کی وضع و ہیئت بڑی ہی دقیق اور بلند پایہ حکمتوں پر مبنی ہے۔ پھر مزاج و اخلاط میں تناسب رکھا۔ یہ تمام باتیں اس کا موجب تھیں کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے

انعامات کو پہچانتا۔ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا۔ لیکن افسوس بہت سے انسان غفلت و جہالت کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے اور انہوں نے اسی میں اپنی ساری عمر برباد کی سوا ایسے لوگوں کو سُن لینا چاہیئے۔ خبردار بات یہ نہیں ہے کہ خالق کائنات اور تمہارے رب کی ربوبیّت کوئی پوشیدہ چیز ہے بلکہ تم تو جھٹلاتے ہو انصاف کے ہونے کو اور روز جزاء یعنی قیامت قائم ہونے کو اور کہتے ہو کہ انسان کی بس یہ زندگی ہے اسی میں اس کو رہنا ہے۔ اور جو کچھ کر لیا وہ بس گذر گیا اب نہ بعد میں زندہ ہونا ہے اور نہ ہی کیے ہوئے اعمال کی کوئی جزاء و سزا ہے۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بڑے ہی عزت والے اعمال کے لکھنے والے ہیں۔ جو جانتے ہیں ہر وہ بات جو تم کرتے ہو۔ اس لیے ہر ایک کے عمل کا بدلہ قیامت کے روز اس کو ملے گا اعمال خیر کی جزاء جنت کی نعمتیں ہیں اور اعمال شر کی سزا عذاب جہنم اور خدا کی ناراضگی ہے۔ یہی قانون خداوندی ہے جو طے ہو چکا بس اس کی رُو سے بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے انصاف کے دن اور روز محشر ہر ایک ہمارے سامنے موجود ہوگا تو وہ گنہگار لوگ اس جہنم سے دور ہونے والے نہ ہوں گے نہ بھاگ کر اس سے دور ہو سکیں گے اور نہ داخل ہونے کے بعد اس سے نکل سکیں گے بلکہ ہمیشہ وہیں رہنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا ذلّت اور مصیبت ہو سکتی ہے اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کہ کیا ہے انصاف کا دن کتنا ہی سوچا جائے اور غور و فکر کیا جائے۔ اس کی ہیبت اور عظمت کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا پھر بھی سوچ لے جانتا ہے کیا ہے انصاف کا دن؟ اے انسان تو نہ جان سکتا ہے اور نہ اس تک تیری رسائی ہو سکتی ہے بس یہ سمجھ لے وہ دن ایسا ہوگا کوئی انسان کسی انسان کے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ اس دن تمام رشتے ناطے اور تعلقات و روابط قطع ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کسی کے لیے بولنے کی بھی مجال نہ ہوگی اور ہر فیصلہ اس دن اللہ ہی کے لیے ہوگا ہر ایک نفسی نفسی پکارتا ہوگا نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی فدیہ اور عوض قبول ہوگا۔ ہاں بس وہی شفاعت کر سکے گا جس کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔

دنیا کے بادشاہوں کے ہاں وسائل و ذرائع اور سفارشیں کام آجاتی ہیں لیکن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں یہ سب رشتے ناطے بیکار اور بے اثر ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی شخص کو قیامت کا منظر دیکھنا ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ سورۂ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور سورۂ إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ اور إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ کی تلاوت کرے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت باسناد احمد بن حنبل بشر بن جحاش القرشی کی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز دیوار پر تھوکا۔ اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے اے ابن آدم تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے

تجھے اس تھوک جیسے حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ جب میں نے تجھ کو برابر اور متناسب اعضاء کے ساتھ بنایا تو اے انسان تو اپنے لباس (دو چادروں) میں اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ زمین میں تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے۔ تو نے مال خوب جمع کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کیا تا آنکہ جب تیرا سانس حلق تک پہنچنے لگا تو کہنا شروع کیا اب میں صدقہ کرتا ہوں۔ حالانکہ اب کہاں وقت رہا ہے۔ صدقہ کرنے کا عہ

مغرور و نافرمان انسان کو خلّاقِ ربّ العالمین کی ایک دھمکی

آیت مبارکہ "یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ" میں انسانی غرور اور غفلت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے اس امر سے نہایت ہی بعید ہے اور یہ بات اس کے واسطے قابل حیرت ہے کہ وہ اپنے رب کے معاملہ میں دھوکہ میں رہے اس کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری سے غرور و تکبر اختیار کرے۔ اس کو اللہ نے عقل و فطرت کی صلاحیت سے نوازا ہے اور مخلوق میں خالق کا رابطہ اور تعلق فطری امر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی سرکشی و نافرمانی بلاشبہ قابل حیرت ہے بعض ائمہ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ "انسان" سے یہاں کافر مراد ہے۔ کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور انکار قیامت پر اصرار و دلیری اور گناہوں کا ارتکاب اور سزا سے بے پرواہ ہو کر شتر بے مہار بنے رہنا اللہ سے اس کا غرور ہے اور یہ کہ دھوکہ میں وہ مبتلا ہے۔ عطاءؒ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں کلبیؒ اور ابن مقاتلؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک مغرور کافر ابن الاسد بن کلدہ کے بارہ میں نازل ہوئیں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی مگر خدا نے دنیا میں سزا نہ دی تو یہ غرور و تکبر میں اترانے لگا۔ بغویؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارہ میں نازل ہوئی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن گناہگار ہو یا بدکار تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جا رہا ہے تاکہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمانی عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھے کہ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے۔ اور اگر کسی گناہ کی کچھ سزا بھی ملے تو بس چند روز کی ہوگی۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

عہ: تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

ان کے بزرگ اور غوث و قطب ان کو بخشوا دیں گے اور ان کو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی معصیت سے ان کو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض و شیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کرلے کہ بنی فاطمہ پر آگ حرام ہے خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسك من النار فانی لا اغنی عنك من اللہ شیئاً۔ کہ اے فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا (بغیر ایمان و عمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

الغرض یہ اعتقادات اور تخیلات دھوکہ ہی ہیں ربّ کریم کے معاملہ میں ہر انسان کو اس قسم کے دھوکہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔

آیت مبارکہ میں رب کے ساتھ کریم کی صفت جمع کرنے میں ایک نہایت ہی لطیف اشارہ ہے وہ خداوند عالم کی شان ربوبیّت جس کا تقاضا ہر مرحلہ پر مخلوق کو پالنا اس کی ضرورتوں طبعی تقاضوں کو پورا کرنا ہے وہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اس سے کسی طرح کی غفلت نہ برتی جائے اور نہ ہی تکبر و غرور کی روش اختیار کرنی چاہیئے پھر جب کہ وہ کریم بھی ہے اور اس کا کرم بار بار انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کی یاد تازہ کرتی ہے اس کے انعامات و احسانات انسانی فطرت کو اس سے تعلق و محبّت اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی و عتاب سے ڈراتے ہیں۔ تو حیرت ہے کہ پھر بھی انسان غافل رہے اور غرور و تکبر ہی کرتا رہے اور ہر طرح کی معصیت و نافرمانی کرنے پر بھی امیدیں قائم رکھے اور اسی گھمنڈ میں رہے کہ اس کا انجام بہت اچھا ہوگا اس تصور پر تو خداوند عالم نے اہل کتاب کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد ہے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ اور فرمایا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ" کہ ان امیدوں اور آرزوؤں سے کام نہیں چلے گا۔

ابو بکر وَرَّاقؒ بیان کرتے ہیں کہ اگر قیامت میں مجھ سے کہا گیا مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ تو میں کہہ دوں گا غرّنی کرم الکریم کہ کریم کے کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈالا۔ غرض اس لطیف عنوان سے انسان کی طبعی کمزوری کو نمایاں کر دیا گیا تاکہ اس عیب سے انسان اپنے آپ کو بچائے اور اس عیب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے جو انسان کو حیوان سے بھی بدتر کر دینے والی ہے۔ بس یہ حقیقت ہے۔

لطف حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند
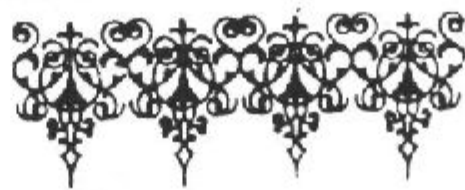
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَةُ الۡمُطَفِّفِيۡنَ

سورۂ مطففین جس کو سورۂ التطفیف بھی کہا جاتا ہے مکیہ ہے۔ اس میں چھتیس آیات ہیں۔ ضحاکؒ و مقاتلؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔

عبداللہ بن الزبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو مدنی سورت کہتی ہے چنانچہ حسنؒ اور عکرمہؒ سے منقول ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ لیکن قول اول راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث و نشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد و ایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا۔ اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

سورۂ تطفیف مکی ہے اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ① الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ

خرابی ہے گھٹانے والوں کی۔ وہ کہ جب ماپ لیں لوگوں سے،

يَسۡتَوۡفُوۡنَ ② وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ③

پورا بھر لیں۔ اور جب ماپ دیں اُن کو یا تول دیں تو گھٹا کر دیں۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰٓئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤

کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ ؟ کہ ان کو اٹھنا ہے ۔ ایک بڑے دن میں ۔

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ ⑥ كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ

جس دن کھڑے رہیں لوگ ، راہ دیکھتے جہان کے صاحب کی ۔ کوئی نہیں ! لکھا

الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ⑦ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ⑧ كِتَٰبٌ

گنہگاروں کا پہنچا بندی خانہ میں ۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا بندی خانہ ؟ ۔ ایک دفتر

مَّرْقُومٌ ⑨ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ⑩ الَّذِينَ

ہے لکھا ہوا ۔ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ۔ جو

يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ⑪ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ

جھوٹ جانتے ہیں انصاف کا دن ۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے ، جو بڑھ

مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ⑫ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ

چلنے والا گنہگار ہے ۔ جب سنائیے اس کو ہماری آیتیں ، کہے نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ⑬ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا

پہلوں کی ۔ کوئی نہیں ! پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر ، وہ جو کچھ

يَكْسِبُونَ ⑭ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ⑮

کماتے تھے ۔ کوئی نہیں ! وہ اپنے رب سے اس دن روکے جاویں گے ۔ پھر

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي

مقرر وہ پیٹھنے (پہنچنے) والے ہیں دوزخ میں ۔ پھر کہئے گا ، یہ ہے جس کو

كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ⑰

تم جھوٹ جانتے تھے

وعید بر اتلاف حقوق و خیانت در وزن و پیمائش

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ[عله] ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ ۔ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ

(ربط) ماقبل سورتوں میں وعید و تنبیہ تھی عقائد کی خرابی اور گمراہی پر اور اس کی بنیاد ایمان باللہ اور فکر آخرت کے وصف سے محرومی ہوتی ہے تو اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ نہ ہونے کے ثمرات میں سے معاملات کی خرابی اور لین دین میں خیانت اور دھوکہ کا ذکر کیا جا رہا ہے تو ارشاد فرمایا۔

ہلاکت و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو گھٹانے والے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جب ناپ کرلیں لوگوں سے تو پورا پورا بھرلیں اور جب ناپ کردیں دوسروں کو یا تول کردیں تو گھٹا کر دیتے ہیں اگرچہ اپنا حق کسی سے پورا وصول کر لینا کوئی مذموم بات نہیں لیکن یہ بدترین خصلت ہے کہ اپنا حق وصول کرنے میں تو ذرہ برابر رعایت و چشم پوشی نہ کریں لیکن دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں خیانت و کوتاہی کریں۔ یقیناً انسان اس حرکت پر صرف اس وجہ سے آمادہ ہوتا ہے کہ اس کو آخرت اور آخرت میں محاسبہ اور بدلہ کا کوئی خیال نہیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک بہت بڑے دن کے واسطے جہاں ایک ایک ذرہ کا

عله المطففین۔ تطفیف سے ماخوذ ہے جس کے معنی کنارہ اور جانب میں ہونے کے ہیں طفف لغت میں کنارہ کو کہا جاتا ہے اور کمی کرنے کو بھی کہتے ہیں محاورات میں کہا جاتا ہے طف الاناء جب کہ برتن کو پورا نہ بھرا جائے بلکہ بھرنے کے قریب ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

زجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں مطفف پیمانہ اور ترازو میں کمی کرنے والے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس میں سے کچھ مقدار دھوکہ کی صورت میں کم کر دیتا ہے اسی کو بخس کہتے ہیں۔ اکتیال کا مفہوم کوئی چیز ماپ کر لینا اور کال بکیل کوئی چیز ماپ کر دوسرے کو دینا۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہے جو شخص عہد شکنی کرتا ہے۔ خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں۔ ان میں فقر و احتیاج آجاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہو جائے تو اس پر طاعون اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض مسلط ہو جاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہوتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالٰے ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

اور ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈر انکے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ (ملاحظہ کریں تفسیر مظہری)

حساب دینا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے سامنے[علہ] اور ہر ایک بے چینی و بیقراری کے عالم میں منتظر ہوگا کہ اس کی پیشی کا کیا انجام ہوتا ہے اور حساب و کتاب کے بعد اس کے بارہ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ خبردار! انسان کو ہرگز دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئیے محاسبہ ہونا ہے اور فیصلہ کے بعد بس یہی ہے کہ بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سجّین میں ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے سجّین[علہ] وہ ایک لکھا ہوا فیصلہ ہے جو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں مجرمین کے لیئے عذاب و مصائب اور دہکتی ہوئی آگ کا طبقہ ہے یا وہ دفتر ہے جہاں ان مجرمین کے نام لکھ کر حوالہ کر دیئے جائیں گے۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیئے جو انکار کرتے تھے ہمارے انصاف کے دن کا اور ہر چند دلائل کے باوجود وہ روزِ محشر اور قیامت پر ایمان

علہ: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز لوگوں کی جب رب العالمین کے سامنے پیشی ہوگی تو سورج سروں کے قریب ایک میل کے بقدر ہوگا اور شدّت کرب سے پسینہ بہتا ہوگا کسی کے گھٹنوں تک ہوگا کسی کے اس سے اوپر اور کوئی اپنے پسینہ میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔

علہ: بعض سلف سے منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہے جو اسفل السافلین کا مصداقِ اَتم ہوگا۔ سجن کے معنی اصل میں قید خانہ کے ہیں یہ کافروں کی ارواح کا قید خانہ ہے۔ اکثر احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ارواح مؤمنین علّیین اور ملاء اعلیٰ میں چلی جاتی ہیں تو اس کے برعکس فساق و فجار کی ارواح سجین میں ہوں گی جو تنگ و تاریک مقام ہے اور وہاں رنج و غم اور کرب و اضطراب کے سوا کچھ نہیں آگ کی لپٹیں اور سانپ بچھو ڈستے ہوں گے۔

ابن ماجہ نے بروایت ابو ہریرہؓ ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوا ہوتا ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں۔ نکل چل خدا کی رحمت و مغفرت و باغ و بہار اور عیش و راحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط و فرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے جہاں ملائکہ ہوتے ہیں اور جس طرف سے وہ روح گذرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کر دیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے۔ تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے۔ برخلاف فاسق و کافر کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت سے نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گذر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجّین میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کی تشریح آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے تحت گذر چکی۔

لانے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس روز انصاف کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بڑا ہی سرکش حد سے بڑھ جانے والا گنا ہگار ہے جس کی حالت یہ ہے کہ جب بھی اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو نقل کیئے ہوئے قصے ہیں پہلے لوگوں کے ان کے حقائق و معارف اور دلائل وشواہد کو تسلیم کرنے کی بجائے ان کو گذرے ہوئے افسانے اور واقعات کہہ کر ٹلا دیتا ہے خبردار ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے قلب کا ادراک ماؤف ہو گیا اور وہ صلاحیت کھو بیٹھے ہیں کہ ان حقائق کو سمجھیں۔ خبردار یہی لوگ ہیں وہ جو اپنے رب سے پردہ میں رکھے جائیں گے ان کو کبھی حق تعالےٰ کا دیدار نہ ہو سکے گا اور بارگاہِ رحمت سے ان کو دور ہی روک دیا جائے گا پھر یہ دوزخ میں گرنے والے ہوں گے اور جہنم میں جھونک دینے کے ساتھ پھر ان کو یہ کہا جائیگا دیکھ لو یہی ہے وہ جس کا تم انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلاتے تھے اب تم اپنے اعمال کی بدولت اسی جہنم میں جھونکے جا رہے ہو اور تم اس حقیقت پر یقین کرنے کے لیئے مجبور ہو جس کی تکذیب کرتے رہے اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے۔

معاملات میں عدل و انصاف اور امانت

مادی زندگی اور دنیا کی حرص و لالچ میں مبتلا ہونے والا انسان اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ جس شکل سے بھی ممکن ہو کچھ مالی منفعت حاصل کرلے اور اس مرض کے باعث نہ وہ کسی پر ظلم و تعدّی سے گریز کرتا ہے نہ عزت و آبرو کا لحاظ۔ زندگی کے ہر مرحلہ پر وہ خیانت اور جھوٹ ہی کے ذریعہ اپنا یہ ناپاک مقصد حاصل کرتا رہتا ہے حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم تجارتی امور اور لین دین میں یہی روش اختیار کیئے ہوئے تھی۔ حضرت شعیب علیہ السّلام نے جب نصیحت کی اور فرمایا۔

وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ تو بدنصیب قوم نے جواب دیا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا۔ جیسے کہ تفصیل سے گذر چکا۔

مگر دنیا کی محبت میں غرق ہونے والے انسان کو آخرت کی گرفت اور دنیا کے عذاب سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔

****

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْأَبْرَارِ لَفِى

کوئی نہیں ! لکھا نیکوں کا ہے

عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾ يَشْهَدُهُ

اوپر والوں میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے؟ ایک دفتر ہے لکھا۔ اسکو دیکھتے ہیں

ٱلْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ لَفِى نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾

فرشتے نزدیک والے۔ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں۔ تختوں پر بیٹھے دیکھتے۔

تَعْرِفُ فِى وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ ٱلنَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن

پہچانے تو اُن کے منہ پر تازگی آرام کی۔ ان کو پلائی جاتی ہے۔

رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَٰمُهُۥ مِسْكٌ ۚ وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

شراب مہر میں دھری۔ جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اور اس پر چاہیئے ڈھوکیں

ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُۥ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا

(رغبت کریں) ڈھوکنے (رغبت کرنے) والے۔ اور اس کی ملونی اُوپر سے پڑتی۔ ایک چشمہ جس سے پیتے ہیں

ٱلْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ كَانُوا۟ مِنَ ٱلَّذِينَ

نزدیک والے۔ وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں

ءَامَنُوا۟ يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا۟ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا

سے ہنستے۔ اور جب ہو نکلتے ان پاس آپس میں سین (اشارے) کرتے۔ اور جب

ٱنقَلَبُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمُ ٱنقَلَبُوا۟ فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوٓا۟

پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے۔ اور جب ان کو دیکھتے کہتے

إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ أُرْسِلُوا۟ عَلَيْهِمْ حَٰفِظِينَ ﴿٣٣﴾

بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں۔ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ

سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں۔ تختوں پر بیٹھے

يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

دیکھتے ہیں۔ اب بدلہ پایا منکروں نے جیسا کرتے تھے۔

کرامت و عزت برائے مومنین مطیعین

قال اللہ تعالیٰ۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ ..... الی ..... مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں مجرمین اور خیانت کرنے والوں پر وعید تھی۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور مخلصین پر ہونے والے انعام و اکرام کا ذکر ہے کہ وہ کیسی عزت کے ساتھ جنت میں اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

ہرگز نہیں! ایسا کہ نیک اور بد کا انجام ایک ہی طرح ہو۔ یہ جو کچھ سزائیں ذکر کی گئیں فساق و فجار اور مکذبین کی تھیں۔ اس کے برعکس بلاشبہ نیکوکاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہوگا اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے علیین۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر اور طے شدہ بلند و عظیم مقام ہے۔ جس کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ مقرب فرشتے اس کو دیکھتے ہیں بڑی ہی عزت و احترام کی نظر سے اور اس کے گرد حاضر ہوتے ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اللہ رب العزت نے مقربین کی ارواح کے لئے اسی کو مستقر بنایا ہے۔ بے شک نیک لوگ بڑی ہی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اپنی مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ نہایت ہی فرحت و سرور کے ساتھ تمام مناظر بہشت اور رب العالمین کا بھی دیدار کرتے ہوں گے جب بھی اہل بہشت کو دیدار خداوندی سے نوازا جاتا ہوگا۔ اے دیکھنے والے جب تو ان کو دیکھے تو جان لے گا آرام و راحتوں کی تازگی اور شادابی ان کے چہروں میں۔ ان کے چہروں پر مسرت و اطمینان کی شادابی نمایاں ہوگی ان کو پلایا جاتا ہوگا خالص شراب طہور سے جو سربمہر ہوگی جس پر کسی طرح کا گرد و غبار اور ہوا کا بھی اثر نہ ہوگا۔ جس کی مہر مشک ہوگی یہ ہیں وہ نعمتیں اور راحتیں جو علیین میں نیکوکار لوگوں کو حاصل ہوں گی۔

اور حقیقت یہی ہے بس ایسی ہی چیز میں رغبت کرنے والوں کو رغبت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لئے مسابقت کرنی چاہیئے۔ دنیا کی شراب کی لذت و راحت اس قابل نہیں کہ اس کے لئے حرص اور منافست و مسابقت کی جائے اور اس میں آمیزش ہوگی۔

تسنیم[1] سے جو بلندی[2] سے نیچے کی طرف گرتا ہوا ایک چشمہ ہوگا جس کی لذت وخوشبو اور لطافت احاطہ تصوّر سے بالا ہے۔ جسے مقربین پیتے ہوں گے جو خواص مقربین کے لیے ہوگا اور اس چشمہ سے ملا کر ان تمام ابرار اور نیکو کار جنتیوں کو پلاتے ہوں گے جن کے واسطے شرابِ طہور رحیق مختوم ہو گی۔ یہ تو حال ہے اہل ایمان کا جو بہشت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہونگے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ان کو ایمان وتقویٰ اور دنیوی لذتوں اور نفس کی خواہشات سے صبر کرنیکی وجہ سے ملا مگر ان کے بالمقابل جنکی زندگی کا مقصد دنیوی عیش وعشرت اور نفس کی خواہشات اور لذتیں ہی رہیں۔ تو ایسے لوگ خدا کے مجرم ونافرمان ہوئے اور بے شک یہ لوگ جو مجرم ہیں جنھوں نے دنیا میں جرم اور نافرمانی کی ایمان والوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور بڑی حقارت سے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان پر سے گذرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تحقیر وتذلیل کے لیے۔ اور اس طرح اپنی آنکھوں اور بھوؤں کے اشارے سے اہل ایمان پر طعن وتشنیع کرتے اور ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی دولت وثروت کے زعم میں مذاق اڑاتے[3] اور جب اپنے گھر لوٹتے تو خوب ہنستے ہوئے قہقہے لگاتے —— اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو بڑے ہی گمراہ بے وقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مجرمین کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کمینہ پن جس کا عقلاً کوئی جواز نہ تھا اور نہ کوئی شریف انسان ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا کر سکتا ہے اور یہ لوگ ان ایمان والوں پر کوئی محافظ بن کر تو نہیں بھیجے گئے تھے کہ یہ ان کے داروغہ ہوں اور ان پر اپنی فوجداری جتلائیں بہرحال دنیا میں یہ مجرم جو کچھ ذلیل حرکتیں کریں وہ کریں لیکن آج کے دن تو ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے جب کہ اپنے مسندوں پر بیٹھے ان کو دیکھ رہے ہوں کہ کس طرح یہ مجرم ذلت ورسوائی اور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں اور دنیا کے وہ سارے عیش ختم ہو گئے تو اس حالت کو دیکھ کر ایمان والے مجرموں اور کافروں کا مذاق اڑائیں گے۔ اور اس طرح اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں گے اور نجات وکامیابی۔ بہشت کی نعمتوں اور راحتوں پر مسرور ہو رہے ہوں گے۔ اور ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ تو یہ ہوگا اعزاز واکرام ان ایمان والوں کا جن پر یہ

---

[1] حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔ شراب کی نہریں تو ہر کسی کے محل میں بہتی ہوں گی لیکن یہ شراب طہور نہایت خاص اور نادر قسم کی ہو گی جو مشک کی مہروں سے بند کی ہو گی۔ ۱۲۔

[2] یہ تفسیر روایتِ عکرمہؓ کے پیش نظر ہے عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے بیان فرماتے تھے اسکی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا وہ ایک نہایت بے بہا اور قیمتی چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ، تعالےٰ کا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قیمتی ہو گی جو رحیقِ مختوم میں ملا کر عام اہل جنت کو پلائی جاتی ہو گی۔ ۱۲۔

[3] یہی وہ چیز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اَلَا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ —— الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ متکبر (رواہُ البخاری ومسلم)

کافر ہنستے تھے اور مذاق اڑا کر ان کی تحقیر کرتے تھے اور کہیں گے. کیا بدلہ پالیا ہے ۔ منکروں نے اپنے کاموں کا۔

فائدہ[۱] كَلَّا بَلْ رَانَ کی تفسیر میں ابن کثیرؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے. مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پرایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کرلی اور استغفار کی تو وہ نقطہ زائل ہوجاتا ہے اور اس کا قلب صیقل ہوجاتا ہے۔ اور اگر غافل رہا تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے قلب پراحاطہ کرلیتا ہے اور یہی وہ "ران" ہے جس کا اللہ رب العزت نے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں ذکر فرمایا ہے. یہی وہ بات ہے جو فرمائی گئی۔

ہر گناہ زنگے است بر مرآۃ دل
دل شود زیں زنگہا خوار و خجل

فائدہ[۲]

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کی تفسیر میں امام شافعیؒ سے منقول ہے فرمایا. یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان دیدار خداوندی سے نوازے جائیں گے جیسا کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ میں فرمایا گیا اور کافروں کو دیدار خداوندی سے محرومی کی دھمکی اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کے روز کافر بھی حق تعالےٰ کے دیدار کے مشتاق و متمنی ہوں گے اور دنیا میں چونکہ مادی غفلتوں کے حجاب دل پر قائم تھے اس وجہ سے دنیا کی زندگی میں خُدا کا کوئی تعلق اور اس کی کوئی محبت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اب جب کہ قیامت کے دن مادیت کے سارے حجاب دور ہوجائیں گے تو کافر بھی اسی طرح دیدار خداوندی کا طالب و مشتاق ہوگا جس طرح کہ مؤمن کو اس شوق کے عالم میں دیدار خداوندی سے محروم رکھنا اس پر بڑی حسرت اور تکلیف کا باعث ہوگا تو اس بنا پر بطور دھمکی فرمادیا گیا۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔

اللّٰھم ارزقنا رؤیتك فی جنّٰتِ النعیم واجعلنا من الذین وجوهٌ یومئذٍ نّاضرةٌ اِلٰی رَبّھا نَاظِرَةٌ ۔ آمین یارب العٰلمین۔

(تم بحمد اللہ العزیز سورۃ التطفیف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَۃُ الْاِنْشِقَاق

(ربط) اس میں بھی گزشتہ مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر و نشر اور جزاء و سزا کے مضامین ہیں. اور بالخصوص یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہو جائے گا. اس کی تحقیق و تثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرما دیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد الموت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلانی چاہیئے کہ ہر انسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

اخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تنبیہ و تہدید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خدا وند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کر دینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل و فطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ

زمین پھیلائی جاوے ۔ اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جاوے ۔ اور سُن لے حکم

لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے۔ اے آدمی ! تجھ کو بچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾

بیچ بیچ کر، پھر اس سے ملنا۔ سو جس کو ملا لکھا اس کا داہنے ہاتھ میں ۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

تو اس سے حساب لینا ہے حساب آسان ۔ اور پھر کر آوے اپنے لوگوں

مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ

پاس خوش وقت ۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا پیٹھ کے پیچھے سے ۔ سو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ

پکارے گا موت موت ۔ اور پیٹھے گا (پہنچے گا) آگ میں ۔ وہ رہا تھا اپنے گھر

مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ

خوش وقت ۔ اس نے خیال کیا کہ پھر نہ جاوے گا ۔ کیوں نہیں ! اس کا رب اس کو

بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾

دیکھتا تھا ۔ سو قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی ۔ اور رات کی، اور جو اس میں سمٹتا ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا

اور چاند کی جب پورا بھرے ۔ تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ (درجے پر درجہ) پھر کیا

لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا

ہوا ہے ان کو یقین نہیں لاتے ۔ اور جب پڑھیئے ان پاس قرآن سجدہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

نہیں کرتے - اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں - اور اللہ خوب جانتا

بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں - سو خوشی سنا ان کو دکھ والی مار کی - مگر جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

یقین لائے اور کیں بھلائیاں ، ان کو نیگ ہے بے انتہا -

قانون مجازات و مراتب جہود عملیہ در حیات انسانی

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ - - - - - - - الیٰ - - - - - - - لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔

(ربط) گزشتہ سورتوں میں بعث بعد الموت اور حشر و نشر کے احوال کا ذکر تھا اور دلائل سے اس موضوع کو ثابت کرتے ہوئے انسان کو فکر آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی تو اب اس سورت میں قیامت کے کچھ ہولناک مناظر بیان کیئے گئے ہیں قانون مجازات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جارہا ہے۔ انسانی اعمال اور اس کی جدوجہد کے مختلف اور متفاوت درجات ہیں اور ہر انسان کی زندگی مصروف عمل ہے اور وہ اپنے فکری اور عملی قویٰ کو محنت و مشقت میں ڈالے ہوئے ہے اب یہ کہ وہ سعادت کا راستہ اور منزل اختیار کرتا ہے یا شقاوت و ہلاکت ؟ یہ اس کی صلاحیت فہم اور عقل و فطرت کے تقاضے پورے کرنے یا ان کو نظر انداز کرنے پر موقوف ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اور جب کہ آسمان پھٹ جائے اور کان لگالے وہ اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لیئے بھی حق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سُنے اور اسی لائق ہے کہ باایں عظمت و رفعت اپنے مالک و خالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرماں برداری میں ذرہ برابر بھی چون وچرا نہ کرے۔

اور وہ یہ ہے کہ اس حکم تکوینی اور قیامت برپا ہونے کی شدت و ہیبت سے شق ہو جائے۔ اور جب کہ زمین پھیلا دی جائے گی عمارتیں پہاڑ سب پارہ پارہ ہو کر زمین کھلے میدان کی طرح نظر آنے لگے نہ کوئی غار باقی رہے اور نہ پہاڑ نہ عمارتیں اور درخت اور زمین ایک سطح مستوی بن جائے یا جس طرح ربڑ کو کھینچا جارہا ہو اسی طرح اس کو پھیلا دیا جائے کہ کوئی حجاب حائل ہی باقی نہ رہے تو ایسی وسیع اور ہموار زمین پر سب کا حشر ہوگا۔

اور اس وقت نکال پھینک دے ہر وہ چیز جو اس کے اندر ہے خواہ وہ خزائن و معادن ہوں یا زمین میں دفن شدہ مردے اور ان کی ہڈیاں اور جسم کے اجزاء ہوں اور ان سب سے وہ خالی ہو جائے۔

اور کان لگالے اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لیئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سُنے اور اس کو مانے تو بس اس وقت اے دیکھنے والے تو دیکھے گا کہ نظام عالم درہم برہم ہو چکے گا زمین و آسمان ہی پر سارا عالم قائم ہے جب وہی شق ہو جائے اور زمین پر قائم آبادیاں پہاڑ درخت انسان سب ختم ہو جائیں. اور زمین اپنے اندر کے خزانے و مردے اگل دے تو یہی وہ وقت ہو گا کہ ہر انسان اپنے رب کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور زندگی کے تمام اعمال کا حساب ہو گا. اس لیے اے انسان تو سمجھ لے اس حقیقت کو کہ تو محنت و مشقت اٹھا رہا ہے عملی جد و جہد کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف جاتے ہوئے کہ زندگی کا یہ سفر ہر انسان مسلسل طے کر رہا ہے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کو قبر اور آخرت کے قریب کر رہا ہے ۔ زندگی کی یہ منزلیں طے کرتے کرتے اے انسان بہر حال تجھے اپنے رب تک پہنچنا ہے اور اس کے سامنے تجھے حاضری دینی ہے انسانی زندگی میں یہ عملی جد و جہد ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے کوئی اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے تو کوئی بدی اور نافرمانی میں اپنی جان کھپاتا ہے اسی طرح زندگی کی یہ منزلیں ہر انسان طے کرتے ہوئے آخر اپنے پروردگار سے ملے گا کیونکہ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور پھر اعمال کے نتائج سے دو چار ہونا ہی پڑے گا تو جس کسی کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا تو بس یہ تو وہ شخص ہو گا جس کا حساب نہایت ہی آسان لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا نہایت ہی خوش ہوتے ہوئے اپنی کامیابی اور نجات پر اور ان انعاماتِ خداوندی کو دیکھ کر جو اس کو عطا کیئے جائیں گے ۔ اب نہ تو سزا کا خوف رہے گا اور نہ کسی چیز کا غم و غصہ بڑے ہی اطمینان و سکون سے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ رہا ہو گا اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوشیاں مناتا ہو گا۔ اس کا حساب تو بس نامۂ اعمال اور کاغذات کی پیشی ہو گی اور بدون کسی بحث و مباحثہ اور مناقشہ درگذر اور معاف کیا جاتا ہو گا۔

اور جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑا یا جائے یعنی فرشتے سامنے سے اس کی صورت بھی دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے ہوں گے اور اس طرح اس کے نامۂ اعمال پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دے دیئے جائیں تو بے شک وہ پکارے گا موت اور ہلاکت کو اور یہی چاہے گا کہ بجائے اس آنے والے عذاب کے مجھے موت ہلاک اور فنا کر دے تو اچھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو گی اور وہ داخل ہو گا ایک دہکتی ہوئی آگ میں دنیا کی زندگی میں تو اس کو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح میدان حشر میں پیشی ہونی ہے اور اعمال کی جزاء و سزا کا مرحلہ آئے گا اس وجہ سے وہ بے شک اپنے گھر اور گھر والوں میں بڑا ہی خوش و خرم رہا کرتا تھا اس نے تو یہ خیال کر رکھا تھا اور دل میں یہی عقیدہ قائم کیئے ہوئے تھا کہ وہ واپس اپنے رب کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور اب اس منکر و کافر کو نظر آ جائے گا کہ اس کے یہ خیالات لغو اور بیہودہ تھے۔ بہر کیف ہر انسان کو بلاشبہ اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ۔ بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے جس کی نظر سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال کسی بھی زمان و مکان میں مخفی نہیں رہ سکتا ۔ پیدائش سے

موت تک کا ہر مرحلہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے کہ بدن کس چیز سے بنا روح کہاں سے آئی اس کے قلب میں اعتقاد کیا تھا زبان سے کیا کیا کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور پیٹ میں کھانے اور پینے کی چیزیں کیا کیا بھریں اور کس طرح بدن سے روح نکل گئی تو بدن بھی اس کی نگاہوں میں ہے۔ دیکھ رہا ہے اس کے اجزاء کہاں کہاں منتشر اور بکھر گئے تو جو پروردگار اوّل سے آخر تک ہر مرحلہ کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کا خالق اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے بھلا اس کے محاسبہ سے اور گرفت سے کون انسان بچ سکتا ہے نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو اسی طرح عبث اور معطل چھوڑ دیا جائے اور اسکے اعمال کی جزاء وسزا کچھ نہ ہو ہرگز نہیں پس میں قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آتے اور چاند کی جب وہ پورا بھر جائے ۔ تو اے انسانو! غروب آفتاب کے بعد سرخی اور آسمان پر اس کے اثرات پھر رات کی تاریکی اور

ع۔ یعنی چودھویں رات کا چاند جب اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہو۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ، نے شفق کی قسم کھا کر انسانی افکار کو لیل ونہار کے تغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کو دیکھ کر اپنی دنیوی زندگی کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اکثر حضرات محدثین اور ائمہ لغت شفق کی تفسیر میں غروب کے بعد آسمان پر باقی رہنے والی سرخی بیان کرتے ہیں خطابیؒ نے اسی کو اختیار کیا اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ آسمان پر پھیلنے والی یہ سرخی خواہ وہ بعد غروب شمس ہو یا قبل از طلوع دونوں کو شفق کہا جائے گا۔ خلیل بن احمدؒ سے جو کہ لغت عربیہ کے امام ہیں یہی نقل کیا گیا۔

مصنف عبدالرزاق میں ابوہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا الشفق هُوَ البیاض۔ امام راغبؒ سے یہ منقول ہے فرمایا شفق دن کی روشنی کا رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہونے کا نام ہے۔

شیخ حلبیؒ نے شرح مُنیہ میں لکھا ہے شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سُرخی کے دور ہونے کے بعد ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر اُن کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے غائب ہوچکنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ "حتیٰ یغیب الافق" آتا ہے اور ظاہر ہے غیبوبت سفیدی کے ختم ہونے کے بعد ہوسکتی ہے اس کی مزید تائید مجاہدؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ سے اللہ نے دن کی روشنی کی قسم کھائی ہے۔ اور فرمایا کہ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ میں رات کی تاریکی کا بیان ہے تو اس طرح اللہ رب العزت نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو جمع کردیا۔

(کذا فی تفسیر ابن کثیر و فتح الملہم جلد ثانی) ۱۲۔

اس کی تاریکی میں سمٹ جانے والی مخلوقات و کائنات پھر چاند کا ہلال کی شکل میں طلوع ہونے کے بعد اپنے حدِ کمال تک پہنچ جانا! عالم کے یہ انقلابات اور قدرت خداوندی کی یہ عظیم نشانیاں تم کو یہ بات بتا رہی ہیں کہ یقیناً ضرور بالضرور تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی اور درجہ بدرجہ مختلف احوال اور ادوار سے تم کو گذرنا ہے اور اسی طرح تدریجی مراحل طے کرتے کرتے عمر کے اختتام کو پہنچنا ہے اور زندگی کی تمام آسائشیں لذتیں اور متاع دنیا کی چمک دمک زندگی کی افق میں اسی طرح ڈوب جائیں گی جیسا کہ سورج اپنی تمام آب و تاب سے طلوع ہو کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ڈھلنے لگتا ہے اور پھر افق کی تاریکیوں میں چھپ کر آسمان پر ایک ہیبت ناک سرخی لے آتا ہے اور تمام فضاء پر تاریکی محیط ہو جاتی ہے اسی میں چودھویں رات کا چاند کرۂ ارضی پر نور کی چادر بچھا دیتا ہے یہ سب دلائلِ قدرت انسانی ہدایت کے لیئے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس پھر بھی ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور خدا کی باتوں پر یقین نہیں کرتے اگر عقلی اور فطری صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے تو چاہیئے تھا کہ وحی الٰہی کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن کریم کو پڑھتے اور اس کے حقائق و دلائل سے فائدہ اٹھاتے اور ان حقائق کے سامنے سرنگوں ہوتے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو باوجود اس کے اعجاز اور واضح دلائل و حقائق کے سجدہ نہیں کرتے سرنگوں تو کیا ہوتے اور قرآن پر ایمان کیا لاتے بلکہ یہ لوگ جو منکر ہو چکے وہ ان حقائق و دلائل کو جھٹلاتے ہیں اور بلا دلیل اپنی ضد و عناد اور سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیا ان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ان کا رب ان کی یہ تمام باتیں دیکھ رہا ہے اور بلاشبہ اللہ تو وہ بھی جانتا ہے جو وہ اپنے اندر بھرے ہوئے ہیں۔ دلوں میں جو بغض و عناد اور دشمنی بھری ہوئی ہے خداوندِ عالم اسے بھی خوب جانتا ہے اس طرح ظاہری احوال کے ساتھ جب باطنی کیفیات اور دل میں چھپا ہوا خبث بھی اللہ تعالےٰ سے پوشیدہ نہیں ہے تو بس اے ہمارے پیغمبر ان کو بشارت سنا دیجئے ایک دردناک عذاب کی جو ان پر ہر حال مسلّط ہو کر رہے گا اور اس وقت ان کو اپنی وہ آرزوئیں اور تمام خوشیاں خاک میں ملتی ہوئی نظر آجائیں گی جن کی وہ آس لگائے ہوئے تھے۔

بہرکیف یہی انجام ہے ایسے شخص کا جو دلائل فطرت کو نہ سمجھے شواہد قدرت کو نہ مانے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں اپنی زندگی گذار دے لیکن جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو یقیناً ان کے واسطے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ ایسی نعمتیں جو کبھی کسی انسان کی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی فردِ بشر کے تصوّر میں گذریں۔

احکامِ الٰہیہ کی قسمیں

قرآن کریم کی آیات اور احادیث و نصوص شریعت سے یہ امر ثابت ہے کہ احکامِ الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے مشروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوی العقول کو ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن۔ ان احکام کے جن وانس مخاطب اور مکلف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہیہ حلال و حرام۔ جائز و ناجائز۔ عبادت اور عبادات سے متعلق احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت اور دین ہے ان احکام کی اطاعت و فرماں برداری ایمان و طاعت ہے اور ان سے انحراف وانکار فسق و فجور اور نافرمانی اور کفر ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ان احکام میں مخاطب کو اختیار ہوتا ہے اور اسی اختیار کی بنیاد پر احکام جزاء و سزا مرتب ہوتے ہیں۔

احکام الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کی تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں۔ ان میں مخاطب کا مکلف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں وہ اللہ کے تقدیری امور ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہوتے ہیں لیل و نہار کا اختلاف شمس و قمر کا طلوع۔ نور و ظلمت۔ ہواؤں کا چلنا اور بارشوں کا برسنا۔ انسان و حیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشو و نما جیسے امور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اوامر اور احکام میں نہ تو مخاطب کا اختیار ضروری ہے اور نہ اس کا صاحب عقل و شعور ہونا۔ ہر مخلوق اللہ کا حکم قدرت خداوندی سے سنتی ہے اور وہ اس کی مطیع و فرماں بردار ہے اور اس کا امکان نہیں کہ کوئی مخلوق اس کی خلاف ورزی کر سکے۔ اسی پر یہ مضمون متفرع ہے جو اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝

تو ہر ذرہ اس حکم خداوندی کو سنتا ہے اور مجبور ہے اس حکم کی اطاعت پر۔ اسی بناء پر یہاں یہ فرمایا گیا۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔

آیت سجدہ سورۂ انشقاق میں سجدۂ تلاوت کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔ امام مسلمؒ اور نسائیؒ نے یزید بن ابی سلمہؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۃ اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوہریرہؓ نے یہ کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور آپ نے اس سورت میں سجدہ کیا تھا؏ لہٰذا میں بھی ہمیشہ اس میں

؏ تفسیر ابن کثیر ج ۴

سجدہ کیا کروں گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں سجدہ ہے اور بحالت نماز بھی تلاوت کی گئی اور سجدہ فرمایا گیا۔ یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے۔ مالکیہ مفصلات میں سجدۂ تلاوت کے قائل نہیں ہیں۔

"حساب یسیر" کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ نوقش فقد هلك یعنی جس کسی کے حساب میں مناقشہ ہوا تو بس وہ ہلاک ہوگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا۔ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔؟ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ یہ تو سرسری پیشی ہے لیکن جس کسی کے حساب میں جانچ پڑتال اور مناقشہ ہوگا تو عذاب و ہلاکت سے نہ بچ سکے گا۔

اور ایک روایت میں یہ مضمون ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک روز نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سُنا۔ اللّٰهم حاسبنی حسابًا یسیرًا۔ نماز سے فارغ ہوکر جب لوٹے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حساب یسیر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ حساب یسیر یہ ہے کہ بندہ کے نامۂ اعمال پر بس نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کرتے ہوئے معاف فرمایا جاتا رہے۔ اے عائشہؓ جس کسی کے حساب کا وہاں مناقشہ ہوا تو بس وہ تو ہلاک ہوجائے گا۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حسابًا يَّسِيْرًا بفضلك وَكَرَمِكَ واتنا كتابنا فِی اَيمانِنا انك عفوٌّ كريم تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا يا اَرْحَمَ الرّحمين ويا اكرم الْاَكرمين ويا اَجْوَدَ الاجودين۔

آمین یارب العلمین آمین یارب العلمین[عله]

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الانشقاق۔

[عله] ۔ تفسیر ہذا کا مطالعہ فرمانے والے ہر صاحب سے ناچیز کی درخواست ہے کہ اس گنہگار کے لیے یہ دعا فرما دیں کہ اللّٰہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے درگذر فرماتے ہوئے حساب یسیر لے۔ اور نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا فرما دے۔ خدا وند عالم میرے ان کرم فرماؤں کو اپنی بے پایاں عنایات اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جزاهم الله تعالےٰ خير الجزاء و يرحم الله عبدًا۔ قال آمينا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

(ربط) اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ، اسلام کی روح ہے۔ اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی۔ برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کیئے گئے کہ وہ نظامِ عالم اور اس کے مدار و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیئے اور توحیدِ خداوندی پر ایمان لانا چاہیئے۔

اس موضوع کی تحقیق و وضاحت کرتے ہوئے اہلِ ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا۔ ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اہلِ ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دہک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جارہا ہو کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر کیوں ایمان لے آئے۔ تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے۔ اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

آخیر سورت میں مجرمین و منکرین پر تہدید و تنبیہ کے طور پر عذاب خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الٰہی اور قرآن نے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوحِ محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔
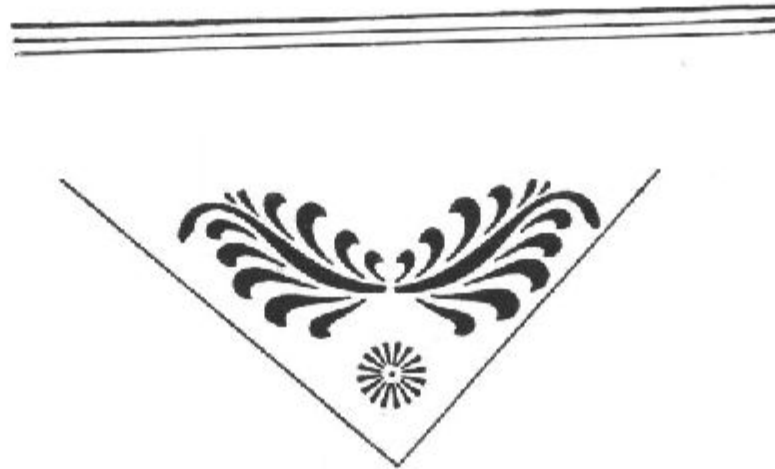
آیاتہا ۲۲ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ = ۲۷ رکوعہا ۱

سورۂ بروج مکی ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونیوالے

وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ

کی اور جس پر حاضر ہوویں۔ مارے جائیو کھائیاں کھودنے والے؟ آگ بھری ایندھن

الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

سے۔ جب وہ اس پر بیٹھے۔ اور جو کچھ وہ کرتے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

مسلمانوں سے سامنے دیکھتے۔ اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے، مگر اسی کا کہ یقین لائے

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ پر، جو زبردست ہے خوبیوں سراہا۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

اور زمین میں۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

تنبیہ و تہدید بر سرتابیِ انسان از طاعتِ خداوندی و تاکید استقامت بر ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت کا ذکر تھا اور یہ کہ خداوندِ عالم جب عالم پر قیامت برپا فرمانے کا

ارادہ کرے گا تو آسمان شق کردیا جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے غرض نظامِ عالم سب ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ اب اس سورت میں حق تعالےٰ اپنی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی نافرمانی اور اطاعتِ خداوندی سے سرتابی پر وعید اور تنبیہ فرمارہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہ ایمان والوں کو صبر واستقامت اختیار کرنی چاہیئے اور راہ حق میں استقامت کے لیئے ہر قربانی اور ہر مشقت کے اٹھانے کے لیئے تیار ہو جانا چاہیئے اس راہ میں صبر واستقامت ہی اصل منزلِ فلاح وسعادت تک پہنچانے والی چیز ہے۔ ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ اور قسم ہے اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہ ہیں عظمتیں خالق کائنات کی ربّ السمٰوٰت والارض کی ان عظمتوں اور شواہد کو دیکھنے والوں کو چاہیئے کہ اس رب العالمین پر ایمان لائیں بے شک اس کی عظمت وخالقیت برحق ہے اور اس کی وحدانیت پر ساری کائنات گواہ ہے لہٰذا اس کی نافرمانی بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے۔ ایسا کرنے والا خواہ کوئی فرد یا جماعت ہو۔ قوم ہو یا خاندان وقبیلہ اسی وجہ سے ہلاک کردیئے گئے آگ کی خندقیں کھودنے والے ایسی آگ جو دہکنے والی تھی جس کے شعلے خندقوں سے ابل کر بلند ہو رہے تھے۔ جب کہ وہ ان پر بیٹھے ہوئے تھے تاکہ خدا پر ایمان لانے والوں میں سے کسی کو زیچ کر نہ جانے دیں اور ہر ایک کو ظلم وتعدی سے مجبور وبے بس بناکر آگ کی ان خندقوں میں جھونکنے میں مصروف تھے اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ رہے تھے۔ شقاوت وبدبختی کی انتہا تھی کہ یہ انسان سوز مظالم جن کے تصوّر سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں دل اس ہولناکی سے پارہ پارہ ہو جائے۔ یہ بدبخت بڑے اطمینان سے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

ان کو ایمان والوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی کہ اس کے انتقام میں ایسا کرتے۔ بجز اس کے کہ وہ ایمان لاچکے تھے اس اللہ پر جو بڑی عزت والا ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس کی حمد وثنا کرتی ہے اور ہر زمان ومکان اور ہر حال اس کی خوبی وتعریف کا پیکر ہے جس کی شان حاکمیت یہ ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تو ہر چیز پر خوب مطلع ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تو اس خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لانے والوں نے ان بدبختوں کو نہ تو ستایا تھا اور نہ کوئی قصور کیا تھا بس ان کا جرم ان نافرمانوں بدبختوں کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اس خداوندِ عالم پر ایمان لائے جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات اور تمام عالم کا نظام ہے ظاہر ہے کہ یہ ظلم وستم

عہ بروج سے بعض مفسرین ستارے مراد لیتے ہیں جیسے تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا کی تفسیر میں گذر چکا ابن عباسؓ قتادہؒ اور مجاہدؒ سے یہی منقول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ بارہ بُرج ہیں جن کی مسافت آفتاب ایک سال میں طے کرتا ہے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے وہ حصّے ہیں جہاں فرشتوں کا پہرہ رہتا ہے۔ -۱۲-

خالی نہیں جا سکتا تھا. عزیزٌ ذو انتقام کی طرف سے اس پر انتقام اور سزا لازم تھی۔ انہوں نے تو ایمان والوں کے لیئے ان خندقوں کو کھودا اور اس میں آگ دہکائی تھی لیکن جوں ہی اللہ کا غضب[ع] آیا وہی آگ خود ان پر پھیل گئی اور اس شعلے برسانے والی آگ نے ان امیروں اور بادشاہوں کے گھر پھونک دیئے۔ اور دم کے دم میں مجرمین کی وہ بستی جل کر خاک ہوگئی تو جس طرح تاریخ قدیم کی یہ مجرم قوم ایمان والوں کو ستا کر قہر خداوندی سے نہ بچ سکی اسی طرح یہ منکرین و مجرمین جو مکی زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو ستا رہے ہیں۔ غضب خداوندی کے شعلوں اور اس کے قہر کی آگ سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکیں گے۔

یومِ موعود اور شاہد و مشہود کی تفسیر

اکثر روایات واحادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے اور یوم موعود قیامت کا دن ہے۔ یومِ موعود یعنی وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ قیامت ہے جیسا کہ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ میں یہ وعدہ کیا گیا اور اسی طرح ارشاد فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ تو اس مضمون کی جملہ آیات جن میں قیامت واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ الیوم الموعود قیامت کا دن ہے۔ اگرچہ بعض حضرات سے قیامت کا دن یوم مشہود بیان کیا گیا اس بناء پر کہ اس روز میدان حشر میں سب کی حاضری ہوگی۔

ابو مالک الاشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور تفسیر نقل کی گئی فرمایا شاہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امت کے پیغمبر کے حق میں گواہی دیں گے کہ بے شک اللہ کے پیغمبر نے اپنی ذمہ داری پوری کردی اور حق رسالت ادا کر دیا ہے اور شاہد لغت میں گواہی دینے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا مشہود قیامت کا دن ہے اور فرمایا یہ اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔

ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ یوم الجمعۃ فانہ یومٌ مشہودٌ تشہدہ الملٰئکۃ۔ کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے

ع شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ اس کی وضاحت حضرت شاہ صاحبؒ نے کی۔ اگرچہ روایات میں اس کا ذکر نہیں۔

درود پڑھا کرو کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے. جس میں فرشتوں کی (بکثرت) حاضری ہوتی ہے. تو ان مواقع میں لغوی معنی کے لحاظ سے قیامت اور جمعہ پر مشہود کا اطلاق وارد ہوا ہے. جمہور مفسرین اسی کو اختیار فرماتے ہیں. جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وضاحت فرمائی گئی کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے عہ

(واللہ اعلم بالصواب)

اصحاب الاُخدود یعنی آگ کی خندقیں کھودنے والوں کا قصّہ

اکثر محدثین اور ائمہ مفسرین نے اصحاب الاخدود کا قصّہ احادیث مرفوعہ سے بیان کیا ہے. امام ترمذیؒ اس سورۃ کی تفسیر میں باسناد عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ صُہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر) نماز عصر کے بعد آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (جس سے محسوس ہوتا کہ آپؐ کچھ پڑھ رہے ہیں)، تو آپؐ سے عرض کیا گیا آپ نماز عصر سے فارغ ہو کر کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا. انبیاء (سابقین) میں ایک نبی تھے ان کو اپنی امت پر فخر ہوا اور خوشی ہوئی. اور کہا کہ ان کے مقابلہ کی کون تاب لاسکتا ہے. اور کون ہے جو ان کے مقابلہ کے لیئے کھڑا ہو فوراً ہی اللہ کی وحی آئی اور اس اعجاب پر بطور گرفت فرمایا گیا. اے پیغمبر اپنی قوم کو اختیار دے دو کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں یا تو میں ان سے انتقام لے لوں یا ان پر ان کا دشمن مسلط کردوں تو انہوں نے انتقام و نقمت کو اختیار کر لیا تھا جس پر ایک ہی دن میں اس امّت کے ستر ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصّہ کے ساتھ ایک اور قصّہ بھی سنایا. فرمایا پہلے زمانے میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر یعنی جادوگر تھا جو بادشاہ کا بہت مقرب تھا. جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک نہایت ہونہار اور ہشیار لڑکا دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد یہ علم باقی رہے. چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جاکر اس کا علم سیکھتا تھا. راستہ میں ایک عیسائی راہب بھی (اس زمانہ کا سماوی مذہب عیسائیت تھا اور اس وقت کے لحاظ سے وہ دین حق پر تھا) لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پر ایمان لے آیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے مقام تک پہنچ گیا. ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے. جس سے لوگ پریشان ہیں. اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی. کہ اے اللہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے، یہ کہہ کر پتھر اس جانور پر پھینکا جس سے فوراً ہلاک

عہ تفسیر ابن کثیر. قرطبی. روح المعانی.

ہوگیا۔ لوگوں میں بات مشہور ہوگئی اور شور مچ گیا کہ اس لڑکے کو تو عجیب علم آتا ہے کسی نابینا نے سن لیا تو اس نے آکر درخواست کی میری آنکھیں اچھی کردو لڑکے نے کہا اچھی کرنے والا میں نہیں اچھی کرنے والا وہ اللہ ہے جو یکتا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو میں دعا کروں گا کہ وہ تجھے بینا کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہوکر حکم دیا کہ لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے دربار میں حاضر کیا جائے۔ کچھ گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر ڈالا اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ کسی اونچے پہاڑ پر لیجا کر اس کو وہاں سے گرادو۔ اور اس طرح یہ ہلاک ہوجائے۔ مگر خدا کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے کر گئے وہی سب ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا اس پر بادشاہ کو اور زائد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کردو وہاں بھی یہی ہوا کہ جو لوگ لے کر گئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سالم نکل آیا۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو اس طرح مجھے کبھی نہ مار سکے گا۔ میں خود ہی تجھے ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تو اختیار کرلے۔ وہ یہ ہے کہ تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرلے اور ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکا کر مجھے ایک تیر مار یہ کہہ کر بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ ھٰذَا الْغُلَامِ۔ اللہ کے نام سے جو رب ہے اس لڑکے کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھنا ہی تھا ایک شور بپا ہوگیا اور مجمع میں سے ہر ایک کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰذَا الْغُلَامِ۔ کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اب تک تو اکّا دُکّا کوئی ایمان لا رہا تھا لیکن اس کی اس بات کے بعد اب یہ ساری مخلوق مسلمان ہوگئی بادشاہ نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود دی جائیں اور ان میں آگ بھر دی جائے جو دہکتی ہو اور اس میں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ اور اعلان کردو جو شخص اس دین سے نہیں لوٹے گا اس کو ان خندقوں میں جھونکا جائے گا لوگوں کا یہ ایمان اور ایمان پر استقامت کا یہ عالم تھا کہ آگ میں جھونکے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ اسی میں ایک عورت لائی گئی جس کے پاس اس کا دودھ پیتا بچہ تھا بظاہر وہ اپنے بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی اور بولا اُمَّاہُ اِصْبِرِیْ فَاِنَّكِ عَلَی الْحَقِّ کہ اے میری ماں تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔ یہ بدبخت بادشاہ اور اس کے وزراء و مصاحبین خندقوں کے پاس بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ وَھُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُھُوْدٌ۔

ایک روایت میں ہے کہ اس بادشاہ نے جب نابینا سے پوچھا کہ تیری بینائی کس نے لوٹائی تو اس نے کہا میرے رب نے۔ تو بادشاہ بولا یعنی میں نے۔ نابینا نے کہا نہیں۔ میرے رب نے اور اس رب نے جو تیرا رب ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کیا میرے سوا بھی اور کوئی رب ہے۔ نابینا نے جواب دیا ہاں میرا اور تیرا اور آسمان و زمین کا رب اللہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بادشاہ دانیال تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل فترت نبوت کے زمانہ میں تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں محمد ابن اسحاقؒ کی سند سے بیان کیا ہے کہ اہل نجران میں سے ایک شخص نے کسی ضرورت یا تعمیر کے لئے کسی جگہ کو کھودا تو اس میں سے عبداللہ بن تامرؓ یعنی اس شہید کی لاش ملی اور وہ بالکل اسی حالت میں تھی جیسا کہ اسے ابھی دفن کیا گیا اور اس طرح کہ بیٹھ پڑی پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جب کہ اس کو تیر مارا گیا ہوگا اس نے اپنی پٹھ پڑی پر ہاتھ یا انگلی رکھ لی ہوگی۔ اس کا ہاتھ جب اس جگہ سے ہٹایا گیا تو تازہ خون زخم سے بہنے لگا۔ فوراً ہاتھ اسی جگہ پر رکھ دیا گیا تو خون بند ہوگیا اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا "ربی اللہ" یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ ان کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ کر بھیجا گیا تو عمر فاروقؓ نے حکم دیا کہ اس لاش کو اسی جگہ دفنا دو اور جو کچھ انگوٹھی وغیرہ پائی گئی وہ بھی اس کے ساتھ رہنے دو۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اور بھی بعض تاریخی نقول ذکر کی ہیں اور خندقوں کی تفصیل پر بھی کلام کیا ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر ابن کثیر کی مراجعت فرمالیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ

جو دین سے بچلانے (بھٹکانے)

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو، پھر توبہ نہ کی تو ان کو

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

عذاب ہے دوزخ کا، اور ان کو عذاب ہے آگ لگی کا۔ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ

بہتی نہریں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ بے شک تیرے

رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ

رب کی پکڑ سخت ہے۔ بیشک وہی کرے پہلی مرتبہ اور دوسری۔ اور وہی ہے

الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ

بخشتا محبت کرتا - مالک تخت کا بڑی شان والا - کر ڈالتا

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ

جو چاہے - کچھ پہنچی تجھ کو بات لشکروں کی ؟ فرعون

وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

اور ثمود کی - کوئی نہیں بلکہ منکر جھٹلاتے ہیں -

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ

اور اللہ نے ان کے گرد سے گھیرا ہے - کوئی نہیں؛ یہ قرآن ہے

مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

بڑی شان والا - لکھا تختی میں جس کی نگہبانی ہے -

قال اللہ تعالیٰ - اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ..... الیٰ ..... فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

(ربط) گزشتہ آیات میں اصحاب الاخدود اور آگ کی خندقیں کھودنے اور ان میں اہلِ ایمان کو ڈال کر ستانے والوں کا ذکر تھا۔ اب اس مناسبت سے ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ خداوندِ عالم کا قہر و غضب جو بیان کیا گیا ہے۔ ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس دور اور قرن میں مجرمین اس قسم کا رویہ اختیار کریں گے اور ایمان لانے والوں کو ستائیں گے۔ خواہ وہ کفار اہلِ مکہ ہوں یا آج کے بعد کوئی اور قوم ہو سب کو اپنا انجام سمجھ لینا۔ اور جان لینا چاہیئے کہ وہ عذابِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

ارشاد فرمایا۔ بے شک جن لوگوں نے ستایا ہے مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو۔ پھر وہ تائب بھی نہ ہوئے جیسے کہ اصحاب الأخدود کے قصہ میں تاریخی نقول سے معلوم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں بہت سے مرد تھے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ جنکو خندقوں کے کناروں پر کھڑا کر کے دہکتی آگ کی خندقوں

میں جھونکا جارہا تھا تو یقیناً ان کے واسطے دوزخ کا عذاب ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب[1] ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے ایمان والوں کو ستایا تھا۔ لہٰذا جب تاریخ قدیم کے ایسے مجرم خدا کے عذاب اور اس کی سزا سے نہیں بچ سکے تو اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کو ستانے اور ظلم وستم ڈھانے کا انجام دنیا اور آخرت میں ان کو بھگتنا[2] ہی پڑے گا۔

بہرکیف قانون مجازات کا یہی تقاضا ہے مگر اس کے برعکس یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں ان کے واسطے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ بلاشبہ یہی بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔ بہرکیف خداوند عالم کے قہر وجلال اور انعام وکرم کی یہ دونوں شانیں دیکھ لیں تو اب سمجھ لینا چاہیئے اے مخاطب بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔ جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہی ہر چیز کو ابتداء میں وجود عطا کرنے والا ہے اس کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہی اس کو لوٹانے والا بھی ہے۔ لہٰذا جس رب العالمین نے انسان اور تمام کائنات کو ابتداء میں وجود عطا کیا۔ وہی رب العالمین قیامت میں انسانوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ وہ پروردگار تو اپنی شانِ رحیمی اور کریمی سے بڑا ہی مغفرت کرنے والا ہے اپنے بندوں کو جو اپنی کسی غفلت وکوتاہی سے کوئی غلطی یا معصیت کر لیں جب بھی وہ اپنے گناہوں پر استغفار وتوبہ کریں۔ بڑا ہی محبت کرنے والا ہے اپنے فرماں بردار اور مطیع بندوں سے۔

بڑی ہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ اس کی قدرت وکبریائی کی کوئی حد ونہایت نہیں۔ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ کر ڈالتا ہے ہر وہ کام جو چاہتا ہے۔ اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (اس کے فیصلہ کو کوئی ٹلا نہیں سکتا) چنانچہ تاریخ عالم اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ اور گذرے ہوئے واقعاتِ عالم۔ خداوندِ عالم کی شانِ عظمت وکبریائی اور اس کے قادرِ مطلق ہونے کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ تو کیا اے مخاطب تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون اور قوم ثمود کی؟ ضرور پہنچی ہوگی۔ کیونکہ یہ واقعات عام طور پر عرب والوں کو بھی خوب معلوم تھے۔ اور ان کی خوب شہرت تھی۔ جو بڑے ہی طاقتور لشکر تھے۔ مگر خداوندِ عالم نے اپنے قہر وغضب سے ان کو ہلاک کر ڈالا اور دنیا کی کوئی مادی طاقت خدا کا عذاب نہ ٹلا سکی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب ان باتوں کو سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔ اور کفر ونافرمانی سے

---

[1] ان مصائب اور حوادث کی صورت میں جو ان پر قہر خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ۱۲

[2] بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کو تلاوت کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے۔ "یہ سزا ان مجرمین کی اس لئے ذکر فرمائی گئی تاکہ ان کی سزا ان کے عمل کے جنس سے ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے عمل کا بدلہ عمل کے مشابہ ہوتا ہے۔"
حسن بصریؒ سے منقول ہے فرمایا خدا کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ جنہوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا۔ ان کو توبہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ ۱۲

تائب ہو جاتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ یہ انکار کرنے والے کافر برابر اللہ کے پیغمبر کی باتیں جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ! ان کا ہر طرف سے احاطہ کیئے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے احاطہ اور گرفت سے بچ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے نہ اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو سکتے ہیں نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کی قدرت اور گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں وہ ہر طرح علماً و ملکاً و قدرۃً ان کو محیط ہے۔

یہ تاریخی حقائق ہیں نہ یہ کہ محض افسانے اور کہانیاں جیسا کہ مشرکین مکہ عناد اور بغض کی وجہ سے کہتے ہیں۔ بلکہ یہ تو بڑی ہی عظمت اور اونچی شان والا قرآن ہے جو وحی الٰہی ہے۔ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جہاں نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی معاند کا ہاتھ کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی کو قدرت ہے کہ لوحِ محفوظ کی کوئی بات ٹلا سکے اور نہ ہی اس امر کا امکان ہے کہ وحی الٰہی کی کسی بات کو غلط کہہ سکے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الطَّارِق

اس سورت کا مضمون بھی عقیدۂ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرۃ کے ثابت کرنے کے لیئے حق تعالیٰ نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض وسماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات اور انقلابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ سورت کی ابتداء آسمان اور نجم ثاقب کی قسم سے کی گئی۔ اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی آپ ہرگز کوئی فکر نہ کریں۔ اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں۔ قدرت خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے جو اسلام کی عظمت و کامیابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و نصرت کا باعث ہیں۔
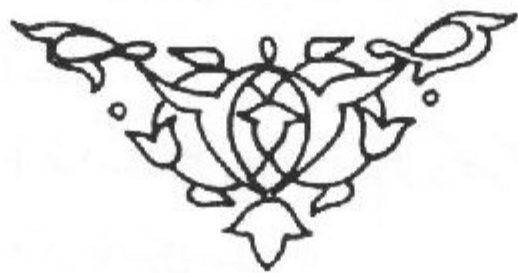
آیاتها ۱۷ ۸۶ = سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ = ۳۶ رکوعها ۱

سورۂ طارق مکی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ

قسم ہے آسمان کی، اور اندھیرا پڑے آنیوالے کی۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنیوالا۔ وہ تارا

الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ

چمکتا۔ کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان۔ اب دیکھ لے

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ

آدمی، کاہے سے بنا۔ بنا ایک اُچھلتے پانی سے۔ جو نکلتا ہے

مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾

پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ بیشک وہ اس کو پھر لا سکتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَ

جس دن جانچے جاویں بھید۔ تو کچھ نہ ہو گا اس کو زور، اور نہ کوئی مدد کرنیوالا۔ قسم

السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ

ہے آسمان چکر مارنے والے کی۔ اور زمین دراڑ کھانے والی کی۔ یہ

لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

بات دوٹوک ہے۔ اور نہیں یہ بات ہنسی کی۔ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں۔

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں۔ سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے ان کو صبر کر۔

دعوت فکر در تخلیق انسانی و شہادت ارض و سماء و نجوم بر مسئلۂ بعث بعد الموت

قال اللہ تعالیٰ ـــ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔۔ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا

(ربط) گزشتہ سورت ایمان اور ایمان پر استقامت اور راہِ خداوندی میں صبر اور قربانی کے مضمون پر مشتمل تھی اور اس امر پر کہ دنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اب اس سورت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کرنے کے لیے انسان کو اس امر کی دعوت دی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش میں غور و فکر کرے۔ ارض و سماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور یہ کہ زمین کس طرح شق ہو کر اپنے اندر سے نباتات اور سبزہ باہر نکالتی ہے اور وہ تخم جو زمین میں دب کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور مٹی میں مل کر خاک بن گیا تھا کیونکر وہ پھر زمین کی سطح پر رونما ہو کر تر و تازہ اور شاداب نظر آنے لگا تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کے اندھیرے میں نمودار ہونے والے طارق کی اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کیا ہے طارق۔ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، بے شک نہیں ہے کوئی جان والا ایسا کہ اس پر ایک نگران نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک ذی رُوح انسان ہو یا دوسری کوئی مخلوق اس پر اللہ کی طرف سے محافظ مقرر ہیں۔ انسان کا کوئی قول و عمل ایسا نہیں کہ خدا کے مقرر کردہ نگران اس کو محفوظ نہ کر لیتے ہوں۔ پھر ہر انسان ان ہی محافظوں کے باعث عالم میں بکھری ہوئی آفات اور حوادث کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ اور جوں ہی کوئی تکوینی مصیبت یا حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے۔ یہ غیبی حفاظت اس سے جُدا ہونے ہی کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اور جس پروردگار نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے سامان بنائے اس کو کیا مشکل ہے کہ وہ ہر نفس کی حفاظت کا سامان بھی پیدا کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ربِّ قدیر اور علیم کی کسی بھی لمحہ انسان کو نافرمانی نہ کرنی چاہیئے اور یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ یہ انسان اپنی اس حیات کے بعد پھر دوبارہ قیامت کے روز اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے والا ہے لہٰذا اس انسان کو دیکھنا چاہیئے اور غور و فکر کرنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی یعنی قطرۂ منی سے جو نکلتا ہے پُشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ مرد کی منی کا نصاب پیٹھ سے اور عورت کا سینہ سے یا یہ کہ اعضائے رئیسہ سے مادۂ منویہ کا تعلق ہے تو اس حیثیت سے سینہ اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا تو جو ذات قادرِ مطلق اپنی قدرت و حکمت سے انسان کو ایک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس کی قدرت و حکمت سے کس طرح اس کے اعضاء کی ساخت ہوتی ہے، روح پڑتی ہے حواس و مدرکات ناک، کان، آنکھیں

اوران میں بینائی پیدا ہوتی ہے۔ غرض جو ذات رب العالمین اپنی عظیم قدرت اور حکمت سے ان تمام باتوں پر قادر ہے بلا شک وہ ذات قادر مطلق اس انسان کو واپس لوٹانے پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ ابتداءً اس کو پیدا کرنا عجیب تر ہے اور ایک ایک چیز اور بدن کا ایک ایک حصہ اللہ رب العالمین کی قدرت وحکمت کا واضح ثبوت ہے۔ یہ مرنے کے بعد انسان کو لوٹایا جانا اس دن ہوگا جب کہ جانچے جائیں گے بھید۔ اور ہر قسم کے پوشیدہ راز۔ پس اس دن اس انسان کے لیئے نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ جو ایسے سخت مرحلہ پر اس کی کوئی مدد کرسکے۔ جبکہ چھپے ہوئے بھید کھل رہے ہوں اور ہر قول وفعل کا حساب لیا جاتا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو باتیں دل میں چھپی ہوئی ہوں گی وہ بھی کھل جائیں گی اور قسم ہے اس آسمان کی جو لوٹنے والا ہے باربار زمین پر بارش[1] برسانے کی صورت میں اور قسم ہے زمین کی جو شق ہونے والی ہے جب کہ اس میں تخم ڈال دیا جائے تو بعد میں اس کے شق ہونے پر سبزہ اور درختوں کا سلسلۂ نشوونما شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارش کا نظام اور بارشوں کے برسنے کے بعد غلوں اور سبزوں کا اُگنا خداوند عالم کی کمال قدرت اور حکمت کے شواہد و دلائل ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ بے شک یہ بات یا قرآن حکیم ایک فیصلہ کن قول ہے[2] جو حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت وضلالت کی حدوں کو جُدا جُدا کر کے دکھاتا ہے۔ اور ہر طے شدہ امر کی خبر دیتا ہے۔ اور جس طرح آسمان سے بارشوں کے برسنے پر بنجر زمین زندہ ہوجاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اُگتے ہیں اور زمین اس سے سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے اسی طرح آسمان سے اس وحی الٰہی کے نزول سے انسانوں کی زندگی سرسبز و شاداب ہوتی ہے اور انسانوں کے قلوب سے محاسنِ اعمال و اخلاق اور معارف وحِکَم کے پھل پھول اُگنے لگتے ہیں جس کے بعد حیاتِ انسانی ایک شاداب باغ اور نافع وقیمتی پھلوں سے لدا خزانہ ہوجاتی ہے اور یہ کلام کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے اصولاً اور عقلاً چاہیئے کہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت و دشمنی سے باز آجائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ باز نہیں آتے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو اے ایمان والو تم اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہو۔ بس سُن لو بے شک وہ لوگ

---

[1] ذات الرجع کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔ اسی کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا کہ آسمان ذاتِ الرجع اس لیئے ہے کہ بار بار بارشیں برساتا ہے۔ قتادہؒ بیان کرتے ہیں آسمان اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ وہ بارش کے ذریعہ بار بار رزق پیدا کرتا ہے۔ ابن دُریدؒ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ اس کے ستارے اور چاند سورج بار بار لوٹتے رہتے ہیں۔

[2] میرے شیخ حضرت عثمانیؒ نے فرمایا قسم اور جواب قسم کی ایک مناسبت یہ ہی ہے کہ جس طرح بارش برس کر زمین کو حیات اور تازگی بخشتی ہے اسی طرح قیامت میں بھی کوئی غیبی بارش ایسی برسے گی جس سے مُردے زندہ ہوجائیں گے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

تمہارے دین کے خلاف ایک داؤ لگا رہے اور سازشں و مکر میں لگے ہوئے ہیں تو میں بھی لگا ہوا ہوں ایک داؤ لگانے میں۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر اور اس کے داؤ سے کون دشمن بچ سکتا ہے۔ اور خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں کس کا مکر اور سازش کامیاب ہوسکتی ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ لوگ خوب عزّا رہے ہیں اسلام کے خلاف اچھلتے کودتے پھر رہے ہیں نہ ان پر ابھی آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو رہا ہے اور نہ زمین ان کو نگل رہی ہے تو بس اے مخاطب ڈھیل دے دے ان کافروں کو میں بھی ان کو کچھ دنوں ڈھیل دے رہا ہوں۔ اور جب ان کو عذاب میں پکڑوں گا تو بچ کر نہ جا سکیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ عـه آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ظالم کو ایک وقت تک (اپنی کسی حکمت سے) مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کو اپنے قہر و عذاب کی گرفت میں لیتا ہے تو وہ کسی طرح بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ — تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الطارق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الاَعلیٰ

اس سورت میں خاص طور پر ذاتِ خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفاتِ خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ دلائل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے۔ وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے۔ نیز یہ کہ وحی الٰہی اور موعظۂ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جنھیں استعداد وصلاحیت اور خشیت و تقویٰ کے آثار ہیں۔ اور جو قلوب شقاوت و بدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظۂ حسنہ ان کو مفید ہوتا ہے۔

عـه عبدالرحمٰن بن خالد بن ابی جبل العدوانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شرقِ ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جب کہ آپؐ ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سنا آپ سورۃ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرما رہے ہیں۔ تو میں نے اس سورت کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں نے ان لوگوں کو یہ سورت سنا دی تھی۔ پھر جب اسلام لے آیا دوبارہ اس کو پڑھا۔ ۱۲۔ تفسیر ابن کثیر۔ ج۴۔

ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالےٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو بشارت بھی سُنائی کہ جو کتاب الٰہی آپؐ پر اُتاری جا رہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے۔ اور نفسِ وحی قولِ ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کر دیا جائے گا۔ اور آپؐ سہو و نسیان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خُدا ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمالے۔

آخیر میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسانی فلاح و کامیابی ذکر الٰہی اور اس کی عبادت و بندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے۔ اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

آیاتھا ۱۹ ۸۷ سُورَةُ الْأَعْلَىٰ مَكِّيَّةٌ ۸ رکوعھا ۱

سورۃ اعلیٰ مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝٢

پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اُوپر ہے۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا۔

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝٣ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝٤

اور جس نے ٹھہرایا، پھر راہ دی۔ اور جس نے نکالا چارا۔

فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝٦

پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔ ہم پڑھادیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ

مگر جو چاہے اللہ۔ وہ جانتا ہے پکارا اور چھپا۔ اور سہج سہج پہنچاویں گے

لِلْيُسْرَىٰ ۝٨ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ

ہم تجھکو آسانی تک۔ سو تو سمجھا اگر کام کرے سمجھانا۔ سمجھ جاوے گا جس کو

يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ

ڈر ہوگا۔ اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت۔ وہ جو پیٹھے گا (پہنچے گا) بڑی

الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ قَدْ اَفْلَحَ

آگ میں۔ پھر نہ مرے گا اس میں نہ جیوے گا۔ بیشک بھلا ہوا

مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ

اس کا جو سنورا۔ اور پڑھا نام اپنے رب کا، پھر نماز کی۔ کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا

دنیا کا جینا۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا۔ یہ کچھ

لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝١٩

لکھا ہے پہلے ورقوں میں۔ ورق ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔

فلاح وسعادت از ذکر خداوندی وانہماک در صلوٰۃ وعبادت

قال اللہ تعالیٰ۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ..... الی .... صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

(ربط) گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ خود اپنی تخلیق وپیدائش پر نظر ڈالے اور سوچے کہ پروردگار عالم نے اپنی کیسی عظیم قدرت اور حکمت سے اس کو وجود عطا فرمایا اور جو ذات خداوندی انسان کو ابتداءً وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے اور اس طرح مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت ثابت فرمایا گیا تھا اب اس سورت میں عظمت خداوندی بیان کی جا رہی ہے، اس کی ذات اور صفات عالیہ کا ذکر کر کے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسان کے لئے فلاح وسعادت کی منزل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ ذکرِ خدا یادِ الٰہی اور اپنے رب کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے۔ اور اس راہ میں اصل رکاوٹ ڈالنے والی چیز حُبِّ دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں۔ تو انسان کو چاہئے کہ اس سے بچے اور اصل مقصد حیاتِ فانی اور عارضی لذتوں پر فوقیت دے۔ تو ارشاد فرمایا۔

پاکی بیان کر اے انسان! اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند و بالا ہے جس نے پیدا کیا۔ عدم سے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وجود میں لاتے ہوئے پھر ہر ایک چیز کو برابر بنایا نہایت تناسب اور خوبی کے ساتھ انسان ہو یا جو بھی کوئی مخلوق اس کی ساخت نہایت ہی موزوں اور اس کے اجزاء و اعضاء بڑے ہی متناسب بنائے اور وہ جس نے ہر بات کو مقرر و مقدر فرمایا پھر اس کی طرف راہ دکھائی سعادت و شقاوت ہو یا ایمان و کفر حصول مال و منال ہو یا اس سے محرومی الغرض جو بھی کچھ اپنی تقدیر سے طے کیا اسی کی طرف انسان و مخلوق کو کر دیا۔ اور وہی چیز اس کو آسان معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ اہل ایمان کو ایمان و عمل صالح آسان و مرغوب ہو گیا اور اہل شقاوت کو فسق و فجور ہی لذیذ معلوم ہونے لگا۔ اور وہ جس نے سبزہ اُگایا پھر اس کو چورا بنا دیا سیاہ رنگ کا حالانکہ وہ جب نمودار ہوا تھا تو بڑا ہی سرسبز و شاداب اور خوش منظر تھا مگر خشک ہو کر وہ ریزہ ریزہ اور سیاہ رنگ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اس رب العالمین کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں اور اس طرح انسان سے لے کر گھانس کے ایک تنکے تک ہر چیز اس کی عظمت و بلندی کی گواہی دے رہی ہے تو یہ ہیں وہ دلائل قدرت اور شواہد وحدانیت جو ہم آپ کو اے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا رہے ہیں پس آپ اُن کو نہیں بھولیں گے۔ کیونکہ آپ کا ربِّ اعلیٰ ان علوم کو آپ کے سینہ میں محفوظ کر دے گا جس طرح یہ علوم ملأ اعلیٰ میں لوح محفوظ میں محفوظ ہیں تو آپؐ ان کو نہیں بھولیں گے۔ مگر جو چیز اللہ چاہے اور ان آیات میں جن کو منسوخ کرنا چاہے تو بے شک وہ آیات آپ کے دل سے نکل جائیں گی لیکن اس کے ماسوا جو بھی اللہ کی وحی ہوگی اور جو کچھ آپؐ پر نازل کیا جائے گا وہ آپ یاد رکھیں گے جیسا کہ وعدہ فرمایا گیا۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ بے شک وہ ربِّ اعلیٰ جانتا ہے بلند آواز کو اور اس کو بھی جو پست اور چھپی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور حکمت پر مبنی ہے کہ کون سی آیات صرف وقتی طور پر نازل کر دی گئیں پھر ان کی تلاوت منسوخ کرنی ہے اور کون سی آیات وہ ہیں جو ہمیشہ کے لئے اُتاری گئیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ اور پروردگار چونکہ تمہاری ظاہری اور باطنی حالت جانتا ہے اور تمہاری وہ استعداد و صلاحیت بھی جو مخفی ہے اس وجہ سے وہی معاملہ فرمائے گا جس کے مستحق ہو اور آسانی دیں گے تم کو ہر اس کام کے لئے جو سہولت و فلاح کا ہے۔ اس وجہ سے وحی الٰہی بھی محفوظ ہو جائے گی اور اس میں کوئی مشقت نہ ہوگی پھر ان علوم و معارف کے اثر سے قلب پر معرفت و محبّت کے آثار رونما ہوں گے اور عبادت کا وہ ذوق و شوق ہوگا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین ہو جائے گا اور اُمّت کی اصلاح اور ملک کی ترقی اور عظمت کے وہ طریقے بھی آسان کر دیئے جائیں گے جس سے آپؐ کی اُمت اور ان کے ملک تاریخ عالم میں عظمت و بلندی کا پیکر ہوں گے۔ اور کامیابی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہو سکتی ہیں۔ ان سب کو دور کر دیا جائے گا۔ بہر کیف آپ پر جب انعامات فرمائے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى تو آپؐ نے فرمایا اس کو تم اپنے سجدہ میں مقرر کر لو اس وجہ سے سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ مقرر ہوئی۔

گئے ہیں تو دوسروں کو بھی ان سے فیضیاب کیجئے اور اپنے کمالات سے دوسروں کو بھی باکمال بنائیے جس کی شکل یہ ہے کہ پس آپ بار بار سمجھاتے رہیئے۔ اگر سمجھانا اور نصیحت کرنا اس کو فائدہ پہنچائے۔ اور کمال شفقت کے باعث بار بار کے افہام و تفہیم اور نصیحت سے ہرگز نہ اُکتائیے اگر کوئی آج نصیحت نہیں قبول کر رہا ہے تو بہت اُمید ہے کہ عنقریب نصیحت قبول کرے گا ہر وہ شخص جو ڈرتا ہے کیونکہ خوفِ خدا بہرکیف انسان کو درست راستہ پر لاکر ہی رہتا ہے اور کسی نہ کسی وقت ضرور وہ ہدایت قبول کر لیتا ہے اور اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے وہی شخص دُور رہتا ہے اور بچتا ہے جو بہت ہی بدبخت اور بدنصیب ہو۔ جو جہنم کی بڑی آگ میں داخل ہوگا اور وہ جہنم کی بڑی آگ ایک ایسا شدید عذاب ہوگا کہ پھر اس میں نہ تو مرے ہی گا کہ مرکر ان مصائب اور کلفتوں کا خاتمہ ہو جائے اور نہ ہی زندہ رہے گا کہ زندگی کی کوئی راحت اور چین اس کو نصیب ہوسکے۔

تو یہ ہے انجام اس بدنصیب بدبخت کا جس کے مقدر میں دوزخ کی آگ لکھی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کہاں وعظ و نصیحت کی طرف کان لگائے گا۔ اور کہاں اس کو عبرت ہوگی۔ اور خدا کا ڈر ہوگا کہ وہ اپنا انجام سوچے اور کفر و نافرمانی سے باز آئے۔ ہاں جس کے دل میں خوفِ خدا ہوگا اور اپنے انجام کو سوچے گا وہی اپنا رُخ سعادت کی منزل کی طرف کرے گا۔ اس لئے بس یہی ضابطہ خدا کی طرف سے طے کردیا گیا کہ بیشک کامیاب وہی شخص ہوا جس نے پاکی حاصل کی ہر قسم کی ظاہری باطنی اور حسی و معنوی گندگی اور نجاستوں کو دور کر کے۔ اس طرح کہ نہ اس کے عمل میں کوئی گندگی اور برائی باقی رہی نہ اخلاق میں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں قلب و اعتقاد اور عمل کی طہارت ہی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے اور لیا اس نے اپنے رب کا نام پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کیا۔ تقویٰ و طہارت کا مقام طے کرچکنے کے بعد فضائل اعمال اور اخلاق کی عظمتوں تک اس نے اپنے آپ کو پہنچا لیا۔ یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رب کا نام لے لیا اور اس کے بعد ارکانِ صلوٰۃ ادا کر کے عبودیت و بندگی کی منزلِ عالی تک رسائی حاصل کر لی[ع]۔ فلاح و سعادت کی منزل انابت الی اللہ اور خشیت خداوندی پر موقوف ہے اور اس پر مبنی ہے کہ انسان فکرِ آخرت میں

ع: بعض ائمہ مفسرین مَنْ تَزَکّٰی سے صدقۂ فطر کی ادائیگی مراد لیتے ہیں اور ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ سے تکبیرات عیدین۔ حضرات حنفیہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے محض ذکر اسمِ رب جو مشعر تعظیم ہو کافی ہے۔ لفظ اللہ اکبر فرض اور رکن نہیں۔ بے شک احادیث صحیحہ کی رو سے اور اس اصول کے پیشِ نظر واجب یا سُنّت ضرور ہے، کیونکہ فَصَلّٰی کے لفظ میں فعل صلوٰۃ کا ترتب مطلق ذکر اسم پر فرمایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ذکرِ اسمِ رب کافی ہے کہ اس پر فعل صلوٰۃ مرتّب ہو اور ادائیگی کا تحقق ہو جائے۔ اگر بالخصوص لفظ اللہ اکبر رکن اور فرض ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فقال اللّٰہ اکبر وصلّٰی۔ واللہ اعلم۔

لگ جائے گا۔ اور اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حبِّ دنیا اور نفس کی خواہشات ہیں تو ضرورت ہے کہ اس سے اجتناب اختیار کیا جائے۔ لیکن اے انسانو! تم اپنی غفلت ولاپرواہی کے باعث اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ تم تو ترجیح اور فوقیت دینے لگتے ہو۔ دنیا کی زندگی کو اور اسی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنے لگتے ہو۔ حالانکہ آخرت ہی بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دوام خلود ہے اور وہاں کی ہر ایک نعمت ایسی ہے کہ انسان نے کبھی دیکھی نہ اس کے کان نے کبھی سُنا اور نہ اس کے دل میں اس کا تصوّر گذرا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اعتقاد وعمل سے ثابت کیا جاتا کہ آخرت کو پسند کیا جارہا ہے۔

یہ بلند پایہ نصیحت اور فلاح وسعادت کا راز بے شک وہ ہے جو پچھلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں تو جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں ایسے جلیل القدر انبیاءؑ پر نازل ہوئی ہے اس کی عظمت و برتری میں کیا شبہ ہوسکتا ہے جس کی عظمت کو پہلی نسلیں اور شریعتیں تسلیم کرچکیں اور دنیا نے اس کی افادیت کو دیکھ لیا لہٰذا اے انسانو! تم کو چاہیئے کہ انسان کی فطری اور طبعی کمزوریوں سے بچو۔ حیاتِ دنیا کو پسند کرنے کے بجائے فکرِ آخرت اور حصول سعادت کی طرف رُخ کرلو۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاعلیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَۃُ الغَاشِیَہ

(ربط) دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کا مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روز قیامت کیسی مصیبتوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کا اعزاز و اکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہ ہوگی۔

دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالیٰ شانہٗ کی وحدانیت اور اس کے دلائل و شواہد کا بیان و تحقیق ہے۔ سُورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبۂ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہرکیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

آیاتها ۲۶ ۸۸ سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ رکوعها ۱

سورۃ غاشیہ مکی ہے اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ②

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والی کی؟ کتنے منہ اس دن ذلیل (خوفزدہ) ہیں۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

محنت کرتے تھکتے ۔ بیٹھیں گے (پہنچیں گے) دہکتی آگ میں ۔ پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے

آنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ

کا ۔ نہیں ان پاس کھانا، مگر جھاڑ کانٹے ۔ نہ موٹا کرے،

وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ⑦ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧

نہ کام آوے بھوک میں ۔ کتنے منہ اس دن آسودہ ہیں ۔

لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩ لَّا تَسْمَعُ فِيهَا

اپنی کمائی سے راضی ۔ اونچے باغ میں ۔ نہیں سنتے اس میں

لَاغِيَةً ⑪ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ⑬

بکنا ۔ اس میں ایک چشمہ ہے بہتا ۔ اس میں تخت ہیں اونچے بچھے ۔

وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ⑭ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ⑮ وَزَرَابِيُّ

اور آبخورے دھرے ۔ اور قالیچے قطار پڑے ۔ اور مخمل کے

مَبْثُوثَةٌ ⑯ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰

نہالچے کھنڈ رہے ۔ بھلا کیا نہیں نگاہ کرتے اونٹوں پر، کیسے بنائے ہیں؟

وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾

اور آسمان پر، کیسا بلند کیا ہے؟ اور پہاڑوں پر، کیسے کھڑے کیے ہیں؟

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾

اور زمین پر، کیسی صاف بچھائی ہے؟ سو تو سمجھا، تیرا کام یہی ہے سمجھانا۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾

تو نہیں اُن پر داروغہ - مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا۔

فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

تو عذاب کرے گا اس کو اللہ وہ بڑا عذاب۔ بیشک ہم پاس ہے ان کو پھر آنا۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے اُن سے حساب لینا۔

(۱ ع ۲۶ ۱۳)

تنبیہ انسانِ غافل از وقوعِ قیامت و دعوتِ فکر برائے رجوع الی اللہ

قال اللہ تعالیٰ۔ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ....الی .... عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ

(ربط) گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے۔ اور مادی زندگی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے۔ ایمان و تقویٰ ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے۔ یہی وہ ہدایت و تعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے۔ ان ہی علوم و ہدایات پر صحف ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام بھی مشتمل تھے۔ اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چونکا رہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت کو بھلا چکا، چنانچہ ارشاد فرمایا۔

کیا (نہیں) پہنچی تجھ کو اے مخاطب خبر ایک چھپا لینے والی چیز کی جو تمام مخلوق پر اس طرح چھا جائے گی۔ جیسے دن کی روشنی پر رات کی تاریکی۔ اور تمام کائنات اور اس کے نظام کو درہم برہم کر ڈالے گی۔ اور وہ قیامت ہے؟ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خبر نہ پہنچی ہو کیونکہ یہ بات اللہ کے تمام انبیاء بتاتے چلے آئے۔

موجودات کا تغیر و تبدل اور حوادث کے احوال اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں اس لئے ضرور اے مخاطب تجھے یہ خبر مل چکی ہے۔

وہ چھپا لینے والی چیز ایسی ہیبت ناک ہے کہ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خائف نظر آتے ہوں گے۔ محنتیں اٹھانے والے تھکے ہوئے کہ جنہوں نے دنیا میں اگرچہ بڑی ہی محنتیں اُٹھائیں تکالیف و مصائب برداشت کئے لیکن اس وجہ سے کہ حق پر نہ تھے وہ سب برباد ہوئیں اور اب قیامت اور عذاب آخرت کے آثار دیکھتے ہی چہروں پہ بدحواسی برسنے لگے گی اور ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ بڑی ہی محنت کرکے یہ چہرے تھکے ہارے ناکام و ذلیل ہیں[۱]۔ خسر الدنیا والآخرۃ کا پورا پورا منظر نظر آ رہا ہوگا۔ جو داخل ہو رہے ہوں گے ایک دہکتی ہوئی آگ میں۔ چہروں کے بل جہنّم میں جھونکا جا رہا ہوگا جیسے کہ فرمایا گیا۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۔ اور ارشاد ہے فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ جن کو پلایا جاتا ہوگا ایک کھولتے ہوئے[۲] چشمے کے پانی سے جو بجائے پیاس بُجھانے کے سوزش اور اضطراب ہی میں اضافہ کرے گا۔ جن کے واسطے کوئی کھانا نہ ہوگا بجز ایک خاردار جھاڑ کے۔ جو ظاہر ہے کہ نہ تو کھانے والے کو کوئی فربہی اور توانائی پہنچا سکے گا اور نہ ہی وہ بھوک رفع کر سکے گا۔ اس لئے کہ خاردار جھاڑ میں کیا غذائیت ہو سکتی ہے کہ جس سے انسانی بدن کو کوئی تقویت پہنچے یا بھوک کی بے چینی اس سے دور ہو جائے۔ یہ تو حال ہوگا اس روز مجرمین و نافرمانوں کا لیکن ان کے بالمقابل بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور شاداب جو اپنی محنت پر خوش ہوتے ہوں گے جو انہوں نے اعمال صالحہ اور احکام شریعت کی اطاعت و پابندی میں کی تھی تو وہ اپنی اس جد و جہد کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے۔ بہشت بریں اور جنّت الفردوس کے بلند و بالا محلات میں ہوں گے جہاں سکون و اطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ بہشت بریں کے ان محلات میں کوئی بیہودہ بات بھی نہ سنتے ہوں گے اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے جن سے صاف و شفاف

---

[۱] حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں، یہ وہ بدنصیب کافر ہیں جو دنیا میں بڑی بڑی ریاضتیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا ہوا تھا لیکن اللہ کے ہاں کچھ قبول نہ ہوا، حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ابو عمران الجونیؒ نے بتایا کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اس کو آواز دی "یا راہب" اس راہب نے اوپر سے جھانکا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا۔ اور دیکھ کر رونے لگے عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپؓ اس کو دیکھ کر کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا مجھے اس وقت اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آگئی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً" تو اس وجہ سے گریہ طاری ہو گیا یعنی اس کی بدنصیبی اور محرومی کے تصوّر سے کہ اب دنیا میں یہ کیا کیا مشقتیں اٹھا رہا ہے اور آخر میں یہ انجام ہوگا۔ ۱۲ ابن کثیر ج ۴۔

[۲] دنیا میں بھی ایسے سمندر اور چشمے موجود ہیں۔ جنکو دیکھ کر بخوبی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ۱۲

تازہ پانی ہر وقت بہتا ہوگا۔ اس بہشت میں تخت ہوں گے نہایت اونچے جن کی عظمت و بلندی تصور بھی نہیں کی جاسکتی اور بڑی ہی حسن و خوبی سے آبخورے جمائے ہوں گے جن کی ترتیب اور ہیئت وضعیہ عجیب و غریب ہو گی، نظریں اُن کو دیکھ کر حیران و مبہوت ہو رہی ہوں گی۔ اور برابر لگائے گئے ہوں گے نرم و لطیف ریشمی گدّے جن کی لطافت و نرمی اور زینت انسانی احاطۂ خیال سے بالا تر ہے اور بکھیرے ہوئے ہوں گے ہر طرف قالین۔ یہ ہوں گی وہ نعمتیں اور عزتیں جو اس دن اہلِ ایمان اور اللہ کے فرمانبردار بندوں کو ملیں گی۔ اور ان انعامات پر ان کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنی دنیا دی زندگی کی کوششوں اور اکے انعامات پر خوش و خرّم ہوں گے۔

غرض یہ کہ یہ ہے وہ روز قیامت جس میں مجرمین و نافرمانوں کی بدحالی اور مصائب کا یہ حال ہوگا کہ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ اور اہلِ ایمان و انعام کے چہرے فرحت و خوشی سے چمک رہے ہوں گے۔ عالم دنیا اور کل موجودات خداوند عالم کی قدرت و خالقیت کا واضح ثبوت ہیں۔ اور ہر ایک شئے اپنی ذات اور نوعیت سے ثابت کر رہی ہے کہ روزِ قیامت برحق ہے وہ آ کر رہے گا۔ ایسے واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے کس کو مجال ہے کہ قیامت اور اللہ کی عظیم قدرت کا انکار کر سکے۔ آسمان و زمین دلائل قدرت سے بھرے پڑے ہیں تو پھر کیوں نہیں نظر کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے گئے۔ جو اپنی ہیئت اور خاصیت کے لحاظ سے عجیب ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت حیرت انگیز ہے۔ پھر جس طرح وہ جنگلوں بیابانوں اور پہاڑوں میں سفر کرتا ہے۔ وہ بھی انسانی عقول اور ان کے پرواز فکر سے بالا ہے۔ محنت و مشقت برداشت کرنا، کانٹوں پر گذرنا، راتوں دنوں مسلسل اپنے مالک کی خدمت میں منہمک رہنا۔ انسان کو جہاں ایک طرف خداوندِ عالم کے دلائل قدرت و خالقیت مہیا کر رہا ہے تو دوسری طرف اس کو یہ عبرت کا سبق سکھارہا ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کی خدمت و اطاعت میں کس طرح لگا ہوا ہے لیکن اس انسان پر افسوس ہے جو ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے باوجود اپنے رب پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتا، اور نہ وہ اپنے رب کے انعامات کا کوئی شکر ادا کرتا ہے۔ اور کیوں نہیں نظر کرتے یہ لوگ آسمان کی طرف کہ کیسا بلند بنایا گیا ہے اور کس طرح آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن کیا چاند اور سورج کو پیدا کیا اور کیوں نہیں دیکھتے پہاڑوں کو کس طرح کھڑے کر دیئے گئے۔ یہ عظیم پہاڑ اور ان کی فلک بوس چوٹیاں کس طرح زمین پر قائم ہیں۔ جو زمین ایک ناخن سے کھرچی جا سکتی ہے۔ اس پر یہ ہزارہا میلوں میں پھیلے ہوئے بلند پہاڑ کیونکر قائم ہیں۔ پھر ان میں کیسی کیسی قیمتی چیزیں اور معدنیات اللہ نے پیدا کیں اور ان میں کس طرح چشمے جاری کیئے۔ اور کیوں نہیں دیکھتے زمین کو کہ کیسی صاف سطح کی شکل میں بچھا دی گئی باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے۔ جس پر چلنا پھرنا اور زندگی کے تمام مشاغل کا پھیلا دینا بالکل آسان کر دیا گیا۔ تو یہ سب دلائل قدرت ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے، ایسے دلائل و شواہد کے بعد بھی اگر کوئی رب العالمین کی قدرت اور اس کی خالقیت پر ایمان نہ لائے تو اس کی بدنصیبی ہے۔ اس لیئے اے ہمارے پیغمبر آپؐ ان کی فکر میں زیادہ پریشان و مضطرب نہ رہیں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہدایت قبول کرنا نہ کرنا یہ مخاطب کا کام ہے۔ اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بس آپ تو

ان کو نصیحت ہی کرتے رہیئے۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلّط نہیں کیئے گئے ہیں کہ زبردستی ان کو منوا کر ہی چھوڑیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ ان کے دل بدل ڈالے یہ کام تو بس اسی ذات مقلب القلوب کا ہے جس کے دستِ قدرت میں تمام انسانوں کے قلوب ہیں اس لیئے آپؐ زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

مگر ہاں یہ بات ضروری ہے اور کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا کہ جو شخص بھی روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ اس کو بہت ہی بڑا عذاب دے گا جس سے کوئی کافر اور منکر اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا۔ کیونکہ ہماری ہی طرف ان سب کا لوٹ کر آنا ہے اور ہمارے ہی ذمہ ہے ان کا حساب لینا۔ بس یہ ہمارا ہی کام ہے لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب اور اعمال کی سزا سے چھٹکارا کسی بھی حالت میں نہیں حاصل کر سکتا۔

دلائل قدرت میں غور و فکر

تقاضائے فطرت اور باعث سعادت ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات یعنی اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ " کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ان دلائل کا ذکر اور ان کی ترتیب اس واقعہ سے مزید واضح ہو رہی ہے جو احادیث میں ضمام بن ثعلبہ کا بیان فرمایا گیا۔ کہ ایک مسافر اپنے اونٹ پر سفر کر رہا ہے۔ آسمان اس کے سر پر ہے بلند پہاڑ نظروں کے سامنے ہیں۔ زمین اس کے نیچے ہے جس پر وہ خلاق علیمؐ صنعت و حکمت کے بے شمار احوال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ان پر غور و فکر کے عالم میں جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو فطری انداز استدلال کے رنگ میں بات کرتا ہے چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری) سوالات کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب و خوف زدہ ہو کر نفس سوال کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھ دار آ کر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سُن کر حضورؐ کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں) تو ایک دن ایک شخص آیا تو اس نے آپؐ کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اس نے سچ کہا اس پر وہ بدوی کہنے لگا تو اچھا یہ بتائیے کہ آسمان کس نے بنایا ہے آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا یہ زمین کس نے پیدا کی آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کیئے اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں آپ نے جواب دیا، اللہ نے۔ یہ سُن کر وہ بولا تو اس

ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا اور جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر پہاڑ قائم کیے اور اس میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا؛ اسی خدا نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ نے جواب دیا بے شک اُسی نے مجھ کو رسول بنایا اس کے بعد اُس نے ارکان اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔ آپ نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کوئی کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ان صدق لیدخلنّ الجنۃ یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا، تو اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھ دار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الغاشیۃ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورَۃُ الفَجر

سُورۃ الفجر مکیّ سُورت ہے جس کی تیس آیات ہیں۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سُورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ بعض امم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذاب خداوندی نے انکو تباہ کر دیا۔ جیسے قوم عاد وثمود اور فرعون۔

۲۔ اللہ کا قانون حیات دنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا۔ اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر وشر کی جانب تقسیم اسی طرح انسانی مزاج اور طبائع کا بھی خیر وشر کی طرف انقسام۔

۳۔ آخرت اور آخرت کے احوال اور روز محشر واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالمقابل سعید انسان کی کامیابی وعزّت۔ تو ان تین بنیادی مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

آیاتها ۳۰ ۸۹ سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعها ۱

سورۂ فجر مکی ہے۔ اس میں تیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ

قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی - اور جفت اور طاق کی - اور اس رات

اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ

کی جب رات کو چلے - ہے ان چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے - تو نے نہ دیکھا کیسا کیا

فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ

تیرے رب نے عاد سے؟ وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے؟ جو بنی نہیں ویسی

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾

سارے شہروں میں - اور ثمود سے جنہوں نے تراشے پتھر وادی میں۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾

اور فرعون سے، وہ میخوں والا - یہ سب جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ

پھر بہت ڈالی ان میں خرابی - پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا

عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا

عذاب کا - تیرا رب لگا ہے گھات میں - سو آدمی جو ہے۔ جب

مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

جانچے اس کو رب اس کا، پھر اس کو عزت دے، اور اس کو نعمت دے، تو کہے میرے رب نے مجھے عزت دی۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ

اور وہ جس وقت اس کو جانچے، پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی، تو کہے، میرے رب نے

اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ

مجھے ذلیل کیا۔ کوئی نہیں! پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کو۔ اور ناکید نہیں رکھتے

عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾

آپس میں محتاج کے کھانے کی۔ اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا

اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔ کوئی نہیں! جب پست کریں زمین کو کوٹ

دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ

کوٹ کر۔ اور آوے تیرا رب، اور فرشتے آویں قطار قطار۔ اور لائیے

يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

اس دن دوزخ کو۔ اس دن سوچے آدمی، اور کہاں ملے اُسکو

الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ

سوچنا؟ کہے کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے جیتے۔ پھر اس دن

لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

مار نہ دے اس کی سی کوئی۔ اور باندھ نہ رکھے اس کا سا کوئی۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

اے جی! چین پکڑنے والے! پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی

مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

وہ تجھ سے راضی۔ پھر مل میرے بندوں میں۔ اور بیٹھ (داخل ہوجا) میری بہشت میں۔

تاریخِ اقوام مکذبین و تقسیم فطرت انسانی

بصورتِ شقاوت و سعادت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ...... الی ...... وَادْخُلِي جَنَّتِي

(ربط) گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ کہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہوسکتا۔ مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہا ہوگا۔ اور مجرمین پر خداوند عالم کا ایسا عذاب مسلّط ہوگا کہ اس کا تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تو اب اس سُورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے، جنکو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمان قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقت ور قوم جب اس طرح ہلاک کردی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کرکے اس کے عذاب سے بچ سکے۔ ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کے وقت کی جس کے طلوع اور صبح صادق کی روشنی کے عالم میں پھیل جانے کے منظر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بس اسی طرح اب کفر وضلالت کی ظلمتوں اور شرک وبدعات کی تاریکیوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور رسالت دُور کرنے کے لیئے صبح صادق بن کر طلوع ہوچکا ہے۔ اور قسم ہے دس راتوں کی ماہ ذوالحجہ کی جو اپنی فضیلتوں اور برکتوں میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو کہ یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور یوم عرفہ جو نویں تاریخ اور طاق ہے یا وہ نمازیں جو شفع اور جفت ہیں مثلاً صبح، ظہر، عصر اور عشاء اور جو طاق ہے مثلاً مغرب اور صلوٰۃ الوتر۔ یا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق اور جفت راتیں اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھلے[ع] اور گذرتے ہوئے تاریکی کی آخری منزل پر پہنچ جائے حتیٰ کہ صبح کا نُور اس پر چھا جائے۔ کیا نہیں ہے ان چیزوں میں قسم پوری پوری عظمت والی عقل والوں کے لیئے؟ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحبِ عقل جانتا ہے اور کلام الٰہی میں ان کی قسم کھائی گئی تو یقیناً وہ اس قسم کی عظمت کو سمجھے گا، جیساکہ ارشاد ہے۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اور بلاشبہ غور کرے گا کہ جن احوال اور زمانوں کو بطور قسم ذکر کیا جارہا ہے جواب قسم اور مدّعی کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ اور یہ قسم بہت بڑی قسم ہے بے شک

ع۔ ان الفاظ میں اشارہ ہے اس امر کی طرف یہ مضمون اور اِذَا يَسْرِ کا مفہوم آیت مبارکہ" وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ" ہی والا مضمون ہے۔

وہ پروردگار بڑی قدرت وعظمت والا ہے وہی یکتا خالق و قادر ہے اس لیئے ہر انسان کو چاہیئے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیئے تیار ہو جائے اس کے پیغمبر کی بات پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ محض دعوٰی ہی نہیں بلکہ تاریخی حقائق اور وہ عبرتناک واقعات ہیں جن سے اہل عرب بھی بخوبی واقف ہیں تو اے مخاطب کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ کیسا کیا تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ جو اِرَم[ع۱] میں تھے بڑے بڑے ستونوں والے۔ ان کی عالیشان عمارتیں اور بلند ستونوں پر قائم محلات اور سیر و سیاحت میں اونچے اونچے خیمے ان کی عظمت اور طاقت و شوکت کے واضح نشانات تھے۔ کہ ان جیسی کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے تمام شہروں میں خود ان کے ڈیل ڈول، طویل قد و قامت اور مضبوط بدن اور مال و دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کا یہ مقام کہ اونچے محلوں اور قلعوں میں زندگی گذار رہے ہوں تاریخی لحاظ سے اسی قوم کو یہ تمام عظمتیں اور نعمتیں حاصل تھیں اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے پتھروں اور چٹانوں کو تراشا وادی میں اور وادی القریٰ میں پہاڑوں کو تراش کر محفوظ و مضبوط مکانات بنائے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا کہ اس کی سرکشی و ظلم کی حد نہ تھی اور لوگوں کو دیوار کے ساتھ ہاتھ پاؤں[ع۲] میں میخیں ٹھوک کر نصب کرتا تھا۔ جنہوں نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی شہروں میں اور جگہ جگہ ظلم و ستم ڈھاتے پھرتے۔ بس ان کی شان و شوکت اور فوجی طاقت اسی بات کے لیئے تھی۔ تو انہوں نے خوب دل کھول کر فساد برپا کیا ان شہروں میں۔ معصوموں اور بے گناہوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خدا کی نافرمانی کے علاوہ یہ ظلم و ستم اور سرکشی کا انجام ظاہر ہے کہ ہلاکت اور بربادی کی صورت میں رونما ہونا تھا۔ چنانچہ خوب برسایا ان پر اے مخاطب تیرے رب نے عذاب کا کوڑا اور وہ ایسا عذاب تھا کہ ان قوموں کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ بے شک تیرا رب تو لگا ہوا ہے گھات میں ایسے مجرموں کی، پھر کون مجرم ہے جو اس کی گرفت سے نکل سکے۔ چنانچہ یہ قومیں جن کو ان کے مال و دولت عیش و عشرت اور طاقت و سلطنت نے مغرور و مست بنا دیا تھا۔ اور طغیانی و سرکشی میں انہوں نے وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ حد نہ چھوڑی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں اور تصور تک نہ رہا کہ ان سے انتقام لینے والا بھی کوئی حاکم موجود ہے تو اس رب العالمین نے جو کائنات کا مالک ہے اس کی طاقت کے سامنے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ان کو اپنی گرفت میں ایسا پکڑا کہ پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ مل سکی، آناً فاناً ان

ع۱: بعض مورخین کہتے ہیں کہ ارم قوم عاد کے جداعلیٰ کا نام تھا، ان ہی کو عاد اولیٰ بھی کہا گیا۔ ۱۲

ع۲: بعض مفسرین ذوالاوتاد اور میخوں والے کی تفسیر میں اس کا لاؤ لشکر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلتا اور اس کا لشکر ساتھ ہوتا تو جنگلوں اور میدانوں میں ٹھیرنے کے لیئے خیمے گاڑے جاتے اور ان خیموں کو نصب کرنے کے لیئے میخیں ساتھ ہوتیں تو اس لحاظ سے فرعون کو ذوالاوتاد یعنی میخوں والا کہا گیا۔ ۱۲

طاقتور اور مغرور قوموں کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ وہ قادرِ مطلق مجرموں سے غافل اور لاعلم نہیں ہوتا بلکہ وہ گھات اور تاک میں رہتا ہے کہ کب اور کس وقت ان کو عذاب سے تباہ کرے۔ یہ اس کی حکمت سے موقع کا انتظار اور مہلت ہوتی ہے۔ نہ کہ غفلت اس لیئے کسی مجرم کو خدا کے مقابلہ میں سرکشی اور بغاوت کا خیال بھی نہ لانا چاہیئے۔

یہ تاریخی واقعات اور قدرت خداوندی کے شواہد ایسے ہیں کہ ہر ایک کو اس ربّ کائنات کی قدرت و عظمت پر ایمان لانا چاہیئے۔ مگر کیا کہا جائے انسان اپنی طبعی افتاد سے عجیب واقع ہوا ہے منعم کی نعمتوں کا شکر اور اطاعت تو در کنار عموماً یہی ہوتا ہے کہ بس جب بھی کسی انسان کو اس کے رب نے آزمایا پھر اس کو عزّت دی اور نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزّت دی کیونکہ میں اسی لائق تھا اور اس کی طرف سے مجھے عزّت اور نعمتوں سے نوازنا میری خوبیوں کی وجہ سے تھا اور جب اس انسان کو ایک اور انداز سے آزمایا پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا تو کہنے لگا میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ اور میری بے قدری کی اور میں اپنی خوبیوں اور اوصاف سے جن چیزوں کا مستحق تھا وہ مجھے نہیں دی گئیں تو یہ انسان بھی اپنی طبعی خصلت اور مزاج کے لحاظ سے عجیب واقع ہوا کہ خدا کے انعامات کو انعاماتِ خداوندی نہیں سمجھتا ہے اور جب شامتِ اعمال سے مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بجائے عبرت اور توجہ کرنے کے شکوہ و ناراضگی کا رخ اختیار کرتا ہے اور بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ میرے رب نے تو مجھے ذلیل کر دیا۔ اور پھر یہ نہیں سمجھتا کہ راحت و عزّت اور نعمت و مصیبت۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی عملی زندگی کا نتیجہ ہو۔ اس لیئے اے مخاطبو! تم اس حقیقت سے ہرگز غافل نہ بنو کہ دنیوی مصائب بسا اوقات انسان کے بُرے اعمال کی شامت ہوتے ہیں چنانچہ تمہاری عملی خرابیوں پر ہم متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں خبردار یہ نہیں کہ عزّت و راحت سے نکل کر مصیبت و ذلّت میں مبتلا ہونا خداوندِ عالم کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہے بلکہ تم خود ایسے ہو کہ یتیم کو عزّت سے نہیں رکھتے ہو۔ اور نہ تم ایک دوسرے کو مسکین و محتاج کو کھلانے کی تاکید و ترغیب کرتے ہو یہ تو کیا ہوتا کہ محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ان کو کھلاتے اور اس کے برعکس تم تو مردے کا مال سارا ہی سمیٹ کر کھا جاتے ہو، حلال و حرام حق و ناحق کی تمیز نہیں کرتے مرنے والوں کے وارثوں اور یتیم بچوں کا کوئی خیال نہیں کرتے بس جو ہاتھ لگا اس کو کھا گئے۔ اور حرص و لالچ کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں تک کہ تم مال کی محبّت کرتے ہو جی بھر کر محبّت کرنا گویا اس کی محبت تمہارے دل کے رگ و ریشہ میں رچ گئی ہے۔ اس کی پرستش کو اپنا شیوہ بنالیا۔ مال کی اس قدر محبت کہ اس کو کعبۂ مقصود[ع] ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ خبردار ایسے دھوکہ اور غلطی میں کسی انسان کو ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہیئے۔ اس کو سوچنا چاہیئے جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور اے مخاطب آجائے گا تیرا پروردگار اپنی قہری تجلّی کے ساتھ جس طرح بھی اس کی شان کبریائی کے لائق ہو اور فرشتے بھی آجائیں گے قطار در قطار صف بستہ

ع: یہ الفاظ میرے محترم شیخ رحمہُ اللہ کے ہیں جو انہوں نے اپنے فوائد میں تحریر فرمائے۔ ۱۲

حکم خداوندی کے منتظر ہوں گے۔ میدان حشر ہوگا۔ تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ فرمان الٰہی کیا صادر ہوتا ہے۔ اور لائی جائے گی جہنم[1] اس دن محشر والوں کے سامنے۔ لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لے آئیں گے تو اس دن یہ انسان سوچے گا کہ یہ کیا ہوا اور میں نے کس قدر سخت غلطی اور بھول کی کہ ساری زندگی غفلت اور نافرمانی میں گذار دی۔ مگر کہاں کام آئے گا اس کے واسطے اس وقت سوچنا۔ سوچنے اور سمجھنے کا جو موقع تھا وہ تو اس نے ضائع کر دیا۔ وہ دار العمل، دنیا کی زندگی تھی اب یہ تو دار الجزاء ہے۔ اس لئے جو موقع ہاتھ سے نکل چکا وہ کیونکر اس کو حاصل ہوگا۔ اس وجہ سے بڑی ہی حسرت سے کہتا ہوگا اے کاش میں پہلے سے کچھ بھیج دیتا اپنی زندگی کے لیئے جو مجھے کچھ کام آجاتا۔ اصل زندگی تو یہی ہے دنیا کی زندگی تو اس حیات جاودانی کے لیئے سامان مہیا کرنے کے لیئے تھی جو میں نے ضائع کر ڈالی۔ تو بس یہ دن ہوگا ایسے شدید اور ہولناک عذاب کا کوئی عذاب دینے والا ایسا عذاب نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی پکڑ سکتا ہے اس جیسی پکڑ کرنا۔

غرض یہ عذاب و ذلت اور گرفت ہر نافرمان انسان کے لیئے ہے جو غفلت میں اپنی زندگی گذار دے اور نفس امارہ اس کو سرکشی اور ظلم و عدوان کے راستہ پر چلاتا رہے لیکن انسانی نفس میں جس نفس کو رضاء خداوندی اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کر لیا گیا اور وہ اسی پر مطمئن ہوگیا۔ استقامت و پختگی سے اتباع حق کو اپنا شیوۂ زندگی بنالیا تو اس کے لیئے بارگاہِ خداوندی سے ایسا اعزاز واکرام ہوگا کہ کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ[2] جو

---

[1] : یہ تفسیر اس حدیث کے پیش نظر کی گئی جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز جہنم کو کھینچ کر لایا جائے گا۔ اس طرح کہ ستر ہزار زنجیروں میں جکڑی ہوگی اور ہر زنجیر پر ستر ہزار فرشتے اس کو گھسیٹ کر لاتے ہوں گے۔ قیامت اور احوالِ آخرت کا انسانی افکار و عقول ادراک نہیں کر سکتیں جبکہ ہماری نظروں میں نظر آنے والا کوئی ستارہ زمین کے کرہ سے کروڑ ہا کروڑ بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ ملکوت سماوات کی وسعت کیا ہوگی۔ اور عالم جہنم کتنا وسیع عالم ہوگا۔ اور اس کا کھینچ کر لانا یا اس کا چلنا اور حرکت کرنا کیا باعث تعجب ہو سکتا ہے، چاند سورج اور مریخ یہ متحرک سیارے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں تو خداوند عالم کی قدرت اس طرح اگر جہنم کو ایک مقام سے گھسیٹ کر کسی دوسرے مقام (محشر) تک لے آئے تو کیا تعجب ہے۔ آمنا باللہ العزیز وعلیٰ قدرتہ وما اخبر بہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] : "نفس مطمئنہ" نفس کی ریاضت و تربیت کے بعد نفس کی اس حالت کا نام ہے جب کہ نہ وہ امارہ بالسوء رہے۔ جو اس کا مزاج اور طبعی خاصہ ہے کہ برائیوں پر آمادہ کرنا۔ اور نہ وہ لوامہ رہے جبکہ وہ دوران تربیت اگرچہ مطمئنہ کی شان تو حاصل نہیں کرتا لیکن اس قدر صلاحیت حاصل کر لیتا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے بعد ملامت کرنے لگتا ہے۔ تو یہ درجہ آخری اور اعلیٰ ترین درجہ ہے جس کے بعد نفس رضائے الٰہی کا تابع اور طالب بن جاتا ہے۔ اب یہ نفس اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو حدیث انس بن مالکؓ میں ہے۔ لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ اور ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان۔ ۱۲۔

اللہ کی بندگی پر راضی و مطمئن ہوا اور اسی کی رضا و خوشنودی کو اپنے لیئے سکون و چین بنا لیا۔ لوٹ جا تو اپنے رب کی طرف اس طرح کہ تو بھی خوش ہونے والا ہو اپنے رب کے انعامات پر اور تجھے پسند کیا جا رہا ہو۔ تیرے رب کی بارگاہ میں تیرے ایمان و عمل صالح کو قبول کرتے ہوئے۔ صرف اسی حد تک اعزاز و اکرام نہ ہوگا کہ یہ بشارت اپنے مرنے کے وقت سُن لے۔ جب کہ فرشتے اس کی روح قبض کر کے اُسے اس کے پروردگار کے پاس لیجا رہے ہوں جہاں سے وہ آیا تھا اور اب اپنی اصلی جگہ لوٹ کر جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو خطاب لفظ ارجعیؒ یعنی لوٹ جا تو" سے کیا جاتا ہوگا اور اللہ کا جو مقرب بندہ اس مقام پر پہنچا ہوگا وہ بلا شبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق ہوگا مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ ۔ بلکہ مزید برآں یہ بھی کہا جائے گا۔ پھر داخل ہو جا میرے مخصوص و مقرب بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنّت میں۔ جو فردوس اعلیٰ ہے۔ اور اللہ رب العزّت نے اپنے ان بندوں کے واسطے اس کو مہیّا کر رکھا ہے۔ جن پر اس کا خصوصی انعام ہوگا۔ اور اس طرح یہ نفس مطمئنہ رکھنے والا مؤمن بندہ مطیع و مُنیب الی اللہ ہونے کی وجہ سے اسی گروہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ جن کے بارہ میں ارشاد فرما دیا گیا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

قدیم اقوام میں ارم ذات العماد کی تاریخی عظمت اور قہر خداوندی سے ہلاکت

اس آیت مبارکہ "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ" میں حق تعالیٰ نے قوم عاد کے اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس عظیم اور طاقتور قوم کی ہلاکت و بربادی کا اہل عرب میں مشہور و معروف تھا۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ لفظ عاد سے بدل اور اس کا بیان ہے جو بطور تفسیر و توضیح لفظ عاد کے بعد ذکر فرمایا گیا۔ یہ قوم عادِ ارم کے عنوان سے معروف تھی۔ اور ان کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ وَ اَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ِۨ الْاُوْلٰى آیت میں گذر چکا۔ ارم ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اور عرب میں قوموں اور قبیلوں کا انتساب جدّ اعلیٰ کی طرف مروج تھا یہ لوگ نہایت بلند قد و قامت والے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی بھی حد نہ تھی۔ بلند ترین مکانات، قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ذات العماد یعنی "ستونوں والے" کے لقب سے تاریخ میں تعبیر کیا گیا۔ یہ قوم اپنے بزرگوں کے مقابر بھی نہایت بلند اور عالیشان بنایا کرتے تھے ان کی عمارات اور شان شوکت کے آثار خود اپنی مثال تھے دیگر علاقوں اور شہروں میں اس کی مثال مشکل تھی تو اسی بناء پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے "لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ" بھی فرمایا۔ تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد دو فرقوں پر مشتمل قوم گذری ہے۔ ایک عاد اولیٰ جس کو عاد قدیم بھی کہا جاتا تھا۔ ان ہی کو اس مقام پر عاد ارم سے تعبیر کیا گیا۔ ان کے جدّ امجد

اِرم کے نام سے یہاں ایک خوبصورت شہر بھی تھا۔ جو عرب علاقوں میں بے مثال شہر ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ملک یمن کے علاقہ حضرموت میں احقاف کی سرزمین میں رہا کرتے تھے۔ خداوندِ عالم کی دی ہوئی نعمتوں سے اس قدر مست ہوئے کہ حد نہ رہی، عیش و عشرت نفس پرستی اور بدکاری اپنا شیوہ بنا لیا۔ ان ہی کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے، جیسا کہ ارشاد ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا لیکن جب نافرمانی اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو ہوا کا طوفان ان پر مسلّط ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یمن میں آباد ہوئی۔ ان کا عروج اس حد تک پہنچا کہ عرب، مصر اور بعض دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہوگئی۔ بدکاری اور عیاشی میں اس قدر بڑھ گئے کہ جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہرچند نصیحت کی لیکن راہ راست پر نہ آسکے حتیٰ کہ ہود علیہ السلام کا زمانہ آیا اور ان کی نافرمانی میں جب حد سے زیادہ غلو ہوا تو ہوا کے طوفان نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اور عذاب الٰہی کا کوڑا جب ان پر برسنا شروع ہوا تو سلطنتیں بھی ختم ہوگئیں۔ تمام عیش و عشرت کے سامان بھی ہاتھ سے نکل گئے اور مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر گھرے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ایسے افلاس و مصائب کا شکار بنی ہو۔ عاد قدیم اور عاد اولیٰ سے پیچھے کچھ لوگوں کو عاد اخیرہ سے بھی تعبیر کیا گیا۔

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ”مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شدّاد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے۔ شدید مر گیا تو شدّاد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے ترقی کی بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہوگئے۔ اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنّت کا ذکر سُنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی بہشت تیار کرتا ہوں تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر آباد ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے۔ اقسام و انواع کے اس میں باغ لگائے، نہریں جاری کیں۔ یہ شہر جب بن کر تیار ہوگیا تو تمام ارکانِ سلطنت کو جمع کرکے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے۔) شدّاد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبت ناک کڑک آئی۔ اور اس نے سب کو ہلاک کر ڈالا۔ تاریخی نقول سے ظاہر ہوتا ہے (قوم عاد جس جسمانی لحاظ سے تنومند ڈیل ڈول میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بنا پر تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ) شدّاد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تواریخ میں مذکور ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنا گمشدہ اونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے جہاں شہر ارم تھا۔ وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو اٹھا لائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو بلا کر وہاں کے احوال دریافت کیے اور سن کر یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ وہی کھنڈرات ہوں جہاں ارم شہر آباد تھا۔

(کذا فی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی۔ ج ۸)

عذابِ خُداوندی کی عظمت و شدّت

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ کی تفسیر بالعموم مفسرین کے یہاں یہی کی جاتی ہے کہ ان الفاظ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے روزِ قیامت مجرمین پر جو عذاب ہوگا۔ اس کی شدّت بیان کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جو عذاب اللہ ربّ العزّت مجرمین کو دے گا دنیا اور دنیا کی طاقت اس طرح کا شدید عذاب دے ہی نہیں سکتی یہ مفہوم تو واضح اور ظاہر ہے جس طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے برابر دنیا کی کوئی راحت و نعمت نہیں ہوسکتی تو بالکل اسی طرح آخرت کی کلفت اور عذاب کی ہم پلہ کوئی اور کُلفت و عذاب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خدا کی قید اور گرفت بھی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان کلمات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی نہ آگ نہ دوزخ کے مؤکل نہ سانپ بچھو جو دوزخ میں ہوں گے کیوں کہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالےٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی رُوح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کر دے گا۔ جو عذابِ روحانی ہے اور ظاہر ہے کہ عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت۔ نیز نہ باندھے گا اس جیسا باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہرچند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈال دیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے بند کرکے اُوپر سے سرپوش رکھ دیں گے (جیسے کسی غار کو چٹان سے ڈھانک دیا جائے اور بند کر دیا جائے) لیکن اس کی عقل اور خیال کو تو بند نہ کر سکیں گے اور عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور ان میں سے بعض باتیں بعض دوسری باتوں کے واسطے حجاب ہوجاتی ہیں اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہوجاتی ہے۔ برخلاف اس (مجرم) شخص کے کہ اللہ تعالےٰ اس کے خیال اور عقل کو اِدھر اُدھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ اور درد ہی کی طرف متوجہ رکھے تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجہ سخت ہے (اور ظاہر ہے کہ ایسی قید کسی کی طاقت میں نہیں۔ اس قید و گرفت میں بس اللہ ہی پکڑ کر سکتا ہے) اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں اور جنگلوں کی سیر کے وقت بھی (باوجود باغوں کی شادابی اور جنگلوں کی وسعت کے) تنگی اور گھبراہٹ، وہم و خیال کے سبب پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ وہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

(از فوائد شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ)

فائدہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپؐ کی مجلس میں آیۃ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ تلاوت کی۔ اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپؐ نے فرمایا۔ اے ابُوبکرؓ! بوقتِ وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا اور يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابنِ کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیاری کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا کوئی پرندہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کو کسی نے نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے، کوئی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔ اسی طرح ایک اور عجیب واقعہ بروایت حافظ ابن المنذرؒ بیان کیا، فتان بن رزین ابو ہاشم نے خود اپنا قصہ بتایا کہ ہم بلادِ روم میں ایک مرتبہ گرفتار کر لیئے گئے تھے تو وہاں کے نصرانی بادشاہ نے ہمیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے تو ہم میں سے تین آدمیوں نے تو بحالت اضطرار اپنی زبان سے یہ کہہ دیا لیکن چوتھا شخص عزیمت پر قائم رہا اور اس نے کلمۂ ارتداد اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ جس پر اس کی گردن اُڑا دی گئی اور کسی نہر میں اس کا سر ڈال دیا گیا۔ عام طور پر مشاہدہ کیا گیا کہ وہ سر پانی پر نمودار ہو کر ان تینوں کو نام بنام پکار کر یہ آیت پڑھتا رہا پھر پانی میں ڈوب گیا۔ اس واقعہ سے بادشاہ کانپ اٹھا اور بہت سے نصاریٰ مسلمان ہو گئے۔

اَللّٰهُمَّ[عہ] اجعلنی منهم اَللّٰهم اجعلنی منهم اَللّٰهم اجعلنی منهم بفضلك وکرمك آمین یا رب العٰلمین۔

اے پرور دگار عالم اس آیت مبارکہ کی برکت سے اس گنہگار کو بھی اپنے ان عباد مخلصین میں محض اپنے لطف و کرم سے شامل فرما لے جن کے واسطے تیرے فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر آتے ہیں۔ اے ربّ العالمین آپ غفور رحیم اور عفو کریم ہیں۔ عَامِلْنِیْ بِمَاۤ اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنِیْ بِمَاۤ اَنَا اَهْلُهٗ اَنْتَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ یا ربّ یا ربّ یا ربّ۔

اِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَا وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَا

فارحمنی یا مولای یا ارحم الراحمین وارحم لمن استغفر لی یا اکرم الاکرمین۔

آمین یا ذا الجلال والاکرام۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفجر۔

عہ۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر ابوامامہؓ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا یہ دعا مانگ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اَسْاَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ ۔ آمین برحمتك یا ارحم الرّاحمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البلد

سورۃ البلد بھی مکی سورت ہے، جس کی بیس آیات ہیں۔ اس سورت کا موضوع بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید ایمان قیامت اور جزاء وسزا کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ ابرار و اخیار اور فساق و فجار مختلف گروہ ہیں۔ ہر ایک کے اعمال اور اطوار جدا جدا ہیں۔ ایک گروہ سعادت و نجات کی طرف جا رہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہا ہے۔

سورۃ کی ابتداء سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی۔ اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض و برکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے۔

ہدایت وسعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لیے بہت ہی بڑی نعمت تھی۔ اس دعوت کو تو چاہیے تھا کہ اہل مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوڑتے۔ مگر ان کی بدنصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسول خدا کے ساتھ دشمنی اور مقابلہ شروع کر دیا۔ اسی مناسبت سے دنیا میں انسانوں کی دو گروہوں کی تقسیم فرما دی گئی۔ اور قانون جزاء وسزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

آیاتها ۲۰ ۹۰ = سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ = ۳۵ رکوعها ۱

سورۃ بلد مکی ہے۔ اس کی بیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾

قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾

اور جنتے کی اور جو جنا۔ ہم نے آدمی بنایا محنت میں۔

أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۞ يَقُولُ أَهْلَكْتُ

کیا خیال رکھتا ہے کہ اس پر بس نہ چلے گا کسی کا ؟ کہتا ہے میں نے کھپایا

مَالًا لُّبَدًا ۞ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۞ أَلَمْ نَجْعَلْ

مال ڈھیروں - کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو کسی نے - بھلا ہم نے نہیں دیں

لَّهُ عَيْنَيْنِ ۞ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۞ وَهَدَيْنَٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞

اس کو دو آنکھیں - اور زبان اور دو ہونٹ - اور سوجھا دیں اس کو دو گھاٹیاں۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞ وَمَا أَدْرَىٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞ فَكُّ

سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر - اور تو کیسا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی - چھڑانا

رَقَبَةٍ ۞ أَوْ إِطْعَٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۞ يَتِيمًا ذَا

گردن کا - یا کھلانا بھوک کے دن میں - بن باپ کے لڑکے کو

مَقْرَبَةٍ ۞ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۞ ثُمَّ كَانَ مِنَ

جو ناتے دار ہے - یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا ہے - پھر ہوا ایمان

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۞

والوں میں ، جو تقید کرتے ہیں سہارنے کا ، اور تقید کرتے ہیں رحم کھانے کا۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۞ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَٰتِنَا

وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے - اور جو منکر ہوئے ہماری آیتوں سے،

هُمْ أَصْحَٰبُ الْمَشْأَمَةِ ۞ عَلَيْهِمْ نَارٌ

وہ ہیں کم بختی والے - انہی کو آگ میں

مُّؤْصَدَةٌ ۞

موندا ہے۔

انقسام عمل در خیر و شر مع بیان عظمت مہبط وحی و سرچشمۂ ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ

(ربط) سُورۃ الفجر میں پانچ اہم اور عظیم اُمور کی قسم کھاکر ہر صاحب عقل اور فہم کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ عقل اور فطرت کی روشنی میں خداوند عالم کی عظمت و قدرت کو پہچانے اس کی خالقیت و ربوبیت پر ایمان لائے۔ یہی چیز انسان کو فلاح وسعادت کے مقام تک پہنچانے والی ہے۔ اور جو قومیں عقل وفطرت کی ان صلاحیتوں کو ضائع کر کے سرکشی اور نافرمانی پر ڈٹی رہیں جیسے قوم عاد وثمود اور فرعون تو تاریخ میں ان کا عبرت ناک انجام بھی دنیا کے سامنے آچکا۔ تو اس سورت میں سرزمین مکہ مکرمہ کی قسم کھاکر اس کی عظمتوں کو اس طرح مخاطب کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے عمل کی تقسیم خیر وشر کی طرف کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ اسی طرح انسانوں کے گروہ بھی ان دو قسموں میں منقسم ہیں ایک گروہ ابرار و نیکو کاروں کا اور دوسرا نافرمان اور فاجروں کا۔ اس ضمن میں انسانی عقول کو حق وہدایت کی رہنمائی اور ترغیب فرمائی گئی اور ہلاکت وشر سے بچنے کی تنبیہ کی گئی۔

ارشاد فرمایا۔ قسم کھاتا ہوں میں اس شہر مکہ معظمہ کی۔ اور آپؐ کے لئے حلت و آزادی ہوگی اس شہر میں جب کہ اس شہر میں کسی کو قتال کی اجازت نہیں مگر فتح مکہ کے وقت یہ آپؐ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ جیسے کہ حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے فتح مکہ اور اس وقت کے مقابلہ اور قتال ہی کا ذکر کرتے ہوئے۔ انها لم تحل لاحدٍ قبلی و لن تحل لاَحَدٍ بعدی وانما اُحلت لی سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ کہ یہ شہر مکہ اور حرم مجھ سے پہلے نہ کسی کے لئے کبھی حلال ہوا اور نہ ہی ہمارے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے واسطے صرف دن کے ایک حصہ میں حلال کیا گیا جس میں قتال بھی کیا گیا اور پھر مجرمین کو اسی جگہ اور حدودِ حرم میں سزا بھی دی گئی۔ حتیٰ کہ کسی مجرم کو دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا تا کہ اس مقدس مقام کی ابدی تطہیر ہو جائے یا یہ کہ آپ اس شہر میں اُترنے والے ہیں۔ اور حِل بمعنی حال نازل ہو۔ یعنی اگر چہ اس وقت یعنی مکی زندگی میں اہل مکہ کی طرف سے اے پیغمبر آپ ہر قسم کی تکلیف ومشقت اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں لیکن آپ اسی شہر میں جس کو چھوڑ کر ہجرت بھی کرنا پڑے گی خدا کی قدرت اور اس کے فضل وکرم سے فاتحانہ انداز میں اُتریں گے جیسے کوئی معزز مہمان کسی جگہ عزت کے ساتھ اُتارا جائے۔ چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی جو مکی زندگی میں اس وقت کیا گیا جب کہ مادی اسباب میں کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ۸ھ ہجری میں فتح مکہ

کی صورت میں رونما ہوا۔ آپ کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپؐ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے۔ اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی یعنی آدمؑ اور اولاد آدم کی۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑی ہی مشقت میں پیدا کیا۔ ابتداء آفرینش سے لے کر عمر بھر کے تمام مرحلے مشقتوں اور طرح طرح کے افکار و آلام اور مصائب میں گزرتے ہیں جن سے ہر ذی عقل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہر انسان عاجز محض ہے اور اس کی زندگی میں پیش آنے والے تغیرات کسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور اس کا فطری تقاضا یہی تھا کہ ہر انسان اپنے خالق کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ لیکن نافرمان۔ دکافر انسان بڑی غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ وہ اس چیز سے غافل ہے کہ قیامت اور جزاء و سزا کا مرحلہ آنے والا ہے[۲]۔ تو کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہ ہو گی۔ پکڑ کی

---

[۱]، سورۃ الفجر کے مضمون سے اس سورت کے مضمون کی مناسبت ایک وجہ سے اس طرح بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ سورۂ فجر میں عاد و ثمود اور قوم فرعون کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر کس طرح خدا کا عذاب نازل ہوا اب اس مناسبت سے سورۃ البلد میں مکہ مکرمہ کی عظمت بیان کر کے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس کو اللہ نے امن کی جگہ بنایا حتیٰ کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور اس سرزمین کے گھانس اور درختوں کے کاٹنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ جانوروں کا شکار بھی حرام کر دیا گیا۔ اس طرح یہ شہران مقامات کے قطعاً برعکس ہوا وہ علاقے محل عذاب تھے، یہ امن و عافیت کی جگہ۔ حتیٰ کہ اس جگہ کے مجرمین بھی عذاب خداوندی سے محفوظ کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا گیا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ ۱۲۔

[۲]: حسن بصریؒ۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کی تفسیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرم مکہ کی حلت کا مفہوم بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے یہ وہی بات ہے جو حدیث بخاری اور مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ هٰذَا البلد حرمہ اللہ یَوْمَ خَلَقَ السمٰوٰت وَ الارض فھو حرام الی یوم القیٰمۃ لا یعضد شجرۃ ولا یختلی خلاہ وانما احلت لی ساعۃ من نہار وقد عادت حرمتہا الیوم کحرمتہا بالامس۔ الا فلیبلغ الشاھد الغائب۔ ان آیات میں مکہ مکرمہ کی قسم کھانے کے بعد وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کی قسم کھائی گئی۔ جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ والد سے مراد آدم علیہ السلام اور ولد سے ان کی ذریت اور اولاد آدم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی قسم کھانا گویا آدم علیہ السلام کی عظمت اور ان کی خلافت فی الارض کی طرف اشارہ ہے اور ذریت کی قسم کھانا گویا تاریخ عالم میں انسانوں کے احوال ان کے ادوار، ان کے اعمال و اخلاق اور ان کے عادات و طبائع کے عظیم تر تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر مخاطب کی نظروں کے سامنے عالم انسانیت کا پورا نقشہ پیش کر دیا اور ظاہر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور اس کے کفر و نافرمانی پر سزا دینے کی۔ یہ انسان کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے۔ جیسا کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنی دولت خرچ کر کے کہتے۔ یا یہ انسان وہ ہے جو اپنے واسطے محفوظ مکانات کی تعمیر میں خادموں، محافظوں کی تنخواہوں، اپنے خاندان کے لوگوں پر انعام و اکرام اور امداد و اعانت میں۔ راحت و آرام اور عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے میں خرچ کر کے کہتا ہے میں نے تو بہت سا مال خرچ کر ڈالا ہے تو اب ان محفوظ قلعوں اور اس قدر محافظین اور جانثار فوج اور خادموں کے ہوتے ہوئے مجھے کون پکڑ سکتا ہے۔ اور کون ہے جو مجھے کسی مصیبت و پریشانی میں ڈال سکے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے اس کی سزا کوئی نہیں دے سکتا۔ لیکن اس انسان کا یہ سوچنا اور کہنا قطعًا غلط ہے۔ اس کے یہ تمام وسائل و اسباب ہرگز ہرگز خداوند عالم کی گرفت اور اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے وہ قادرِ مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اس کے احاطۂ قدرت اور علم سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے اعمال کسی قادرِ مطلق کی نظروں کے سامنے نہیں۔ یہ بات بھی قطعًا عقل و شعور کے خلاف ہے۔ بھلا کیا نہیں دی ہیں اس کو دو آنکھیں عـہ جس سے یہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور کیا ہم نے

عـہ۔ حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر مکحول کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے۔ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ رب العزت فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے تجھ پر بڑے عظیم انعامات کیئے ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ میرے عظیم تر انعامات میں سے یہ ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور ان پر ایک پردہ بھی بنا دیا ہے تو ان آنکھوں سے تو وہ چیز دیکھ جو تیرے واسطے حلال ہے۔ اور اگر تیری نگاہیں ایسی چیز پر پڑیں جو میں نے تجھ پر حرام کر دیں تو اپنی آنکھیں اس پردہ سے بند کر لے اور تجھے زبان دی اور اس کے واسطے ایک غلاف بنا دیا (یعنی دہن اور ہونٹ) اس لیئے اس زبان سے تو وہ چیز بول جو تیرے لیئے حلال ہے۔ اور جس چیز کا زبان سے بولنا میں نے حرام کر دیا ہے تو اس بے زبان کو اپنے دہن میں بند رکھ۔ الیٰ آخر الحدیث۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ لغت میں النجد طریقہ اور راستہ کو کہا جاتا ہے۔ تو نجدین سے دونوں قسم کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۵) ہے کہ عظمتِ خداوندی کا اس طرح ثبوت کلیتہً بہم پہنچ رہا ہے۔

مجاہدؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ فرمایا رب العزت نے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ اس شہر کی قسم کھائی جو ام القریٰ اور ام المساکن یعنی انہی جگہوں میں سب سے پہلی جگہ (جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا) تو اس کے بعد مناسب ہوا کہ دنیا کے ساکنین میں اس ساکن کی قسم کھائی جائے جو سب سے اول اور اصل ہے زمین پر تمام آباد ہونے والوں کی۔ وہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ۱۲

نہیں بنائی ہے اس کی زبان اور دو ہونٹ جن سے یہ دن رات بولتا ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتیں کھا رہا ہے۔ اور کیا ہم نے اس کو نہیں دکھلا دیں دو گھاٹیاں اور رہنمائی نہیں کر دی ہے دونوں راستوں خیر اور شر کی کہ عقلی اور فکری صلاحیت سے سمجھ سکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے۔ کون سی بات مفید ہے اور کون سی مضر۔ تو جو رب العالمین اس انسان کو دو آنکھیں عطا کرنے والا ہے اور ہر جاندار مخلوق کو اس نے بینائی دی ہے کیا وہ اس انسان اور اس کے اعمال و اطوار کو نہیں دیکھ رہا ہوگا۔ جو رب ساری دنیا کو بینائی دے وہ خود کچھ نہ دیکھ سکے گا یہ تصور کوئی پاگل انسان ہی اپنے دماغ میں قائم کر سکتا ہے۔ پھر جس خالق حکیم نے اپنی قدرت و حکمت سے انسان میں ان تمام چیزوں یعنی اس کی زبان اس کے دو ہونٹ اور تمام ہیکل جسمانی مع اپنی تمام خوبیوں اور حکمتوں کے پھر اس نے عقل و شعور کی صلاحیت دی ہو جس کے ذریعہ انسان ہر خیر و شر کو پہچان سکتا ہے اس کی قدرت اور عظمت سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ اور اس قادرِ مطلق کی گرفت سے یہ نافرمان انسان کیسے بچ سکتا ہے۔

یا یہ کہئے کہ جب اس پروردگار نے اس انسان کو آنکھیں دی ہیں تو اس کو چاہیئے تھا آنکھوں سے اللہ کی قدرت کے مناظر اور دلائل دیکھتا زبان دی تھی، اس کو چاہیئے تھا کہ کسی سے پوچھ لیتا۔ کسی کی زبان میں اگر گویائی نہ ہو تو گونگوں کی طرح ہونٹوں کے اشارہ سے بات کرنا اور معلوم کرنا ممکن تھا۔ پھر عقل دی اور خیر و شر ہدایت و ضلالت اور حق و باطل دلائل کی روشنی میں واضح کر دیئے تو شر سے بچ کر خیر کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ گمراہی اور باطل سے بیزار ہو کر حق قبول کر سکتا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس! ان تمام باتوں کے باوجود یہ انسان جب گمراہی پر ڈٹا رہا۔ نافرمانی اور فسق و فجور کے سوا زندگی میں کوئی کام ہی نہ کیا تو اب اس کے بعد کیسے عذاب خداوندی اور اس کی گرفت سے بچے گا۔ خدا کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے تو اس کو چاہیئے تھا کہ اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ جب یہ سب اس کو بارگاہ رب العزت سے

(باقی حاشیہ) راستے ہوتے خیر و شر کے۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور عطاء خراسانیؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن وہبؒ نے بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے، اے لوگو! یہ دو راستے ہیں (جن کو قرآن النجدین فرما رہا ہے) کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عقل و شعور سے سمجھ کر یا کسی سے پوچھ کر خیر و فلاح ہی کا راستہ اختیار کرے۔ بعض مفسرین نے عورت کے دونوں پستان بھی مراد لئے ہیں فَكُّ رَقَبَةٍ۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور فک کسی گرفت کو کھولنا اس میں ہر پریشان اور گرفتار مصیبت شخص کو مصائب کی گرفت سے چھڑانا بھی داخل ہے جیسے کسی غلام کو غلامی سے رہا کرانے میں حصہ لینا یا پورے طور پر اعتاق رقبہ یعنی اس کو آزاد کر دینا جب کہ وہ اسی کا مملوک ہے۔ ۱۲۔ روح المعانی ج ۴۷

ملا تھا تو پھر کیوں نہ گھس پڑا گھاٹی میں ایسی گھاٹی جس میں ہر طرح کی آفت و مصیبت سے حفاظت ہو سعادت و فلاح کے خزائن وہاں حاصل ہو سکیں۔ اور اے مخاطب تجھے خبر بھی ہے؟ کہ کیا ہے وہ عقبہ (گھاٹی)؟ وہ چھڑانا ہے کسی گردن کا غلامی یا کسی بھی بوجھ اور گرفت سے یا کھانا کھلانا ہے کسی بھوک کے دن یتیم کو بالخصوص جو قرابت والا ہو۔ یا کسی محتاج کو جو اپنے فقر و احتیاج کے باعث خاک میں رُل رہا ہو اور فقر و تنگدستی سے خاک میں لوٹ رہا ہو۔ درحقیقت خرچ کے تو یہ مواقع ہیں، اس انسان کو چاہیئے تھا کہ ایسے مواقع میں اپنے مال کو خرچ کرتا۔ اور ان ہی مصارف میں مال کا خرچ کرنا سعادت اور فوز و فلاح کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اور یہی وہ گھاٹی ہے جس میں گھس کر انسان امن و عافیت اور دنیا کے ہر فتنہ اور مصیبت سے تحفظ حاصل کر سکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے محض ان مکارم اخلاق اور یتیموں مسکینوں کی اعانت و ہمدردی سے فلاح و کامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ چاہیئے کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔ اور ایمان و تقویٰ اور عمل صالح خداوند قدوس کی عبادت و بندگی کے ساتھ ان لوگوں میں ہو جائے جو ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں مہربانی کرنے کی کہ حقوق و فرائض ادا کرنے میں صبر و تحمل اور استقامت اختیار کریں۔ اور اس راہ میں اپنے نفس کی شہوات اور لذتوں پر قابو پانے کی کوشش کریں اور خدا کی مخلوق پر مہربانی اور رحم کرنے کی تاکید کریں۔ کیونکہ یہی راستہ یعنی ایمان و عمل صالح اور مخلوق خدا پر رحم کرنا آسمان و زمین کے قیام و بقاء کا ذریعہ ہے جیسا کہ حضور اکرم کا ارشاد ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السَّمَآءِ کہ (زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا) تو بس یہی لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور کامیاب ان ہی کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

اور اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے اور نافرمانی اختیار کرلی وہ بدبختی والے ہیں۔ ان کی نحوست شامت اعمال ان کو ہرگز نہ بخش سکے گی۔ یہاں تک کہ ان ہی پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کسی ڈھکنے یا سرپوش سے کوئی چیز بند کردی جائے اور اس کو ڈھانک دیا جائے کہ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے نکل کر کم ہو سکیں گے اور نہ ہی باہر کی کوئی ہوا یا کوئی چیز اس میں داخل ہو کر اس کی شدت اور لپیٹ کو کم کر سکے گی یا یہ کہ جہنّم کے تمام دروازے بند کیئے ہوئے ہوں گے تو یہ کیونکر ممکن ہوگا کوئی مجرم اس میں سے نکل بھاگنے کا تصور کر سکے۔

فائدہ

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا یعنی بایں ہمہ اور مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہونے کے علاوہ پھر یہ بھی ہو کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔ تو لفظ ثُمَّ اس مقام

ع۔ اقتحام لغت میں کہا جاتا ہے کسی تنگ جگہ میں داخل ہو جانے کو یا تیزی سے کسی مکان میں گھس جانے کو تو اس لفظ کو قرآن کریم نے استعمال کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ درحقیقت یہ وادی اور گھاٹی امن و عافیت کی ایسی ہے جس میں انسان کو چاہیئے کہ بڑی ہی تیزی اور قوت کے ساتھ داخل ہو جائے۔ اگر خارج میں موانع پیش آرہے ہوں تو پوری قوت سے ان کی مزاحمت کرتا ہوا اندر داخل ہو جائے۔

بر محض تراخی ذکری کے لیئے ہے جو اہل عربیہ کے یہاں متعدد امُور کے ذکر کے بعد کوئی مضمون بیان کرنے کے
لیئے لایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تراخی وقوعی کے لیئے ہے یعنی اگر کسی شخص کافر نے اپنی کفر کی زندگی
میں اعمال خیر کیئے، صدقہ، صلہ رحمی وغیرہ کیئے تو یہ اعمال قابلِ قبول اور باعثِ رضاء خداوند اس وقت ہیں جب کہ
وہ شخص ایمان لے آئے۔ چنانچہ حکیم بن حزامؓ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ
میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کیئے ہیں؟ کیا وہ قبول ہوں گے یا نہیں آپؐ نے فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ
مِنْ خَيْرٍ کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کر چکے۔ ہم نے ترجمہ آیت کے درمیان
اضافہ کیئے ہوئے الفاظ میں ان دونوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

تواصی بالصّبر انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہے

صبر کا مفہوم ضبط نفس ہے۔ جو استقامت اور پابندی کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ نفس کو خواہشات سے
روکنا اور فرائض دین کا پابند بنانا اتباع شریعت کی روح ہے۔ لفظ صبر کا استعمال علیٰ اور عن دونوں صلوں
کے ساتھ کلام میں پایا گیا۔ ائمہ لغت فرماتے ہیں علیٰ کے ساتھ استعمال کسی چیز پر پختگی استقامت اور دوام
ہوتا ہے یا کسی چیز کو برداشت کرنا مثلاً کہا جائے۔ صبرت علی الفرائض یعنی میں نے فرائض کی پابندی
کی اور کہا جاتا ہے فلان صبر علی البلاء یا کہ فلاں شخص نے مصائب و تکالیف کا تحمل کیا۔ اور عن کے ساتھ
استعمال مثلاً صبرت عن المعاصی تو مراد یہ ہوگی کہ گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر اور پرہیز کیا۔ صبرت
عن الشہوات یعنی نفس کی خواہشات سے بچا۔ تو اس طرح صبر کی عملی شکل انسانی حیات میں فرائض
کی پابندی مشقتوں کی برداشت، گناہوں سے پرہیز اور خواہشات نفس سے اجتناب کی صورت میں رونما
ہوگی اور ظاہر ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ان چار پہلوؤں کی تکمیل کمالِ سعادت اور ایمانی زندگی کا پیکر ہے
اور ان بنیادی عملی پہلوؤں کی دوسروں کو تلقین اصلاح معاشرہ کی ضامن اور اجتماعی زندگی کو اعلیٰ وارفع
بنانے والی ہے۔ صبر و حلم اللہ رب العالمین کی نظر میں بڑا ہی محمود وصف ہے۔ ارشاد ہے وَلَمَنْ صَبَرَ
وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ کہیں اس کو انبیاء علیہم السلام کا خلق عظیم ہونے کی حیثیت سے
بیان کیا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ
اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

اصل یہ ہے کہ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی دو چیزیں ہیں ایک قوت غضبیہ، دوسری قوت شہویہ۔
ان دونوں کا غلبہ انسان کو فسق و فجور اور شہوات و بدامنی سفک دماء ظلم و عدوان جیسی باتوں میں
مبتلا کر دیتا ہے۔ وصف صبر سے ان دونوں قوتوں کو انسان اپنے ضبط اور قابو میں لا سکے گا۔ اور اس طرح
جو بھی بے راہ روی اور سرکشی انسان کی عملی زندگی میں واقع ہوتی ہے اس سے محفوظ رہے گا۔ ساتھ ہی

شدائد و تکالیف کا تحمل اور احکام دین پر استقامت و پابندی اس کو مزید کمال و عظمت کی منزل تک پہنچانے والی ہو گی۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ البلد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الشمس

سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے۔ جس کی پندرہ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہوتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ دوسری اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و ضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر و شر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور اسی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر و ثواب اور نجات کا مستحق ہو اور شر پر عذاب و ہلاکت کا۔ دنیا کے انسان ان ہی دو راستوں پر چل رہے ہیں۔ اس ذیل میں قوم ثمود اور ناقۂ صالحؑ کا بھی ذکر فرما دیا گیا۔ تاکہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

ایاتہا ۱۵	۹۱ = سورۃ الشمس مکیۃ = ۲٦	رکوعہا ۱

سورۂ شمس مکی ہے ۔ اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے سورج کی اور اُسکی دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب آوے اسکے پیچھے۔ اور دن کی جب

جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵

اسکو روشن کرے۔ اور رات کی، جب اُسکو ڈھانک لیوے۔ اور آسمان کی، اور جیسا اُسکو بنایا۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا

اور زمین کی اور جیسا اُسکو پھیلایا۔ اور جی کی جیسا اُسکو ٹھیک بنایا۔ پھر سمجھ دی اُسکو

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ

ڈھٹائی کی اور بچ چلنے کی۔ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا۔ اور نامراد ہوا،

خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ۝۱۱ اِذِ

جس نے اس کو خاک میں ملایا۔ جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے۔ جب

انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ

اٹھ کھڑا ہوا ان میں بڑا بدبخت۔ پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے

وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اور اُسکے پینے کی باری سے۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر وہ کاٹ ڈالی پھر اُلٹ مارا

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ سے، پھر برابر کر دیا۔ اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھا کریں گے۔

استعداد خیر و شر در طبیعت بشریہ و معیار سعادت و شقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا

(ربط) گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید و

ترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کرلے۔ تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ والشمس میں یہ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر و شر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رُخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچ جائے۔ اس کے برعکس اگر انسان کی قوتِ عاقلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کرلے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا۔ اور سعادت و فلاح سے محروم کرکے نفس کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہوگا تو فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ، اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی مقصد کو واضح اور ثابت کرنے کے لئے اس مقام پر حق تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی جو بالترتیب لفظ وَالشَّمْسِ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا تک مذکور ہیں۔ اور یہ اس طرح ثابت کیا گیا کہ حیات دنیوی کیلئے جس طرح سورج اور اسکی روشنی ضروری ہے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی اپنے تناوب و تعاقب سے نظام حیات کے سلسلہ کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ بالکل اسی طرح خیر کی راہنمائی اور انسان کی روحانی زندگی کا نظام آفتاب نبوّت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس طرح سورج کی روشنی میں انسان سیاہ و سپید اور نافع و مضر کا امتیاز کرسکتا ہے اسی طرح تعلیمات نبویہ سے انسان خیر و شر اور سعادت و شقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

آفتاب و مہتاب دن اور رات آسمان اور زمین سے انسانی حیات کا رشتہ کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہوسکتا مثلاً دنیا کی کھیتی میں آفتاب کی گرمی سے زمین میں ڈالے ہوئے بیج شق ہوکر باہر نکلتے ہیں۔ پھر یہی حرارت اس کی نشو و نما کرتی ہے۔ آفتاب ہی کی گردش سے موسموں کی تبدیلی ہوتی ہے۔ چاند کی برودت سے پھل اور پھولوں میں تازگی آتی ہے اور ان میں رَس پڑتا ہے۔ دریا میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے رات کی تاریکی میں وہ آفتاب کا خلیفہ اور بدل ہے دن میں کاروبار کا سلسلہ رہتا ہے تو رات میں آرام کیا جاتا ہے اور دن بھر کی تکان کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے۔ رات کی شبنم دن کی گرمی اور تپش کا تدارک کرتی ہے۔ آسمان سے بارش کا برسنا زمین سے اُگنے والے جملہ نباتات کھیتیوں پھل اور پھولوں کی حیات کا سامان ہوتا ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اس زمین پر ہو رہے ہیں جس میں تخم ڈالا گیا تھا تو بالکل اسی طرح نفس انسانی جس میں زمین کی طرح اللہ ربّ العزّت نے اپنی معرفت و ربوبیت اور اطاعت و فرمانبرداری کا تخم عہدِ الست سے ودیعت رکھ دیا ہے۔ آفتاب نبوت کی روشنی اور حرارت و گرمی سے نشو و نما پاتا ہے اور اس پر پھل پھول لگتے ہیں۔ آفتاب نبوت کے ساتھ وحی الٰہی کی بارش اس کی حیات و بقاء کا سامان اور جس طرح آفتاب نہار کے پیچھے قدرت خداوندی نے اس کے نائب چاند کو لگا دیا ہے تو اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد اس آفتاب کا جانشین اور خلیفہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا وجود وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا کے مانند بنا دیا گیا۔ خلفاء راشدین کے وجود ماہتاب نے آفتاب نبوّت کی جانشینی اور اپنے نور سے روحانی زندگی

کے لیئے راستہ بتایا اور یہ بات قطعاً وہی ہوگئی عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ۔ اور چاند کا نور سورج ہی کا پرتو ہوتا ہے جیساکہ مشہور ہے نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ تو خلفاء راشدین کا نور علم اور ضوء ہدایت درحقیقت آفتاب نبوت ہی کا پرتو تھا۔

ایمانی زندگی بھی مادی زندگی کی طرح لیل و نہار میں منقسم ہے۔ تو ان کے اوقات میں مختلف عبادات اور اعمالِ حسنہ کے ذریعے آخرت کا سرمایہ کمایا جاسکتا ہے اس کے بالمقابل رات کا وقت بالعموم راحت اور غفلت کا ہوتا ہے اسی لیئے تہجد اور قیام لیل کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی۔

زمین اپنی فراخی اور استعداد کے لحاظ سے بارانِ رحمت کا اثر قبول کرتی ہے کسی حصہ میں شادابی اور پھل پھول لگتے ہیں تو کسی حصہ میں سوائے جھاڑیوں اور کانٹوں کے کچھ نہیں اگتا۔ جیسے کہ ارشاد ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا۔ بالکل اسی طرح انسانی طبائع اپنی اپنی صلاحیتوں اور وسعتوں کے لحاظ سے آسمانی ہدایت اور علوم نبویہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ کوئی کم کوئی زیادہ اور کسی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا قطعاً محروم ہی رہتا ہے۔ ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم و خس

رہی یہ بات کہ آسمان نبوت سے برسنے والی بارشوں سے کسی کا محروم رہنا۔ اور اس کے اثرات کو قبول نہ کرتے ہوئے شر اور گمراہی کے راستہ ہی پر چلتے رہنا اس میں نہ بارش کی کوتاہی ہے اور نہ مصدرِ فیض اور ابر رحمت نے کوئی بخل کیا بلکہ خود ان ہدایات نے انسانی فطرت میں بھی خیر و شر کی معرفت رکھ دی تھی تو اس کے بعد تعلیمی ہدایات نے بھی اس فطری جوہر کی بار بار تجدید و تقویت بھی کی مادی اور نفسانی لذتوں میں انہماک نے اس جوہر کو اگر مردہ یا خوابیدہ کر دیا تھا۔ تو ان تعلیمات نے ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے اس کو زندہ اور بیدار کرنا چاہا پھر بھی اگر محروم رہا تو ظاہر ہے کہ اس ابر کرم اور آسمانِ نبوت سے برسنے والی بارش کا کوئی بخل اور قصور نہیں۔

پھر آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کا ذکر کرکے انسانوں کے مراتب میں بلندی و پستی اور تفاوتِ درجات کو نمایاں کر دیا۔

غرض آیاتِ مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی وجہ سے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا کے بعد متصلاً اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے۔

اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی۔ اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر۔ لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا۔ اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا

اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں" انتہیٰ ۔ (کتاب یسعیاہ باب ۶۰)

ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دنیا روز روشن بن گیا۔

اور چاند اپنی طبعی نوعیت سے سورج کے پیچھے ہے تو آفتاب نبوت کے بعد اس کے قائم مقام خلفاء راشدین کا دور ماہ کامل اور بدر منیر کی حیثیت میں جلوہ گر ہوگا جس طرح اصل چاند کا نور آفتاب کے نور کا خلیفہ ہے تو اسی طرح اس خلیفہ اور بدر منیر کے نور کو بھی قدرت خداوندی نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک خلیفہ بنایا وہ نور ولایت ہے جو نور خلافت کے لئے نائب کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام حضرات صحابہ اور ائمہ و فقہاء امت کا نور ہے۔

اور جس طرح آفتاب کی روشنی کو دن اور دوپہر کا وقت مکمل کرتا ہے جس کو وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا میں فرمایا تو اسی طرح اس آفتاب نبوت کی روشنی تمازت اور قوت کو خلفاء راشدین بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی فتوحات اور غلبہ نے مکمل کیا اور دین محمدؐ کا ظہور اور غلبہ اسی دور میں دنیا کے سامنے ظاہر ہوا جو آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے بعد کچھ وقت گزرنے پر آیا تو بالکل ایسا ہی ہوگا۔ جیسے آفتاب جب طلوع ہوا تو اس کی روشنی کمزور تھی لیکن اس کے طلوع ہی سے نمودار ہونے والے دن نے اس کو مکمل روشن و مجلّی کر دیا۔ تو یہ منظر پوری طرح نظروں کے سامنے آگیا کہ گویا خلافت راشدہ کے روز روشن نے اپنی قوت و غلبہ اور شوکت سے سورج کی روشنی کو مکمل کر دیا تو یہ بات وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا سے ظاہر ہو رہی ہے اور جو وعدہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں فرمایا گیا وہ خلافت عمر فاروق اور خلافت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ پورا ہوگیا۔

پھر وَالسَّمَاۗءِ وَمَا بَنٰهَا سے آسمانِ شریعت کی رفعت و بلندی کی طرف ذہن متوجہ کر دیا گیا کہ جیسے آسمان جملہ کواکب شمس و قمر کو محیط ہے تو اسی طرح آسمان شریعت انسان کے جملہ مقدس احوال و افعال اور عقائد و مکارم اخلاق کو محیط ہے۔ اور جیسے آسمان میں بروج اور منازل ہیں تو اسی طرح شریعت کے امور میں بھی ابواب و اقسام ہیں اور سالکین و عارفین کے منازل ہیں اور ان منازل کی طرف چلنے والے سورج اور چاند ستاروں کی طرح کواکب کہ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ اور ان تمام کواکب کی سیر ایک ہی منزل کی طرف ہے اس لئے ان میں کسی قسم کے تصادم اور نزاع کا کوئی خطرہ نہیں۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ اور وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا کی طرح انسان کی ذات ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے عالم ارض کا نمونہ ہے بالکل کائنات کا نمونہ ہے اس وجہ سے انسان کو عالم صغیر سے تعبیر کیا گیا تو آفتاب کی روشنی دن کی تمازت گرمی۔ رات کی تاریکی بارشوں کا نزول کرۂ ارضی پر اپنے عجیب و غریب کرشمے دکھاتے ہیں اسی طرح آفتاب ہدایت کا نور اور علوم الٰہی کی بارشیں اور اس کے لیل و نہار انسانی حیات کی سطح پر بڑے ہی عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں اور جو قوائے ملکیہ انسان کی فطرت میں ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس ابر رحمت کے برسنے کے بعد کیسے شاداب و سرسبز اور

شجر کی صورت میں رونما[۱] ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی اس طرح کہ سورج آسمان کے کناروں سے طلوع ہونے کے بعد بلند ہو رہا ہے اور وقت ضحیٰ میں داخل ہونے کے باعث اس کی دھوپ چڑھ رہی ہے۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے۔ جیسے فلکیات کے اصول سے ظاہر ہے یا یہ کہ چاند کی روشنی سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ سورج کو روشن کر دے اس کی تمازت اور شعاعوں کو نصف النہار پر پہنچ کر یہ روز روشن سورج کے نور کو مکمل اور قوی تر کر دے۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ اس کو ڈھانک لے۔ اور رات کی تاریکی دن پر اس طرح چھا جائے کہ سورج کی روشنی کا کچھ بھی نشان دکھائی نہ دے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جو کچھ یا جیسا کہ اس کو بنایا۔ اس میں پیدا کی[۲] ہوئی تمام چیزیں جملہ کواکب و سیارے اور بروج و منازل اور خود آسمان کی عظمت کہ کیسی شان عظمت سے اس کو بنایا۔ اور قسم ہے زمین کی اور جیسا کہ اس کو پھیلایا[۳] کہ کیسی عجیب حکمت اور قدرت سے کرۂ ارضی پھیلا دیا گیا کہ اس پر بود و باش سہولت سے ہو سکے۔ پھر اس میں مخلوق کی ضرورت کی تمام چیزیں پیدا کر دیں۔ اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ اس کو برابر بنایا اعضاء کا عجیب تناسب رکھا اور کیسی بہترین ساخت سے پیکر جسمانی مرتب فرمایا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔

صرف یہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ اور اخلاط اربعہ میں بھی ایک ایسا اعتدال عطا کیا کہ اس کا نظام جسمانی بڑی ہی خوبی کے ساتھ قائم و جاری رہے۔ پھر حواس ظاہری کے علاوہ باطنی حواس سے اس کو آراستہ کیا تا کہ وہ فلاح و سعادت کے امور جان سکے اور سمجھ سکے۔ پھر اس کے[۴] دل میں ڈالا اس کا فجور و تقویٰ۔ یعنی ڈھٹائی اور بچ کر چلنے کی صلاحیت۔ فسق و فجور نافرمانی اور تقویٰ و طہارت اور اطاعت و بندگی کا شعور اور صلاحیت یعنی اوّل تو اجمالی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء اور رسولوں کے ذریعے اور صحیفوں اور کتابوں میں آخری کتاب قرآن کریم میں تحقیق و تفصیل

---

[۱]: هٰذا مقتبس من كلام الشيخ مجدد الف ثاني والشاه ولي الله الدهلوي والامام الرازي والعلامة المحدث ابي محمد عبد الحق الحقاني الدهلوي قدس الله اسرارهم ـ ونفعني الله تعالى وجميع اهل العلم من علومهم آمين ـ

[۲]: ان الفاظ سے مفسرین کی اس رائے کی طرف اشارہ کیا جو اس جگہ ما کو مصدریہ یا موصولہ لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے ما کو من کے معنی میں لیا۔ اے ومن بناھا مراد یہ کہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس کی جس نے آسمان بنایا۔

[۳]: یہاں بھی ما مصدریہ و موصولہ ہے اور بعض کے نزدیک مَن کے معنی میں ہے۔ ۱۲۔

[۴]: یہ الہام کا ترجمہ ہے تفصیل گذر چکی۔

سے بتا دیا گیا کہ کون سا راستہ بدی اور برائی یعنی فجور کا ہے اور کون سا راستہ پرہیزگاری اور تقویٰ کا ہے[1] بیشک فلاح و کامیابی حاصل کر لی۔ اس شخص نے جس نے کہ اس نفس کو پاک بنا لیا[2] اور اسی نے اپنی مراد پالی اور بیشک نامراد ہوا اور ذلیل و ناکام ہوا وہ جس نے گندگیوں میں اس کو آلودہ کر لیا۔ اور اپنے اس نفس کو خاک میں ملا چھوڑا۔ عفت و تقویٰ کی طہارت سے محروم کر کے شہوت و غضب کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دیدی۔ عقل و شریعت سے کوئی سروکار نہ رکھا فطرت کی صلاحیت اور تقاضوں کو بھلا کر خواہش اور ہوائے نفس کا غلام بن گیا۔ اشرف المخلوق ہونے کے باوجود وہ مقام اختیار کیا کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہو گیا۔ ایسی ہلاکت و تباہی کی روش اختیار کرنے والے دنیا میں بہت گذرے ہیں۔ تاریخ عالم میں ان کا عبرت ناک انجام روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک عبرتناک مثال یہ ہے کہ جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسول اور اس کی باتوں کو اور نفس کی پاکیزگی کے بجائے اس کو گندگیوں سے آلودہ کیا۔ اپنی سرکشی سے۔ جب کہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں ایک بدبخت ترین انسان خدا کے پیغمبر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالنے اور ہلاک کرنے کے لیئے حالانکہ وہ اونٹنی خود اس قوم کی فرمائش پر بطور معجزہ پہاڑ کی ایک چٹان شق ہو کر نکلی تھی اور انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اے صالح اگر اس چٹان سے ایک اونٹنی آپ نکال دیں تو پھر ایمان لے آئیں گے مگر بجائے ایمان لانے کے اس اللہ کی ناقہ ہی کے دشمن بن گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنی نوبت کے روز بھی گھاٹ سے پانی پیئے۔ جس پر اللہ کے رسول نے ان سے کہا خبردار ہو جاؤ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔ ایسا نہ ہو[3] کہ اس کا پانی بند

---

[1] : ان الفاظ سے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ الہام فجور کے معنی یہ نہیں کہ انسان کو کہا گیا کہ تو فجور کا کام کر۔ بلکہ اس سے مراد صلاحیت اور شعور ہے جس سے وہ سمجھ لے کہ بدی اور نیکی کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ فجور سے بچنے کا حکم دیا اور تقویٰ کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

استاد محترم شیخ الاسلام اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو تو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالےٰ ہے۔ گو اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے قصد و اختیار سے مرتبۂ عزم تک پہنچ جاتا ہے اور صدور فعل کا ذریعہ بنتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے۔ اور اسی کسب خیر و شر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔ کذا فی الفوائد۔ اس مسئلہ کی توضیح و تحقیق مسئلۂ تقدیر اور مجازات اعمال کا معیار اور اس کی حکمت کے سلسلہ میں پہلے گذر چکی۔ حضرات قارئین مراجعت فرمالیں۔ ۱۲۔

[2] : ابتداء سورت یعنی وَالشَّمْسِ سے قسموں کا سلسلہ شروع ہوا اور نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا الخ کے بعد قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا جواب قسم ہے۔

[3] تفصیل سورۂ اعراف و ہود اور دیگر مواقع میں گذر چکی۔ ۱۲۔

کرنے سے. تم پر کوئی عذاب آجائے. مگر وہ لوگ باز نہ آئے اور پھر اللہ کے رسول کو جھٹلایا. عملاً رسول خدا کی مخالفت کرتے ہوئے. رسول خدا نے منع کیا کہ اس کو پانی سے نہ روکو مگر ان بدبختوں نے شقاوت و بدبختی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پھر اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے. جس کا انجام یہی ہوا کہ دے مارا ان کے رب نے ان پر اپنا قہر و عذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو ایسا الٹ مارا کہ برابر کر دیا سب کو زمین کی سطح سے اور اس طرح ہلاک کر ڈالا کہ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اور وہ پروردگار تو اپنی شان عظمت و کبریائی کے باعث کسی کو سزا یا کسی مجرم قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا ہے اور نہ اس کو اس بات کا ڈر اور ذرّہ برابر پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب یا پیچھا کرے گی.

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا۔ قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یمن میں تھی اس کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد شمال عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القریٰ تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مورخوں نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے اس قوم میں مال و دولت بہت تھا. بڑے بڑے عالی شان مکان بناتے تھے. اور سنگتراشی کا فن خوب جانتے تھے اس لیئے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب و غریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ و غضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی رحم دلی۔ پرہیزگاری کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمت الٰہی نے انہی میں سے ایک شخص صالح بن عبیدؓ کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا۔ جناب صالح علیہ السّلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ و پند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوت ازلیہ تھی کب ماننے والے تھے پھر جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ و ناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔؟

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیئے ایک معجزہ طلب کیا وہ یہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے چنانچہ حضرت صالح علیہ السّلام نے دعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیس قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذاء و ظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سنیئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور۔ چندے اس قوم نے اس پر صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک

شخص شریر سرکش "قیدار" نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی کہ تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جائے اور توبہ کی جائے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی یہ ہوگی کہ اوّل روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ چنانچہ صبح کو جب اُٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا کام بھی تمام کر دیا جائے یہ قصد کر کے نو بدمعاش شبخون کی نیت کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایت الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے گئے یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی جنگ پر آمادہ ہو گئی آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح اور ان کی اتباع کرنے والے شہر سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا، نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے اُن کی لاشیں اور ان کو اوندھے منہ پڑے دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا ہے مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگذشت جو عرب میں متواتر منقول تھی۔ اس واقعے کو عموماً ہر شخص جانتا تھا یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا "حجر" ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ "حجر" سے گذرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کے کنوؤں سے پانی لینے اور وہاں ٹھہرنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گذرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی طغیانی اور کبھی ژالہ باری، بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے

دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے شہر اجاڑ ہو گئے۔ متعدد واقعات ایسے پیش آئے کہ آسمان سے پتھر برسے۔ ہواؤں کا طوفان آیا اور بستیوں کے نام ونشان ہی مٹ گئے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ مادہ پرست انسان ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو اتفاقات پر یا کواکب کے عمل پر محمول کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی قدرت پر ایمان ویقین نہیں ہوتا۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃ الیل

سورۃ الیل بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل وتحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان وتقویٰ جود وسخاوت احسان ومروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق، غرور واستکبار بخل وحق تلفی اور یہ کہ ایمان وتقویٰ مکارم عالیہ اور اخلاق حسنہ کا رُخ اختیار کرنے والا فوز وفلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کر دی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور واستکبار کا رُخ انسان کو شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولادِ آدم میں مذکر ومؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گئی۔ جس سے قدرتِ خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز وشب کی ظلمت ونور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر ومؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہودِ عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال ودولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیوی مال ومنال کوئی عزت کی چیز ہے یا دنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت وپریشانی سے بچا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ اس مؤمنِ صالح کا ایک تاریخی نمونہ بھی (جس نے ایمان وتقویٰ اور جود وسخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا۔ اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

آیاتہا ۲۱ — ۹۲ سُوْرَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ ۹ — رکوعہا ۱

سورۂ لیل مکی ہے اس کی اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم رات کی جب چھا جاوے - اور دن کی جب روشن ہو - اور اس کی جو اس نے پیدا کیے

وَالْاُنْثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ

نر اور مادہ - تمہاری کمائی بھانت بھانت ہے - سو جس نے دیا اور

اتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷

ڈر رکھا - اور سچ جانا بھلی بات کو - تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹

اور جس نے نہ دیا، اور بے پروا رہا - اور جھوٹ جانا بھلی بات کو۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱

سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں۔ اور کام نہ آوے گا اس کو مال اس کا، جب گڑھے میں گرے گا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳

ہمارا ذمہ ہے سوجھا دینا - اور ہمارے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی -

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝۱۵

سو میں نے سُنا دی تم کو خبر ایک تپتی آگ کی۔ اس میں وہی پیٹھے گا (پہنچے گا) جو بڑا بدبخت ہے۔

الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۷ الَّذِيْ

جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا - اور بچا دیں گے اس سے وہ بڑا ڈر والا۔ جو

يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ
دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ اور نہیں کسی کا اُس پر احسان جس کا
تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾
بدلہ دے۔ مگر چاہ کر منہ اپنے رب کا جو سب سے اوپر۔ اور آگے وہ راضی ہو گا۔

تقسیم جہود عملیہ در حیات انسانی و ترتب ثمرات سعادت وشقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ...... الیٰ ...... وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ

(ربط) گزشتہ سورت میں فوز و فلاح اور شقاوت و بدنصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت و تزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دنیا کی عزت و سربلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کر لیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں بڑی سے بڑی طاقت ور قومیں اسی شقاوت و بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے۔ تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کا تفاوت اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشر بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارمِ اخلاق ایمان و تقویٰ کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی مثال پیش کی جا رہی ہے تاکہ دنیا ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل میں اخلاص اس عمل کی عظمت و قبولیت کی روح ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضاء کو ڈھانک لے، اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اس کی روشنی تمام عالم پر محیط ہو جائے اور قسم ہے اس کی جو اس نے پیدا کیا نر اور مادہ۔ تو جس طرح رات اور دن اور نر و مادہ مختلف ہیں اپنی صورت میں اور آثار و خواص میں بالکل اسی طرح بے شک اے انسانو! تمہاری کوشش اور عملی محنت طرح طرح کی ہے۔ ہر ایک کے اعمال دوسرے سے مختلف و متعارض ہیں۔ صورت و شکل میں بھی اور نتائج و ثمرات میں بھی۔ سو جس شخص نے عطا کیا یعنی خدا کی راہ میں دیا اور خرچ کیا اور خدا کا تقویٰ اختیار کیا اس کی نافرمانی اور برائیوں سے ڈرتا رہا اور تصدیق کی بھلی بات کی۔ ایمان لایا اور ایمان کی باتوں کو سچ سمجھتا رہا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے راحت و سہولت کا راستہ

کہ جس پر عمل بھی آسان ہوگا اور اس راستہ پر چل کر انجام راحت وسہولت ہی کا ہوگا اور اعلیٰ واکمل راحت کا مقام جنت ہے جس کا وہ اپنے ایمان واعمال اور طاعت وبندگی کی محنتوں سے مستحق سمجھا جائے گا۔ مگر اس کے بالمقابل جس نے یہ سعادت حاصل نہ کی اور بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی اور خدا سے بے نیاز رہا اور بھلی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے واسطے آسان کر دیں گے دشواری کا راستہ اور وہ عملی انداز اور طریقہ کار جس کا انجام مشقت اور مصیبت کے سوا کچھ نہیں اور تمام تر آلام ومصائب اور مشقتوں کا ابدی مقام جہنم ہے۔ اور اس وقت کام نہ آئے گا اس کو ذرہ برابر اس کا مال جب کہ وہ اس ہلاکت ومشقت کے گڑھے میں گرے گا اس انسان کو زندگی میں اس کی نافرمانیوں پر ڈھیل دی جائے گی اور بتدریج یہ اپنی شقاوت و بدبختی کے کاموں میں اور غلو وانہاک ہی اختیار کرتا جائے گا تا آنکہ اپنی بداعمالیوں کا انجام دیکھ لے جیسا کہ پہلے شخص کو اپنی توفیق سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لگائے رکھا۔ بالکل یہی نوعیت ہوتی ہے کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ بے شک ہمارے ذمہ تو بس راہ دکھا دینا ہے نیکی اور تقویٰ کی اور بدی وگمراہی کی ان دونوں راہوں میں سے کسی بھی راہ کا اختیار کرنا خود انسان کا اپنا کام ہے اس لئے وہ جس راہ کو اور جیسے بھی عملی طریقہ کو اختیار کرے گا اس کا ثمرہ اس پر مرتب ہوگا اور بے شک ہمارے ہی لئے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔ تو اے انسانو! میں نے ڈرا دیا ہے۔ ایک ایسی آگ سے جو دہکتی ہوئی ہے۔ اس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ہیں جو مجرموں اور نافرمانوں کے لئے مخصوص ہے جس میں کوئی نہیں داخل ہوگا بجز اس شخص کے جو نہایت ہی بدبخت ہے جس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اللہ کی فرماں برداری سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑ لیا تو جہنم کی اس دہکتی ہوئی آگ میں جو کفار ونافرمانوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے بس ایسے ہی بدبخت انسان داخل ہوں گے اور اس آگ سے دور رکھا جائے گا ایسا شخص جو زیادہ سے زیادہ پرہیز گار ہو جو اپنا مال دے رہا ہو اللہ کی راہ میں اس لئے کہ وہ پاک ہو جائے ہر قسم کی کوتاہی اور ہر نوع کی گندگی سے خواہ نفس کی ہو یا عمل کی اور محض رضائے الٰہی اس کی غرض ہے اور یہ نہیں کہ کسی کا اس پر احسان ہے کہ اس کا بدلہ ادا کیا جا رہا ہے بجز اس کے کہ اپنے ربّ اعلیٰ کی خوشنودی طلب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس اخلاص وتقویٰ سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں تو ضرور اس بندہ کا یہ عمل اس کے ربّ اعلیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور عنقریب اپنے پروردگار کی طرف سے ہونے والی عنایات پر خوش ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر انعام اور فوز وفلاح پر مسرت وخوشی طبعی تقاضا ہے۔ بالخصوص اہل ایمان کا تو شعار ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل وکرم پر فرحاں وشاداں ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

پ ۳۰

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى.

ہر نوع کی گرفت اور آخرت کی ہر تکلیف سے محفوظ اور دور رہنے کے لیئے اس آیت میں جو اوصاف ذکر فرمائے گئے ان میں ایک وصف تقویٰ ہے دوسرا وصف راہ خدا میں مال خرچ کرنا۔ تیسرا وصف تزکیہ و طہارت ہے چوتھا وصف اخلاص ہے جو اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى میں فرمایا گیا۔

آیت مبارکہ کے الفاظ عام ہیں اور مراد بھی اسی عموم کے ساتھ ہر ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا وصف رکھنے والے کے لیئے اس سعادت کو ثابت کرنا ہے لیکن جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صدیقین کے سرخیل اور پیشوا ہیں۔ اسی طرح وہ سید الاتقیاء ہیں۔ کیونکہ اَتْقٰی صیغہ اسم تفضیل اسی معنی پر دلالت کرتا ہے پھر اس کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی گواہی دے دی کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے جوّاد وکریم ہی تھے۔ اس کے بعد پھر یہ کہہ کر "یَتَزَکّٰی" یہ واضح کر دیا کہ تزکیہ وطہارت کا مقام انہوں نے حاصل کر لیا۔

اور اخیر میں یہ فرما کر "وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى" کہ اپنی زندگی کا سرمایہ خرچ کر ڈالنا یہ کسی کے احسان کا بدلہ نہ تھا ان کے کمال اخلاص پر مہر ثابت کر دی اگرچہ اسی قدر فرما دینا کافی تھا۔ مگر اب رب العالمین نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى کی تصریح کر کے حق تعالٰی شانہٗ کی رضاء جوئی صدیق اکبرؓ کی صفت طبعیہ کی حیثیت سے بیان کر دی کہ یہ ان کا مزاج تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی فرد کو مشارٌ الیہ بناتے ہوئے قرآن کریم نے سوائے صدیق اکبرؓ کے یہ عظیم تر شہادتیں کسی بھی فرد کے لیئے ذکر نہیں کیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستحق خلافت تھے

آیت وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۔ کا نزول تو باجماع صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا بلکہ روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے تو اس کو "سورۃ ابی بکر" بھی کہا ہے جب کہ انہوں نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ابن عباسؓ فرماتے تھے "الاتقیٰ" سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس آیت مبارکہ کے پیش نظر جس میں ارشاد ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔ یہ لازم آیا کہ امت میں سب سے زیادہ عظمت وکرامت اور بزرگی کے مستحق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۂ نور کی آیت وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ۔ جو باجماع امت ابوبکرؓ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ثابت کر رہی ہے کہ امت میں سب سے زیادہ فضیلت والے یہی ہیں جن کو قرآن اولوالفضل کے لقب سے تعبیر کر رہا ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہل مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے۔ سب کچھ اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد جو خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر ونادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گذارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے۔ اہل وعیال کے لئے زمین وجائیداد تو درکنار ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا۔ اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے عزیز واقارب میں سے کسی کو عہدہ یا منصب نہیں دیا۔ حالانکہ پورا حجاز نجد۔ یمن طائف اور بحرین وعمان سب ان کے زیر نگین تھے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں فقیر ونادار تھے۔ خلافت ملنے کے بعد اپنے بعض خویش واقارب کو عہدے دیئے عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا والی بنایا اور عبید اللہ بن عباسؓ کو یمن کا والی بنایا اور اپنے چچا عباسؓ کے دو بیٹوں قثمؓ اور معبدؓ کو حرمین کا والی بنایا اور اپنے بھانجے ام ہانیؓ کے بیٹے جعد بن ہبیرہؓ کو خراسان کا۔ اپنی اہلیہ کے ایک بیٹے کو مصر کا۔ اور اپنے بعد حضرت حسنؓ کی خلافت پر رضامندی کا بھی اظہار کیا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یقیناً خلافت کے مستحق تھے۔ لیکن اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا کے عہدوں سے اپنے اقارب واعزہ کو کس طرح دور رکھا۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جن افراد کو والی بنایا وہ اپنی اپنی

خوبیوں سے اس کے اہل تھے کہ ان کو والی بنایا جائے۔ ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا حتیٰ کہ ان کے احباب اور مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضؓ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمرؓ کو اپنا جانشین بنادیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کرکے اس امر کے برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظمؓ نے ان باتوں میں کسی بات کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی۔ اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لیئے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمرؓ ہی کافی ہے۔ (سبحان اللہ) کیسی احتیاط تھی۔ حتیٰ کہ آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے۔ اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اصولاً ان کا شمار ان اراکین شوریٰ میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو کسی فیصلہ کا حق ہوگا۔ تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں۔

المنتقیٰ المذہبی ص ۴۸۷ ۔ منہاج السنہ لابن تیمیہ ص ۱۲۹ تاص ۱۳۱ ج ۴ ۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ اپنے جان ومال سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکرؓ ہے۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا دنیا میں مجھ پر جس کسی نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکرؓ کا احسان! کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا۔ اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لیئے کپڑے بھی نہ رہے۔ ایک کمبل میں درخت کا کانٹا لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبریل امینؑ بھی نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکرؓ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور بیقراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہوسکتی ہے۔ اَنَا عَنْ رَبِّی رَاضٍ۔ اَنَا عَنْ رَبِّی رَاضٍ کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے اور دیر تک یہی کہتے رہے کہ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی جو روایت مشکوٰۃ میں ہے اس میں صراحتاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے فضل اور زہد کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ جب آپؐ سے دربارۂ خلافت ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ پاؤ گے۔ اور یہ وصف آپ نے کسی اور صحابی کی شان میں نہیں فرمایا اور یہ وصف آثار و احوال نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہٗ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے لیئے اَشْجَعُ النَّاس ہونے کی بھی گواہی دیتے تھے اور فرماتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار نے گھیر لیا میں دیکھتا رہا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ آئے اور مجمع میں گھس گئے آپؐ کی مدد کی اور آپ کو بچایا۔

محدثینؒ نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہؒ نے پوچھا کہ بتائیے سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے جواب دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے جیسا کہ احادیث میں ان کا یہ وصف موجود ہے ارشاد ہے اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ اسی پر حد نہیں بلکہ اعدل الناس بھی تھے۔ جیسا کہ یہ اظہر من الشمس ہے اس لئے کہ جس ذات میں امانت و دیانت۔ زہد و تقویٰ۔ ایثار و سخاوت اور علم کامل ہوگا۔ بلاشبہ وہ اعدل الناس ہے۔ عدل کی ضد ظلم ہے اور ظاہر ہے کہ ظالم ان اوصاف سے محروم ہوتا ہے۔ جب ہی تو وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور ظلم کا باعث حُبِ دنیا اور خیانت اور عدم ترحم ہے تو جو شخص ان خرابیوں سے قطعاً منزّہ اور پاک ہو بلکہ اس کے بالمقابل وہ کمالات اور خوبیوں سے متصف ہو وہ کیسے ظالم ہوسکتا ہے اور بلاشبہ وہ اَعدل الناس ہی ہوگا اور عدل کے ثمرات میں سے شفقت بھی ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خوبی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام خوبیوں کے علاوہ اعلم الناس کے شرف اور فضل سے بھی متصف تھے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو دنیا کی نعمتوں میں اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کو اختیار کرلے اور چاہے وہ آخرت کو تو اس بندہ نے اللہ کو یعنی آخرت کو اختیار کرلیا ہے یہ سُن کر ابوبکر صدیقؓ فوراً بیقرار ہو کر رونے لگے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ بزرگ اس بات کو سُن کر کیوں رو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی ایک بندہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ بزرگ رونے لگے۔ فرماتے ہیں بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ عبد مخیرّ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور ہم نے سمجھ لیا کہ ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ اعلم تھے کہ پہلی ہی مرتبہ اس اشارہ کو سمجھ گئے۔

پھر یہ کہ عہد رسالت میں ہی آپؓ کا لقب صدّیق تھا اور آیت مبارکہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ میں سب سے پہلا تصدیق کرنے والا آپ کو ہی فرمایا گیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ فہم و فراست اور علم و حکمت میں نبی کے بعد درجہ صدیق ہی کا ہے اور صدیق کے بعد درجہ فاروق کا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی بدیہی اور قطعی ہے کہ علم میں فضل و کمال کا دار و مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرافقت اور مجالست پر ہے تو ابتداء سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق کامل محب خاص اور مخلص باختصاص تھے۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپؐ کو جو بھی مہم پیش آتی آپ اس میں ابوبکرؓ سے مشورہ لیتے تھے۔

اور آیت مبارکہ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔ مفسرین کے بیان کے مطابق ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو اعلم و افہم ہو ان تمام اوصاف اور فضائل کے

علاوہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اعقل الناس بھی تھے۔ جس کی دلیل ان کے دورِ خلافت کے ملکی انتظامات کی حسن وخوبی۔ فتوحاتِ عظیمہ اسلام کی ترقی اور عامۃ الناس کی خوش حالی ہے۔ آیت استخلاف اور تمکین فی الارض کے یہی حضرات مصداق ہوئے۔ اور ملکی امن وامان کا جو وعدہ فرمایا گیا وہ ان ہی دو حضرات کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ پوری دنیا اس میں ذرّہ برابر بھی تردّد اور شبہ نہیں کر سکتی۔

اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دائرۂ سلطنت وخلافت کوفہ کے مضافات تک محدود رہا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلاکسی اختلاف کے تمام صحابہ کا ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بصد رضاء ورغبت بیعت کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جملہ فضائل وشمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت وامانت کا پیکر تھے اور اس امر کا واضح ثبوت تھا۔ تمام حضرات صحابہؓ اس پر متفق تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے اوّل جانشین اور خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

پھر یہ کہ ابوبکرؓ ہی کو آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلیٰ پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل پنپنے نہ دیا۔ بلکہ اس پر ناگواری سے تنبیہ فرمائی گئی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتا دیا کہ اب تمہارے امام اور امیر یہ ہیں۔

ابوبکرؓ ہی کو قرآن کریم نے ثَانِیَ اثْنَیْنِ کہا۔

اور ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں آسمان میں میرے وزیر جبریلؑ ومیکائیلؑ ہیں اور زمین میں میرے وزیر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ تو آپؐ نے خود ہی اس ترتیب سے اپنے وزیر اور خلیفہ متعین فرما دیئے تھے۔ جس کے بعد ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ ذرّہ برابر تردّد اور تامّل کی گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

هٰذا ما استفدت من اَمالی حضرت الوالد الشيخ محمد ادريس الكاندهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه. واسبغ علیه من نعمه واسكنه فی الدرجات العلیٰ من الجنة.

آمین یا ربّ العالمین۔
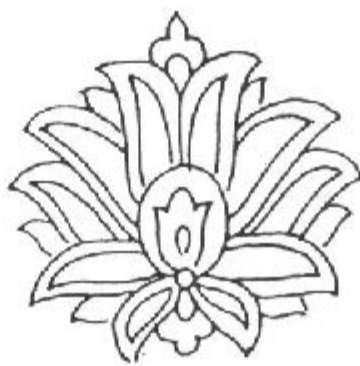
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الضحیٰ بھی مکی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کیئے گئے ہیں اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ کی ذات اقدس کو نوازا گیا۔ ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹا دیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کیئے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر دنیوی مال و منال اور دولت سے خالی ہاتھ ہو تو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں۔ اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کے لیئے مہیا کر دی ہیں۔ اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاء الٰہی ہے۔ جس سے آپ کو سرفراز فرما دیا گیا۔

آیاتھا ۱۱ | ۹۳ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ۱۱ | رکوعھا ۱

سورۂ ضحیٰ مکی ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جاوے۔ نہ رخصت کیا تجھ کو تیرے رب نے، نہ

قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ

بیزار ہوا۔ اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے۔ اور آگے دے گا

يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝٦

تجھ کو تیرا رب، پھر تو راضی ہو گا ۔ بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی ؟

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝٧ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝٨

اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ دی ؟ اور پایا تجھ کو مفلس، پھر محظوظ کیا ۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠

سو جو یتیم ہو، اس کو نہ دبا ۔ اور جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک ۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

اور جو احسان ہے تیرے رب کا، سو بیان کر ۔

ع ۱۸

انعامات خاصہ

بر ذات اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم و امر باداء شکر

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ---- الیٰ ---- وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

(ربط) گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دارومدار آخرت پر ایمان و یقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیئے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا گیا۔ اور ان انعامات کے ضمن میں آپ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کر دیئے گئے۔ اور جن خاص کمالات اور اخلاق حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہیئے۔ ان کو بھی بیان کر دیا گیا۔ ارشاد ہے۔

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب کہ اس کی تاریکی فضاء پر چھا جائے۔ ان تمام ترچیزوں کی قسم کھاتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ دشمنوں کے خیالات اور ان کی یہ بیہودہ باتیں سب غلط ہیں۔ ہرگز نہیں چھوڑا ہے آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا۔ اس لئے نزول وحی میں تاخیر سے دشمنوں کا یہ کہنا کہ

بس اب آپؐ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا اور ناراض[1] ہو گیا ہے۔ قطعاً لغو اور مہمل بات ہے۔ اور بے شک آخرت (یعنی بعد والی چیز) جو اللہ رب العزت اس صعوبت و مشقت کے دور کے بعد فراخی اور فتح کی صورت میں آپ کو عطا کرے گا۔

یا آخرت کی نعمتیں جو حیاتِ اخروی میں عطا کی جائیں گی۔ بہتر ہے آپ کے واسطے بہ نسبت اُولیٰ کے یعنی پہلی حالت یا دنیا کی زندگی سے۔ اور آپ کا رب اس کمی زندگی کے بعد وہ عزت و راحت اور نعمتیں عنقریب عطا کرے گا کہ آپ اس پر خوش[2] ہو جائیں گے۔ اور یہ حاصل ہونے والی خوشی اور رضا ان تمام غموں اور تکلیفوں کو مٹا دے گی جو اس ابتدائی دور میں پیش آرہی ہیں اور اس بشارت پر کسی کو حیرت اور تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ سوچنا چاہیئے کہ اس دور کو جو ہر طرح کے مصائب و آلام کا مجموعہ ہے کیونکہ راحت و غلبہ اور بڑے بڑے

---

[1]: یہ زمانہ بظاہر فترتِ وحی کا زمانہ تھا۔ یا کسی بھی وقت جبکہ نزول وحی میں تاخیر ہوئی اور آسمان سے آیات کا نزول نہ ہوا اور آپؐ اس تاخیر پر مغموم و مضطرب بھی تھے تو آپ کے اس غم اور اضطراب کو دور کرنے کے لیئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے محمد بن اسحاقؒ کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی دوران وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیث صحیحہ میں وارد ہوا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علالت کے باعث دو تین رات نہ اُٹھ سکے تو ایک خبیث عورت کہنے لگی۔ اے محمدؐ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ (یہ عورت ام جمیل ابو لہب کی بیوی بیان کی گئی ہے) تو ان تمام بیہودہ اور لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے آپ پر فائز کردہ خصوصی انعامات کا ذکر کیا گیا۔

اس موقعہ پر اختیار کردہ قسم اور جواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کچھ وقت کے لیئے ہوتی ہے مگر پھر دن کی روشنی اس کو ختم کر ڈالتی ہے۔ اسی طرح یہ توقف اور تاخیر عارضی ہے اس کو اللہ کی وحی اور اس کا نور دور کر دے گا۔ یا یہ کہہ دیجیئے کہ جس طرح رات کی تاریکی اور ظلمت دن کی روشنی سے دور ہو جاتی ہے اسی طرح مشرکین کے یہ لغو اعتراضات اور ان کی ظلمت بھی دور ہو جائے گی۔ یا یہ کہ وحی کی تاخیر سے (جیسا کہ فترت وحی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی) آپ کے قلب مبارک پر جو گھٹن ہے وہ اسی طرح کھل جائے گی اور ختم ہو جائے گی جیسے کہ رات کی ظلمت سورج کی شعاعوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۲۔

[2]: حافظ ابن کثیرؒ نے ابراہیم نخعیؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کی پتیوں کا نشان آپؐ کے پہلو پر نظر آرہا تھا آپ کے اٹھنے پر میں ہاتھ سے ان نشانات کو چھونے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت مرحمت فرما دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بستر (یا نرم گدا) بچھا دیا کریں۔ آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا مجھے دنیا اور دنیا کی راحتوں سے کیا واسطہ بس میرا تو دنیا کے ساز و سامان سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ کوئی ایک سوار مسافر دوران سفر کسی درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرا پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ (ترمذی)

انعامات سے بدل دیا جائے گا؟ اس کی تو بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا مشاہدہ ہو چکا تو کیا نہیں پایا تھا آپ کو یتیم کہ پھر اُس پروردگار نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ باوجودیکہ ولادت باسعادت سے قبل آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے جن کے بعد اس دُرِّ یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال چچا نے کی اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے چچا ابو طالب نے آپکی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر ہجرت سے کچھ قبل وہ بھی انتقال کر گئے۔ ان تمام حالات یا حادثات کے بعد آخر ربِّ کریم نے ایسی عزت و کرامت کا ٹھکانا عطا فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت و کرامت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مدینہ منورہ کی ہجرت تھی۔ جہاں پہنچ کر وہاں کی دونوں عظیم قومیں اوس و خزرج آپؐ کے مطیع و فرماں بردار بن گئے۔ آپؐ کے اشاروں پر جان دینے کے لئے تیار۔ انصار و مہاجرین سب مل کر شمع رسالت کے پروانے نظر آتے تھے اللہ نے وہ قوت و تمکنت عطا کی کہ فتوحات کا سلسلہ وسیع تر ہو گیا۔ مکہ۔ طائف۔ حنین اور بحرین فتح ہو گیا۔ تو یہ تھی بعد کی حالت جو مکہ کی پہلی حالت سے کس قدر بہتر شاندار اور عزت وعظمت والی بن کر تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی اور حقیقی آخرت کی بہتری اور بلندی کا تو انسانی افکار تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مَالَا عین رأت وَلَا اُذن سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قلبِ بَشَر

اور کیا نہیں پایا تھا اللہ نے آپ کو بے خبر عـــہ وحی الٰہی اور آسمانی علوم سے تو پھر راہ سمجھائی۔ علوم الٰہیہ۔

عـــہ: لفظ ضالاً کا ترجمہ بے خبر کیا گیا کیونکہ لغت کے لحاظ سے ضلال کے معنی بے خبری کے بھی آتے ہیں۔ ضلال اور ضلالۃ کا مفہوم صرف گمراہی نہیں ہے۔ اگرچہ اس مفہوم پر بھی اطلاق آتا ہے۔ بے خبری کا یہ مفہوم حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا اور یہ ترجمہ ہے اسی آیت مبارکہ کا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ بعض مفسرین نے ضالاً کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ تلاشِ حق میں وادیوں اور میدانوں میں پھرتے تھے کہ حق مل جائے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا غارِ حرا میں جانا اور وہاں خلوت نشینی اختیار کرنا ہوتا۔ یا یہ کہ آپ تعلق مع اللہ اور اس کی محبت میں حیران و مضطرب تھے اس معنی کی تائید سورۂ یوسف کی اس آیت سے ہو سکتی ہے جس میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد کو یوسفؑ کی محبت میں مضطرب و بے چین دیکھ کر کہا۔ تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ اور اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

بے خبری کے عالم میں حق تعالیٰ آپؐ کے قلب پر علوم و معرفت کے دروازے کس طرح کھولے گا اس کی توضیح کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ جب حضرت جوان ہوئے تو قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے وحدہٗ کی عبادت کا جذبہ پوری قوت کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

احکامِ شریعت اور معارف ربانیہ کی اور پا یا تھا آپ کو محتاج و مفلس تو پھر غنی کر دیا اور ایسا غنیٰ و بے نیازی کا مقام عطا کیا کہ کسی چیز کی بھی پروا اور احتیاج نہ رہی بہرحال یہ ہیں وہ انعامات لے ہمارے پیغمبر جن سے آپ کو نوازا گیا تو اب ان انعامات کا حق یہ ہے کہ جو بھی کوئی یتیم ہو اس کو آپ نہ دبائیں بلکہ اس پر نہ کوئی زیادتی کریں اور نہ ڈانٹ ڈپٹ سے اس کو مغلوب یا آزردہ کریں اور جو سائل ہو اس کو نہ جھڑکیں بلکہ اس کی اعانت و مدد کرتے رہیں۔ اور آپ کے رب کا جو انعام ہے سو اس کو آپ بیان کیجئے۔ اور جن جن نعمتوں سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے اس کا شکر بھی ادا کیجئے۔ اور جو علوم و ہدایت آپ کو عطا کیئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے۔ لوگوں تک انہیں پہنچا دیجئے۔ اور ظاہر ہے کہ محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گذاری بیان اور چرچا کرنا عقلاً و شرعاً محمود امر ہے۔ فخر و مباہات البتہ بُری چیز ہے۔

انعاماتِ خداوندی اور مکارم نبوی

اس سورت مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے دن کی روشنی اور دھوپ اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کہ آپ کے رب نے نہ تو آپ

ع ۵: ان کلمات سے لفظ فَحَدِّثْ کے ان متعدد معانی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں اور نعمتِ رب میں سب سے بڑی نعمت فَهَدٰى میں علوم ہدایت عطا کرنے کی ہے تو اس کا بیان و تبلیغ اور تعلیم فَحَدِّثْ کا عمل ہے۔ اسی وجہ سے لفظ حدیث ارشادات، افعال اور احوال رسول کے لیئے مخصوص ہو گیا۔ کیونکہ ان ہی علوم ہدایت کا بیان حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ۱۲۔

(باقی حاشیہ ص ۴۸۱) ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ بڑی تیزی سے سینہ میں بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت رکھا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مار تا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اس جوش طلب اور فرطِ محبت میں آپ بیقرار و سرگرداں پھرتے۔ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ نے غارِ حراء میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ پر کھول دیں اور دین حق نازل فرما دیا۔ یہی ہے جو ارشاد فرمایا گیا۔
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ ۱۲۔

کو چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا اور ان الفاظ سے ربّ العالمین نے اپنے رسول کے ساتھ اپنا کمال تعلق اور قرب بیان فرما دیا۔ اور پھر اس کے ثمرات و نتائج کے طور پر تین خاص اور عظیم انعامات کا ذکر فرمایا۔

ایواء بحالت یتیمی۔ بے خبری اور لاعلمی میں علوم ہدایت کی عطا اور افلاس و تنگدستی کے عالم میں غنیٰ اور فراخی۔ غنا اور فراخیِ مال کا انعام تو قبل از بعثت ہی شروع ہوگیا تھا جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو اپنے تجارتی کاروبار میں شریک کر لیا اور اس سے نفع حاصل ہوا۔ پھر نکاح کی درخواست کرکے آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کر لیا جس کے بعد اپنا کل مال ہی آپ کے لیئے حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غنا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ کے قلب اور باطن کو جو غنا عطا کیا گیا وہ تو اللہ رب العالمین جو غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ وہی جانتا ہے اور دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر آپ کے برابر باطنی اور قلبی غنا کی صفت سے متصف نہیں ہوا۔ یتیمی کی حالت میں ٹھکانا عطا کیا جانا یہ بھی عظیم الشان انعام ہے اور جس نوعیت کے ساتھ بے سروسامانی اور یتیمی کے عالم میں خدا نے آپ کے سہارے مہیا فرمائے اور آخری اور کامل و اعلیٰ ٹھکانا مدینہ منورہ ہوا۔ جہاں سے بے شمار فتوحات اور تمکن و قدرت اور غلبہ و ظہور کا سلسلہ شروع ہوا۔ تیسرا انعام علوم ہدایت سے سرفراز فرمایا جانا تو ہر ایک انعام کے بالمقابل ایک حق ذکر فرما دیا گیا کہ یتیمی میں جب آپ پر خدا کا ہر انعام ہوا تو آپ یتیم پر کوئی زیادتی اور دباؤ نہ ڈالیں نہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کریں بلکہ اس کو ٹھکانا دیں۔ جیسے کہ اللہ نے آپ کو ٹھکانا دیا اور چونکہ اللہ نے آپ کو غربت و احتیاج کے عالم میں غنی کر دیا اس لیئے آپ کسی سائل کو ہرگز نہ جھڑکیں نہ اس کو دھتکاریں اور علوم ہدایت آپ کو عطا کیئے گئے تو اس کا حق یہ ہے کہ ان علوم کو بیان کیجئے پھیلائیے۔ ان کی تبلیغ و اشاعت فرمائیے۔

ان اوصاف کا آپ کی ذات اقدس میں ایسا کامل اور مکمل ظہور ہوا کہ بدء وحی کے وقت جب آپ پر گھبراہٹ و بے چینی طاری تھی تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے مکارمِ اخلاق اور اوصاف حمیدہ میں ان ہی اوصاف کا ذکر کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے فرمایا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں۔ کما کر ان کو کھلاتے ہیں۔ مہمان کی ضیافت کرتے ہیں۔ تو ہرگز خدا تعالےٰ آپ کو ناکام نہیں کرے گا۔ گویا جن اوصاف اور مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے لیئے ان آیات میں خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ الحمد للہ آپ کی ذات ستودہ صفات بعثت و نبوت کے پہلے ہی روز سے متصف تھی۔

ایک حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا انا و کافل الیتیم کھاتین اور اپنی دو انگلیوں کو جمع کرکے اشارہ فرمایا۔

تم بحمد اللہ تعالےٰ تفسیر سورۃ الضحیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانشراح

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینانِ کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر و تشویش کو دور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ کے قُویٰ شکستہ ہو رہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آ رہے تھے ان کے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے شدائد اور مشقتوں سے آپ خاطر برداشتہ نہ ہوں۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

آیاتُھا ۸ ۹۴ = سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ = ۱۲ رکوعُھا ۱

سورۃ انشراح مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ - اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا ؟

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ

جس نے کڑکائی پیٹھ تیری - اور اونچا کیا مذکور تیرا - سو البتہ

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ

مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب تو فارغ ہو،

فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

تو محنت کر - اور اپنے رب کی طرف دل لگا -

بشارت بانشراح صدور فع گرانی قلب وازالہ شدائد ہمت شکن

قال اللہ تعالےٰ۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ .... الیٰ .... وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

(ربط، گزشتہ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا۔ اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالی اخلاق اور محاسن اوصاف بھی بیان کردیئے گئے تھے۔ اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جارہا ہے۔ امورِ نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں۔ تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مصائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ کی کمر بھی شکستہ کردی تھی تو اللہ تعالےٰ نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ سے دور کردیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گذار لیجئے۔ اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ کو ہرطرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کی تحقیر و توہین میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہے ہیں۔ لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کرلیا ہے کہ آپ کا نام اور آپ کا ذکر اونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سربلند ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا۔

کیا ہم نے کشادہ نہیں کردیا ہے آپ کا سینہ آپ کی خاطر؟ بے شک ایسا ہی کردیا ہے کہ علم و معرفت کے لیئے آپ کا سینہ اس قدر کشادہ کردیا کہ تمام علوم ملکوت السمٰوٰت اور وحی الہی کے سمیٹ کر آپ کے قلب میں ودیعت رکھ دیئے گئے کہ علوم و معارف کے سمندر آپ کے قلب میں اتار دیئے اور پھر وہ حوصلہ اور ہمت عطا کردی کہ لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت ادا کرنے کے لیئے ہر مشقت اور تکلیف بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کررہے ہیں۔ تبلیغ دین میں مخالفین خواہ ہزاروں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ لیکن آپؐ کے قلب میں وہ جمعیت اور قوت پیدا کردی ہے کہ یہ باتیں منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں قطعاً حائل نہیں۔ اور اتار دیا ہے ہم نے آپ کا بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی کہ مصائب و آلام کو

آسان کر دیا۔ وحی جس کی عظمت و ہیبت سے پہاڑ بھی چورا چورا ہو جاتے ہیں۔ اس کا تحمل کیا۔ جس کے بوجھ سے اس کی پیشانی بھی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اس کو یاد کیا اور امت تک پہنچایا قریش مکہ کی مخالفت جو انسانی قویٰ اور ہمت کو شکستہ کر دینے والی تھی۔ مگر آپ کے رب نے اس کا بوجھ بھی آپ سے ہلکا کر دیا اور یہی نہیں کہ قلب کا انشراح واطمینان وپختگی اور استقامت ہوا اور مصائب و آلام کا بوجھ دور کر دیا جائے۔ مزید یہ انعام بھی فرمایا کہ اور بلند کر دیا ہم نے آپ کا ذکر۔ اس طرح کہ آپ کا دین بھی مشرق ومغرب میں پھیلا۔ نام بھی اس قدر بلند ہوا کہ اذان کے کلمات میں اللہ کے نام کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا فضاؤں میں ہر وقت گونجتی رہتی ہے۔ بلاشبہ یہ انعامات جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر فائز کیئے گئے بہت عظیم اور بلند ترین انعامات ہیں۔

تو مکی زندگی میں پیش آنے والے وقتی مصائب اور شدائد سے گھبرانا نہ چاہیئے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے۔ بس ہر ایک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ اس لئے سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیئے آپؐ نے جو سختیاں برداشت کیں اور جو مصائب جھیلے ہر ایک سختی اور مشقت کے نتیجہ میں آسانی اور سہولت ہوگی۔ ایک نہیں بلکہ کئی کئی آسانیاںؔ اور راحتیں ایک ایک

ؔ حضرات اصولیین اور علماء عربیہ کہتے ہیں کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کی شکل میں کیا جائے تو دوسری مرتبہ کے معرفہ کا مفہوم عین وہی ہوتا ہے جو پہلے معرفہ کا ہے۔ لیکن جب نکرہ کا اعادہ نکرہ کی شکل میں کیا جائے تو اول کے علاوہ دوسرا مراد ہوتا ہے تو یہاں اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، میں اَلْعُسر معرفہ مکرر لایا گیا تو ایک ہی سختی اور دشواری مفہوم ہوتی۔ اور اس پر ہر مرتبہ یُسْرًا نکرہ لانا دو سہولتوں کا مفہوم ادا کرنے والا ہوا۔ یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے لن یغلب عسر یُسْرَیْن کہ ایک دشواری ہرگز دو سہولتوں پر غالب نہیں آسکتی۔ اسی معنی پر بعض عارفین کا یہ قول مشتمل ہے لو جاء العُسْرُ فدخل هٰذا الجحر لجاء ها يُسْر حتّٰى يَدْخُلَ عَلَيْهِ فَيُخْرِجَهٗ۔ کہ اگر کوئی مصیبت اور دشواری آکر اس سوراخ میں داخل ہو جائے تو فوراً ہی اس کے پیچھے پیچھے اس سوراخ میں سہولت داخل ہو کر اس دشواری کو نکال پھینکے گی۔

اسی ضابطہ پر یہ چیز مقرر کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھی کسی سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس خدا ہی کی طرف لَو لگائے اور اس کے فضل و رحمت کا امیدوار بن جائے گا تو دیکھے گا کہ کس طرح قدرت خداوندی اس کی تکالیف و مشکلات کو راحتوں اور نعمتوں سے بدل ڈالتی ہے۔ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ نقل کیئے گئے وہ سعید بن منصورؒ عبدالرزاقؒ۔ عبد بن حمیدؒ حسن بصریؒ اور بیہقیؒ نے مرفوعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت کیئے ہیں۔ مسند بزار میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے۔ حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی انبساط و خوشی کے عالم میں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور یہ فرمارہے تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شدت و مشقت کے بعد میسّر ہوں گی۔ تو اس طرح آپ کے قلب کو سکون و پختگی حوصلہ اور ہمت کی بلندی اور آپ کے ذکر کی عظمت ہم نے قائم کر دی کہ اذان و اقامت میں۔ تشہد میں خطبہ میں۔ درود میں۔ ہر موعظت و نصیحت میں اللہ کے نام کی عظمت کے ساتھ آپ کے نام کی عظمت وابستہ کر دی گئی۔

بہر کیف جب آپ کو یہ نعمتیں عطا کر دی گئیں تو اب آپ ہمت سے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور جب آپ منصب رسالت کی ذمہ داریوں۔ تبلیغ احکام اور تعلیم امت سے فارغ ہو جایا کریں تو دیگر امور اور اپنی ذات خاص سے متعلقہ عبادات میں محنت کیا کیجئے۔ اور ان تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس اپنے رب ہی کی طرف رُخ کر لیجئے۔ وہی کارساز ہے وہی ہر تدبیر کو کامیاب بنانے والا ہے۔ نصیحت و تعلیم اور تبلیغ یہ بے شک آپ کے کام ہیں مگر ان سب سے فارغ ہو کر اصل یہی ہے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ وہی ان تمام کوششوں کو کامیاب بنانے والا ہے۔ ان ہدایات و تعلیمات سے مخلوق کو نفع بھی اللہ ہی کی توفیق و مشیّت سے ہوگا اور ہر عملی جدوجہد بھی خُدا ہی کے فضل اور اس کی اعانت سے کامیاب اور قبول ہوگی۔ اس لئے ان تمام محنتوں کے بعد نظر اپنی سعی اپنی کسی محنت اور کسی صفت پر نہ ہونی چاہیئے بلکہ ہر محنت و سعی اور ادائِ فرض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے بعد رجوع الی اللہ ہی اصل چیز ہے وہ ہونا چاہیئے۔ اسی پر فوز و فلاح کا ثمرہ مرتب ہونا ہے۔

فائدہ اس سورۃ مبارکہ میں تین انعامات کا ذکر فرمایا۔ شرحِ[۱] صدر۔ وضعِ[۲] وزر۔ اور رفعِ[۳] ذکر۔ ان انعامات کی تعبیر میں کؔ ضمیر خطاب کے ساتھ ان کو ذکر فرمایا لَكَ صَدْرَكَ عَنْكَ وِزْرَكَ۔ رَفَعْنَا لَكَ۔ اگرچہ ازروئے عربیت یہ کافی تھا کہ بغیر صلہ کؔ ان انعامات کو بیان کر دیا جاتا لیکن ان انعامات کا آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اختصاص ظاہر کرنے کے لیئے ترکیب اضافی کے ساتھ ضمیر خطاب بھی لائی گئی۔ ہم نے اسی وجہ سے "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ" کے ترجمہ میں لفظ "آپ کی خاطر" کا اضافہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بلندی

آیت مبارکہ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی بیان کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۸۶) بے شک ایک عسر (سختی) دو یسر (آسانی) پر غالب نہیں آسکتی۔ کسی نے یہی بات اس طرح شعر میں ادا کر دی ہے۔

اذا اشتدت بك البلوی ففکر فی الم نشرح
فعسر بين يسرين اذا فکرته فافرح

گئی کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا۔ آپ کا نام اونچا کیا۔ چنانچہ آپ کے نام مبارک کی عظمت و بلندی کا یہ مقام ہے کہ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثناء مواضع چند جہاں حق سبحانہٗ کا ذکر ہے وہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ عالم غیب میں آپؐ سلطان ہیں کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکرِ خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا یا نافرمان۔ ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر ایسی کوئی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔ حضرت علامہ حقانیؒ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ عرب وعجم، روم، شام، ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں۔ اور کہیں تیمور صاحبقران ہیں۔ اور کہیں علاؤ الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نامور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبانِ زدِ خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے۔ وہی ذات بابرکات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاد زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل۔ تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں۔ کہیں ابو علی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے کہیں ابونصر فارابی۔ اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء دہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استادِ کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرے کمرہ میں قانونِ محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں ہدایہ وغیرہ۔ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابوحنیفہؒ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد اور امام مالکؒ امام شافعیؒ

حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمینؒ وابن دقیق العیدؒ وتاج الدین سبکیؒ وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا رواں ہیں کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے۔ کہیں محدثین فخر روزگار فنونِ احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلو میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اور کہیں اہل دِل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں۔ استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائل فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے۔ اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قراءت کر رہے ہیں۔ اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں کے لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملاتِ بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہاء اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لیکر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے۔ اور کون سے من اللہ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتی متبحر وہی سرور کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر دُرّے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم وتعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں۔ اور کہیں لہو ولعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں۔ فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے بازپرس ہو رہی ہے یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عز ووقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی کا اشارہ کر کے کاروبار سلطنت کے لیئے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے

استحکام کے لیئے قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اوّل رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ اور ملازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت ووقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں۔ خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں کس لیئے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا۔ حاجات میں کام آنا۔ معاملات میں درگذر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں۔ اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں یہ کون ہیں؟ وہی عالیجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے۔ اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی اُنس ہے۔ ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق درجوق آکر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد واشغال کی تعلیم ہے کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ کسی امیر کی پرواہ نہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللّٰہ علیہ وسلامہ

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں جو کہ ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثوابِ عظیم واجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور

حیاتِ جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر و بُت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ و بکا کی آواز دِلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا جو ایک بار بھی اس مجلس میں آگیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحم دل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست و غافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کٹر سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقہ و صاحبِ دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبان خُدا کا اس کے اردگرد ہجوم ہے وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا۔ کوئی معیّت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ و شبلیؒ و سید عبدالقادر جیلانیؒ و شیخ احمد بدویؒ و معین الدین چشتیؒ و نظام الدین محبوب الٰہیؒ و شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ وغیرہ اولیاء کرام ہیں۔ یہ مرشد کامل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب و ماہتاب قربان ہو رہے ہیں۔ اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمال الٰہی کا پورا آئینہ ہے ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بیخود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عز و شان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ان کے اردگرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مِٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو قائم فرما رہے ہیں۔ اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا اُستاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔ حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔ اس شانِ رفعت کی ترجمانی اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

ؔ

اغرّ علیہ للنبوۃ خاتم | من اللہ مشھود یلوح ویشھد
وضمّ الالٰہ اسم النبی مع اسمہ | اِذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

وشق لہ من اسمہ لیجلہ فذو العرش محمود و ھذا محمد

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الانشراح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ التین

سورۃ التین مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔ مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ حساب اور جزاء اعمال ہے۔ سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان دو عظیم المنفعۃ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طور سینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہن کو متوجہ کیا گیا۔ جو ان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا۔

انجیر و زیتون کثیر المنفعۃ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامعہ سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا۔ پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے۔ قدرت خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد کفار پر وعید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخر کس بناء پر قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب امور کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے۔ حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کو احکم الحاکمین مانے۔
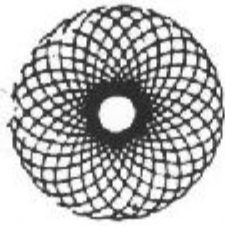
آیاتہا ۸ ۹۵ سورۃ التین مکیۃ ۲۸ رکوعہا ۱

سورۂ تین مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ

قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس شہر

الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴

امن والے کی۔ ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازہ پر۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے، اور کیں

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ

بھلائیاں، سو ان کو نیگ ہے بے انتہا۔ پھر اس پیچھے تو کیوں جھٹلاوے

بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

بدلہ ملنا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بہتر حاکم۔

شہادت اشجار و اماکن بر خالقیت رب العالمین و مبداء و معاد انسان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ .... الیٰ .... . . بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ

(ربط) گزشتہ سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا۔ ان کا ذکر تھا۔

آپؐ کے قلب کو وحی الٰہی اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لئے کھول دیا اور آپ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم و معارف اور حقائق و حکم کے سمندر سما گئے۔ اور آپ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت و بلندی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر و زیتون جیسے عظیم المنفعۃ پھلوں اور درختوں اور طور سینین اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلۂ مجازات کو ثابت فرمایا گیا۔ ارشاد فرمایا۔

قسم ہے انجیر کی اور اس کے درخت کی اور زیتون کی اور اس کے درخت کی۔ اور قسم ہے طور سینین کی یعنی طور سیناء کی جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخشا۔ اور وہ تقرب عطا فرمایا جو وَ قَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ، میں ذکر فرمایا گیا اور قسم ہے امن والے شہر مکہ مکرمہ کی جہاں سے سارے عالم کو علوم ہدایت سے سیراب کیا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کے آفتاب نے وہاں سے طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشن کر ڈالا جب کہ عالم پر جہالت اور کفر کی ظلمتیں محیط تھیں اسی شہر میں اللہ نے اپنی سب سے بڑی امانت (یعنی قرآن) نازل فرمائی۔ بے شک ہم نے انسان کو بنایا ہے ایک بہترین پیکر میں اور نہایت ہی حسین ساخت میں قد و قامت صورت و شکل اور تناسب اعضاء کے باعث بڑا ہی خوبصورت اور حسین و جمیل ہے۔ یعنی جس طرح اس کو معنوی خوبی عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت و بلندی عطا کی تھی۔ ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی اس کو احسن تقویم اور بہترین ساخت میں پیدا کیا تاکہ معنوی شرف و عظمت کے ساتھ پیکر انسانی کی مطابقت ہو جائے۔ پھر ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے طبقہ میں اور پستی کی حالت میں۔ ایسے بڑھاپے میں پہنچا دیا کہ نہ قُوٰی رہے۔ نہ صورت و شکل کا وہ حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش ضعف کی حالت میں ہوئی ہاتھ پاؤں کمزور تھے لیکن نشو و نما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت و مضبوطی پیدا ہو گئی۔ پیکر جسمانی کا حسن و جمال بھرپور ہو گیا مگر یہ چند مدت تک کی بات تھی۔ پھر بڑھاپے نے انحطاط و ضعف کی طرف لوٹانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ضعف و پستی کی آخری منزل تک پہنچ گیا۔[ع] جیسے کہ ارشاد مبارک ہے۔

ع بعض مفسرین نے اسفل السافلین کی تفسیر میں ارذل عمر تک انسان کا پہنچانا بیان کیا ہے کہ جس عمر میں پہنچ کر انسان کے ہوش و حواس بھی جاتے رہیں۔ آنکھوں اور کانوں سے بھی محتاج ہو جائے۔ ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا۔ قرآن کریم کا حافظ اور اس کی تلاوت کا شغف رکھنے والا۔ اس نوبت تک پہنچنے سے محفوظ رہے گا اور عمر اس کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کے ہوش حواس بجا رہیں گے۔ مجاہدؒ اور ابو العالیہؒ اسفل السافلین سے جہنم کے طبقات میں سے نیچے سے نیچا طبقہ مراد لیتے تھے۔ تو مراد یہ ہو گی کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اور اس کے بہترین قالب میں ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس حسین قالب میں سجانے والی چیزیں (اعمال و اخلاق اور کردار) بھی بہترین ہی ہوں تاکہ قالب کی خوبی اور شرافت کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ الآیۃ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیئے تو ان کے واسطے یقیناً اس قدر اجر و ثواب ہوگا کہ جو کبھی بھی منقطع نہ ہو تو یہ ایمان وعمل صالح والے اسفل السافلین کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ان کو ذلت وپستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا۔ الغرض جب خداوند عالم کی قدرت کے یہ مناظر نظروں کے سامنے ہیں کہ انسان کو بہترین پیکر میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ وہ کمزوری سے قوت وجوانی کی طرف اور پھر جوانی سے بڑھاپے اور کمزوری یا پستی کی طرف لوٹ رہا ہے تو انسانی بدن میں یہ تغیرات قادرِ مطلق کی قدرت اور حکمت کا عظیم ثبوت ہیں ایک انسان کی ذات میں رونما ہونیوالے یہ تغیرات عالم پر واقع ہونیوالے تغیرات اور عالم کے شباب کے بعد اسکے بعد بڑھاپے اور زوال پر زبان حال سے پوری پوری گواہی دے رہے ہیں۔ ان دلائل کا مشاہدہ کرنے والا یہ قدرت وجرأت نہیں رکھتا وہ قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کر سکے۔

تو پھر اے مخاطب بتا اس کے بعد کون سی وہ چیز ہے جو تجھ کو منکر بنا رہی ہے۔ قیامت کے روز جزاء وسزا کے معاملہ میں اور کون سی وہ بات ہے جو اس امر پر انسان کو آمادہ کر رہی ہے کہ وہ بعث بعد الموت اور اعمال کی جزاء وسزا کو نہ مانے۔ حالانکہ یہ تمام دلائل وشواہد مجبور کر رہے ہیں کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور جزا وسزا پر یقین کرے۔ ان تمام دلائل اور عالم کے جملہ احوال وتغیرات کو دیکھنے والے انسان بتا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب سے بڑا حاکم تمام حاکموں سے۔ ضرور بالضرور وہی سب سے بڑا حاکم ہے۔ سب مانتے ہیں اور ماننے پر مجبور ہیں۔ عقل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کائنات پر نافذ وجاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ دنیا جب سے قائم ہے اس کے حکم سے زمین وآسمان میں کوئی بھی سرتابی نہیں کر سکا۔ جانور۔ سورج۔ ہوائیں۔ بارش اور بادل چرند اور پرند غرض ہر چیز اسکی مطیع وفرمانبردار ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

آب و باد و خاک آتش بندہ آند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

(باقی حاشیہ ۴۹۴) ساتھ اعمال وکردار کی خوبی اور عظمت بھی جمع ہو جائے۔ لیکن یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے نفس کی بہیمیت اور گندگی میں پڑ کر پستی کا مقام اختیار کر لیتا ہے اور اسفل السافلین کی طرف لوٹ جانا قضاء وقدر کے فیصلہ یعنی تقدیر الٰہی سے ہے اس وجہ سے اس کی نسبت حق تعالےٰ نے اپنی جانب فرمائی اور انسان چونکہ اپنے اعمال وافعال کا خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کاسب ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ اس ارتکاب پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

لیکن اس ذلت اور پستی کے مقام میں گرنے سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ تو یقیناً تعر ذلت اور پستی میں گرنے سے مستثنیٰ رہیں گے تو اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا استثناء بظاہر اسی مفہوم کی تائید کر رہا ہے۔ اور یہی مفہوم زیادہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۃ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ" پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہیئے۔ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰاھِدِیْنَ کہ بے شک اللہ ہی ضرور احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے۔ لیکن دیگر فقہاء اور ائمہ نماز میں بھی مسنونیت کے قائل ہیں۔

تین اور زیتون کی تفسیر

ائمہ مفسرین اور حضرات محدثین و مؤرخین سے تین و زیتون کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

۱۔ اکثر علماء کا قول تو یہی ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا معروف درخت اور ان کے پھل مراد ہیں ان کے قسم کھانے کی غرض اور ان قسموں پر انسانی شرف کے مضمون کو مرتب کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ان میں بڑے ہی فوائد و منافع قدرت نے رکھے ہیں۔ چنانچہ انجیر عجیب پھل ہے جس میں نہ گٹھلی ہے نہ پوست۔ غذا بھی اور دوا بھی جو متعدد امراض کے لیئے نہایت نافع ہے اور سریع الہضم بھی ہے۔ اطباء کے بقول گردوں کو صاف کرتا ہے بلغم اور اس کے اثرات کو دور کرتا ہے۔ جگر اور طحال کے لیئے بھی مفید ہے اور مصلح ہے۔ پھر یہ کہ بلا تکلف کھایا جا سکتا ہے۔ اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے اور نہ درخت اس قدر اونچا ہے کہ اس پھل کے حاصل کرنے میں کوئی دقت و مشقت ہو۔ اسی طرح زیتون بھی ہے کہ اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتا ہے تو یہ دونوں پھل گویا اپنی خوبیوں کے باعث انسانی کمالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے جیسا کہ کعبؓ سے منقول ہے کہ تین و زیتون دو شہروں کے نام ہیں "تین" قدیم تاریخ میں دمشق کو کہا جاتا تھا۔ اور "زیتون" بیت المقدس کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں شہر اس لحاظ سے کہ حضرات انبیاءؑ کا مولد و مسکن ہوئے ہیں متبرک ہیں بیت المقدس وہ اللہ کا گھر ہے جو اولاد اسحاقؑ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کا قبلہ اور اسلام میں بھی ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ کے لیئے قبلہ رہا جس کو قرآن کریم نے اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ فرمایا۔

اور ظاہر ہے کہ جو سرزمین انبیاء علیہم السلام کا مولد و مسکن ہو اور اللہ کے پیغمبر وہاں عبادت کرتے رہے ہوں بلا شبہ بڑی ہی بابرکت زمین ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں اور بعض ائمہ مفسرین و محققین اسی قول کو زیادہ بہتر قرار دیتے ہیں۔ تورات سفر استثناء باب ۳۳ کی بشارت کے پیش نظر جس میں یہ فرمایا گیا۔ "خداوند سیناء سے آیا اور شاعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیئے تھی" اس بات کو تو اہل کتاب بھی تسلیم کرتے

ہیں کہ سیناء سے کوہ سیناء مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰؑ پر تجلی کرنا اور شرفِ ہم کلامی عطا کرنا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر محمول کرنے کی بجائے فلسطین کے دو پہاڑوں کے نام بتاتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر دس ہزار قدسیوں کی کیا تاویل کریں گے۔ اس لیئے حقیقت یہ ہے کہ شعیر سے بیت المقدس کے پہاڑ مراد ہیں۔ مگر وہ پہاڑ جس پر شہر بیت المقدس واقع ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ جن میں ایک کو اب تک جبل زیتون کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران ظاہر ہے مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے جہاں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے وقت آپؐ نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ فتح کیا۔ اور آپؐ کے ہاتھ کی آتشی شریعت نے مکہ کے بُت خانوں کو جلا کر خاک کر ڈالا اور عالم سے کفر و شرک کو مٹا دیا تو اس بشارت سے بھی ان چار مقدس مقامات کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔ اور مناسب ہوا کہ ان کی قسم کھا کر جہاں سے نبوت و رسالت کا آفتاب طلوع ہوا۔ اور اس کے نور نے دنیا کو منور کیا۔ انسان کی سعادت و شقاوت کا مضمون بطور جواب قسم مرتب کیا جائے۔

تم بحمد اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورَۃُ العَلَق

سورۃ العلق مکیہ ہے جس کی انیس آیات ہیں

وحی الٰہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا۔ اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی و طغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ ابوجہل۔ وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکہ میں نماز ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اونٹ کا اوجھ جو گوبر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا۔ پشت مبارک پر لاکر رکھ دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ

کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کا عمل مخفی نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے. بلکہ دنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھا دیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غزوۂ بدر میں مارے گئے۔ ابو جہل زخمی ہوا اس کا سر قلم کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے کان میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضورؐ کے سامنے لے آئے۔ اور حرم مکہ میں جن بدبختوں کے نام لے لے کر حضورؐ نے بددعا فرمائی۔ وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈالدی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لاکر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ھل وَجَدْتُّمْ مَا وَعد ربّکُمْ حَقًّا۔ اِنّا وجدنا ماوعد نا ربّنا حقًا۔" کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پالیا۔ جو تم سے کیا گیا تھا۔ ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز و فلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل و مقصود و انتہاء عبادت اور قرب خداوندی ہے تو اس طرح وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔" پر سورت ختم فرمائی گئی۔

آیاتھا ۱۹ — ۹۶ = سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ = ۱ — رکوعھا ۱

سورۂ علق مکی ہے اس میں اُنیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا - بنایا آدمی لہو کی

عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾

پھٹکی سے۔ پڑھ، اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿۶﴾

سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا - کوئی نہیں! آدمی سر چڑھتا ہے -

أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ﴿٧﴾ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿٨﴾ أَرَأَيْتَ الَّذِي

اس سے کہ دیکھے آپکو محفوظ ۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ تو نے دیکھا وہ جو

يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾

منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب نماز کرے؟ بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر۔

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم

یا سکھاتا ڈر کے کام ۔ بھلا دیکھ تو! اگر جھٹلایا اور منہ موڑا ۔ یہ نہ جانا

بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾

کہ اللہ دیکھتا ہے ۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آوے گا۔ ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ

کیسی چوٹی، جھوٹی گنہگار ۔ اب بلاوے اپنی مجلس کو۔ ہم بلاتے ہیں

الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾ السجدة

پیادے سیاست کرنے کو۔ کوئی نہیں! نہ مان اس کا کہا، اور سجدہ کر، اور نزدیک ہو ۔

قال اللہ تعالیٰ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز سورۃ اقرأ کی پہلی پانچ آیات یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، تک کے نزول سے ہوا۔ جمہور صحابہ اور روایاتِ صحیحہ سے بھی ثابت ہے پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لئے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو سورتوں میں نازل ہونے والی یہ پہلی سورت ہوئی۔ اسی بناء پر حضرت علیؓ سے ایک روایت میں سورۃ فاتحہ کی اوّلیت بیان

کی گئی۔ ان پانچ آیات کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ سلسلۂ وحی منقطع رہا۔ اور اس انقطاع یعنی فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی۔ اور حضرت جابرؓ سے جو سورۃ مدثر کی نزول میں روایت بیان کی گئی۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کی وضاحت وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہہ کر فرمادی۔

اس سورت مبارکہ کی کیفیت نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس طرح ثابت ہوئی جیسے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں بیان فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے آپ کو مبارک اور سچے خواب نظر آنے لگے اور جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح ظاہر و نمودار ہوتا۔ پھر آپؐ کو خلوت نشینی کی رغبت ہوگئی۔ آپ غار حراء میں جاکر عبادت کرنے لگے جہاں کچھ دن اور راتیں رہتے پھر گھر آتے اور کچھ توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ اسی غار حراء میں آپ پر حق ظاہر ہوا اور اللہ کا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور کہا اِقْرَاْ (پڑھو) جس کے جواب میں آپ نے فرمایا مَاۤ اَنَا بِقَارِئٍ (کہ میں تو ایسا نہیں کہ پڑھ سکوں) فرمایا فرشتہ نے مجھ کو پکڑ کر بھینچا اور خوب زور سے دبایا کہ مشقت اور تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی اور پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ اِقْرَاْ میں نے پھر وہی جواب دیا مَاۤ اَنَا بِقَارِئٍ ۔ فرشتہ نے اسی طرح پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور چھوڑ کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ان آیات کے ــــــ نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹے اور آپ پر کپکی اور لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر جاکر فرمایا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ تو گھر والوں نے کمبل یا چادر اڑھائی اور پھر آپ نے غار حراء کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِنِّيْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ ، کہ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہوا وحی کی ہیبت وعظمت اور فرشتہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر۔ اس کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی دی کہ آپ میں یہ کمالات ہیں کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں بے سہارا لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث و واقعات میں آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو جب آپ میں یہ کمالات اور اوصاف حسنہ ہیں تو خداوندِ عالم ہرگز آپ کو ناکام اور شرمندہ نہ کریں گے پھر آپ کو اپنے ابنِ عم ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو انجیل کا ترجمہ کر رہے تھے اور شرک و بُت پرستی سے نفرت کرتے ہوئے اس زمانہ کا دین سماوی یعنی نصرانیت اختیار کرلی تھی۔ ورقہ بن نوفل نے تمام واقعہ سن کر تصدیق کی اور کہا ھٰذا الناموس الذی انزل اللہ علٰی مُوْسٰیؑ ۔ یعنی یہ تو وہی اللہ کا قاصد ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر اتارا تھا۔ اور اس بات کی بھی تمنا کی کہ کاش اس زمانہ میں جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی ۔ اگر میں زندہ ہوں تو آپ کی بڑی ہی قوت و ہمت کے ساتھ مدد کروں گا۔ تو اس طرح آپ کو حضرت خدیجہؓ نے استدلالِ عقلی کے رنگ میں تسلی دی۔ اور

ورقہ بن نوفل نے استدلالِ شرعی کے انداز میں تسلی دی اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی اس کے بعد سلسلۂ نزولِ وحی منقطع ہوگیا اور مشہور و راجح قول کی بناء پر تقریباً پونے تین سال وحی منقطع رہی تاآنکہ پھر وحی کا سلسلہ سورۂ مدثر کے نزول سے شروع ہوا۔ اور آیات یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ کے نزول سے آپ مامور بالرسالۃ فرما دیئے گئے۔ اور تبلیغ و دعوت کا حکم دے دیا گیا اور پھر پے در پے سلسلہ نزولِ وحی کا شروع ہوگیا۔ تو یہ پانچ آیات سب سے پہلی آیات ہیں جن سے وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور اللہ کے فرشتہ کی طرف سے اقرأ کے خطاب اور امر پر آپ نے جو ارشاد فرمایا تھا ما انا بقارئ کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھ سکوں۔ اس کے جواب کے طور پر وحی الٰہی کا آغاز ہی ان کلمات سے ہوا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ یعنی آپ کو قرأت اور پڑھنے کا حکم بارگاہ ربّ العزت سے آپ کی صلاحیت اور قدرت کی بناء پر نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ پڑھیئے اپنے رب کے نام سے اور اس کے نام کی مدد سے۔ جس نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو اور کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔ تو جو ذات عدم سے وجود عطا کرنے والی ہے وہ ایک جاندار اور حس و شعور رکھنے والے انسان کو قرأت کا وصف کیسے نہیں عطا کر سکتی۔ اس کی شان خالقیت اور حکمت کے سوتے تو اظہر من الشمس ہیں۔ چنانچہ اس نے پیدا کیا انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے۔ جو نطفہ کی شکل سے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے پھر وہی خدا اس میں نشو و نما کی صلاحیت دیتا ہے اور اس میں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک۔ کان بنانا یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے تو جس خلاق حکیم نے ایک قطرہ کو اس طرح تغیرات کے ساتھ یہ سب کچھ عطا کیا ہے وہ ایک زندہ بینا و بصیر انسان میں جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں قرأت کی صفت نہیں دے سکے گا تو آپ کو اس رب خالق اور صناع حکیم کے نام سے کہا جا رہا ہے کہ پڑھیئے عــہ اور اگر یہ تصور و خیال ہو کہ ایسی عظیم صفت اور خوبی کس طرح دے دی جائے گی تو فرمایا گیا اور آپ کا رب تو بڑا ہی کرم والا ہے۔ اس لیئے یہ گرانقدر فضل و انعام اس ربِّ کریم کی طرف سے حاصل ہونے میں کوئی تعجب اور تامل نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اتنا عظیم اور بھاری کام کس طرح انجام دیا جائے گا تو وہ ربِّ کریم اپنی غیبی مدد سے اس کو آسان کر دے گا۔

لیکن اس کے بعد اگر یہ خیال ہو اور تردّد و تجسس کہ آخر اس قدر بڑی نعمت کس طرح حاصل ہوگی تو اس حیرت و تردد کو دُور کرنے کے لیئے فرمایا۔ وہ رب جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ۔ اور یہی قلم دنیا میں ایک

عــہ پہلی مرتبہ اِقْرَاْ نفسِ قرأت مطلوب ہونے کی حیثیت سے فرمایا گیا تو دوسری مرتبہ اس امر سابق کی تعمیل پر آمادہ ہونے اور اس کی عملی صورت میں پورا کرنے کے لیئے کہا گیا کہ بس پڑھیئے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اِقْرَاء اول سے علوم باطنیہ کا پڑھنا مراد ہے اور اقراء ثانی سے علوم ظاہرہ۔ لیکن پہلی توجیہ عربیت کی رو سے زیادہ قوی ہے۔ ۱۲-

قرن سے دوسرے قرن تک اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم منتقل کرنے والا ہے کیا وہ اپنے فرشتہ کے ذریعے لوح محفوظ اور ملاء اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کی طرف نہیں منتقل کر سکے گا؟ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔ تو جب قلم کے ذریعے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ تک اور ایک قوم سے دوسری قوم تک علوم پہنچتے ہیں اور انسان وہ علوم سیکھ جاتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہ تھے۔ تو اے ہمارے پیغمبر آپ کو کیا تعجب ہے کہ اسی طرح خداوند عالم جبریلؑ اور ملائکہ مقربین کے ذریعے ملاء اعلیٰ کے وہ علوم آپؐ کو سکھا دے جو اس سے پہلے آپ نہ جانتے ہوں۔ اور وہ پروردگار یہ علوم خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے پہنچائے یا براہ راست قلب پر وارد کردے۔ وہ ہر صورت پر قادر ہے آخر انسان خواب میں غیب کی بہت سی باتیں دیکھتا ہے اور خود آپ کو بھی اس سے کچھ عرصہ قبل سچے اور مبارک خواب دکھائے گئے جو وحی الٰہی کا دیباچہ و تمہید تھے اور آفتابِ رسالت کے طلوع سے قبل والی صبح صادق تھی۔ جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ القاء غیبی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ان پر اللہ کو قدرت کاملہ ہے اور ان میں اصل وحی کے نزول اور وحی الٰہی کی قرآت پر قدرت کا ثبوت مکمل طور پر موجود ہے تو ان امور کے باعث آپ کو یہ خطاب الٰہی ہے اِقْرَاْ اور ان دلائل کے پیش نظر اب اس جواب کی گنجائش نہیں مآ انا بقارئ عـه الغرض قدرتِ خداوندی کے یہ عظیم اور واضح دلائل اور نشانیاں ہوتے ہوئے اس امر کی گنجائش اور توقع نہ تھی کہ کوئی شخص اللہ کی خالقیّت اور اس کی ربوبیت و وحدانیت سے انکار کرے مگر افسوس خبردار! بے شک یہ سرکش انسان بہت ہی حد سے بڑھ جاتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ بے نیاز ہو گیا ہے۔ مال و دولت نے اس کو غنی کر دیا بلاشبہ یہ ایسے انسان کی غلطی اور بہت بڑا دھوکہ ہے اے مخاطب تجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یقیناً تیرے رب کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ اور جس پروردگار نے اس کو پہلے پیدا کیا اسی کی طرف آخر لوٹنا ہے۔ اس وقت ایسے مغرور و سرکش انسان کی نخوت اور اس کا غرور و تکبر سب کچھ ختم ہو جائے گا اور اس سرکشی و خود فراموشی کی حقیقت کھل جائے گی۔ نہایت ہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ انسان باوجود ان دلائل و شواہد کے اپنے خالق کو نہ ماننے اس سے بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ دوسروں کو بھی ربِ حقیقی کی بندگی اور عبادت سے روکے تو اے مخاطب کیا دیکھا تو نے اس بدبخت انسان کو جو روکتا ہے اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ کو اللہ کی بندگی سے جب وہ نماز پڑھے تو ظاہر ہے کہ اس تمرّد اور سرکشی سے بڑھ کر کیا درجہ ہو سکتا ہے کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہا ہے دوسرے کو بھی خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔ جیسا کہ ابوجہل لعین

عـه: یہ ہیں وہ پانچ آیات اِقْرَاْ سے مَا لَمْ یَعْلَمْ تک جو سب سے پہلے غارِ حرا میں نازل ہوئیں اور ان پانچ آیات میں درحقیقت آغاز وحی پر اقراء کے خطاب پر آپ نے مآ انا بقارئ کہا تھا۔ اس کا جواب دیا گیا۔ یا اس پریشانی وحیرت کو دُور کیا گیا جو آپ پر اس وقت طاری ہوئی تھی۔ جیسا کہ تفصیل سے ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲۔

نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم مکہ میں جب نماز پڑھتے دیکھا تو برا فروختہ ہو کر کہنے لگا کہ اگر میں نے آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو میں العیاذ باللہ ان کی گردن روند ڈالوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرے گا تو خُدا کے فرشتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اس طرح کہ لوگ اس منظر کو عیاناً دیکھتے ہوں گے [ع۱]۔

بھلا اے مخاطب تو نے دیکھا اللہ کا یہ بندہ اگر ہدایت پر ہے یا اس نے تقویٰ کا دوسروں کو حکم دیا۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنے کی تلقین کی تو اس میں کون سی بات اس قدر مخالفت اور دشمنی کی تھی بلکہ ان دو باتوں میں اگر صرف ایک ایک [ع۲] ہی بات ہوتی تب بھی یہ صفت اس امر کی موجب تھی کہ ایسے بندہ کی موافقت کی جاتی چہ جائیکہ اس کا مقابلہ اور دشمنی تو اس میں غصہ اور اشتعال کی کیا بات تھی؟ لیکن افسوس اس کے برعکس اے مخاطب کیا تو نے دیکھا کہ اگر اس نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر ڈٹا رہا تو ہمارا اس نے کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کیا۔ اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالا۔ اس قسم کی روش سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرکش و نافرمان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں تو کیا اس کو اب تک علم نہیں ہوا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا۔ اب اس سرکش انسان کو سُن لینا چاہیئے کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے۔ خبردار اگر یہ باز نہ آیا تو ہم گھسیٹیں گے اس کو پیشانی سے پکڑ کر ایسی پیشانی جو جھوٹی نافرمان خطاکار ہے۔ جب کہ دوزخ کے فرشتے پیشانی کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جاتے ہوں گے اور اگر اس کو اپنی جماعت پر ناز ہے جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری پارٹی سب سے بڑی ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی جماعت کو بلا لے ہم بھی بُلا لیں گے اپنے پیادے اور جلاد [ع۳] جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے۔ یہ ملائکۂ عذاب ہوں گے ایسے مجرمین اور ان کے سرغنہ ابوجہل لعین اصل تو قیامت کے روز عذاب جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ لیکن اللہ نے ان کے واسطے اس

ع۱: ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے اس موقعہ پر بیہودگی سے بات کی اور غصّہ سے اونچی آواز سے تہدید و تنبیہ کے انداز میں بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے ابوجہل مجھے کیوں دھمکی دے رہا ہے کہنے لگا تمہیں خبر نہیں اس وادی میں میری جماعت سب سے بڑی ہے (یعنی میں چیئرمین پارٹی ہوں) تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ۔ الخ - ۱۲-

ع۲: اس تعبیر میں لفظ اَوْ کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

ع۳: روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے بے ادبی کرنے کے خیال سے ابھی وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ مجھے اپنے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک دہکتی ہوئی خندق نظر آئی۔ جس کے سامنے مجھے پَر رکھنے والی مخلوق نظر آ رہی تھی۔ زبانیہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے دوزخ کے فرشتے بیان کیئے ہیں۔

عذاب و ذلت کو دنیا میں بھی مقدر فرما دیا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ اور یہ مردار لاشیں جب اس گڑھے میں بھر دی گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کھڑے ہو کر ان پر لعنت ملامت فرمائی۔ عا۔

اے مخاطب خبردار! اس قسم کی باتوں سے کبھی مغالطہ اور دھوکہ میں نہ پڑنا۔ ہرگز اس کی بات نہ ماننا اور نہ اس کی دنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونا۔ بلکہ پورا پورا اجتناب و پرہیز کرنا اور ایسی باتوں سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے ہی رب کو سجدہ کرتے رہنا[۲] اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ کیونکہ سجدہ بندہ کے واسطے اللہ رب العزت کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشادِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ العبد من ربّه هُوَ ساجدٌ فاكثروا فيه الدعاء فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ۔ یعنی بندہ کو اپنے پروردگار سے زیادہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو۔ اسی وجہ سے سجدہ میں کثرت سے دعا مانگو۔ قریب تر ہے کہ اس حالت میں تمہاری دعائیں قبول ہو جائیں۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ العلق۔
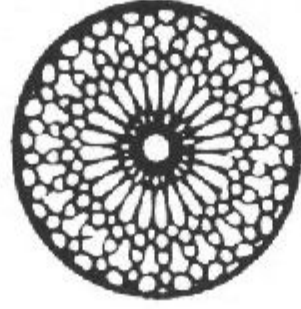
عا: الغرض لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ان مجرمین کے لیئے دنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی اللہ کے فرشتے ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت و خواری کے لیئے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت اور کرامت کی چیز ہے تو اس کے ذریعہ کسی کو گھسیٹنا انتہائی تذلیل و تحقیر ہے تو کافر کے جس سر نے غرور و نخوت کی وجہ سے خدا کے سامنے جھکنے سے اعراض کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ اس کے بل گھسیٹ کر اس کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ چنانچہ یہی وہ چیز ہے جو ارشاد فرمائی گئی۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ — اعاذنا اللہ عنہ۔ آمین۔

عا: قرآن کریم میں آیات سجود میں یہ سب سے آخری آیت ہے۔ اور جمہور فقہاء اس پر وجوبِ سجدہ کے قائل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ القدر

اس سورت میں خاص طور پر نزولِ قرآن کی ابتداء اور شبِ قدر کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کیسی برتری عطاء فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا۔ اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جبریل امینؑ اور فرشتوں کی جماعتیں ملاءِ اعلیٰ سے زمین پر اُترتی ہیں۔ عابدین و ذاکرین کی مجالس عبادت و ذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت و باطنی انوار کا ورود ہوتا ہے۔

اٰیاتُھَا ۵ — ۹۷ سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ ۲۵ — رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ قدر مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ

ہم نے یہ اُتارا شبِ قدر میں۔ اور تو کیا بوجھا کیا ہے شبِ

الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ

قدر؟ شبِ قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اُترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔

عظمت شب قدر وماہ رمضان بنزول قرآن

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ---- الیٰ ---- ۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

(ربط) گزشتہ سورۃ اِقْرَاْ میں آغاز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شب قدر کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتاب ہدایت نازل فرمائی۔

یا یہ کہہ دیجئے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطاف خداوندی کا ذکر تھا۔ اور اس کی ترقیات کا۔ اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز وفلاح کی اصل اساس کتاب الٰہی اور قرآن حکیم کا نزول بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ شب قدر میں ہوا۔ جس میں عقائد عبادات معاملات تہذیب نفس۔ اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول واحکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جد وجہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے امم سابقہ طویل طویل مدتوں تک۔ عبادات شاقہ کر کے بارگاہ رب العزت میں جو تقرب حاصل کرتی تھیں۔ وہ اس امت کے لیئے ایک رات کی چند گھڑیوں میں ہی مقدر فرما دیا۔ ارشاد مبارک ہے۔

بے شک اتارا ہے ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں۔ اور اے مخاطب تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے شب قدر اس کی عظمت وبرکت کیا ہے۔ اور کس وجہ سے کتاب الٰہی اس شب قدر میں اتاری گئی اس کا عنداللہ کیا درجہ ہے اور اس میں عبادت وذکر الٰہی کا اجر وثواب کس قدر ہے؟ اس کی حد اور حقیقت کا بیان تو کسی کے احاطۂ فہم میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لے کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر اور بہتر ہے۔ یہ ایسی رات ہے کہ اس میں اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس یعنی جبریل امین اپنے رب کی اجازت اور حکم سے ہر امر خیر لے کر زمین کی طرف اور اللہ کی عبادت کرنیوالے ایماندار بندوں کی جانب جو رات سراپا سلام ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ سلامتی اور برکت ورحمت کا ہے جس میں فرشتوں کے گروہ پیغام سلامت ورحمت لے کر زمین والوں پر اترتے ہیں۔ ان کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ ان کو سلام کرتے ہیں۔ اور یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ کہ غروب شمس سے لے کر یہ انوار وبرکات اور اللہ رب العزت کی تجلیات طلوع فجر تک مسلسل رہتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کے جس حصہ میں بھی عبادت ہوگی وہ ان رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوگی جو اس شب میں اللہ کی طرف

سے رکھی گئی ہیں۔ اس میں قلب کو سکون و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اہل اللہ اپنے قلب میں ایک چین ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ خشیت الٰہی کے آثار ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور عجیب وغریب قسم کی طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں۔

شبِ قدرؑ اور نزولِ قرآن

اس سورۂ مبارکہ نے واضح طور سے یہ بیان کر دیا کہ نزولِ قرآن لیلۃ القدر میں ہوا۔ سورۂ بقرہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ جس نے یہ ظاہر کیا کہ اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل فرمانے کے لیئے رمضان المبارک کا مہینہ مختص فرمایا اور اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام معجز نظام

ع۔ لفظ قدر دال کے فتح اور سکون کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ دال کے فتح کے ساتھ اسم ہے اور سکون کے ساتھ مصدر۔ از روئے لغت اس کے ایک معنی اندازہ کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہا جاتا ہے۔ اہل لسان کہا کرتے ہیں فُلَانٌ ذُوْ قَدْرٍ۔ لِفلان عِندَ فلانٍ قدر تو لیلۃ القدر میں دونوں باتیں ہیں۔ شرف و منزلت بھی۔ اور یہ کہ اس کی عبادت کا اندازہ اللہ کے نزدیک ہزار مہینہ سے بڑھ کر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس وجہ سے بھی اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے کہ اس رات میں سال بھر میں پیش آنے والی باتیں ملاء اعلیٰ سے طے کر دی جاتی ہیں۔ اور ایک معنی اور لفظ قدر کے تنگی کے بھی ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں لفظ قدر کا استعمال ہوا ہے۔ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ کہ جس کا رزق اس پر تنگ کر دیا گیا تو یہ معنی بھی لیلۃ القدر کے عنوان میں موجود ہیں اس طرح کہ کہہ دیا جائے لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور فضاء میں وہ انوار و برکات پھیل جاتے ہیں کہ زمین اور فضاء اس کے لیئے تنگ ہو جاتی ہے۔ زہریؒ سے منقول ہے کہ اس رات میں نیک بندوں اور ان کے اعمالِ صالحہ کی خدا تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ میں بڑی قدر و منزلت ہے اس وجہ سے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے ابوبکر ورّاقؒ کہتے ہیں اس رات کو لیلۃ القدر اس لیئے کہتے ہیں کہ اس رات میں اللہ نے جو کتاب اتاری وہ بھی قابلِ قدر اور جس پیغمبر پر اتاری گئی وہ بھی قابل قدر اور افضل الانبیاء ہے اور جس امت کے لیئے نازل کی گئی وہ بھی قابلِ قدر اور خیر الامم ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورۂ مبارکہ میں لفظ تین بار ان ہی تین عظمتوں کی طرف اشارہ کے لیئے لایا گیا ہو۔ ۱۲۔

اس کے انوار و تجلیات کا مظہر ہے اور خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے اور رمضان المبارک کا زمانہ اس کی تجلیات کا مظہر ہے اس وجہ سے حکمت الٰہیہ سے بھی مقدر فرمایا گیا کہ قرآن کریم رمضان المبارک اور شب قدر میں نازل ہو اور پھر یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی کے لیئے یہ امکان نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیدارِ خداوندی کر سکے تو اللہ نے اپنا کلام پاک نازل کر دیا اور اس کے کلام میں اس کی تجلیات۔ اس کا جلال و جمال ہے تو اس طرح محبین و عشاق کے لیئے یہ صورت عطا فرما دی گئی کہ وہ اس کا دیدار اس کے کلام میں کر لیں۔ اس کے کلام میں اس کا جلوۂ جمالؔ جلال سب کچھ نظر آجائے گا۔ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور یہ امر بدیہی ہے کہ کلام کے پردہ میں متکلم کا چہرہ نظرہ آتا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یہی وہ چیز ہے جو بیان کی گئی۔ ے

چیست قرآں اے کلام حق شناس رونمائے ربِّ ناس آمد بناس

متعدد احادیث میں ہے کہ توراۃ و انجیل اور زبور بھی ماہ رمضان میں اتاری گئیں۔ یکم رمضان المبارک کو حضرت ابراہیمؑ پر صحیفے نازل ہوئے چھ رمضان کو تورات بارہ رمضان کو زبور اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور اخیر عشرۂ رمضان شب قدر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

کوہِ طور میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بامر خداوندی تیس دن عبادت کی۔ اس مدت کے پورا ہونے پر اللہ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما کر چالیس دن پورے کر دیئے جیسا کہ ارشاد ہے وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ چالیس روزے رکھے اعتکاف کیا۔ اس پر تورات عطا کی گئی۔ اللہ نے اپنی ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔ ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے شوق دیدار پیدا ہوا اور درخواست کر ڈالی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ جواب ملا لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ اس کے بعد تجلیات میں سے ایک بہت ہی قلیل مقدار تجلیؔ کوہ طور پر پڑی تو جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو یہ جملہ احوال وامور یا کرامات و فضائل جو حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوئے خداوندِ عالم نے ان سب کو رمضانِ مبارک میں جمع کر دیا۔ روزہ و اعتکاف بھی آ گیا اور اتمام بعشر کی تعداد کو اعتکاف ہی کے ضمن میں ودیعت فرما دیا گیا کہ عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ ہو گیا اور رمضان کے تیس دنوں میں فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً کا درجہ پورا ہو گیا۔ تراویح اور قرآن کریم کی تلاوت میں وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ کا مقام آ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مناجاتِ خداوندی اور کلام ربانی سے شوق دیدار پیدا ہوا تھا مگر جواب ملا تھا۔ لَنْ تَرٰىنِيْ مگر اس اُمت پر خاص عنایت یہ فرمائی گئی کہ اس نے اپنا کلام قدیم نازل کر کے اسی میں لذت دیدار رکھ دی۔ اسی میں اپنے جلال و جمال کے جلوے ودیعت فرما دیئے۔ کوہ طور پر تجلی ظاہر فرمائی گئی تھی تو اس امت کو بھی تجلیؔ خداوندی سے محروم نہ رکھا گیا۔ شبِ قدر کی صورت میں اللہ نے اپنی تجلیات و

انوار سے نوازدیا۔ پھر وہ کوہِ طور والی تجلیؔ تو بظاہر عظمت وہیبت کے رنگ میں ظاہر وواقع ہوئی تھی جس کا یہ اثر ہوا تھا۔ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جو تجلیؔ عطا کی گئی وہ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کی شان لے کر لطف وجمال اور سکینت وطمانیت کی شکل میں واقع ہوئی۔ جس کی ٹھنڈک وطمانیت اہل اللہ اپنے قلوب اور حتیٰ کہ اپنے اجسام میں محسوس کرتے ہیں غرض وہ تمام مقامات جو اللہ نے موسیٰ کلیم اللہ کو عطا فرمائے تھے۔ رمضان۔ قرآن اور شبِ قدر میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کو دے دیئے گئے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

حدیث میں ہے کہ جبریل امینؑ رمضانِ مبارک میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپؐ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار وبرکات جو راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور دن کے انوار و برکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار و برکات افطار کی صورت میں۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الفطر وَاَخَّرُوا السحور۔

حضرت مجددؒ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ "حق تعالےٰ شانہٗ نے سال بھر کے انوار و برکات رمضان مبارک میں جمع کر دیئے۔ اور ان تمام برکات کا جوہر عشرۂ اخیرہ میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شبِ قدر میں ودیعت فرمادیا۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ مدت نزولِ قرآن تیئس برس ہے اور حسبِ ضرورت اور مصلحت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تو اس لحاظ سے شبِ قدر میں قرآن کریم اتارے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ پورا قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے بیک وقت اتارا گیا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ انزل اللّٰہ القرآن جملۃً واحدۃً من اللوح المحفوظ الی البیت العزّۃ من السماء الدنیا ثُمَّ نَزَلَ مُفَصَّلًا بحسب الوقائع فی ثلٰثٍ وعشرین سنۃً علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ (جو آسمان دنیا میں ایک مقام ہے) پر ایک ہی مرتبہ نازل فرما دیا تھا پھر حسبِ ضرورت وحکمت تیئس برس کی مدت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ اس بناء پر یہ بات قابل تردد نہ رہے گی کہ ابتداء وحی غار حراء سے ہوئی اور غار حراء کا واقعہ بروایت مؤرخین شوال کے مہینہ میں تھا۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ اور لیلۂ مبارکہ کی تفسیر اکثر مفسرین بروایت عکرمہؓ لیلۃ البراءۃ یعنی شعبان کی پندرھویں رات کرتے ہیں۔

تو بظاہر خلجان ہو سکتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ میں نزول بظاہر لیلۃ القدر میں نزول کے خلاف ہے تو کچھ ائمہ مفسرین نے اس خلجان کو رفع کرنے کے لئے لیلۂ مبارکہ کے معنی لیلۃ القدر کے کر دیئے۔ لیکن بالعموم حضرات مفسرین روایات مرفوعہ کی تفسیر نیز اس وصف کے پیش نظر کہ فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ، لیلۃ المبراءۃ کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ صفت لیلۃ البراءۃ ہی کی ہے (جیسا کہ گذر چکا) اس وجہ سے مناسب یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ لیلۃ البراءۃ میں بارگاہِ خداوندی سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اتارنے کا فیصلہ ہوا۔ اور پھر اس فیصلہ کے مطابق شب قدر میں بیت العزت پر پورا قرآن اُتارا گیا اس کے بعد مختلف اور متعدد مواقع اور اماکن میں۔ آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد کاتبین وحی کو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں جگہ اور سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھو۔ تاکہ اس طرح یہ ترتیب بیت العزۃ اور لوحِ محفوظ میں جس ترتیب سے قرآن کریم ہے اس کے مطابق ہو جائے۔

شبِ قدر

اُمّتِ محمّدیہ کی خصوصیّت

بعض حضرات مؤرخین و محققین کا اس امر میں اختلاف نقل کیا گیا کہ لیلۃ القدر امم سابقہ میں بھی تھی یا نہیں۔ بعض مؤرخین نے بروایت مالکؒ یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پہ مطلع کیا گیا کہ آپؐ کی اُمت کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہوں گی تو آپؐ نے فرمایا اے پروردگار پھر تو میری اُمت کے لوگ اعمال صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی امتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمر کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ، بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبد اللہ بن عمرؓ جو تمثیل امم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپؐ نے اپنی امت کی مثال بہ نسبت پہلی امتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسبِ معاملہ ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا اور ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا پھر تیسری جماعت لائی گئی اور انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دے دیئے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا۔ نحن اکثر عملاً و اقل اجراً فقال ھل ظلمتم و ھذا فضلی اوتیہ من اشاء۔ کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے کام کم کیا ان کو اُجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا۔ کیا تم پر

کوئی ظلم کیا گیا - بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دے دیا گیا اور یہ جو زائد اس آخری جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں - تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا۔ اے میری امت کے لوگو! بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہو اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اُجرت اور ثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہوتی ہے اور حکمت خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابوسعید خدریؓ یا ابی بن کعبؓ سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کو دیکھنے کی بناء پر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارہ میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس کو اگر ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شب قدر گذرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپؐ کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہوں گی بلکہ صرف اس کا قُرص نظر آتا ہوگا جس طرح کہُر اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو (تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتب حدیث ملاحظہ فرمائیں)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورَةُ الْبَيِّنَة

اس سورت کا نام سورۂ لم یکن بھی ہے لیکن جمہور مفسرین نے بروایت صحیحہ اس کا نام سورۃ البیّنہ اختیار کیا ہے - یہ سورت اکثر حضرات محدثین و ائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے - عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اس کو مکیہ بھی کہا ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو مکیہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی بیّنہ (دلیل و حجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس

میں اتمام حجت کے طور پر بھی فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت و نبوت ان کے کمالات و اوصاف بذات خود بیّنہ ہیں۔ قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بیّنہ ہوگا۔ تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اعراض و بے رخی اور دلائل خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص و توحید ہے۔ اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہل شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کیا گیا کہ "سعداء" خیر البریّہ ہیں۔ اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریّہ ہیں۔

آیاتہا ۸ — ۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ ۱۰۰ — رکوعہا ۱

سورہ بیّنہ مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

نہ تھے وہ لوگ، جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا

باز آتے، جب تک کہ پہنچے ان کو کھلی بات۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ

ورق پاک — ان میں لکھی کتابیں مضبوط - اور پھوٹے جو ہیں، جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَآ

ملی ہے کتاب، سو جب آچکی ان کو کھلی بات - اور انکو

اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ

حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی نری کر کر اس کے واسطے بندگی۔

حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ

ابراہیم کی راہ پر، اور کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ، اور یہ ہے

دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝٥ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ

راہ مضبوط لوگوں کی۔ وہ جو منکر ہوئے کتاب والے۔

وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ أُولٰٓئِكَ

اور شریک والے، دوزخ کی آگ میں، سدا رہیں اس میں۔ وہ لوگ ہیں

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بدتر سب خلق کے۔ وہ لوگ جو یقین لائے اور کیئے بھلے کام،

أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے۔ بدلہ ان کا ان کے رب کے ہاں، باغ ہیں

عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ

بسنے کے، نیچے بہتی ان کے نہریں سدا رہیں ان میں ہمیشہ،

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝٨

اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔

ذات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و آیاتِ قرآن سرچشمۂ علوم و برہان ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ---- الیٰ ---- ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ

(ربط) گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا۔ اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جارہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کا نام حنیفیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شعار تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کی فضیلت

بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے اصول بیان کیئے گئے تاکہ ایمان وکفر اور ہدایت و گمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے۔ تو ارشاد فرمایا۔

نہیں تھے باز آنے والے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور مشرکین یہاں تک کہ نہ آجائے ان کے پاس واضح دلیل وحجت۔ وہ واضح دلیل وحجت اللہ کا رسول جو ان کے سامنے تلاوت کرتا ہے۔ ایسے صحیفے جو پاکیزہ ہیں۔ جن میں ایسے مضامین ہیں لکھے ہوئے جو نہایت ہی درست اور مضبوط ہیں وہ صحیفے اور مکتوب مضامین قرآن کریم کی آیات ہیں۔ جن کی مضبوطی اور دلائل و براہین کی رُو سے استقامت میں ذرّہ برابر فرق نہیں فلاح وسعادت کے اصول ایسے روشن ہیں کہ کسی قسم کا ابہام وخفا نہیں۔ تو اللہ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذاتِ خود ایک بیّنہ اور کھلا ثبوت ہے۔ پھر اس رسولِ خدا کا قرآن کریم جیسی پاکیزہ کتاب اور بلند پایہ مضامین رشد وفلاح کی عظمت وبلندی کی بھی کوئی حد نہیں۔ اللہ کے اسی رسول کی اور ان کی طرف سے تلاوت آیات ہی کی یہ برکت تھی کہ دورِ جاہلیّت کے وہ عرب جو کفر کی ظلمتوں میں غرق تھے نورِ ہدایت سے مشرف ہوئے۔ ورنہ توقع نہ تھی۔ کہ اس طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے والی قوم راہ راست پر آتی۔

بہرکیف اس واضح دلیل اور کتاب ہدایت کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ کم از کم اہلِ کتاب جو کہ اہل علم وفہم تھے وہ ایمان لاتے اور اس سعادت کی طرف دوڑتے لیکن عجیب بات کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے برعکس نہیں مختلف ومتفرق ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ثبوت آچکا۔ خود ان کی کتابوں اور ان کے انبیاء کے ذریعے کہ یہی رسولِ خُدا اللہ کے آخری سچے رسول ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم اللہ کا کلام ہے[ع] تو اس طرح اہل کتاب میں سے کچھ ایمان لائے جیسے کعب احبارؓ۔ عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ اور کچھ نے انکار کیا محض عناد اور تعصّب کی وجہ سے جب اہل کتاب ہی علم اور دلائل کی معرفت کے باوجود اللہ کے رسول اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے بجائے مختلف ومتفرق ہوگئے تو مشرکین کا کیا کہنا۔ وہ نہ کتاب والے تھے اور نہ ان کے پاس کسی نبی کی کوئی شہادت اور بشارت تھی، بہرکیف ایسے رسول عظیم اور کتاب بلند پایہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب مل کر حق کو قبول کرتے اور کوئی بھی گروہ اس میں اختلاف نہ کرتا۔

حالانکہ ان کو تو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے لیئے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے کہ غیر اللہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو یکسو ہو کر ہر باطل سے اپنا منہ موڑ کر اور احکام خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ بس یہی طریقہ ہے مضبوط اور صحیح ملت وشریعت کی پیروی کا اسی کی اتباع وپیروی میں ہدایت اور نجات مضمر ہے۔

جب کہ اس کا میثاق اہل کتاب سے لے لیا گیا تھا جیسے کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ

ع: حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ نے یہاں البیّنۃ کا مصداق حضرت مسیح علیہ السّلام کو قرار دیا ہے جو کھلی نشانیاں لے کر آئے اور فارقلیط کی بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائی اور ان پر ایمان لائے۔

اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ ۔ الخ۔ تو اس عہد وپیمان کا تقاضا یہی تھا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے پابندی سے احکامِ دین کی اطاعت کرتے مگر بہت سے اہلِ کتاب نے ایسا نہ کیا تو اس طرح نبی کریم پر ایمان نہ لانے اور قرآن کریم کو نہ ماننے سے خود اہل کتاب نے اپنی کتاب کا اور خود اپنے رسول ہی کا کفر کیا۔ اس وجہ سے بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر و کافر ہوئے اور مشرکین وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بلاشبہ بدترین خلائق ہیں اور بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیکی کے کام کیئے وہ بہترین خلائق ہیں جن کے ایمان و اعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ ان کے پروردگار کے نزدیک باغات ہوں گے ہمیشہ رہنے والی بہشت کے جن کے محلات کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے نہ ان نعمتوں کا زوال ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ ان نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جائیں گے جیسے انسان دنیا کی نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جاتا ہے۔ ان انعامات کی عظمت و برتری اپنی جگہ بہت بڑی چیز ہے جس کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا مزید ان سب نعمتوں سے بڑھ کر اللہ کی رضاء ایک انعام خاص ہوگا خُدا ان سے راضی ہوگا اور یہ خدا کی عنایات و رحمتوں سے خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایمان اخلاص احکام دین کی پابندی۔ پھر اس پر انعامات خداوندی۔ جنت اور جنت کی بے پایاں نعمتیں اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی رضاء و خوشنودی اس شخص کے لیئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو خشیت و تقویٰ ہی ان تمام تر کمالات اور فوز و فلاح کی اصل بنیاد ہے۔

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ البیّنۃ ۔

عہ:- یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے امام مسلمؒ اور دیگر ائمہ محدثین نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے اُبی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۃ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعبؓ کہنے لگے کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ فرمایا آپ نے فرمایا۔ ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے۔ انسؓ بیان کرتے ہیں ابی بن کعبؓ یہ سُن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے۔ وقد ذکرت عند رب العالمین۔ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ ۱۲۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الزِّلۡزَال

سورۃ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے اسی طرح نقل کیا گیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ عطاءؒ۔ اور جابرؓ کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بظاہر اس قول کا منشاء یہ ہوگا کہ اس سورت کا اسلوب بیان مکی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

(ربط) اس سے قبل سورت میں جَزَآءُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ الخ اہلِ ایمان و طاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کو یہ بشارت سُن کر شوق و انتظار ہوسکتا تھا کہ یہ نعمتیں انکو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جا رہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جا رہا ہے اور کس طرح آسمان و زمین اور نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا بُرا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص برے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

سورۃ زلزال مدنی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ

جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے - اور نکال ڈالے زمین اپنے

اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

بوجھ - اور کہے گا آدمی اس کو کیا ہوا ؟ اس دن بتاوے گی اپنی

اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

باتیں - اس واسطے کہ اس کے رب نے حکم بھیجا اس کو۔ اس دن ہو پڑیں گے لوگ

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

بھانت بھانت کہ ان کو دکھائیے انکے کیئے۔ سو جس نے کی ذرّہ بھر بھلائی ، وہ

خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

دیکھ لے گا - اور جس نے کی ذرّہ بھر بُرائی ، وہ دیکھ لے گا -

حوادث و زلازل بوقت وقوع قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۔۔۔ الی ۔۔۔۔۔۔۔ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

(ربط) گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت وشقاوت کے اعمال و افعال اور ان کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیّت خداوندی ہے اور ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا نظامِ عالم کا درہم برہم ہوجانا ہے اور وہی دن یوم جزاء ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ اس روز دیکھے گا اس وجہ سے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا رہے کس طرح میں احکم الحاکمین کے رو برو کھڑا ہوں گا۔ تو ارشاد فرمایا۔

جس وقت کہ ہلا دی جائے گی زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیئے اور جس قدر بھی اس کو ہلایا جاسکے اس کی

ع۵: بعض مفسرین نے بیان کیا کہ عرب کے کسی فصیح وبلیغ شاعر نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالًا تو جب یہ آیت نازل ہوئی اور لفظ زلزالًا کے بجائے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عظمت کے لحاظ سے اس نوعیت سے کہ اب نفخ صور کے بعد قیامت برپا ہوتی ہے تو ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ جس سے پہاڑ اور بڑی سے بڑی بلند و بالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہو جائیں گی اور سمندر اُبلنے لگیں گے جیسا کہ فرمایا گیا۔ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۔

اور نکال ڈالے گی زمین اپنے اندر کے بوجھ خزانے۔ دفینے اور گڑے ہوئے مردے اور جو بھی کوئی چیز اس کی تہوں میں دبی ہوئی ہو۔ علٰہ اس ہیبت ناک زلزلہ سے سب کچھ باہر آجائے گا اور انسان کہے گا کیا ہو گیا ہے اس زمین کو اس کے باغات عمارتیں کہاں گئیں۔ اور اس کی وہ رونق جس پر لوگ فریفتہ تھے کہاں چلی گئی۔ مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ قتل و غارتگری پر آمادہ رہتے تھے لیکن ہائے اب اس زمین کے اندر سے یہ سارے خزائن باہر اُگلے پڑے ہیں اور منکر لوگ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو یہ سب مردے باہر نکل پڑیں گے۔ یہ دن وہ ہوگا کہ زمین بیان کرے گی اپنے واقعات کو اور ان حالات و افعال کو جو اس پر کیئے گئے زمین کے جس ٹکڑے پر گناہ ہوا تو وہ بتائے گی کہ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا۔ جہاں قتل ہوا وہ جگہ بتائے گی کہ یہاں فلاں نے فلاں کو قتل کیا اور جس جگہ کسی نے نماز پڑھی ہوگی یا جو بھی عمل عبادت کا کیا ہوگا وہ گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی ہے۔ غرض نیک و بد ہر کام اور عمل کی خبر دیتی ہوگی۔ اس وجہ سے کہ اے مخاطب تیرے رب نے اس کو اس امر کی وحی کی ہے۔ کہ وہ اپنے اوپر کیئے ہوئے کام کی خبر کر دے تو جس طرح زمین اپنے جگہ کے ٹکڑوں کو اگل دے گی اسی طرح اس پر پیش آنے والے احوال و افعال کو بھی اگل دے گی اور ظاہر علٰہ کر دے گی۔ یہ دن وہ ہوگا کہ لوگ

علٰہ امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی اور چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے نکل کر باہر آجائیں گے قاتل ان کو دیکھ کر حسرت سے کہے گا ہائے میں نے اسی کے لئے قتل کیا تھا قطع رحمی کرنے والا کہے گا ہائے اسی کے لئے میں نے قطع رحمی کی اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اسی کی وجہ سے (چوری میں) میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر آواز دی جائے گی اٹھا لو اس کو مگر وہ کچھ بھی نہ لے سکیں گے اور اسی آواز اور حالت میں قیامت برپا ہو جائیگی۔۱۲

علٰہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا تلاوت کر کے فرمایا جانتے ہو کہ زمین کا خبر دینا کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ) زِلْزَالَهَا صلٰہ ہوا تو وہ اس کو حُسن کر دو چند میں آگیا۔ کیونکہ زلزالاً محض مصدر زلزلہ کی عظمت و ہیبت بیان کرنے سے قاصر تھا۔ قرآن نے جب اس کو مصدر اضافت الی الارض کی صورت میں بیان کیا تو معنوی عظمت و بلندی کی حد نہ رہی اور بے ساختہ بول اٹھا میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔

لوٹتے ہوں گے مختلف ٹولیوں کی صورت میں۔ دربارِ عدالت اور پیشی کے مقام سے اپنے مختلف منازل اور جگہوں کی طرف تاکہ ان کو دکھائے جائیں ان کے اعمال اور اعمال کا بدلہ جو میدانِ حشر میں حساب وکتاب کے بعد طے کر دیا گیا۔ یہ دن یوم جزاء ہے تو جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا ضرور اس کو دیکھ لے گا۔ خواہ وہ عمل اور نیکی کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہو بلاشبہ اس کو کی ہوئی نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا یقیناً وہ اس کو دیکھ لے گا اور اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ انسانوں کو یہ بات پہلے ہی بتا دی گئی تھی اور قانونِ مجازات کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ کہ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے فائدہ کے لئے کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اس کا انجام بھی تمہارے نفسوں کے لئے واقع ہو گا۔

صحیح بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت یکتا اور جامع ہے کعب احبارؓ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو آیات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ توراتؔ انجیل کا خلاصہ ہیں اور لب لباب ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کی تلاوت کا ثواب نصف قرآن کا ثواب ہے۔

تم بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ الزلزال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰت

اکثر مفسرین نے اس کو مکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر وحسن بصری اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۃ زلزلہ کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا

(باقی حاشیہ) اللّٰہ ورسولہ اعلم خدا اور اس کا رسول ہی بہتر اور خوب جانتا ہے۔

فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ گواہی دے گی فلاں نے مجھ پر یہ عمل کیا۔ فلاں نے مجھ پر یہ کام کیا تو بس یہی اس کا خبر دینا ہے۔

ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے اَوْحٰی لَہَا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے گا کہ اے زمین بول۔ وہ اس حکم کو سنتے ہی سارے راز اگلنے لگے گی جیسے کہ اس نے اپنے اندر کے سارے خزانے اگلے اور نکالے۔ ۱۲۔

انجام ہے بیان کرنا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس امر کو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی و فکری صلاحیتوں سے محروم ہونے کے جو ان کو دی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر خطرات اور شدائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں، لیکن افسوس انسان اشرف المخلوق ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس کی اطاعت و فرماں برداری میں کوئی جفاکشی و ہمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل حرص و لالچ اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں لگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت و تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکر آخرت سے غافل ہے۔

آیاتها ۱۱ — سُورَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ = ۱۰۰ — رکوعها ۱

سورۂ عادیات مکی ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ

قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی، ہانپتے۔ پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر۔ پھر دھاڑ دیتے

صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

صبح کو۔ پھر اُٹھاتے اس میں گرد۔ پھر بیٹھ جاتے اس وقت فوج میں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ

بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اور وہ اس کام سامنے

لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا

دیکھتا ہے۔ اور آدمی محبت پر مال کے مضبوط ہے۔ کیا نہیں

يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي

جانتا وہ وقت کہ کریدے جاویں جو قبروں میں ہیں۔ اور تحقیق ہو جو

الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

جیوں میں ہے ۔ بیشک ان کے رب کو ان کی اسدن سب خبر ہے ۔

سرگرمی بہائم در اطاعت مالک و نافرمانی وناشکری انسان باقاء رب العالمین

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں مجازات اعمال کا قانون بیان کیا گیا تھا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی نیکی یا بدی کا عمل کرے گا روز قیامت اس کا بدلہ پاکر رہے گا۔ اب اس سورت میں انسان کی غفلت و لاپرواہی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم خصلت بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ دراصل اس روش کا منشاء حرص مال، لالچ اور نفس کی خواہش ہے۔ اس کے پیچھے پڑ کر انسان اپنے رب کو بھلا دیتا ہے اور اس سے غافل ہوجاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت کا دن حساب وکتاب اور اعمال کے بدلہ کا دن ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے اپنے مالک کی اطاعت ومحبت میں اور اس کے دشمنوں کو شکست دینے کے لیئے میدانِ معرکہ میں اس شدت وقوت سے دوڑتے ہیں کہ ہانپتے ہوتے ہیں۔ پھر کہیں پتھروں اور پہاڑوں پرٹاپیں مار کر آگ چمکاتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں پر ان کی دوڑ اور تیز رفتاری سے ان کے نعل آگ جھاڑتے ہوتے ہیں۔ پھر تاخت وتاراج ڈالنے والے ہوتے ہیں صبح کے وقت کہ علی الصباح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر قوموں کا یہ دستور ہے کہ دشمن پر یلغار وحملہ صبح ہی کے وقت کیا جاتا ہے پھر اُڑانے والے یا اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اس سے گرد وغبار پھر گھس جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک فوج میں ان پر حملہ کرتے ہوئے اس بات سے بے پرواہ ہوتے ہوئے کہ دشمنوں کی فوج پر حملہ کرکے وہ زندہ بھی بچیں گے یا نہیں۔ غرض اس طرح یہ گھوڑے اپنے آقا کی اطاعت اور اس کی وفاداری میں سرگرم محنت ومشقت ہیں۔ شدائد اور مہالک میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہیں۔ میدانوں اور چٹانوں پر ٹاپیں مارتے ہیں۔ جس سے گرد وغبار کے ڈھیر اڑ رہے ہیں اور ٹاپ کی رگڑ سے پتھروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور ان تمام شدائد کو برداشت کرتے ہوئے صبح ہی صبح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور بے دریغ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس جاتے ہیں تو یہ کردار ایک حیوان کا ہے جو اپنے آقا اور مالک کے لیئے اس کی زندگی کے آخری سانس تک قائم وباقی ہے لیکن اس کے بالمقابل اگر یہ دیکھو کہ انسان اپنی تمام

عقلی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ اپنے مالک کا۔ اپنے خالق کا اور اپنے منعم و محسن اور پروردگار کا کیا حق ادا کرتا ہے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں اس کی کیا سرگرمی اور جد و جہد ہے تو اس کا عمل یہ بتائے گا کہ بیشک انسان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس بات پر مطلع ہے اور[علے] جانتا ہے کہ میں اپنے رب کے انعامات کا کوئی حق اور شکر نہیں ادا کر رہا ہوں اور اس کا عمل طرز زندگی اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

ذرا بھی اگر وہ اپنے ضمیر کی طرف توجہ کرے تو خود اندر سے اپنے ضمیر کی یہ آواز سُن لے گا کہ وہ بہت ہی ناشکرا ہے۔

اور[علے] یہ سب کچھ صرف اس بناء پر ہے کہ بیشک وہ مال کی محبّت میں بہت ہی مضبوط ہے۔ حرصِ مال نے اس کو فکر آخرت سے بھی بیگانہ بنا دیا اور اپنے آقا و مالک سے بھی بے رخی اور بے تعلقی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ تو کیا یہ انسان نہیں جانتا ہے کہ جس وقت باہر نکال لیئے جائیں گے وہ تمام مردے جو قبروں میں ہیں اور ان کو نفخ صور کے بعد زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور پھر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام راز جو سینوں میں ہیں تو اس وقت انسان دیکھ لے گا کہ یہ کیسا ہیبت ناک دن ہے جس سے وہ غافل بنا رہا اور انکار کرتا رہا اور اس وقت وہ دیکھ لے گا جس مال کی محبت میں وہ خدا کا ناشکرا اور نافرمان رہا وہ مال اس کے قطعاً بھی کام نہ آیا۔ تو کاش اگر انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہرگز یہ روش نہ اختیار کرتا۔

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اس روز بڑا ہی باخبر ہے[علے] کہ انسانوں کے تمام احوال واعمال

علے: یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیئے ہیں کہ لفظ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ کے ایک معنیٰ مطلع اور باخبر کے ہیں اور دوسرے معنیٰ گواہی اور شہادت کے ہیں۔

علے: وَالْعٰدِيٰتِ سے مجاہدین کے گھوڑوں یا مطلق گھوڑوں کی قسم کھا کر ان کی سرگرمی عمل اور اپنے آقا کی فرمانبرداری میں مہالک و شدائد میں گھس جانا بطور قسم بیان کر کے جواب قسم اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ فرمایا گیا۔ اس جواب قسم کی مناسبت ولطافت قسم اور مقسم بہ کے متعلقات سے بڑی ہی خوبی سے ظاہر ہے۔

علے: استاد محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں "ممکن ہے کہ گھوڑوں کی قسم کھانا مراد ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ممکن ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سواروں کی قسم ہو جن کی سرفروشی اور جانبازی بتاتی ہے کہ وفادار اور شکر گذار بندے ایسے ہوتے ہیں۔"

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبانِ حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا جیسے دنیا میں احاطہ کیئے ہوئے تھا اور زندگی میں کیا ہوا ہر کام اس کی نظروں کے سامنے رہا ہے آج اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس روز یہ بات ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی تو اس طرح اس دن یہ چیز ہر ایک کو خوب نظر آجائے گی کہ بے شک انکا پروردگار ان کے احوال سے خوب باخبر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُورۃ القارعہ

سورۂ قارعہ باتفاق ائمہ مفسرین مکی سورت ہے۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ و دیگر صحابہ مفسرین سے اسی طرح منقول ہے مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثبات قیامت اور حشر و نشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت و شقاوت کے اصول احوالِ آخرت اور جزاء و سزا کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حوادثِ دہر اور قوارع زمانہ کہا جاسکتا ہے بیان کیئے جارہے ہیں تاکہ انسان غفلت سے چونکے اور فکرِ آخرت کے لیئے تیار ہو جائے۔ قرآن کریم میں ایسے تمام مضامین اور آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔

(باقی حاشیہ ۵۲۲) نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لیئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔
کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا ہے کہ اس کا کوئی پالنے والا ہے مالک ہے جس کی وفاداری کے لیئے اسے جان و مال خرچ کرنے کے لیئے تیار رہنا چاہیئے۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ فوائد عثمانیہ۔

عـلـہ: ان الفاظ کا اضافہ اس اشکال کو دور کرنے کے لیئے ہے جو یہاں خداوند عالم کے باخبر ہونے کو اس روز کی خصوصیت سے بیان کیا گیا۔

بعض ائمہ مفسرین نے قوارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس سورت کی گیارہ آیات ہیں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دے اور انسانی جامد قویٰ میں حرکت پیدا کر دے۔ بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات و کامیابی اور ہلاکت کا راز ظاہر کر دیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت و بربادی کے راستہ سے اجتناب کرے۔

اٰیَاتُهَا ۱۱ ۱۰۱ = سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ = ۳۰ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ قارعہ مکی ہے اس کی گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳

وہ کھڑکھڑاتی - کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی ؟ اور تو کیا بوجھا ؟ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی -

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ

جس دن ہوویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے - اور ہوویں

الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ

پہاڑ جیسے رنگی اون دھنی - سو جس کی بھاری ہوئیں

مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ

تولیں - تو اس کو گذران ہے من مانتی - اور جس کی

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ

ہلکی ہوئیں تولیں - تو اس کا ٹھکانا گڑھا - اور تو کیا بوجھا وہ

مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

کیا ہے ؟ آگ ہے دہکتی -

حوادثِ زمانہ و قوارعِ دہر بروزِ محشر و تنبیہ برائے بیداری از خوابِ غفلت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ۔ اَلْقَارِعَۃُ عـــ مَا الْقَارِعَۃُ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ ۔ ۔ ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ

(ربط) گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا۔ ناشکری۔ مال و دولت کا حرص اور غفلت و لاپرواہی از منعم و مالک حقیقی۔ اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہولناک واقعات کا ذکر ہے تاکہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے۔ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گذار رہو اور وہ مرض خبیث جو تمام تر خرابیوں کی اساس ہے یعنی حرص و لالچ اس سے بچے تو فرمایا۔

کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہی عظیم الشان کھڑکھڑا دینے والی چیز ہے۔ جس کی عظمت و ہیبت کو انسان اپنی قوتِ فکریہ یا عقلی کاوش سے نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بالا و برتر ہے اس لیئے اے مخاطب بتا اور تو جانتا بھی ہے کیا ہے اور کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ یقیناً کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا اور کیسی ہے۔ اس لیئے ہم ہی تجھ کو بتاتے ہیں وہ اس دن ہوگی جب کہ آدمی ہوں گے بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح پریشانی اور بدحواسی میں جن کو نہ تو کسی طرح قرار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹھکن اور ٹھیراؤ۔ اور پہاڑ ہو جائیں گے دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح یا بکھری اون کے ذرات۔ جو نہایت ہلکی اور کمزور ہوتی ہے۔ اور فضا میں ہوا کے ساتھ بکھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی بدحواسی کے عالم میں جب کہ انسان پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔ میدانِ حشر میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ان کے اعمال تولے جائیں گے تو جس شخص کا ترازوئے اعمال میں نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ بہت ہی راحت و خوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز وہاں ملے گی۔ اور جس شخص کا نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو بس اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کیا ہے ہاویہ؟ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ایک طوفانی شکل میں نظر آتے ہوں گے۔ یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لیئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص اور قیامت کے روز میزانِ اعمال میں وزن تو ایمان و اخلاص ہی کا ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ترازو ہے اس میں مادی وزن اور ثقل نہیں بلکہ روحانی عظمت تولی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان کے پلے ہلکے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

عـــ: حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسماء قیامت میں القارعہ۔ الحاقہ۔ الطامہ۔ الصاخہ اور الغاشیہ وغیرہ کلمات قرآن کریم نے استعمال کیئے ہیں۔ ۱۲۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ اس کے برعکس اہل ایمان اور نیکوکاروں کے اعمال کا وزن اس ترازو میں بھاری ہوگا اور ان کے پلے بھاری ہونے کی وجہ سے نجات و کامیابی حاصل ہوگی اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی نصیب ہوگی۔ اور یہی فوز و فلاح ہے۔

مادی اجسام کا ثقل اور روحانیات کی لطافت

مادیت کثافت کا نام ہے اور روحانیت میں لطافت ہے۔ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل اور بوجھ رکھا ہے۔ جب کہ روحانیت میں تجرد اور لطافت ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے جس کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور یہی ثقل اور وزن اس کو سکون و قرار کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو حیّزِ طبعی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے تو مادیت میں جھکاؤ ثقل جسمانی کے باعث ہوگا لیکن روحانیت میں ثقل بھی روحانی ہوگا اور اسی کے باعث جھکاؤ ہوگا تو دنیا کے ترازوئیں مادی اثقال و اوزان تولنے کے لیئے ہوتی ہیں تو ان ترازوؤں کا پلّہ اس وزن کی وجہ سے جھکتا ہے تو آخرت کی ترازو جس میں روحانیات کا وزن ہوگا۔ اس کا پلّہ لامحالہ روحانی اوزان کے باعث جھکے گا اس بناء پر یہاں فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ اور وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ، کا عنوان اختیار فرمایا گیا۔ ایمان و اعمال کا ثقل اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے دنیا میں معنوی ثقل میں وقار، استقامت، صبر و حلم جیسے اوصاف بیان کیئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے یہ انسان اپنے عزم اور حوصلہ میں پہاڑ واقع ہوا ہے اور بالعموم صبر و استقامت میں حوصلہ مند اور باوقار انسانوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی جاتی ہے اس طرح دنیا میں ایک ثقل و استقامت پہاڑوں کی ہے جو حسی اور ظاہری ہے اور ایک وزن و استقامت معنوی ہے جو انسانوں میں ہوتا ہے تو قیامت کے وقت عالم میں برپا ہونے والے انتشار و اضطراب کو ظاہر کرنے کے لیئے قرآن کریم نے پہاڑوں کو تو روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح بتایا کہ وہ سب کچھ وزن و قوت سے عاری ہو کر اڑنے والے روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اولوالعزم اور باعزم لوگ جو پہاڑوں سے زیادہ طاقتور سمجھے جاتے ہیں وہ بکھرے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور اس روز دیکھ لیا جائے گا دنیا کے اثقال و اوزان خواہ وہ حسّی ہوں یا معنوی ان کا یہ حشر ہو رہا ہے اس روز جو ثقل و وزن ہوگا وہ صرف اعمال صالحہ اور ایمان کا ہوگا اور قیامت کے روز میزانِ اعمال ایسے ہی ثقل کو تولنے کے لیئے ہوگی۔

میزان اعمال اور وزن اعمال کی بحث گذر چکی اور تفصیل سے معتزلہ کے اس باطل قول کا رد بھی کر دیا گیا۔ جو میزان اعمال کا انکار کرتے ہیں اہل سنت اور جمہور متکلمین کے نزدیک وزن اعمال ثابت ہیں اور اعمال کے تولنے کی ترازو برحق ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ الخ

یہ بھی تفصیل کے ساتھ گذر چکا کہ میزانِ اعمال میں وزن کے بارہ میں یہ تینوں باتیں از روئے نصوص و احادیث ممکن ہیں کہ نفس اعمال کا وزن ہو۔ یا نامہ ہائے اعمال کا وزن ہو یا صاحب اعمال کا وزن ہو۔

نفسِ اعمال کا وزن تو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا میں کیئے اعمال وافعال قیامت کے روز حقائق موجودہ کی شکل ہوں گے اور ان کا وزن ہوگا۔ نامۂ اعمال کے وزن کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص لایا جائے گا اور اس کے ننانوے ۹۹ دفتر ہوں گے گناہوں کے جو پیش کیئے جائیں گے۔ اس کے مقابلہ میں جب اس کی ایک نیکی جو کاغذ کے ایک پُرزے پر لکھی ہوگی تو وہ کہے گا۔ اے پروردگار ان گناہوں کے ڈھیر کے مقابلہ میں اس ایک کاغذ کے پُرزے کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن جب وہ تولا جائے گا تو ان ننانوے دستاویزوں پر بھاری ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ اور صاحب اعمال کے تولنے کی تائید جامع ترمذی کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک نہایت ہی بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص پیش کیا جائے گا تاکہ اس کو میزانِ عمل میں تولا جائے لیکن چونکہ اس میں ایمان اور عمل صالح کا کوئی روحانی وزن نہ ہوگا تو اس ترازو میں رکھے جانے کے بعد اس کا کوئی وزن نہیں ظاہر ہوگا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ،،

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ القارعۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُر

سورۂ تکاثر مکی سورت ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ نے فرمایا کیا تم سورۂ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال واولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیئے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال ودولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے۔ اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ

پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔

سورت کا اختتام اس وعید و تنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں۔ ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہو گی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

سورۂ تکاثر مکی ہے۔ اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ

غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے۔ جب تک جا دیکھیں قبریں - کوئی نہیں آگے

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ

جان لوگے - پھر بھی کوئی نہیں! آگے جان لوگے - کوئی نہیں اگر جانو

عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا

یقین کر جاننا - بیشک تم کو دیکھنا دوزخ - پھر دیکھنا یقین کی

عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾ ع

آنکھ سے - پھر پوچھیں گے تم سے اس دن آرام کی حقیقت۔

تنبیہ و تہدید بر غفلت از آخرت و وعید بر حرص مال و دولت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ

(ربط) سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ و خبردار

کیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں جو اسبابِ غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح مال و اولاد پر تفاخر و غرور بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ انسان کو چاہیئے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

قتادہؓ اور مقاتلؒ سے یہ منقول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ مدینہ میں رہنے والے یہود اس پر تفاخر کرتے تھے کہ میرے پاس اس قدر مال ہے اور میری اولاد اتنی ہے۔ اور ہر ایک اسی فکر میں رہتا اور اس میں اس قدر انہماک اور غلو اختیار کیا کہ اپنا دین بھی بھول گئے اور اس سلسلہ میں جو بھی کچھ کرنا پڑا۔ حلال و حرام کی پرواہ کیئے بغیر کر گذرے۔ لیکن یہ روایت باعتبار اسناد محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لیئے اس سورت کا مکی ہونا ہی جمہور نے اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین اس کا سبب نزول۔ قریش کے دو قبیلوں بنو عبد مناف اور بنو سہم کے درمیان اس نزاع اور باہمی قتال کو بتاتے ہیں جو اسی طرح باہمی تفاخر اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے پیش آیا۔ آپس میں خوب لڑے قبروں کے گننے کی نوبت آ گئی۔ انسان کے اس فطری عیب کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی بھی تلقین کی گئی کہ دنیا میں اس کو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں ان کا حق ہوتا ہے اور اگر انسان اس حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو مؤاخذہ اور سزا سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ تو ارشاد فرمایا اے لوگو! غافل بنا دیا ہے تم کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے اور اس کی کثرت پر فخر کرنے نے اور تم اس تفاخر[۱] و تکاثر مال سے باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو تو مرنے تک اسی طرح باہمی تفاخر اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا رہو گے اور یہ غفلت کا پردہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ تم قبر میں نہیں چلے جاؤ گے۔ خبردار ہرگز یہ چیز غفلت کی نہیں اور نہ قابلِ انکار بے شک عنقریب تم جان لو گے کہ قیامت برحق ہے۔ اور دنیوی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب و بدلہ ہے۔ خبردار ہرگز یہ چیز قابلِ غفلت نہیں دنیا کی زندگی خالی ہے۔ بے شک پھر[۲] تم بہت جلد معلوم کر لو گے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب ہے[۳]

---

[۱] ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ تکاثر کے دونوں معنی ہیں۔ مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی حرص اور مال و اولاد پر تفاخر، ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۲۔

[۲] : ترجمہ کے درمیان اضافہ کردہ کلمات سے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کے تکرار کی طرف اشارہ ہے ۔۱۲۔

[۳] : حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیرؓ صحابی ایک روز آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

یقول ابن آدم مالی و ھل لک کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہ حقیقت اگر چہ دنیا میں کچھ لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے کہ اصل عیش آخرت کا عیش ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لیکن جب انسان قبر میں پہنچے گا تو پھر اصل حقیقت کھل کر نظروں کے سامنے آئے گی تو سمجھ لو خبردار ہرگز تمہیں خاک بھی علم نہیں۔ بے شک اگر تم جان لو آخرت کا حال علم یقین کی صورت میں تو یقیناً ایسی تمام غفلتوں نافرمانیوں اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور تفاخر سے باز آکر اصل کام میں لگ جاؤ اور آخرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گذار دیتا ہے۔ لہٰذا سن لو اے لوگو! ضرور بالضرور تم جہنم دیکھو گے۔ یہ یہی نہیں کہ بس دور سے دیکھ لو اور وہ نظر آجائے بلکہ یقیناً تم اس دوزخ کو دیکھو گے آنکھوں کے مشاہدہ اور یقین کے ساتھ۔ جس میں کسی نوع کا شبہ باقی نہ رہے گا۔

اس میں تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث داخل ہو گے اور اس کا مزہ چکھو گے پھر اس

ع: بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ اس مقام پر دوزخ کے دو مرتبہ دیکھنے کے ذکر میں اوّل مرتبہ دیکھنا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنے سے حشر کے روز دیکھنا مراد ہے۔

عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلّو میں لے لیا۔

تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا۔

اور ظاہر ہے کہ عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھ کر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بنی اسرائیل کی گمراہی اور گوسالہ پرستی پر اللہ نے مطلع کر دیا تھا اور اللہ کی وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ بلاشبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(ف) (ابن کثیر)

من مالك إلّا ما اكلت فافنيت اَوْ لبست فابليت او تصدقت فاَمضيت۔

اے انسان اس میں سے تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے۔ یا صدقہ کر کے آگے بھیجدے۔

ایک روایت میں ہے کہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جُدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں۔ اسی کا ان کلمات میں بیان ہے لو کان لابن آدم وادیان من الذھب لا بتغیٰ ثالثا ولا یملاء جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علیٰ من تاب۔ یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا۔ اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہو گا الخ ۱۲۔

روز تم سے ضرور بالضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارہ میں جو تم پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کی گئیں کہ تم نے ان کا کیا حق ادا کیا تم نے ان نعمتوں کے بعد ان کی عظمت کو پہچانا یا نہیں؟ تم نے اپنے منعم کی محبت اور جذبۂ اطاعت کو اپنے دل میں محسوس کیا یا نہیں؟ تم اپنے منعم کی ناراضگی سے ڈرے یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں بالخصوص اس دن اور اس عالم میں جہاں ظاہر و باطن کا کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور زبان سے صرف وہی بات ادا ہو سکتی ہے جو حقیقت اور عین صداقت ہے۔ پس انسان کو سوچنا چاہیئے کہ ان بے پایاں نعمتوں پر جن کی شان یہ ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا محاسبہ اور مؤاخذہ پر وہ کیا جواب دے گا۔ نعمتوں کی بے شک کوئی حد و انتہاء نہیں۔ ظاہری نعمتیں باطنی نعمتیں جسمانی نعمتیں روحانی نعمتیں۔ پھر ہر قسم میں متعدد انواع و اقسام اور مراتب غرض ایک وسیع سلسلہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا انسان پر ہمہ وقت قائم و جاری ہے۔ حیات و تندرستی اعضاء کی خوبی اور سلامتی حسن و جمال ادراک عقل و فہم۔ اسباب راحت و آسائش اور اقسام و انواع کے فواکہ اور رزق اور جملہ نعماء غرض ہر شعبۂ حیات بے شمار انعامات کا مرکز نظر آتا ہے۔ تو بلاشبہ ان کے حق کا سوال ہونا ہی چاہیئے۔ اس لیئے انسان کو چاہیئے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے غافل و مغرور نہ ہو بلکہ اس کی تیاری میں لگ جائے کہ روز محشر جب ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا سوال ہوگا تو میں کیا جواب دوں گا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو۔ دونوں نے عرض کیا یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ ہمیں کسی بھی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا ہے سوائے بھوک کے۔ کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے۔ آپؐ نے یہ سُن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا۔ یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے اُن کی بیوی نے دیکھ کر کہا " مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آگئے" اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آگئے۔ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کیئے گئے۔ ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ ٹھنڈا پانی پیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔ بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارہ میں سوال ہوگا۔ تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا اور تم واپس لوٹنے سے پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔

(باقی حاشیہ ص ۵۳۰) علم یقین ہے۔ لیکن جب انہوں نے واپس پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اس مشرکانہ عمل کو دیکھا تو غصہ کی کوئی حد نہ رہی حالانکہ علم یقین تو اللہ کی وحی سے ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے دیکھا تو عین یقین کا مقام حاصل ہوا تو جو غصہ پہلے علم پر نہ تھا وہ دوسرے علم پر ہوا۔

تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے۔ انسان اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الھٰکم التکاثر

ایاتھا ۳ — ۱۰۳ سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ — رکوعھا ۱

سورۂ عصر مکی ہے - اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

قسم اُترتے دن کی۔ مقرر انسان ٹوٹا ہے۔ مگر جو یقین لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

کیئے بھلے کام، اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا، اور آپس میں تقید کیا سہار کا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ العصر

سورۂ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض مفسرین قتادہؒ سے اس کے بارہ میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اصول چار چیزوں کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران و محرومی سے بچانے والی ہیں۔ ایمانؔ۔ عمل صالحؔ۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت

سے بیان فرمایا گیا۔

سورۂ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص و شوق میں گذار دیتا ہے کہ مال و دولت کی کثرت ہو۔ عیش و عشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے۔ تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ و برباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایۂ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہیئے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصولِ اربعہ ہیں۔ ایمان و عمل صالح۔ تواصی بالحق۔ اور تواصی بالصبر گویا اصولِ فلاح و سعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ "اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت عــہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیئے کافی تھی۔ تو ارشاد فرمایا قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت و ذلت امیری و فقیری۔ تندرستی و بیماری۔ راحت و تکلیف اور کامیابی و ناکامی اور غمی و خوشی۔ غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خیر و شر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گرانقدر سرمایہ ضائع کر ڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے۔ دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے۔ لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیئے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر و برداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت و نصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلا شبہ نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایۂ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع و خُسران سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے

اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالٰے نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی و بربادی یا اس کے سود مند اور کارآمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

عــہ : سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جُدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے۔ ۱۲

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع و برباد کیا۔ اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان و افکار کو متوجہ کرنے کے لیئے قرآن کریم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ تو اس چند روزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لیئے دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے۔ کچھ حصّہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہو ولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں۔ بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادّی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کر سکے گا۔ تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرما دیئے گئے۔ ایمان عمل صالح تواصی بالحق۔ اور تواصی بالصبر۔ ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا۔ عمل صالح اطاعت و فرماں برداری جو تہذیب نفس کا باعث ہے۔ اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی۔ تو اس حد تک کمالِ اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تو مکمل ہو جائے گا۔ مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاحِ ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو۔ اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کو پھیلایا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسناتِ باقیہ کا جاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیئے حق و صداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تواصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الٰہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لیئے صبر و استقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد مصائب کے تحمل کے لیئے ہمت دلانا۔ اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز و فلاح کے بلند ترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنیٰ تامل سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر و برکت اسی میں مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دو پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دنیا آلام و مصائب اور آفات و فتن کا گہوارہ ہوگی۔ اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان و عمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہو جانے سے بھی مرتب ہوتی رہی ہے۔ یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کو خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں۔ اس وجہ سے زمانہ کی

قسم کھا کر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا۔ع بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فائدہ قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہٗ نے کھائی ہیں۔ کہیں رات کی۔ دن کی۔ چاند سورج کی۔ زمین و آسمان کی شہر مکہ کی۔ کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعیٰ کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور اس میں غیر اللہ کی قسم کا اشکال بھی درست نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شرک کا شائبہ رکھتی ہے۔ خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس شبہ سے پاک ہے۔ اس لئے ان اقسام میں لفظ رب محذوف ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض حضرات نے اس کا اہتمام کیا ہے ظاہر ہی پر محمول رکھتے ہوئے کہا جائے کہ خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔

ع: استاذ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں بھی ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے قلبی ایمان کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے جب دو مسلمان آپس میں ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ وصیت و نصیحت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر میں زندۂ جاوید رہے گا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے (کذا فی الفوائد)

تو اس طرح ان اصول اربعہ کو انسانی فوز و فلاح اور فرد و ملت کی کامیابی کے جامع اصول کہا جا سکتا ہے پھر ان اصول اربعہ میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو بھی واضح ہے اور اسی کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلیٰ و اکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔ ۱۲۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡھُمَزَۃِ

سورۃ الہُمزہ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں خاص طور پر ان امور وخصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں۔ طعن وتشنیع۔ عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں۔ مؤمن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں۔ ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر وشرک کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے۔ مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہیئے کہ کفر و نافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے۔ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ جس کے تصوّر سے ہی انسان کانپ جائے۔ ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہو گا تو اس مضمون میں نارِ جہنم کی عظمت وہیبت کو بیان کیا گیا۔

سورۃ الہُمزۃ مکی ہے، اس میں نو آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ﴿۲﴾

خرابی ہے ہر طعنے دیتے، عیب چنتے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا۔

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ﴿۴﴾

خیال رکھتا ہے کہ مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ کوئی نہیں! اس کو پھینکنا ہے اس روندنے والی میں۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ﴿۶﴾ الَّتِیۡ

اور تو کیا بُوجھا؟ کون ہے وہ روندنے والی؟ آگ ہے اللہ کی سلگائی۔ وہ جو

نَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِيْ

جھانک لیتی ہے دل - ان کو اس میں موندا ہے - لنبے

عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

لنبے ستونوں میں -

طعن و تشنیع و عیب جوئی و حُبِّ مال موجب ہلاکت و باعث نارِ جہنم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ .... الیٰ .... فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ

(ربط) گزشتہ سورۃ والعصر میں انسان کو ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچا سکے اور انسانی حیات جس فوز و فلاح کے لئے عطا کی گئی اس کو حاصل کر کے خسران و محرومی سے محفوظ رہے۔ اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کر ڈالتا ہے وہ طعن و تشنیع جیسی مذموم خصلت۔ لوگوں میں عیب تلاش کرنا۔ ان پر طنز کرنا۔ ان کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہوجانا ہے۔ ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عمر ضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصولِ اربعہ کا بیان تھا۔ تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ پھر یہ فرمایا جارہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصائل سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہوجانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے۔ مال و دولت کی حرص انسان کو ہر خیر و فلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصائل ان معاصی اور گناہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ گناہوں میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بے شک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے۔ اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں۔ ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے۔ غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا۔ اور زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا۔ تو ان عادات و خصائل سے انسان کی دنائت و ذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی گئی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان

ان باتوں سے پرہیز کرے۔ ارشاد ہے۔

بڑی ہی ہلاکت و تباہی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب[1] جوئی کرنے والا ہو جو اپنے اس خبث اور کمینہ خصلت کے ساتھ اس قدر حریص اور لالچی ہے کہ مال جمع کرتا ہے اور اس کو گِن گِن کر رکھتا ہے۔ خیر اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی تو کیا توفیق ہوتی۔ زکوٰۃ و خیرات اور صلہ رحمی یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تو مال کی حرص اور بخل میں اس حد تک پہنچا ہے کہ گِن گِن کر رکھتا ہے۔ کہیں کوئی پیسہ نکل کر بھاگ نہ جائے کوشش یہی ہوتی ہے اس میں سے ایک پیسہ خرچ نہ ہونے دیا جائے ہر طرف سے مال سمیٹنے اور بار بار گننے ہی میں اس کو مزہ آتا ہے۔

کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ باقی رکھے گا نہ موت آئے گی اور نہ آسمانی حوادث و مصائب کا شکار بنے گا۔ اور نہ قیامت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا جو کہ اس کے بخل حرص مال اور غرور و نخوت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ خبردار ہرگز ایسا نہیں اس انسان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ ضرور بالضرور وہ پھینکا جائے گا حطمہ میں۔ اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے وہ حطمہ اور روندنے والی چیز اس کی شناخت و معرفت انسانی عقول و افکار سے بالاتر ہے وہ تو ایک آگ ہے دہکتی ہوئی جو بدن کو جلا کر ابھرتی ہے دلوں پر جب کہ دنیا کی کوئی آگ بھی بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی۔ اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا کر دلوں کے اوپر اس کے شعلے ظاہر ہوں بلکہ وہ اس سے قبل ہی نزع روح کا باعث بن جاتی ہے۔ مگر یہ آگ ان مجرمین کے بدنوں کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہوگی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑکتے ہوں گے وہ آگ ان پر پاٹ دی جائے گی۔ جیسے کہ سرپوش میں کوئی چیز ڈھانک دی جائے جس کے بعد آگ کا ان پر ہر طرف سے احاطہ ہوگا نہ اندر کا گرم سانس باہر نکل سکے گا اور نہ باہر کی کوئی سرد ہوا ان تک اندر پہنچ سکے گی اور نہ ہی یہ ممکن ہوگا یہ جہنمی تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں بلکہ وہ گھرے ہوں گے۔ جکڑے ہوئے ہوں گے بڑے بڑے آتشی ستونوں میں کہ نہ تو ان ستونوں کو اکھاڑا جا سکے گا اور نہ ہی یہ مجرمین ان ستونوں سے کھل کر کہیں بھاگ سکیں گے۔ یا یہ پٹی[2] ہوئی آگ۔ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی جو بڑے

---

[1] ہمزہ اور لمزہ کی صفت کے ساتھ اس شخص کی مزید یہ خصلت بیان کرنا کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۔ یا تو اس امر کے پیش نظر ہے کہ بدگوئی اور عیب جوئی کی مذموم صفت تکبر سے پیدا ہوتی ہے جس کا منشاء مال و دولت کی کثرت ہے جس کی یہ نوبت ہے کہ " جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یا یہ کہ جس طرح جسمانی امراض میں ایک مرض دوسرے مرض سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بدگوئی اور عیب جوئی کی بیماری بخل اور حرص مال سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲۔

[2]: یہ کلمات اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ آیت فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ہو سکتا ہے کہ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ میں لفظ علیہم سے متعلق ہو اور لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ میں جن لوگوں کو روندنے والی جہنم میں ڈالنے کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہی دراز کیئے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ہوں۔

ھُمَزَہ اور لُمَزَہ کی تفسیر

لفظ ھُمَزہ اور لُمَزہ اصول عربیت کی رُو سے فُعَلَہ کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے ضُحَکَہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ ہنستا ہو اور مبالغہ کا صیغہ کسی بھی صفت کے بیان کرنے کے لیئے اس جگہ لایا جاتا ہے۔ جہاں اس صفت یا فعل کو بطور عادت بیان کرنا مقصود ہو۔ ان کی تفسیر میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ ابو عبیدہؒ کہتے ہیں۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ غیبت و بدگوئی کرنے والا۔ ابو العالیہؒ حسنؒ مجاہدؒ اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ھُمَزہ وہ ہے جو رد در رُو بدگوئی کرے اور لُمزہ وہ جو پس پشت برائی کرے۔ قتادہؒ نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

بعض ائمہ لغت سے نقل کیا گیا کہ ھُمَزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے۔ مثلاً فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی ہے یا باپ ایسا تھا۔ اس کی قوم شریف نہیں وغیرہ وغیرہ اور لُمَزہ وہ ہے ہاتھ پاؤں کے اشاروں اور حرکتوں سے تحقیر و توہین کرے حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ھُمزہ وہ جو کسی کی زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

بہرکیف یہ متعدد اقوال ائمہ مفسرین نے نقل کیئے ہیں۔ زیادہ مناسب دونوں کے ترجمہ میں وہی ہے جو اختیار کیا گیا کہ ھُمزہ "طعن اور عیب لگانے والا" اور لُمزہ "عیب جوئی کرنیوالا یا چغل خوری کرنے والا"۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں خصلتیں انتہائی ذلیل خصلتیں ہیں۔ آیت وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ میں وضاحت سے تفسیر گذر چکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرنے والا ہو۔

ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا ہلاکت و بربادی ہے اس شخص کے لیئے جو لوگوں کو ہنساتا ہے جھوٹی بات کہہ کر۔ ہلاکت ہے ہلاکت ہے[ؑ]

عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ

ؑ: مسند امام احمد بن حنبلؒ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۳۸) وعید بیان فرمائی گئی ان کے واسطے فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ظرف ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اِنَّہَا یعنی نار جہنم کی صفت ہو کہ وہ آگ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی اور اس کے بلند شعلے ایسے نظر آتے ہوں گے۔ جیسے کہ بلند کیئے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ستون ہوں۔ ۱۲۔

کیا ہے فرمایا اپنی زبان قابو میں رکھو یعنی ہر بُری بات سے زبان کو روکو۔ اور گھر میں بیٹھو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ [1]

ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنا جو اس کو بُری معلوم ہو۔ کسی نے اس پر عرض کیا۔ یا رسول اللہ اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگاؤ جو اس میں نہیں تو پھر یہ تو بہتان ہے [2]

بالعموم ایسے خبیث امور یا عادات کا سبب کبر و تعلی ہوتا ہے اس بنا پر وہ دوسروں کی عیب گوئی اور طعن میں لگ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور طبعاً انسان کے غرور و نخوت اور دوسروں کی تحقیر کے یہ اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال۔ شرافت۔ نسب و حسب۔ علم و ہنر اور مال و دولت جس کا نشہ انسان کو اندھا بنا دیتا ہے تو اس وجہ سے ان امور خبیثہ کے ساتھ اس شخص کا یہ وصف بھی بیان کر دیا گیا۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْفِيْل

تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل مکی سورت ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ سے اسی طرح منقول ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا۔ اور اللہ رب العزت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت کے لیئے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا۔ جس کو اصطلاح شریعت میں اِرہاص کہا جاتا ہے۔ جس سال حضورؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ابھی ایک ماہ پچیس روز باقی تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرما دیا یہ آپؐ کی نبوت کی تصدیق کے لیئے

[1] : جامع ترمذی ابوداؤد۔
[2] : صحیح مسلم۔

قدرتِ خداوندی نے بطور دلیل ونمونہ پیش کیا جس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ چونکہ مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرت الٰہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصّہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ خدا کے دین اور مرکزِ ہدایت کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔

سورۂ فیل مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ

نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے، ہاتھی والوں سے ؟ نہ کر دیا

یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا

ان کا داؤ غلط ؟ اور بھیجے ان پر اڑتے

اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَھُمْ

جانور تنگ تنگ ۔ پھینکتے ان پر پتھریاں کھنگر کی ؟ پھر کر ڈالا اُنکو

کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ﴿۵﴾

جیسے بھُس کھایا ہوا ۔

نزولِ غضبِ خداوندی برہتکِ حرماتِ الٰہیہ وتحقیرِ مرکزِ ہدایت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ

(ربط) ما قبل سورۃ "الہمزہ" میں انسان کے اخلاقِ رذیلہ کی مذمت اور اس پر خدا کی طرف سے

نازل ہونے والے قہر و عذاب کا ذکر تھا جو آخرت میں ایسی ذلیل حرکتوں پر مرتب ہوگا۔ اب اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے۔ خدا کی نافرمانی اور اس کے دین کی دشمنی اور مقابلہ دنیا میں بھی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہے۔ جیسے کہ ابرہہ اشرم کے لشکر نے اللہ کے گھر پر ناپاک جسارت کی تو کس طرح آسمانی عذاب نے اس کو ہلاک کر ڈالا تو ایسے تاریخی عظیم واقعات سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی قدرت سے جب نافرمانوں اور مجرموں پر ایسے عذاب اور قہر دنیا میں واقع ہوتے ہیں تو بلاشبہ یقین کرنا چاہیئے کہ کوئی مجرم خدا کے عذاب سے آخرت میں بھی ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اور جب اللہ کے گھر کی دشمنی پر خدا کا یہ قہر و غضب نازل ہوتا ہے تو جو شخص یا قوم اللہ کے پیغمبر اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے والے کی دشمنی اور مقابلہ کرے گی وہ کیونکہ عذابِ خداوندی سے بچ سکتی ہے۔ تو اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی آپؐ کے غلبہ اور طاغوتی طاقتوں کی شکست کی خبر دی گئی۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کیا نہیں[ع۱] دیکھا تو نے اے مخاطب کہ کیسا معاملہ کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ؟ جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر بیت اللہ پر حملہ کے لیئے آ رہے تھے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے (العیاذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کر دیں گے۔ تو کیا نہیں کر دیا۔ تیرے رب نے ان کی تدبیر کو۔ ان ہی کی ہلاکت و بربادی کی[ع۲] صورت میں؟ ضرور کر دیا اور ان کا داؤ ان ہی پر الٹا واقع ہوا اور غلط ہو کر ان کی تباہی کا باعث بنا اور ان کے دل میں جو کچھ تھا وہ پورا ہونے کی بجائے حسرتیں لے کر وہ جہنم میں چلے گئے اور بھیج دیئے ان پر پرندے[ع۳] غول کے غول

ع۱: یہ استفہام تقریری ہے کہ ہاں ضرور دیکھا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کے بارہ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ضرور دیکھا ہے کیونکہ یہ قصہ اس قدر مشہور و معروف ہوا کہ گویا ہر ایک اس کو دیکھنے والا ہے اور اس بناء پر اس طرح سوال کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲

ع۲: ان کلمات سے لفظ کید کے مفہوم کی وضاحت مقصود ہے نیز یہ کہ تضلیل یہاں بمعنی اضاعت و اہلاک ہے جو کسی تدبیر کے غلط ہونے کا انجام ہوتا ہے اسی وجہ سے اکثر حضرات اکابر نے ترجمہ میں غلط کا لفظ استعمال فرمایا۔

ع۳: طَيْرًا أَبَابِيلَ میں لفظ ابابیل متفرق جماعتوں اور ٹولیوں کو کہا جاتا ہے۔ امام لغت ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں ابابیل متفرق ٹکڑیوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے جاءت الخیل ابابیل من ھٰھُنَا و ھٰھُنَا۔ یعنی گھوڑوں کے لشکر متعدد دستوں کی صورت میں پے در پے اِس طرف سے اُس طرف سے آئے۔
بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ اخفش" و فراء" اسی کے قائل ہیں اور بیان کیا کہ یہ لفظ شماطیط اور عبادید کی طرح ہے کہ اس کا کوئی واحد

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو اڑتے ہوئے ان پر برسا رہے تھے۔ سنگریزےؑ پکی ہوئی مٹی کے جو ان پر گولیوں کی طرح برس رہے تھے۔
پھر بنا دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح چُورا چُورا۔ جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ اور منتشر حقیر و ذلیل کہ دیکھنے میں بھی قابلِ نفرت معلوم ہو۔
تو اس طرح اللہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو کمزور اور ہلکے جُثے والے پرندوں سے اور ان کی چونچ اور پنجوں میں لیئے ہوئے سنگریزوں سے ہلاک کر ڈالا۔

قِصّۂ اَصحَابِ فیل

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے پچاس پچپن روز پہلے کا پیش آنے والا عظیم تاریخی واقعہ ہے جو ایک طرف قدرتِ خداوندی کا نمونہ ہے تو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رسالت کی بھی پیش آنے والی نشانی یا بشارت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے۔ یہ آپؐ کی آمد اور ظہور قدسی کا ایک غیبی اشارہ اور اعلان تھا اور اس نسبت کے باعث کہ آپؐ کا ظہور قدسی قریش میں ہو رہا تھا اس قِصّہ سے منجانب اللہ قریش کی بھی غیبی مدد و نصرت تھی کیونکہ یہ نبی آخر الزمانؐ کا قبیلہ و خاندان ہے اور اللہ کے قبلہ کا متولیؔ اور محافظ ہے۔
علامہ زرقانیؒ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ اور ابنِ سعدؒ نے طبقات اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ملک یمن میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیرؔ کا آخری

ع؎ لفظ سجیل پکی ہوئی مٹی اور گارے کے ٹکڑے۔ اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ معرب ہے۔ سنگِ گِل سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سجّیل ہر مضبوط اور شدید چیز کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ سجیل میں لام ن سے بدلا ہوا ہے اور معنی سجین ہے جو جہنم کا بدترین نیچے کا طبقہ ہے اور زجاجؒ سے منقول ہے کہ سجل کے معنی کتابت کے ہیں جیسے کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ" میں تو یہ سنگریزے وہ تھے جن پر عذاب کا فیصلہ لکھا ہوا تھا۔ واللہ اعلم ۔۱۲۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۴۲) نہیں دوسرے بعض ائمہ فرماتے ہیں اس کا واحد ہے۔ چنانچہ ابو جعفر رواسی کہتے ہیں کہ اس کا واحد اِبالہ ہے اور یہ لفظ اس محاورہ میں بولا جاتا ہے "اِنّہٗ ضِغث علیٰ اِبّالۃ" اور اِبالہ سوکھے ہوئے گھانس کی گڈی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ابول کی جمع ہے جیسے عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے اور کوئی کہتا ہے یہ ایبالہ کی جمع ہے جیسے دینار کی جمع دنانیر ہے تو ایبالہ جمع ابابیل ہوگی۔ فرّاءؒ نے بیان کیا ابابیل کو ایبالہ کی جمع کہنا زیادہ بہتر ہے۔ ۱۲ (من تفسیر الکبیر للرازیؒ)

بادشاہ یہودی ہوگیا اور بہت سے لوگوں کو بھی زبردستی یہودی بنالیا اور تعصب کی وجہ سے نجران کے عیسائیوں کو (جو اس وقت صحیح عیسوی مذہب کے متبع تھے) ظلم وستم کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ خندقیں کھدوا کر ان میں آگ بھروائی اور جس نے اس کا مذہب قبول نہ کیا اس کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونکنا شروع کردیا اور یہی وہ مظالم تھے جن کا ذکر سورۃ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ میں گذر چکا۔ اس ظالم بادشاہ نے انجیل بھی جلادی تو کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل کا نسخہ لے کر شاہ روم قیصر کے پاس پہنچے اور اس سے مدد طلب کی۔ شاہ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو اس کا تابع تھا۔ ان لوگوں کی مدد کے لیئے لکھا۔ نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا تاکہ ذو نواس کی سلطنت کو تباہ کردیا جائے۔ اس نے یمن کی یہ سلطنت جو ذو نواس کی تھی۔ اس کو تو ختم کردیا اور خود اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ شخص نہایت ہی عیاشش اور شہوت پرست تھا اس نے جب یہ دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں تمام اطراف واکناف کے لوگ زیارت وعبادت کی نیت سے جاتے ہیں تو اس نے بیت اللہ کی عظمت وبرتری ختم کرنے کے لیئے شہر (صنعاء) یمن میں ایک کنیسہ (گرجا) تعمیر کرایا۔ جس میں ہر طرح کی تعمیری زیبائش اور آرائش رکھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوجائیں اور بیت اللہ کو چھوڑدیں اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے وقت سے جو حج بیتُ اللہ کا دستور عرب میں چلا آرہا تھا۔ اس کے بجائے صنعاء کے کعبہ کا حج یا میلہ ہونے لگے۔ اور حکم جاری کردیا کہ کوئی شخص مکہ نہ جائے اسی کعبہ کا حج کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی مقبولیت اس مصنوعی کعبہ میں کہاں سے آسکتی تھی اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ اور بدستور اہل عرب ویمن مکہ مکرمہ ہی جاتے رہے۔ اہل مکہ کو ظاہر ہے کہ اس پر غیظ وغضب اور ناگواری ہونی ہی چاہیئے تھی تو اس جذبہ سے کسی جاروب کش نے جو عرب یا مکہ کا تھا۔ اس کنیسہ میں پاخانہ کرکے اس کو جگہ جگہ سے آلودہ کردیا۔ پھر چند روز بعد اس میں آگ لگ گئی یا بقول بعض مورخین بیت اللہ کی محبّت میں معمور کسی شخص نے رات کے وقت آگ لگادی۔ جب حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے تو ابرہہ بادشاہ نے غصہ میں آکر ایک لشکر جرار تیار کیا۔ جو بڑے طاقتور ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا۔ اور یہ ہاتھیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ کعبۃ اللہ کو ڈھادیا جائے اور راستہ میں جو قبیلہ بھی عرب کے قبائل میں سے مزاحمت کرتا اس کو تہ تیغ کرتا ہوا مکہ کی طرف اپنے لشکر کو رواں دواں رکھا۔ یہاں تک کہ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب بعض روایات میں ہے نو دس میل کی مسافت پر تھا تو اطراف مکہ میں جو مویشی بھی جنگلوں میں چرتے نظر آئے ابرہہ کا لشکر ان کو بھی پکڑنے لگا۔ اسی میں عبدالمطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ (دادا) تھے ان کے بھی دوسو اونٹ پکڑ لیئے۔ اس وقت عبدالمطلب ہی قریش کے سردار اور بیت اللہ کے متولیّ تھے۔ جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کے لوگوں کو جمع کرکے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کعبہ اَللّٰہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ اور تم لوگ مکہ خالی کرکے میدانوں میں نکل جاؤ۔ اس کے بعد عبدالمطلب چند رؤساءِ قریش کو اپنے ہمراہ لے کر ابرہہ سے ملاقات کے لیئے گئے اطلاع کرائی۔ ابرہہ نے بڑی ہی عزّت کے ساتھ استقبال کیا۔ عبدالمطلب حسن وجمال کا پیکر تھے وقار وعظمت اور ہیبت ان پر برستی تھی۔

اور اللہ نے ان کو ایسی وجاہت اور دبدبہ عطا کیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتا تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلب سے وہ نبی ذی شان و ذی وقار پیدا کرنے والا تھا جس کو اللہ رب العزت نے یہ وصف عطا فرمایا تھا کہ "اُعطیت الرعب بمسیرۃ شھر" کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے کہ یہں دشمن سے اس قدر فاصلہ پر ہوں گا تو اس بُعد کے باوجود اس کے دل پر رعب طاری ہوگا اور وہ ہیبت زدہ ہو جائے گا۔ تو ابرہہ اس قدر مرعوب ہوا کہ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھانا تو گوارا نہ کیا البتہ خود تخت سے نیچے اُتر کر فرش پر بیٹھا اور ان کو اپنے ساتھ برابر میں بٹھایا۔ دورانِ گفتگو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کا ذکر کیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ابرہہ نے تعجب کے ساتھ کہا کہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کو تو چھوڑ دینے کا ذکر کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا کعبہ اور دین و مذہب ہے اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا اہم تھا اور تم کو اسی کی فکر چاہیئے تھی عبدالمطلب نے جواب دیا اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَ لِلْبَیْتِ رَبٌّ سَیَمْنَعُہٗ کہ اونٹوں کا میں مالک ہوں (لہٰذا میں جس کا مالک ہوں میں نے اس کی فکر کی اور اسکا ذکر کیا) اور کعبہ تو اللہ کا گھر ہے اللہ ہی اس کا رب ہے تو وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دینے کا حکم دیا۔ یہ تمام اونٹوں کو لے آئے اور خانہ کعبہ کی نذر کر دیئے۔ اور بیت اللہ کے دروازے پر آکر گڑگڑا کر دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ یہ تو تیرا گھر ہے تو ہی اس کی حفاظت فرما یہ دشمن ہاتھیوں کا لشکر عظیم لے کر آئے ہیں اور تیرے حرم کو برباد کرنے کا قصد لے کر آئے ہیں اور اپنی جہالت سے انہوں نے تیری عظمت و جلال کو نہیں سمجھا عبدالمطلب دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ ادر ادھر ابرہہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکایک پرندوں کے غول کے غول نظر آئے۔ ہر ایک پرندہ کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں جو دفعتاً لشکر پر برسنی شروع ہو گئیں۔ قدرت کی طرف سے پھینکی جانے والی یہ کنکریاں[ع] گولیوں سے بھی شدید کام کر رہی تھیں۔ ہر ایک کے سر پر گرتی اور نیچے سے نکل جاتی اور جس پر وہ کنکری گرتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس طرح تمام لشکر تباہ ہو گیا خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور روایات میں ہے کہ ابرہہ کے بدن پر چیچک جیسے آبلے نمودار ہو گئے اور اس کا تمام بدن اس سے سڑ گیا اور جسم کے تمام حصوں سے خون اور پیپ بہنے لگا۔ بالآخر ایک ایک حصہ کٹ کٹ کر گرتا گیا یہاں تک کہ سینہ پھٹ گیا اور اسی میں مر گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوا کہ یہ جگہ جہاں ابرہہ کا لشکر ہلاک کیا گیا وادی مُحَسّر تھی جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ یا بقول ابنِ عباسؓ وادی صفاح تھی یہ کنکریاں عالم غیب کی تھیں جو غضب الٰہی

ع: اسی طرح کی تاثیر اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکریوں میں پیدا فرمادی تھی۔ جبکہ آپ نے اپنی ایک مٹھی میں لے کر کفار کے لشکر پر پھینکی اور اس کو حق تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ ۱۲

برسانے کے لیئے اصحابِ فیل پر برسائی گئیں۔ ان کنکریوں کا ہر ایک کے پار نکل جانا قدرتِ الٰہی پر ایمان رکھنے والے کے لیئے ذرہ برابر بھی قابلِ تردّد چیز نہیں۔ لیکن ایک طبقہ جو یورپ کی تعلیمات اور فلسفہ سے مرعوب ہے وہ قدیم زمانہ سے اسی روشن کو اختیار کیئے ہوئے ہے کہ اس قسم کے واقعات جو خداوند عالم کی قدرتِ عظیمہ کے دلائل ہوتے ہیں اور خوارق عادات (جو اللہ کے پیغمبروں کے لیئے شہادت و نشانیاں ہوتے ہیں) کی تاویل کرتا ہے اور یہ لوگ ایسے دلائل و معجزات کو (حالانکہ معجزہ نام ہی اس امر کا ہے جو اسباب عادیہ اور طاقت بشریہ سے بالا و برتر ہو) اسباب عادیہ اور واقعات طبیعیہ کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسی رکیک اور بعید از قیاس اور ایسی مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں کہ صاحبِ فہم انسان اِن کو سُن کر حیرت میں پڑ جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات کے سلسلہ میں ان کے عصا مارنے پر پتھر سے بارہ چشموں کا جہاں ذکر آیا۔ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا، تو احادیث مرفوعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تفسیر اور امت کے کل ائمہ مفسرین کی تحقیق کے برعکس یہ تاویل بڑی ہی ڈھٹائی سے اور بڑے ہی تکلفات کے ساتھ کر ڈالی کہ یہ بارہ چشموں کا نکلنا اس طرح نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے عَصَا مارا اور پتھر سے چشمے جاری ہو گئے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام بحکمِ خداوندی پہاڑ پر چڑھے اور چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کو ایک جگہ بارہ چشمے جاری بہتے ہوئے نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف[عہ] ہے تو اسی طرح بعض اہلِ قلم حضرات نے یہاں بھی صرف اس بناء پر کہ ان کی عقلوں میں یہ بات آنی مشکل تھی کہ پرندوں کے پنجوں اور چونچ کی کنکریاں ایک لشکرِ جرار اور ہاتھیوں کو ہلاک کر ڈالیں تو یہاں بھی تاویل کر ڈالی کہ پرندوں کا کنکریاں پھینکنا مراد نہیں بلکہ ہمیں تاریخی نقول اور واقعات کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسانے لگے اور اسی سے یہ لشکر ہلاک ہوا اور یہی مطلب ہے اس آیت " تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ " کا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔

یہ تاویل ایسی کھلی تحریف ہے کہ اس کی نہ لغت اجازت دیتا ہے نہ قرآنِ کریم کا خود مضمون اور نہ ہی کوئی صاحب فہم انسان اس مضمون کو اس اندازِ تعبیر کے مطابق قرار دے سکتا ہے جس کو قرآن نے بڑے ہی عظمت و ہیبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یعنی اور ان کے داؤ کو باطل کرنے کے لیئے أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا کی وضاحت فرمائی اور لفظ تَرْمِيهِمْ کی ضمیر طیر یعنی پرندوں کی طرف راجع ہے۔ قریش کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ ان کے پتھر برسانے کا مضمون ہوتا تو قرآن کی آیت یوں ہوتی۔ فصعد قریش علی الجبال ورموھم بالحجارۃ حالانکہ ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ کے بعد وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ کا بس یہی مفہوم ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے ان بھیجے ہوئے

عہ: حضرات قارئین اس موضوع کی تفصیل کے لیئے ناچیز کی کتاب " منازل العرفان فی علوم القرآن " " بحث تحریفات قرآنیہ " کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

پرندوں سے اس لشکر کا کام تمام کر دیا۔ پھر جب کہ احادیث سے بھی واضح تفسیر یہی ثابت ہو چکی تو آخر کیا ضرورت پیش آئی کہ اس طرح کی بعید از قیاس وفہم تاویل کی جائے چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ بروایت عکرمہؒ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طیراً ابابیل کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔

"کہ یہ پرندوں کی ٹولیاں تھیں جو سمندر کی سطح سے نمودار ہوئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ پرندے سبز رنگ کے تھے اور ان کی منقار (چونچ) زرد رنگ کی تھی تو پرندوں کے یہ غول تمام لشکر پر چھا گئے اور کنکریاں برسانے لگے۔"

اعمشؒ بروایت ابوسفیانؒ عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ مائل رنگ کے بحری پرندے تھے۔ اسی طرح دوسرے حضرات ائمہ تابعین نے متعدد سندوں سے ابن عباسؓ مجاہدؒ اور عطاءؒ سے یہی نقل کیا ہے۔ ابو زرعہؒ کی روایت سے یہ منقول ہے۔ عبید بن عمیرؒ نے بیان کیا کہ اللہ تعالے نے جب اصحاب فیل کے ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندے سمندر سے اٹھے۔ اور ان کے سروں پر صفوں کی طرح چھا گئے۔ اور ہر ایک نے اپنی چونچ اور پنجوں میں لی ہوئی کنکریاں ان پر برسانی شروع کر دی جس کسی پر وہ کنکریاں گرتیں بدن شق کرتی ہوئی بدن میں سے باہر نکل آتیں۔ حسن بصریؒ ضحاکؒ قتادہؒ اور ابو مسلم بن عبدالرحمٰنؒ سے بھی یہی طرح تفصیل منقول ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرمایا اور یہ تمام سندیں محدثین کے نزدیک معتبر اور صحیح ہیں۔ اسی طرح تفسیر در منثور میں سعید بن منصورؒ اور ابن ابی شیبہؒ اور ابن منذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ اور ابونعیمؒ اور بیہقیؒ نے دلائل میں عبید بن عمیر اللیثیؓ سے بیان کیا کہ

قال لما اراد اللہ ان یھلك اصحاب الفیل بعث اللہ علیھم طیراً انشأت من البحر کانھا الخطاطیف بکف کل طیر منھا ثلاثۃ احجار مجزعۃ فی منقارہ حجر وحجران فی رجلیہ ثم جاءت حتی صفت علیٰ رؤسھم ثم صاحت والقت مافی ارجلھا ومنا قیرھا۔ فما من حجر وقع منھا علیٰ رجل الا خرج من الجانب الآخران وقع علی راسہ	جب اللہ تعالے نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھی تھیں گویا کہ وہ خطاطیف ہیں۔ ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لیئے ہوئے تھی۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ یہ چڑیاں دریا کی طرف سے آکر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے پس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اور اگر بدن کے

خرج من دبرہ وان وقع علیٰ	کسی اور حصہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل
شیء من بدنہٖ خرج من	گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو۔
الجانب الاٰخر و بعث اللّٰہ ریحًا	پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحابِ
شدیدا فضربت ارجلھا فزادھا	فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ
شدۃ فاھلکوا جمیعًا (درمنثور)	ہو گیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

علیٰ ہذا القیاس ابو نعیمؒ نے اور بیہقیؒ نے بھی متعدد اسانید سے یہ روایات بیان کی ہیں۔ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بلاشبہ یہ امر مضحکہ خیز اور گویا قدرت خداوندی کا انکار ہے کہ پرندوں کی کنکریاں برسانے کا انکار کر کے قریش کے لوگوں کی طرف سے پہاڑوں پر چڑھ کر اصحاب فیل کا مقابلہ کرنا اور ان کو شکست دینا بیان کیا جائے۔ اور اصحاب فیل کی ہلاکت کو ایک اتفاقی بیماری اور چیچک کے نکل جانے پر محمول کیا جائے۔ اگر کسی تفسیر میں لفظ چیچک آیا بھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بیماری ان کے جسموں پر اتفاقاً پیش آگئی بلکہ وہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کنکریوں کے سمی اور زہریلے اثرات ان کے بدن پر اس طرح رونما ہوئے کہ بدن پر آبلے اُبھر آئے جیسے کہ چیچک کے دانے ہوں۔ بہرکیف قدرت خداوندی پر ایمان رکھنے والا شخص ان واضح تفسیرات کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا۔ پھر جب کہ دنیا میں پیش آنے والے ایسے عجیب واقعات اور قدرت کے کرشمے بارہا نظروں کے سامنے آتے ہیں اور مؤرخین عالم میں پیش آنے والے ان واقعات کو نقل بھی کرتے ہیں۔ کسی جگہ بیان کیا گیا کہ آتشیں گولہ پڑا۔ جس کی آواز سے لوگ ہیبت زدہ ہو گئے اور زمین میں وہ دھنس گیا کہیں سُرخ آندھیوں سے تباہی پھیل گئی کہیں آسمان سے اولے برسنے لگے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قریش مکہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور تردید کیلئے معمولی سے معمولی بات کی فکر میں رہتے تھے تو آخر انہوں نے کیوں نہ کہہ دیا کہ قرآن کا یہ اعلان غلط ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے اس لشکر کو ہلاک کیا اور اس طرح یہ واقعہ اس کی قدرت کی دلیل اور اس کے پیغمبرؐ کی نبوت کی اطلاع ہے بلکہ یہ تو ہمارا کام تھا کہ ہم نے پہاڑوں پر سے ان پر پتھر برسائے اور اس طرح ابرہہ کے لشکر کو شکست دی۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ عذاب خداوندی کے واقعات اور قدرت کی ایسی نشانیوں میں مثلاً ہوائیں، زلزلے، طوفان۔ پتھروں کی بارش وغیرہ وغیرہ میں ملحدین تاویلات کر کے قدرت خداوندی اور ایسے مظاہر غضب کا انکار کرتے ہیں اور نہایت ہی رکیک اور ضعیف یا بعید از قیاس تاویلات کر لیتے ہیں لیکن اس واقعہ میں اس طرح کے اعذار اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں نہ اس واقعہ کو کسی اتفاق پر محمول کر سکتے ہیں اور نہ اس کو کسی طبیعت اور مادہ کے اقتضاء پر محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسی بات کہ پرندوں کے غول اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لے کر آئیں اور لشکر پر برسانے لگیں اور ایک مخصوص قوم اور لشکر ہی پر یہ کنکریاں برسیں نہ کہ کسی اور پر ہرگز یہ بات نہ اتفاق پر محمول ہو سکتی ہے اور نہ اس کو امر طبعی پر محمول

کیا جا سکتا ہے جیسے کہ کسی آندھی چلنے کی تاویل کر لی جائے یا طوفان کی تاویل کر لی جائے۔ یا حضرت موسیٰؑ اور ان کے لشکر کا بحر قلزم سے عصا مارنے پر بارہ راستے ہو کر صحیح سالم نکل جانے اور اس کے بعد فرعون کے لشکر کے غرق ہو جانے کو دریاؤں کے مدوجزر پر محمول کر لیا جائے۔ غرض یہاں اس قسم کی کسی بھی بات کا امکان نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کی ولادت باسعادت سے پچاس روز قبل ہی تو پیش آیا اور جب یہ سورت نازل ہوئی اور اہل مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تو یقیناً اس وقت تک مکہ میں بہت سے لوگ وہ موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ تو اگر یہ اعلان خلاف حقیقت ہوتا یا اس کی مراد یہ نہ ہوتی تو وہ کفار قریش برملا اس سورت کی تردید کر دیتے نہ کسی متنفس نے تردید کی نہ طعن کیا اور نہ کوئی تاویل کی اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ نہیں پرندے نہیں بلکہ ہم نے پتھر برسائے۔

فائدہ کفار قریش اگرچہ مشرک تھے اور بیت اللہ میں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے تو یہ شرک بے شک بدترین فعل تھا۔ اور اصولی طور سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے گھر کی دیواروں کو منہدم کرنے سے بھی یہ عمل شنیع اور برا تھا۔ لیکن اس پر طویل مدت گزرنے پر بھی عذاب نازل نہیں ہوا اور ابرہہ کے لشکر نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ عذاب نازل ہو گیا اس پر ممکن ہے کہ تعجب ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ مشرکین کا جرم اللہ رب العزت کے حق پر تعدی اور نافرمانی تھی اور ابرہہ کے لشکر کا یہ اقدام دین خداوندی اور بیت اللہ کی توہین تھی۔ اس وجہ سے خدا کو یہ بات برداشت نہ ہوئی یعنی اللہ نافرمانی برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے دین کی توہین نہیں برداشت کرتا۔

اصحاب الفیل کی تعبیر بجائے ارباب الفیل یا مُلّاک الفیل کے ایک عجیب لطافت رکھتی ہے۔ گویا اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ قوم اپنی بہیمیت اور عقل و فہم سے محروم ہونے میں فیل کی جنس سے ہی تھے اس بناء پر یہ درست ہے کہ ان کو اصحاب الفیل یعنی ہاتھیوں کے ساتھی اور رفقاء کہہ دیا جائے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُورَةُ قُرَيْشٍ

سورۃ قریش مکی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کو مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرتِ خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذرائع آمدورفت آسان کر دیئے تھے۔ اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے ربِ منعم کی عبادت کرتے۔ پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ لائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں۔ تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

سورۂ قریش مکی ہے۔ اس کی چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ﴿۲﴾

اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو۔ ہلا رکھنا ان کو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے۔

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ

تو چاہیئے بندگی کریں اس کے گھر کے رب کی۔ جس نے ان کو کھانا دیا بھوک

جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

میں، اور امن دیا ڈر میں۔

انعامات خداوندی بر قریش بصورت عطا رزق و امن و تسہیل وسائل سفر

قال اللہ تعالیٰ۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۔۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔۔ وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔

(ربط) گزشتہ سورت میں اہلِ مکہ پر خداوندِ عالم کے اس خاص انعام و کرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو

ابرہہ کے حملہ سے محفوظ رکھا۔ اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزمان کا ظہور قدسی ہونے والا تھا اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جارہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیئے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں۔ اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے یمن گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اس خیال سے کہ یہ لوگ اہلِ حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون و چین سے اپنی زندگی گذارتے۔ اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب۔ خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز و اکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسولِ خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی یہ بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اس رسول پر ایمان لائیں۔ اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے۔ تو ارشاد فرمایا۔

قریش کے مالوف و مانوس کرنے کے لیئے سردی کا سفر اور گرمی کا سفر ہم نے[عـه] مقدر کر دیا تھا۔ اور ہر دو موسم میں اسباب سفر ان کے واسطے مہیا کر دیئے تھے۔ تاکہ انہیں اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی الفت و رغبت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انعام سے منعم کی محبت پیدا ہونا طبعی تقاضا ہے۔ اس لیئے ان کو چاہیئے کہ بندگی کریں۔ اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک کی حالت میں اور امن دیا ان کو خوف کی حالت میں جب کہ حرم کے اطراف لوٹ و غارتگری عام تھی مگر اہل حرم کو یہ چور ڈاکو کچھ نہ کہتے اور اس سرزمین میں جہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا ہو تو بے شمار رزق پھل اور طرح طرح کی نعمتیں! یہ کس قدر عظیم انعام ہے جو صرف اس مبارک گھر اور کعبہ کی بدولت ہے تو جس گھر کے طفیل روزی ملتی ہو۔ امن و سکون حاصل ہو۔ اصحاب فیل کی زد سے محفوظ رہے ہوں۔ تو پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو ستاتے ہو اور اس سے دشمنی کرتے ہو۔

بیہقیؒ نے ایک روایت اُم ہانیؓ کی سند سے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ تمام قبائل پر فضیلت دی ہے۔ یہ کہ[۱] میں ان میں سے ہوں۔

عـه: ہر دو موسم کے یہ سفر آسان کر دینا بلاشبہ بڑا ہی عظیم انعام تھا۔ اور اسلام سے قبل ہی قریش کے لیئے باہر ملکوں کے سفر کو اسلام کی اشاعت اور فتوحات کا بھی اللہ نے ذریعہ بنایا اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ سفر اور تجربہ انسان میں حوصلہ اور اولوالعزمی پیدا کرتا ہے۔ قریش کے ساتھ اگرچہ اور قومیں بھی تھیں۔ مگر اصل قریش ہی تھے اس وجہ سے اصل موردِ انعام قریش ہی کو فرمایا گیا۔ ۱۲۔

اور[۲] یہ کہ نبوت اللہ نے ان میں رکھی اور[۳] بیت اللہ کی تولیت و نگرانی ان میں ہے۔ اور[۴] یہ کہ ان ہی میں زمزم کی سقایت کا منصب ہے۔ اور[۵] یہ کہ اللہ نے اُنکی مدد کی ہاتھیوں کے لشکر کے مقابلہ میں۔ اور[۶] یہ کہ انہوں نے اس وقت اللہ کی عبادت کی جبکہ انکے علاوہ اور کوئی اللہ کی عبادت کرنیوالا نہ تھا اور[۷] یہ کہ اللہ نے ان کے متعلق قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ سورۃ لِاِیْلٰفِ[عـه] قُرَیْشٍ تلاوت فرمائی۔

شہر بن حوشبؒ اسامہ بن زیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ تلاوت کرتے ہوئے سُنا اور آپ یہ فرما رہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر عبادت کرو اس گھر کے رب کی جس رب نے تم کو بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تم کو خوف سے مامون کیا۔

یہ وہی مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اسی حقیقت کو قرآن کریم آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یوں تعبیر کرتا ہے اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا۔

فائدہ لاِیلٰفِ میں لام مجرور بمعنی سبب و وجہ ہے۔ جس کو لام علّت بھی کہا جاتا ہے اور بعض ائمہ مفسرین اور اہلِ لغت اس کو لام تعجب کہتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ لام تعجبّ ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے۔ اے لوگو تعجب کرو کہ ہم نے قریش کے لیئے کس طرح اس سرزمین کو مانوس بنایا۔ اور کیسی کیسی نعمتیں انکو دیں۔

عـه: قریش عرب کے قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی خاندان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نضر بن کنانہ کی تیرھویں پشت میں ہیں۔ جیساکہ سیرت کی کتابوں میں آپؐ کے نسب نامہ سے ظاہر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قریش تصغیر ہے۔ قرش کی جس کے معنی سمندر کے ایک طاقت ور جانور کے ہیں چونکہ یہ قبیلہ بہادر تھا اس وجہ سے اس کا یہ نام معروف ہوا۔ قرش کے معنی جمع کرنے کے بھی ہیں۔ چونکہ قصی نے متفرق قوموں کو مکہ میں جمع کیا تھا۔ اس وجہ سے قریش کو قریش کہا گیا کسی نے بیان کیا کہ قرش کے معنی کسب کے ہیں اور یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے قریش کہلائے۔ اسی طرح اور بھی بعض معانی لفظ قرش کے لغت میں ملتے ہیں۔ اور اِن معانی سے قریش کی وجہ تسمیہ ظاہر ہوتی ہے۔

واللہ اعلم۔ ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الماعون

سورۃ ماعون بھی مکی سورت ہے جس کی سات آیات ہیں۔ عطاءؒ اور جابرؓ کا یہی قول ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نصف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں۔ ان مختصر آیات میں حکمتِ نظریہ اور عملیہ۔ تہذیبِ اخلاق۔ سیاستِ مُدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور

ان کا لباب و جوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظریہ ہی انسان کی زندگی کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے۔ اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک وبد کی جزاء ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے جہاں اس کو اچھے اور بُرے اعمال کا ثواب وعذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے۔ وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا۔ اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو ربّ البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی۔ تو اس سورت میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بیان کیئے جا رہے ہیں جو ان کے لیئے دین ودنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے۔ ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر یا اے مخاطب۔ کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ اعمال کے بدلہ کو اور انکار کرتا ہے قیامت کا اور اعمال کی جزاء وسزا کا۔ حالانکہ ہر انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق کو مانے اس کے انعامات کو سمجھے اور ان انعامات کے باعث اس پر ایمان لائے اور اس کی نعمتوں کا حق بھی ادا کرے اور اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو غریبوں مساکین ویتامیٰ پر خرچ کرے لیکن افسوس صد افسوس یہ مکذب بالدین خُدا اور قیامت کا مُنکر اور اس کی نعمتوں کو فراموش کرنے والا تو ایسا شخص ہے غرور وتکبر کے نشہ میں مست دھکے دیتا ہے یتیم کو اور خود تو کسی کی کیا مدد کرتا دوسرے کو بھی ترغیب نہیں دیتا مسکین کو کھانا دینے کی۔ ایسی سنگدلی اور بندوں کے حقوق سے غفلت کے ساتھ یہ بھی عیب ہے کہ خالق کا حق بھی نہیں پہچانتا اور نہ اس کو ادا کرنے کی طرف رخ کرتا ہے اور اگر کسی وقت اپنی کسی غرض یا کسی خوف کے باعث اللہ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہو بھی جاتا ہے تو ہزار خرابیوں اور غفلت ولا پرواہیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سو بڑی ہی ہلاکت وبربادی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیئے جو اپنی نماز سے غافل وبے خبر ہیں جو صرف دکھلاوا کرتے ہیں۔ یعنی ریا کاری اور نمود ہوتا ہے نہ ان کو نماز کا اہتمام وخیال ہے نہ اس میں پابندی ہے نہ اس میں خشوع خضوع اور طمانیت ہے[عہ] کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی اور اگر پڑھی بھی تو چند ٹکریں مارلیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم احکم الحاکمین کے دربار میں اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں اس کے سامنے کس کیفیّت سے کھڑے ہونا چاہیئے اعتقادی اور عملی خرابی اور ایسی گندگی کے علاوہ کمینہ پن اس حد تک ہے۔ اور کسی کے مانگنے پر انکار کر دیتے ہیں حقیر سے حقیر چیز کا برتنے کی جس کے دینے میں نہ مال بوجھ نہ کوئی مشکل اور نہ وہ کوئی قیمتی چیز جیسے ڈول رسی یا کوئی برتن۔ جن میں عام طور پر بخل کیا جاتا ہے اور نہ ان کے

عہ: ان الفاظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تلك صلوٰة المنافق قام فنقر اربع نقر لا یذکر اللّٰہ اِلّا قلیلا۔ کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہوا اور چار ٹھونگیں مارلیں۔ اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ ۱۲

مانگنے کو عیب کہا جاتا ہے تو ایسی حقیر سی چیز ہی جو دینے پر تیار نہ ہو وہ کیا صدقات و زکوٰۃ ادا کرے گا کیا کسی مسکین کو کھلائے گا یا یتیم کی تربیت و کفالت کرے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اعتقادی گندگی اور عملی خرابیوں کے بعد ایسی اخلاقی گراوٹ انتہائی افسوسناک امر ہے اور انسانیت کے لئے تباہ کن بات ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات انسان اور معاشرہ کو ایسی گندگیوں اور کمینہ خصلتوں سے پاک رکھنے والی ہیں جن کی تعلیم و ہدایت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو دی گئی اس لیئے ہر مسلمان شخص کو چاہیئے کہ وہ اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے۔ ریا کاری اور بد اخلاقی سے بچے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الکوثر

سورۃ الکوثر مکیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح منقول ہے۔ یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کیئے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو وحی اور علوم الٰہیہ رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت آپ کو دیئے گئے انکی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہو سکتی جس علم و حکمت نے دنیا کو انسانیت سکھادی ان کو عقائد اعمال و اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت اور ایمان و تقویٰ کے نور سے ان کی زندگیاں روشن کر دیں۔ بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ فرما دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور عند اللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپؐ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لیئے تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔

غرض اس سورت میں بے شمار مطالب اور اسرار و حکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح و بلیغ ادیب و شاعر نہ کر سکا۔ روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایۂ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرما کر اپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اُتار لیئے۔ اور پھر کسی کو جرآت نہ ہوئی کہ وہ اپنا

کوئی شعر یا کلام وہاں لٹکائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ ما ھذا کلام البشر کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

سورۂ کوثر مکی ہے، اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ②

ہم نے تجھ کو دی کوثر ۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے، اور قربانی کر۔

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ③

بیشک جو بیری ہے تیرا، وہی رہا پیچھا کٹا۔

انعام ربِّ ذو الجلال بعطاء کوثر و ہلاکت و بربادی دشمن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ

(ربط) سورۂ ماعون میں حکمت اعتقادیہ وعملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال واخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کر دی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے۔ جس کے باعث انسانی حیات عظمت وبلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخیں اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شادابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل وپھول لگے رہیں۔ یہی وہ فرمان مبارک ہے جو وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۔ کے عنوان سے نازل فرمایا گیا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اے ہمارے پیغمبر بے شک ہم نے آپ کو عطا کر دی ہے کوثر۔ خیر کثیر اور حوض کوثر جس کی خیر وبرکت

سے اللہ کے بندوں کو سیرابی، نجات اور آخرت کی بے پایاں نعمتیں اور خیر حاصل ہوگی اور آخرت کی اس خیر کثیر (جو حوضِ کوثر کی صورت میں ہوگی) کے علاوہ دنیا میں بھی آپؐ کو اور آپ کے ذریعہ تمام عالم کو خیر کثیر رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت کے علوم کی شکل میں دے دی ہے۔ دنیا اور آخرت کی خیر عطا کیے جانے کا حق یہ ہے کہ بس آپ خاص[1] اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھتے رہیں۔ تاکہ اس انعام عظیم کا حق اپنے بدن اور روح سے ادا کریں اور قربانی کریں تاکہ اپنے مال سے اس کے انعام کا حق ادا ہو جائے۔

انعامات خداوندی سے جو عظمت آپ کو ملی ہے وہ رہتی دنیا اور قیامت تک قائم رہے گی اور اس طرح آپؐ کے ذریعہ عالم کو جو خیر کثیر پہنچ رہی ہے اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اس پر آپ اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کی کوئی فکر نہ کریں کہ اسلام کے اور آپ کے دشمن آپ کی دشمنی اور بدخواہی میں کیا کر رہے ہیں آپ یقین رکھیں ان کی بدخواہی دشمنی اور سازشوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یقیناً آپ کا دشمن[2] ہی دُم بریدہ ہے۔ اور بے نام و نشان رہے گا نہ اس کی کوئی نسل باقی رہے گی نہ اس کا کوئی نام اور نہ بھلائی کا عمل اور نہ ہی اس کا کوئی علم و ہنر سب کچھ ختم ہو کر وہ نام و نشان سے بھی مٹ جائے گا اور کوئی اس کا بھلائی سے ذکر بھی کرنے والا نہ رہے گا۔ جبکہ اللہ نے آپؐ کو وہ عزت و عظمت دے دی کہ اس کی بلندی کی کوئی حد نہیں۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اور وہ علم و خیر کثیر عطا کی۔ دنیا اس سے مستفیض و سیراب ہے اور کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں اور اس کی خوبی اور منفعت کا کائنات کے گوشہ گوشہ میں چرچا ہے۔ آپؐ کا نام اذانوں میں لیا جا رہا ہے کہ عالم میں کوئی چپّہ زمین اس سے خالی نہیں اور شب و روز ہر لمحہ اشہد ان محمد رسول اللہ کی صدا فضا میں گونجتی ہے پھر آخرت میں یہ انعام و اعزاز ہوگا کہ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا تو اس طرح آپ کا ذکر آپ کا فیض کسی لمحہ منقطع نہ ہوگا پھر کسی کافر کو آپؐ کے بیٹے کی موت پر یہ کہنا کہ محمدؐ تو اب اَبْتَر ہو جائے گا یعنی "منقطع النسل" کس قدر بیہودہ اور لغو بات ہے جس ذات کا علم و فیض اور حکمت اور عقائد و اعمال اور کردار و معاشرت کی خوبیاں تمام عالم میں پھیل رہی ہوں۔ اس کے آثار باقیہ اس کے ایک بیٹے کی موت سے بھلا کیونکر منقطع ہو سکتے ہیں۔

الکوثر کا مفہوم

"الکوثر" کے معانی از روئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں اور اس کو

---

[1] یہ لفظ عربیّت کی رُو سے لِرَبِّكَ میں لام جو اختصاص کے لیے مستعمل ہوتا ہے کے پیش نظر بڑھایا گیا۔ ۱۲۔

[2] دشمن لفظ شانئ کا ترجمہ شنآن بغض و عداوت کو کہا جاتا ہے تو مراد وہی ہوئی کہ آپؐ سے بغض و دشمنی رکھنے والا۔ ۱۲۔

نعمت و برتری کے مفہوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی معنی لغوی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (جو حبر الامۃ ہیں) نے تفسیر کی ہے الخیر الکثیر۔ جیسا کہ امام بخاریؒ ابن جریرؒ اور حاکمؒ نے اور اسی طرح امام ترمذیؒ احمد بن حنبلؒ اور ابن ماجہؒ نے بروایت سعید بن جبیرؓ نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

خیر کثیر اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے ہر قسم کی خیر کو شامل ہے۔ اس بارہ میں مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ البحر المحیط میں تو چھبیس[۲۶] اقوال نقل کئے ہیں اور بیان کیا کہ اس میں ہر قسم کی دینی دنیوی حسّی اور معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ کے طفیل امت کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت کوثر بھی ہے جو آخرت میں آپ کو دی جائے گی۔ جس کی صفت احادیث کثیرہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کا ایک گھونٹ بھی پینے والا کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

اسی حوض کوثر پر قیامت کے روز آپ کا منبر ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے ومنبری علیٰ حوضی کہ میرا منبر میری حوض پر ہے جس کے پانی سے آپ امت کو اور اوّلین و آخرین کو روزِ محشر سیراب فرمائیں گے۔ جیسے کہ دنیا میں ایک معنوی حوض کوثر یعنی ذخیرۂ علوم رشد و ہدایت سے تمام عالم کو سیراب فرمایا اور یہ وہ حکمتِ الٰہیہ ہے جو خداوندِ عالم نے آپ کے قلب مبارک میں بھر دی ہے اور دنیا ئے علم و حکمت کے جام اس حوضِ کوثر سے لئے جا رہے ہیں اور سیراب ہو رہے ہیں اور جو خوش نصیب علوم نبویہ کے چشمۂ فیض سے دنیا میں سیراب ہوگا۔ ان شاء اللہ قیامت میں اس حوضِ کوثر سے بھی سیراب ہوگا اور جو بد نصیب یہاں محروم رہا۔ وہ وہاں بھی محروم رہے گا۔ اللّٰھم اسقنا من حوضہ۔ آمین۔

حوضِ کوثر کا ثبوت اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث سے ثابت ہے کہ محدثین نے ان روایات و احادیث کو حد تواتر میں شمار کیا ہے۔ اور جو چیز بھی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار یا ایسی تاویل جو انکار کے درجہ میں آئے اصول شریعت کی رُو سے کفر ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شبِ معراج میں (بھی) دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امینؑ نے جواب دیا۔ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

الغرض کوثر کے مفہوم میں یہ تمام چیزیں داخل ہیں جس کا مصداق اکمل اور مظہر اتم قیامت کے روز حوضِ کوثر ہے۔ اگر آپ کا کوئی صلبی فرزند انتقال کر گیا تو کیا ہوا آپ کی روحانی اولاد اور فیوض نبویہ سے مستفیض ہونے والی نسل تو قیامت تک قائم و باقی رہے گی۔ اَبتَر کے معنی دم بریدہ کے ہیں تو جس کی نسل منقطع ہوجائے اور اولاد میں کوئی باقی نہ رہے تو گویا وہ دُم بریدہ ہے۔ سُدّیؒ بیان کرتے ہیں کہ اہل

عرب جب کسی شخص کی اولاد میں کوئی بیٹا نہ رہے تو اس کو اَبتَر کہا کرتے تھے۔ عطاءؒ سے منقول ہے کہ یہ ابولہب کی طرف اشارہ ہے جس وقت آپؐ کے صاحبزادہ قاسمؓ کا انتقال ہوا تو ابولہب مشرکین مکہ کے مجمع میں دوڑتا ہوا گیا اور کہنے لگا "بُتر محمد" اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے عاص بن وائل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ وہ خبیث آپ کو ابتر کہتا تھا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا ایک جھونکا سا آیا۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک اُٹھایا۔ مسکراتے ہوئے اور فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ نے یہ سورت پڑھ کر سُنائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْن

سورہ کافرون بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ حسن بصریؒ اور عکرمہؒ سے یہی منقول ہے۔ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہیئے اور کسی مرحلہ پر اہلِ باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہیئے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کرسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں۔ اہل حق کو اسی پر استقامت چاہیئے اور اگر اہلِ باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ کسی طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کردینا چاہیئے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہو چکے ہیں۔ تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کرسکتے ہیں تو یہ اہم حقائق اور امور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

اعلان استقامت بر اسلام و شعائر اسلام و بیزاری از مراعات اہل باطل

قال اللہ تعالٰی۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ---- الٰی ------ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔

(ربط) سورۂ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی دین غالب ہوگا۔ اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے گا وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا۔ اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لئے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں۔ کھلے عام اعلان کیا جا رہا ہے۔ اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہو جانا چاہیئے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رُخ نہ کرے گا۔ جبکہ اہل باطل حق قبول

کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصوّر اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوجہل اور ابولہب عاص بن وائل کو آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے ساتھ یہ پیغام بھیجا۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف عباس رضی اللہ عنہ کو ہی بھیجا۔ آپ ہمارے معبودوں اور ان کی پرستش کی برائی اور تردید کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی آپ کا مقابلہ اور مخالفت چھوڑ دیں گے۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر مال و دولت مقصود ہے تو وہ بھی جمع کرکے آپ کے سامنے ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر کوئی خواہش ہے تو جو تمام قبائل سے حَسِین سے حَسِین عورت ہو آپ کے واسطے مہیا کر دیں گے لیکن آپ اس پیغام توحید سے رک جائیں اور ہمارے بتوں (معبودوں) کی برائی کرنا چھوڑ دیں تو آپ نے اس پر فرمایا۔ ہلاکت ہو اے قریش مکہ۔ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی حاجت نہیں میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت کرو۔ روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اچھا پھر ایسا کریں کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے اور اسی طرح باہمی اخوت اور یگانگت قائم ہو جائے۔ اس طرح پھر کوئی تفرقہ باقی نہ رہے گا۔ اور نہ باہمی کوئی رنجش پیش آئے گی تو اس پہ یہ سورت نازل ہوئی ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کیسے ممکن ہے اور جب کہ تم نہیں عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں حالانکہ تم باوجودیکہ شرک کر رہے ہو اور بتوں کی پرستش کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہو کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اس لیئے کفّار مکہ کی یہ پیش کش اور توقع کہ میں ان کی بات مان لوں گا۔ باطل اور لغو ہے اور اب تو کیا آئندہ بھی کبھی بھی میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان معبودوں کی جنکی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرو گے اس معبود کی جسکی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ خود میں ہی العیاذ باللہ توحید کو چھوڑ کر تمہارا طریقۂ شرک اختیار کر لوں۔ تو جو دعوت توحید کو ٹھکرا کر اور حق سے روگردانی کرتے ہوئے داعی حق ہی کو باطل کی دعوت دے گا۔ اس سے یہ کیا توقع کی جاسکتی ہے وہ حق پرست اور داعی توحید کے ایک خدا کی عبادت کرے گا اس لیئے اب ایسے لوگوں کی اس قسم کی مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو سے مایوس ہو جانا چاہیئے اور سن لینا چاہیئے کہ تمہارے واسطے تمہاری راہ ہے جس[ع] پر بھٹک رہے ہو اور تیار نہیں

عہ: آج کل بالعموم اہلِ باطل اسی قسم کی باتوں سے اہل حق کو پرچایا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک اور مذہب کی خصوصی روایات کو ترک کر دیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق کی حقانیت ختم ہو جائے اور باطل کی تردید نہ ہو تو یہ ایک خطرناک دھوکہ ہے جس سے اہل حق کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اس تفسیر کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ اس کو چھوڑ دو لہٰذا بس اسی پر جھکتے رہو اور میرے لئے میری راہ ہے جس پر میں قائم ہوں اور اس سے ہرگز میرا قدم کبھی نہیں ڈگمگا سکتا؎ اس لئے ہر صاحب ایمان شخص کو اسی طرح استقامت اور پختگی کے ساتھ ایمان

؎ : بعض حضرات اس موقعہ پر دین کا ترجمہ "بدلہ" فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے طریقہ اور عمل کا بدلہ تمہیں ملے گا اور میرے عمل اور طریقہ کا بدلہ مجھے ملے گا۔ اضافہ کردہ الفاظ سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ ان کلمات کا مفہوم کافروں کی طرف سے مایوسی اور جب کہ وہ حق قبول کرنے پر تیار نہیں تو اہل حق کی طرف سے اعلان استقامت ہے۔ اس لئے ان الفاظ سے یہ اشکال ذہن میں پیدا نہ کرنا چاہیئے کہ اس آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی مشرک ایمان نہ لاتا۔ اور توحید اختیار نہ کرتا جب کہ یہ فرمادیا وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ کیونکہ آیت یہ خبر دینے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس کا یہ مقصود ہے کہ آئندہ کوئی کافر و مشرک ایمان نہیں لائے گا۔ بلکہ ایسی روش کے بعد مایوسی کا بیان ہے اور اس ضمن میں تلقین و تسلی ہے اور یہ اعلان کرانا ہے کہ اہل حق کی طرف سے اہلِ باطل کو مایوس کردینا چاہیئے کہ ہم ان کی خواہش اور پیش کش سے اپنی کسی بات میں ترمیم کرنے کو تیار نہیں۔ بعض ائمہ عربیت جیسے زمخشریؒ وغیرہ ان جملوں کے تکرار کو تاکید پر محمول کرتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ میں اس امر کو اختیار کیا کہ اوّل مرتبہ حال کے معنی مراد ہیں اور دوسری مرتبہ استقبال کے لحاظ سے اعلان استقامت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک پہلے دو جملوں میں مَا کو موصولہ قرار دیا۔ اور دوسرے دو جملوں میں مَا کو مصدریہ جس کا مفہوم یہ ہوا۔ میں عبادت نہیں کرتا۔ اس معبود کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو یہ مَا موصولہ کا ترجمہ ہوا) اور نہ میں وہ عبادت اور طریقہ اختیار کرتا ہوں الخ تو یہ مَا مَصدریہ کا ترجمہ ہوا۔ حاصل یہ کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود مُشترک ہے اور نہ طریقۂ عبادت مشترک ہے تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں ہو سکتے میں اس خدا کو مانتا ہوں جس کی ذات اور صفت میں کوئی شریک نہیں۔ تم ایسے خدا کو ماننے کو تیار نہیں علیٰ ہٰذا القیاس تمہاری عبادت بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور سیٹیاں بجانا ہے۔ میرا طریقہ خدائے وَحدہٗ لاشریک کی حمد و تسبیح کرنا۔ تو جب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۶۱) پیش نظر اب اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس وقت منسوخ ہوگئی جبکہ اللہ رب العزّت نے آپ کو کفر کے رد کا حکم فرمایا اور انذار و تبلیغ کا مامور فرمایا۔ یا جب حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا تو اس بات کی گنجائش ختم کردی گئی جو لَكُمْ دِيْنُكُمْ میں دی گئی تھی کیونکہ آیات کا سیاق و سباق درحقیقت اہلِ ایمان کو اپنے ایمان پر قائم رہنے کا اعلان اور کافروں کی طرف سے مایوسی کے باعث قلوب کو مطمئن اور یکسو کر لینے کی تلقین ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

پر قائم رہنا چاہیئے اور اس پختگی اور استقامت کا ایسی ہی قوت کے ساتھ اعلان کر دینا چاہیئے کہ اہلِ باطل اس کی طرف سے مایوس ہو جائیں۔

تمّ بحمد اللہ العزیز تفسیر سُورَۃ کافرون

فائدہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورۃ اخلاص کو تلاوت فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ان دو سورتوں کو مغرب کے بعد سنتوں میں اور فجر سے قبل سنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو تب بھی یہ سورت تلاوت فرماتے اور آپ نے حضرت علیؓ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ انھا براءۃ من الشرك کہ یہ سورت شرک سے براءت اور پاکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ النَّصْرِ

سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے۔ بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منیٰ میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۃ التودیع بھی بیان کیا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ بروایت صدقۃ بن لیسارؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶۲) نہ معبود میں شرکت اور نہ طریقۂ عبادت میں شرکت تو پھر سمجھوتہ کس بات پر ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کا خیال یہ ہے کہ ایک دفعہ سے نفی اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرتؐ یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے تو پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ جب کہ نبی بھی نہ تھا اور جاہلیت کا دور تھا تو اب جب کہ نبوت ورسالت عطا کر دی گئی اور مجھ کو اللہ نے توحید کا داعی بنا دیا۔ تو اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان معبودوں کی عبادت کروں۔

(تفصیل کے لیئے فوائد عثمانی ملاحظہ فرمائیں)

پیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپؐ نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپؐ نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لئے ایسے راہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امن عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی اور مسلمانوں کی عزت و عظمت جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرما دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپؐ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہؓ مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے۔ جس پر حضرت فاطمہؓ بیقرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپؐ نے فاطمہؓ سے پھر یہ فرمایا۔ اے فاطمہؓ تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی۔ جس پر فاطمہؓ ہنسنے لگیں عہ (رواہ البخاری ومسلم)

اور پھر یہ راز رکھا۔ حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا۔ تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہو گئی تو اس کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس سے قبل آپ کی وفات کی خبر "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" میں دے دی گئی تھی۔ لیکن زمانۂ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی۔ اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس سورت کو سُنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیساکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دورانِ خطبہ وہ بات سُن کر رونے لگے تھے۔ جب آپؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ دنیا کو اختیار کرلے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کر لیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپؐ کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ کو خیال گذرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابنِ عباسؓ کے برابر ہیں تو فاروق اعظمؓ نے سب حضرات صحابہ سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا۔ جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا۔ ابن عباسؓ سے دریافت کیا اے ابن عباسؓ کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات ہے تو اس طرح عمر فاروقؓ نے ابن عباسؓ کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

عہ: صحیح بخاری ومسلم۔ تفسیر ابنِ کثیر۔

عکرمہؓ سے روایت ہے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا عبادت اور ذکر و فکر میں شب و روز مصروف ہو گئے اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپؐ کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے۔ سبحانك اللّٰهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك۔ گویا آپؐ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پر عمل فرماتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔ ۱۲

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ------ الیٰ ------ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

(ربط) اس سے قبل سورۂ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادۂ استقامت سے کسی درجہ میں متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو واضح اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ ان کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں گی اور اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو اگر کفارِ مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکر ایمان و توحید کے تقاضوں سے دست بردار ہوسکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح و نصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے غلبۂ دین اور ظہور اسلام کی خبر دی گئی۔ اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض بعثت الحمدللہ مکمل ہوگئی۔

اور آپؐ امت کے کام سے فارغ ہو گئے اس لیے اب آپؐ کلیتہً خالق ہی کی طرف رُخ کر لیجئے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت۔ انہماک الی اللہ ہو جائے حتیٰ کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملاً و اشتغالاً مکمل ہوتے ہوئے اصلاً و ذاتاً بھی رجوع الی اللہ ہو جائے جس کی صورت دنیا سے رحلت کر کے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جانا ہے لہٰذا ارشاد فرمایا۔

جب آ جائے اللہ کی نصرت اور فتح حتیٰ کہ مکہ اور حجاز کے بڑے بڑے شہر فتح[ع] ہو جائیں اور دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اس طرح آپؐ امت کے کام اشاعت اسلام اور دعوت توحید کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جائیں اور جو غرض آپؐ کی رسالت و بعثت کی تھی وہ پوری ہو جائے اور دیکھ لیں کہ اسلام کا ظہور و غلبہ ہو گیا اور اب یہ بات نہیں کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوں بلکہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے بیک وقت قبولِ اسلام کر رہے ہوں تو اسی کی طرف سراپا انہماک و توجہ کے لیے بس اپنے رب کی تسبیح و پاکی میں مشغول ہو جائیے اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اور اسی سے استغفار کیجئے۔ تاکہ اس حمد و ثناء اور استغفار کے ذریعہ اس کے انعامات کا شکر ادا ہو سکے اور فتح و نصرت اور غلبۂ دین کا انعام بے شک اسی کو چاہتا ہے کہ اس کی طرف شاکرانہ انداز میں رجوع کیا جائے بے شک وہ پروردگار بڑا ہی رجوع کرنے والا ہے۔ اپنے ہر اس بندہ کی طرف جو اپنا رُخ اس کی طرف اس کی حمد و ثناء اور استغفار و شکر کی صورت میں کرتا ہے۔

سُورَةُ النَّصْر کا نزول قبل از فتح مکّہ یا بعد از فتح

علماء مفسرین کے اس بارہ میں کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے یا قبل از فتح مکہ دو قول ہیں ایک یہ کہ قبل از فتح مکہ نازل ہوئی ہے جیسا کہ اِذَا سے معلوم ہوتا ہے جو مستقبل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں آئندہ حاصل ہونے والی فتح کی خبر دی گئی اور بشارت سنائے

عہ: آیت مبارکہ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" میں نصر اور فتح کو عطف کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نصر کے معنی فتح اور اعانت کے ہیں۔ جس کی حقیقت تحصیل مطلوب میں اعانت اور اسباب اعانت اور فتح تحصیل مطلوب کا نام ہے اس لحاظ سے ظاہر ہوا کہ نصرت فتح کا سبب اور ذریعہ ہے تو فتح کا عطف نصر پر اسی نوعیت سے نہایت لطیف ہوا۔ اعانت و نصرت میں کبھی اسباب ظاہری کی فراہمی ہوتی ہے جیسے لشکر اور سامان حرب اور زادِ راہ وغیرہ۔ اور کبھی باطنی اسباب سے ہوتی ہے جیسے مجاہدین کے حوصلوں کی بلندی اور کافروں کی مرعوبی و بزدلی اور ہیبت یا ان کی سوء تدبیر۔ تو اسی کے پیش نظر فرمایا گیا۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۱۲۔

کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ اس پر یہ آثار و احوال مرتب ہوں گے کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نازل ہونے کے بعد دو سال سے کچھ زائد حیات رہے اور اس کے بعد آپؐ کی رحلت ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد نزول ہوا۔ جیساکہ بعض روایات کی تصریح میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الوداع میں ایام تشریق میں نزول ہوا تو اس صورت میں لفظ اذا کو اذ کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ ماضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اِذَا ماضی کے لئے مستعمل نہیں ہوتا اور اس کی مثال قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود ہے کہ اِذَا کو اِذْ کے معنی میں استعمال کر لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے "حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔"

اس تقدیر پر اکثر روایات اور مفسرین کے قول کی بناء پر کہ سورۃ نصر بعد فتح مکہ نازل ہوئی کہا جا سکتا ہے کہ اِذَا مستقبل ہی کے معنی پر محمول ہے۔ اور فتح مکہ اگرچہ ہو چکی لیکن فتح اسلام اور ظہور دین کے یہ ابتدائی مراحل جو طے ہوئے ہیں مکمل فتح اور کامل غلبہ آئندہ آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوگا۔ جب کہ فارس و روم جیسے عظیم ملک بھی ختم ہو کر اسلامی مملکت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ تمام عالم پر اسلام کا غلبہ روم و فارس الجزائر و مراکش اور کابل و چین تک پرچم اسلام لہرانے کے بعد ہوا۔ جو عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ہوا تو اس صورت میں فتح مکہ کے بعد بھی اِذَا مستقبل کا استعمال کسی بھی درجہ میں باعث اشکال نہ رہا اور اس تقدیر پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ گویا فتح مکہ ایک تمہید اور بشارت تھی۔ اس مکمل ہونے والی فتح کے لئے جس کی بشارت سنائی گئی اس طرح فرمان نبوی کو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

"اِذَا هلك قيصر فلا قيصر بعده واذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده۔"

فللّٰه الحمد حمدًا كثيرًا علىٰ نصره و فتحه۔ فيا ربّ اَعْلِ كلمة الاسلام والمسلمين وانصرنا نصرًا عزيزًا برحمتك يا ارحم الراحمين وَاخْذُل الكفرة اعداء الاسلام والمسلمين واجعلنا فائزين وثبتنا علىٰ ملّة الاسلام وعلىٰ ملة نبيك سيد المرسلين واحشرنا فى زمرة الذين انعمت عليهم من النبيّنَ والصّديقين والشهداء والصالحين۔

آمين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَۃُ اللَّہَب

سورۃ اللہب بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن الزبیرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ نازل ہوئی اور سلسلۂ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلا حکم بھی آپؐ کو یہی دیا گیا۔ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ، تو آپ بطحائے مکہ کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یاصباحاہ یاصباحاہ جس پر قریش کے تمام قبائل جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے۔ سب نے جواب دیا بے شک۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کے بارہ میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اِنِّیۡ نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ بَيۡنَ يَدَیۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ۔ کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سنکر بدبخت ابولہب کہنے لگا۔ تَبًّا لَكَ تمہارے ہاتھ ٹوٹیں۔ کیا اسی کام کے لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ پر ایک پتھر اُٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں بکیں اور حرکتیں کیں۔ تو اس سورت میں اس بدبخت کی بدتمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جارہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ ایسے مغرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت و قوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی ان کو ذلیل ورسوا اور تباہ و برباد ہونا ہی پڑے گا۔

ایاتھا ۵ ۱۱۱ = سُوْرَۃُ اللَّهَبِ مَکِّیَّۃٌ = ۶ رکوعھا ۱

سورۃ لہب مکی ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ۔ کام نہ آیا اس کو مال

مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳

اس کا اور نہ جو کمایا۔ اب بیٹھے گا (پہنچے گا) ڈیگ مارتی آگ میں۔

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ

اور اس کی جورو۔ سر پہ لیئے پھرتی ایندھن۔ اس کی گردن میں رسی

مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

ہے مونجھ کی۔

خسران و بربادی در دنیا و عقبیٰ از دشمنیٔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ. تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔

(ربط) گزشتہ سورۂ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ و کامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب و کامیاب فرمایا ہے۔ تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرتِ عظیمہ کا مشاہدہ کرا دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور و مظلوم ہو کر، ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ چند ہی سال گذرنے پر وہی اللہ کا رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح و کامیاب داخل ہو رہا ہے۔ تو اس کے بالمقابل اس سورت میں یہ بتایا

جارہا ہے کہ دینِ خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال و دولت اور عزت وحشمت کی کوئی کمی نہ تھی (جن میں ایک ابولہب علہ بھی تھا) کیسے ذلیل اور تباہ و برباد ہوئے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا۔ وہ خود ہی بس تباہ و برباد ہو گیا۔ قدرتِ الٰہیہ کے اس فیصلہ سے جو اس کی اس بیہودگی و بدتمیزی پر جاری ہو گیا جو اس نے کی اس وقت جب کہ کوہ صفا پر چڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل قریش کو ایمان کی دعوت دی تھی تو اس بیہودہ نے کہا تبًّا لکَ اَلِهٰذا جمعتنا۔ اس بیہودہ نے اپنے مال و دولت کے غرور اور نشہ میں اس بیہودگی کا ارتکاب کیا اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بس یہ ٹوٹ گیا۔ تباہ و برباد ہو گیا اور اس قطعی فیصلہ کو دنیا کی کوئی طاقت ٹلا نہیں سکتی۔ چنانچہ یوں ہی ہوا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ ہی وہ سب کچھ جو اس نے کمایا تھا۔ اس کی عزت وسرداری اور قبائل عرب میں اس کی مقبولیت ومحبوبیت دنیا کی زندگی میں خدا کا یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔ اور سب نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ کس طرح تباہ ہوا اور ذلیل وخوار ہو کر بڑی ہی گندی موت سے مرا کہ کوئی اس کے قریب بھی آنے کو تیار نہ تھا جو بلاشبہ ایک عذاب تھا۔ اور رسول خدا کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ اب اس کے بعد مزید آخرت کا عذاب بھی سامنے ہے کہ وہ عنقریب داخل ہوگا ایک ایسی دھکتی ہوئی آگ میں جو بڑی شعلے برسانے والی ہوگی اور "ذات لہب" آگ ابولہب کے لیئے تیار کر دی گئی ہے اور جو بدبخت وبدنصیب کفر ونافرمانی کی بھڑکتی ہوئی غیظ وغضب کی آگ میں اللہ کے رسول کی دشمنی کرتا رہا اس کو ایسی ہی "ذات لہب" اور دھکتی ہوئی آگ میں یقیناً جانا پڑے گا اور اس کی بیوی بھی اس دنیوی ہلاکت اور عذاب اُخروی میں مبتلا ہوگی جو لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے جس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے تو وہ بدبخت بھی ہلاک ہوگا اور اس کی بدنصیب یہ بیوی بھی تباہ و برباد ہوگی جن کے حق میں خدا کا یہ فیصلہ ہو گیا۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی جو عرب کے سرداروں میں سے تھی جس کا نام اَرْوٰی بنت حرب تھا اپنے حسن وجمال میں بڑی معروف تھی اور اسی وجہ سے اس کو ام جمیل کہا جاتا تھا۔ اس کی ذلت میں خاص طور سے یہ وصف یعنی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ یہ بھی ابولہب کی طرح حضورؐ کی دشمنی اور غیظ وغضب میں بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح شعلے برساتی پھرتی تھی۔ اور شدت عداوت کے باعث لکڑیاں جن میں کانٹے ہوتے حضورؐ کے راستے میں ڈال دیتی۔ تاکہ آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھیں۔ بعض کا خیال

علہ: ابولہب آپؐ کے جد عبدالمطلب کا حقیقی بیٹا یعنی آپؐ کا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ نہایت سرخ رنگ اور خوبصورت آدمی تھا چہرے کی چمک دمک ایسی تھی کہ گویا چہرے سے شعلے نکل رہے ہوں۔ اس وجہ سے اَبُوْلَهَبٍ کنیت تھی۔ ۱۲

ہے کہ اس قدر بخل تھا کہ مال و دولت کے باوجود لکڑیاں سر پر اٹھا کر لاتی تھی۔

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں "فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ" وہ نار جہنم کا طوق ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

سعید بن المسیبؒ عہ سے منقول ہے کہ ابولہب کی بیوی کی گردن میں ایک نہایت قیمتی ہار پڑا رہتا تھا جس پر یہ فخر کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میں اس ہار کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کر دوں گی۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں بروایت مجمع بن الطارقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ سوق ذی المجاز میں آپؐ لوگوں کو اسلام اور رضائے وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دیتے جارہے ہیں۔ پیچھے پیچھے ابولہب بدبخت آپ پر پتھر برساتا ہوا آرہا ہے جس سے آپ کی پنڈلیاں اور قدم لہو لہان ہو چکے ہیں اور یہ بدبخت دونوں ہاتھ اٹھا کر مار رہا ہے اور آپؐ پر ہنسی مذاق کرتا جارہا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے ایک خبیث بیٹے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا۔ تو ان تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا انجام دنیا میں بھی دیکھ لیا۔ چند روز کے بعد افلاس وغربت کا دور شروع ہوگیا اور اس بدبخت بیٹے پر جس نے یہ بیہودگی کی تھی اور آپؐ کی زبان مبارک سے اس کے حق میں یہ بد دعا نکلی تھی کہ اے اللہ تو اس پر اپنا کتا مسلط فرمادے۔ تو اسی طرح ہوا ایک روز جنگل میں جارہا تھا کہ ایک شیر نے چبا کر چورا چورا کر دیا۔

اور خود ابولہب ایک بیماری میں مبتلا ہوا جس کو اہل عرب عدسہ کہتے ہیں یعنی طاعون کا پھوڑا۔ یہ ایسا مرض متعدی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی اس مریض کے قریب بھی نہیں آتا۔ تکلیف کی حد نہ رہی۔ کتوں جیسی آواز نکلنے لگی۔ چہرہ بگڑ گیا جو چہرہ حسن وجمال سے چمکتا تھا وہ قابل نفرت بن گیا کہ دیکھنے سے ہی لوگ کترانے لگے یہاں تک کہ گھر والوں نے اس کو دور جگہ ڈلوا دیا مبادا کہیں ان کو بھی یہ مرض نہ لگ جائے۔ اسی حالت میں مرگیا اور تین دن تک لاش اسی طرح پڑی رہی کیونکہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ایسی گندی اور بدبودار لاش کے قریب بھی آسکے اس صورت حال میں کچھ حبشی مزدوروں کو بلوایا گیا جنہوں نے لکڑیوں کے ذریعے اس لاش کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی جس کو قرآن نے مکی زندگی میں ہی حمالۃ الحطب کہہ دیا تھا اور گویا اس وقت یہ ابولہب کی کفر وسرکشی کی دہکتی ہوئی آگ کو اور زائد کرنے اور باقی رکھنے کے لئے لکڑیوں کی گانٹھیں اٹھا اٹھا کر لانے والی اور دھکتی ہوئی آگ کو اور بھڑکانے والی حمالہ تھی یہ واقعۃً اور صورۃً بھی حمالۃ الحطب بن گئی۔ اور قدرت خداوندی نے جب انتقام وقہر کے سلسلہ کا آغاز ان کی فقر وتنگدستی سے کیا تو پہلے یہ ام جمیل جو نازنخروں سے گردن میں ہار ڈالے پھرتی تھی۔ ابولہب کی بیماری سے غمزدہ ہوگئی۔ پھر فقر وتنگدستی نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ لکڑیاں لاد کر لانے کی نوبت آگئی اور جو رسی لکڑیاں باندھنے کی گلے میں پڑی

عہ تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴

ہوئی تھی۔ ایک روز ٹھوکر کھا کر جب گری اور لکڑیوں کی گانٹھ گر گئی۔ تو وہ رسّی پھندے کی طرح گلے میں پھنس گئی اور ایسا گلا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ اور اس وقت اس کے گلے میں یہ پھندا اس قیمتی ہار اور زرّین گلوبند کی جگہ تھا جو یہ اپنے گلے میں ڈالے پھرا کرتی تھی اور اس ہار کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں بیچنے کا ارادہ کرتی تھی۔

سبحان اللہ کس طرح خداوندِ عالم کی قدرت نے ابولہب اور اس کی بیوی کو ہلاک و برباد کیا اور جو جو باتیں ظاہری شان و شوکت کی تھیں انہی کو عذاب کی صورت میں منتقل کر دیا۔

یہ سورت جب نازل ہوئی اس وقت ابولہب کی شعلہ فشانیاں خوب جولانیت پر تھیں اور اس کی بیوی ام جمیل کا جمال و طمطراق بھی بڑے عروج پر تھا۔ اس وقت خداوندِ عالم نے یہ خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی خبر دینا وحی الٰہی کا کام ہو سکتا تھا۔ پھر اس کی صداقت دنیا کے سامنے روزِ روشن بن کر آگئی۔ اور اس تاریخ کو دنیا نے دیکھ لیا۔ یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔ اس سے بڑھ کر آخرت کا عذاب ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی۔ ابولہب کی ہلاکت غزوۂ بدر سے سات روز بعد پیش آئی تو اس تاریخی حقیقت کو دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کی عظیم الشان دلیل ہے۔ جس پر عقل والے انسان کا ایمان لانا ضروری ہے

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ اللّھب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

سورۂ اخلاص مکیہ ہے جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ عکرمہ جابر عطاء اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں۔ اس سورت مبارکہ میں توحید خداوندی اور اس کی

ف: ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس مقام پر خداوندِ عالم نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اور فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کا عذاب کس طرح ظاہری اور معنوی طور پر مکمل فرما دیا اور اس ضمن میں ان کلمات کی بلاغت و حکمت اور ان کلمات سے اعجازِ قرآنی بھی واضح ہو رہا ہے۔ اور اس کی گردن میں مونج کی رسی دنیا کا عذاب تھی۔ لیکن اس کو اللہ نے نمونہ بنا دیا۔ " اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ" کا۔

ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیت اور ذات وصفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں۔ مماثلت ومشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت وکبریائی کے منافی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جارہی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز وجُدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بناء پر اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بتایئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپؐ کا رب کیسا ہے۔

امام احمدؒ اور امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس سورت کی عظمت وفضیلت کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحید خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شانِ کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثُلُث القُرآن کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لئے کہ قرآن کریم از اوّل تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں۔ توحیدؔ وصفاتِ خداوندی۔ اعمالؔ عباد۔ قیامتؔ اور جزاء وسزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ بھیجا تھا۔ اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھاتے تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آکر یہ بات آپؐ سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقۂ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتادو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اسکو جنّت میں داخل کردیا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا اے ابو ایوبؓ کیا کسی میں اس قدر طاقت ہوسکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے۔ آپ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثلث القرآن تو اسی

مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا صدق ابوایوبؓ۔

ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالےٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ عمر فاروقؓ یہ سُن کر کہنے لگے پھر تو یارسول اللہ ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے آپؐ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث و روایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے۔ امام رازیؒ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کر دیا گیا۔ ؏۲۔

سورۂ اخلاص مکی ہے۔ اس میں چار آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ

تو کہہ، وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نرادھار (بے نیاز) ہے۔ نہ کسی کو جنا، نہ

لَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

کسی سے جنا، اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

اعلان توحید خداوندی و تقدیس و تنزیہ از مماثلت و مشابہت

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ...... الیٰ .... كُفُوًا اَحَدٌ۔

حق تعالیٰ شانہ، کی معرفت اسکی شان ربوبیت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ابتدا آفرینش

؏۱: تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ تفسیر کے لیئے در منثور اور قرطبی ملاحظہ فرمائیں۔
؏۲: تفسیر کبیر ج ۳۲۔ ص ۱۷۵ - ۱۷۶

اور روزِ اوّل سے ودیعت رکھ دی گئی۔ اور عہد الست میں اولاد آدم کو اسی عنوان سے مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ سب نے جواب دیا تھا۔ بَلٰی۔ تو رب کی معرفت انسان کے خمیر اور اسکی فطرت میں ودیعت رکھی ہوئی تھی۔ اس لیئے قرآنی مضامین کی ابتداء اسی وصف کیساتھ حمد وثناء سے فرمائی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور ظاہر ہے کہ مقصد اس معرفت کا تقاضا یا اس کا نتیجہ وثمرہ ایمان باللہ ہے۔ جس پر نجات اخروی اور سعادت ابدیہ موقوف ہے اور ایمان باللہ توحیدِ ذات وصفات ہی کا نام ہے اس وجہ سے قرآنی مضامین کا اختتام اس سورت مبارکہ پر ہو رہا ہے۔ جو قرآنی مضامین کی روح اور انسانی حیات کا اصل مقصد ہے تو اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کہہ دیجیئے اے ہمارے پیغمبر جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپکے رب کی صفت کیا ہے تو کہہ دیجیئے وہ خدا ایک ہی ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اسکی الوہیّت میں۔ اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں۔ وہی علیم وخبیر ہے اسکے احاطۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ دلوں کے راز بھی وہی جاننے والا ہے اور کوئی نہیں۔ وہی رحمان ورحیم ہے اسکے سوا اور کوئی نہیں اسکی توحید ذات وصفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے۔ کسی کی اسکو حاجت نہیں۔ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں۔ تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے ایسے خُدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا۔ یا اسکے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کر لینا عقل وفطرت کے خلاف امر اور انسان کا بدترین ظلم اور ذلیل جُرم ہے۔

افسوس کہ اسکی ذات وصفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانیوالوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں کسی نے دو خالق "یزدان" "واہرمن" تجویز کیئے اور نور وظلمت کو معبود بنا لیا کسی نے اس کے لیئے بیٹا تجویز کر لیا۔ کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کر دیا۔ پس سن لینا چاہیئے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت وحماقت سے یہ کہیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ اور انکو بھی جو یہ کہیں عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ۔ اور ان مسیحیوں کو بھی جو مسیح بن مریمؑ کو خُدا کا بیٹا کہتے ہیں اور انکو بھی جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں کسی کو شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ خدا ایسا واحد ویکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس لیئے کہ وہ احد وصمد ہے اور احدیت وصمدیّت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اسکی کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو۔ کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے لہذا احدیت وبے نیازی کے ساتھ کیونکہ جمع ہو سکتی ہے اور اسکی یہ شان احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال ونمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ اس لیئے کہ اگر کسی میں مشابہت ومماثلت فرض کی جائے تو لامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوندِ عالم کی شان کبریائی کے بھی منافی ہو گی۔ اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا۔ جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد ویکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان وقبیلہ کی ضرورت ہے نہ بقاء نسل کے لیئے نہ دیگر کسی امر کے باعث اور نہ ہی اس کا کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

سورۂ اخلاص کے یہ کلمات احد۔ صمد۔ لم یَلِد۔ ولم یولد۔ اسی وجہ سے خداوندِ عالم کی وحدانیت اور شانِ بے نیازی بیان کرنے میں نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہیں۔ یہ ایسی برکت وعظمت والے قرار دیئے گئے کہ ان الفاظ کی بدولت بندہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں جیسے کہ عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ

سے نقل کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے۔ اللّٰھم انی اسئلک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے۔ بے شک اس شخص نے اللہ کے اس نام کے ساتھ اللہ کو پکارا ہے۔ جب بھی اس کے ساتھ مانگا جائے وہ عطا فرما دے اور جو بھی دعا کی جائے وہ قبول فرمالے۔

بہرکیف سورۂ اخلاص، توحید، ذات و صفات اور نفی شرک کی مکمل حقیقت اور روح ہے اور صفاتِ خداوندی میں ثبوتی اور سلبی صفات کو جامع ہے گویا ایمان واسلام کی اعتقادی اور عملی اصول کی ترجمانی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر و تشریح ہے اور اس بناء پر کہ اس مضمون کی ابتداء قل کے خطاب سے ہے تو ضمناً علوم توحید کے ساتھ علوم رسالت کو بھی یہ سورت جامع و متضمن ہو گئی۔

فائدہ صمد کی تفسیر میں طبرانی اور حافظ ابن کثیرؒ نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سب کو نقل کر کے طبرانی کہتے ہیں وکل ھذہٖ صحیحۃ وھی صفات ربنا عزوجل الخ کہ یہ سب معانی صحیح ہیں اور ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں کو پہنچ چکی اور وہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔

اللہ رب العزت کی صفت صمدیت ان جاہلوں کے باطل اور لغو عقیدہ کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا اختیار کسی اور کو بھی حاصل ہے اور وہ اس عقیدہ کی بناء پر اولیاء کو حاجت روا سمجھیں اور ”انکے پاس خدا کے اختیارات ہیں“ کا عقیدہ رکھیں۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی یہ صفت لم یلد و لم یولد ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیحؑ یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں۔ نیز جو مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہ خدا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تو لم یولد اسکی تردید ہے کیونکہ ہر فرد بشر مولود ہے۔ اور کسی سے پیدا ہوا۔ علی ہذا القیاس جب مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو وہ کیسے خدا ہو گئے۔

اسی طرح وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ کی کسی صفت میں اس کی مخلوق کو اس کا ہمسر کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب سے ہو رہی ہے اور یعقوب خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ انی اسئلک یا اللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد۔ ان تغفرلی ذنوبی۔ انک انت الغفور الرحیم۔ توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین آمین یا رب العلمین۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاخلاص

ع۔ : تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر المعوذتین

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ وَسُوْرَۃُ النَّاسِ

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمۂ مفسرین رضی اللہ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں کہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم پر یہودنے سحر کردیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپؐ پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہوگیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپؐ کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا کہ میں نے یہ کام کرلیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کرلی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیرؓ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کردیا گیا تھا (اور جب اسکے کچھ آثار بدن مبارک اور آپؐ کے معمولات میں محسوس ہوتے) تو آپؐ نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہؓ میں نے اللہ رب العزّت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے اللہ نے بتادی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے سے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے۔ جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگے میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپؐ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپؐ پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور زید بن ارقمؓ کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات واحادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپؐ کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوۂ احد میں آپؐ کے چہرۂ انور پر زخم لگ جانا اور دندانِ مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپؐ کو نماز میں سہو پیش آجاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور انکے پیش آنے سے آپؐ کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی یہ احوال آپکے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرما دیا تھا انما انا بشر انسٰی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہر حال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپؐ کی وحی اور آپؐ کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جاتے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جو از قسم مرض و حوادثِ طبیعیہ ہوں، سے وحی الٰہی اور فرائض منصبِ رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپؐ کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی انبیاء علیہم السلام بہر حال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال و عوارضِ بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت وقطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار و مشرکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور و مجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبۂ دعوت و تبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جاتے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرتِ خداوندی نے زائل کر دیتے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کر رہی ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اس لئے یہ حقیقت واضح ہو گئی

کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہوسکتا۔

آیاتھا ۵ ۱۱۳ = سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ = ۲۰ رکوعھا ۱

سورۃ فلق مدنی ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی جب سمٹ آوے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونکیں اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ہونسنے

آیاتھا ۶ ۱۱۴ = سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ = ۲۱ رکوعھا ۱

سورۃ ناس مدنی ہے اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ۵ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِیْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے پوجے کی بدی سے اس کی جو سنکارے اور چھپ جاوے وہ جو خیال

يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ

ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں جنوں میں

وَالنَّاسِ ۝

اور آدمیوں میں

معوّذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف

معوذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس قرآن کریم کی دو سورتیں ہیں اور اسپر تمام صحابہ اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف "الامام" میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہوچکا جس میں کسی بھی تردد کی گنجائش نہیں

عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی زمام پکڑے اسکو لے کر چل رہا تھا تو آنحضرتؐ نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہوگا اس ڈر کی وجہ سے کہ آپکے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہو جاتے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اُتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (میرے عرض کرنے پر) سوار ہوگئے پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ پھر آپؐ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اسکے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اسکے بعد فرمایا (جب آپؐ میرے سامنے سے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تونے ان دو سورتوں کو یعنی تونے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں انکی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپنے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو۔

حضرت عثمان غنیؓ نے مصحف قرآنی کے جو نسخے تمام بلادِ اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطارِ عالم میں صحابہؓ و تابعینؒ اور پوری امت انکی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخہ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے

قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین و معلوم نہیں ہوسکا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں انکو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضرات مفسرین جیسے صاحبِ روح المعانیؒ کا اس وجہ سے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا "کہ ابن مسعودؓ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے" صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

لم ینکر ابن مسعود کونھما من القرآن وانما انکر اثباتھما فی المصحف فانہ کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیئ الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ وکانہ لم یبلغہ الاذن۔

کہ ابنِ مسعودؓ انکے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جاتے جن کی کتابت کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو باقلانی کہتے ہیں گویا ابن مسعودؓ کو آپؐ کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔

حافظؒ نے فتح الباریؒ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابنِ مسعودؓ کو انکے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ انکی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لیئے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لیئے نازل ہوتی ہیں تاکہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کیلیئے پڑھا جاتے۔

لیکن روایات و نقول اور صحابہ کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جسکے ساتھ حضرات صحابہ میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ انکے لیئے اس امر کی حاجت نہ تھی اور انکا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا تو اس وجہ سے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ انکے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۃ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہوسکتا۔

زر بن جبیشؓ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہؒ کا قول ہے کہ ابنِ مسعودؓ انکو نماز میں تلاوت کے لیئے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کے لیئے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباریؒ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابنِ قتیبہؒ کا یہ قول درست نہیں ان کا کلام اللہ ہونا اور قرآنِ کریم کی سورتیں ہونا تمام دنیا

کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور انکی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے انکا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوچکا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے انکو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہؓ کا قول اختیار کیا ہو سکتا ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ انکو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسیؒ صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینیؒ کا بھی یہی خیال ہے حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہل علم ان حوالوں کی مراجعت فرمائیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے اور عرضۂ اخیرہ[1] کے مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت و تلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف تھا۔

---

[1] یعنی آپؐ کی حیات مبارکہ آخری سال رمضان میں جب جبریل امینؑ نے دو مرتبہ آپ سے قرآن کریم کا دورہ کیا تھا تو اسی کے مطابق زید بن ثابتؓ کاتب وحی کا مرتب کردہ مصحف تھا۔ ۱۲

تعلیم تعوذ و حصولِ پناہ از مہالک حسیہ

قال اللہ تعالیٰ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ...... الیٰ ... وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

(ربط) اس سے قبل سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) میں عقیدۂ توحید کا بیان تھا اور یہ کہ نجات کا دارومدار اسی پر ہے کہ خداوند عالم کو اسکی ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا مانا جائے گا اور اس طرح کہ نہ اسکا کوئی نمونہ ہے اور نہ اسکی کوئی ہمسری کرنے والا ہے تو اسی عقیدہ کا نام ایمان ہے اور اسی پر بندہ کی نجات وکامیابی موقوف ہے اب اس سورت مبارکہ میں مؤمن کے عقیدہ اور انسان کی سعادت میں جو چیزیں خلل انداز ہیں اور اسکو ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی ہیں انکو بیان کیا جا رہا ہے بہت سی گمراہیاں اور ہلاکتیں بہیمیت کے آثار اور اسکی ظلمت سے پیدا ہوتی ہیں تو ضرورت ہے کہ نور عقل اور نور ہدایت سے ان ظلمتوں کو دور کیا جائے بہت سی مخلوقات جو اپنی ذات اور اپنی خلقت سے موذی ہیں تو انکی ایذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے بہت سی مفسدانہ سازشیں اور تدابیر ہوتی ہیں تو ان سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے اور بہت سی کمینہ خصلتیں اور انسان کے اندر بُری عادات ہوتی ہیں تو ان سے بھی پناہ ضروری ہے تو ان جملہ مہلکات اور شرور ومفاسد سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کہدو! اے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہماری طرف سے لوگوں کو سناتے ہوئے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ دین کے بنیادی عقائد ان پر استقامت کا حکم اور ایمان وسعادت کے تحفظ کے لیئے یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے اور اسکی قطعیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ ہے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کی روشنی کے رب کی جو روشنی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی اور سارے عالم میں پھیلتی ہے اور اسکو روشن کر دیتی ہے تو اس رب کی جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو سارا عالم روشن کر دے میں پناہ چاہتا ہوں اسی رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اور ظاہر ہے ہر مخلوق کا خالق ہی اس مخلوق کے شر اور اس کے شر کی ظلمت سے بچا سکتا ہے جو نور صبح کا خالق ہے اور اندھیری (یعنی ظلمت وتاریکی)

ہے تاریکی کی چند قسمیں ہیں اوّل عدم کی تاریکی، اس تاریکی کو ہستی کے صبح نے دور کیا دوسری جہل اور بہیمیت کی تاریکی اور شہوات ولذات نفس کی ظلمت جس کو نور فطرت اور روحانیت کی روشنی دور کرتی ہے تیسری تاریکی یہی حسی تاریکی جو رات کی سیاہی ہے جس میں خباثت وشیاطین عیاش وقزاق اور موذی جانور نکل کر اپنی نفسانیت وخباثت اور بہیمیت کی ظلمت پھیلاتے ہیں جسکو وحی الٰہی اور ہدایات ربانیہ دور کرتی ہیں چوتھی تاریکی خصائلِ ذمیمہ کی تاریکی ہے جسکو تعلیمات نبویہ اور محاسن اخلاق دور کرتے ہیں تو مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ سے لے کر وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ تک ان چاروں تاریکیوں کا ذکر ہے ۱۲۔

کے شر سے جبکہ وہ پھیل جاتے جب کہ اندھیری رات میں بالعموم عیاش و بدکار مفسدین درندے اور موذی جانور اپنے شر سے مخلوق خدا کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کے شر سے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بالعموم عورتیں شیاطین وجنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتی تھیں اور وہ جادوگرنیاں اپنے جادو سے یا ایسی عورتیں جو اپنے حسن وجمال اور آرائش وزیبائش کے فتنوں میں مردوں کو پھنسا کر ہلاک وتباہ کرنے والی اور انکے مستحکم ارادوں اور عزائم کی مضبوط گرہوں کو اپنی اداؤں سے کھول کر پارہ پارہ کر دینے والی ہیں انکے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسی جادوگرنیاں حقیقی جادوگرنیوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں یا وہ نفوس[۲] خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں جو ساحرانہ عمل کے لئے رسی یا تانت اور بالوں وغیرہ پر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور گرہیں لگاتے ہیں جیسے کہ لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا ہے اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے[۳] اور ایسا کینہ پرور انسان اپنی قلبی کیفیات کو ضبط نہ کر سکنے کے باعث کید ومکر سے ضرر پہنچانے کی بڑی سے بڑی تدبیر اور کمینہ پن اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کو ایذاء اور شر میں مبتلا کرے تو ربِ فلق چونکہ رات کی ظلمت کو شق کر کے عالم میں نور پھیلانے والا ہے لہٰذا اسی کی پناہ انسان کو ہر ظلمت سے مخلوقات کے شر بہیمیت کی تاریکیوں بدکاروں فسّاق وفجّار اور موذی جانوروں کی اذیت اور ہر کمینہ وحاسد کی ناپاک خصلتوں اور مجرمانہ تدبیروں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

فائدہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے معنی بیان کرتے ہوئے امام رازیؒ بیان کرتے ہیں لفظ غاسق لغت کے لحاظ سے رات کے اس حصہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جب کہ رات کی ظلمت

---

[۱] سحر ایک حقیقت ہے اور ائمہ متکلمین اشاعرہ وماتریدیہ اسکو تسلیم کرتے ہیں معتزلہ اور فلاسفہ اسکے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی کوئی حقیقت نہیں وہ محض خیال اور نظر بندی ہے معتزلہ کے اس قول کی تردید صریح آیات قرآنیہ اور روایات نیز دنیا میں پیش آنے والے بے شمار واقعات سے ہو رہی ہے۔
قرآن کریم میں ہاروت، ماروت کا قصہ بتا رہا ہے کہ یہ فرشتے سحر کی تعلیم دیتے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہونا صحیحین کی روایتوں سے ثابت ہے تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ میں آیت وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے ۔۱۲۔

[۲] ان کلمات سے لفظ نَفّٰثٰتِ کی تانیث کی حکمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

[۳] حضرت شاہ عبدالقادرؒ نظر بد لگ جانے کو (جو ایک امر واقع ہے) اسی میں داخل فرماتے ہیں حسد کی حقیقت کسی کی نعمت اور خوبی کے زوال کی تمنا کرنا ہے لیکن حدیث **لاحسد الّا فی اثنتین** میں حسد غبطہ آرزو اور حرص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ حسد کرنے والا العیاذ باللہ حاسد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے حسد کا کوئی شر ہوگا کہ اس سے پناہ مانگی جائے (۱۲)

شدید ہو جاتے جیسے قرآن کریم کی آیت اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ سے یہی مفہوم ہوتا ہے اور وقب کے معنی پھیلنے کے ہیں اور بعض اہل لغت سمٹنے کے بھی بیان کرتے ہیں ابن قتیبہؒ بیان کرتے ہیں کہ غاسق چاند کو کہتے ہیں جو گہن میں آجانے کی وجہ سے تاریک ہو جاتا ہے تو اس کا دقوب اس ظلمت و تاریکی میں داخل ہو جانا ہے چاند چونکہ اپنے اصل جرم اور کُرہ کے اعتبار سے تاریک ہی ہے اس میں نور سورج کی محاذات سے ہوتا ہے اس بناء پر غاسق تاریک اور چاند دونوں کے معنی کیلئے جامع ہو سکتا ہے۔

تعلیم وتلقین از مہالک باطنیہ وآفات نفسانیہ

قال اللہ تعالیٰ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ...... اِلیٰ .... مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ

(ربط) گزشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسّی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر۔ ہر تاریکی کے فتنہ سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید و مکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسّی تھیں اب اس سورۃ الناس میں اُن آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جارہا ہے جو باطنی ہیں اور وہ نفس سے اور نفس کے دواعی و تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

ارشاد فرمایا کہہ دیجئے اے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں پناہ حاصل کرتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی ہر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہو وہ جو وسوسہ ڈالتا ہو لوگوں کے دلوں میں جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہر ایک کے وسوسے میں پناہ چاہتا ہوں قلبی وساوس کے ذریعہ

گمراہ کرنے والے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جیسے کہ ارشاد ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا اس لیے دونوں کے وسوسوں سے خدا کی پناہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی گئی اور چونکہ وساوس قلبیہ ڈالنے والے شیاطین نظروں کے سامنے نہیں ہوتے تو گویا وہ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے ہیں "خنوس" لغت میں پیچھے ہٹ جانے کو کہا جاتا ہے جیسے کوئی قزاق اور قاتل داؤ اور گھات میں لگا ہو اور موقعہ پاتے ہی حملہ کر کے پیچھے چھپ جاتے تو وسوسہ ڈالنے والا شیطان بھی اسی طرح وسوسہ ڈال کر فوراً چھپ جاتا ہے۔

ے بعض ائمہ مفسرین اس خنوس اور پیچھے ہٹ جانے کو اس مضمون پر محمول کرتے ہیں جو اس آیت میں

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ابلیس یا اسکی ذرّیت میں سے نوعِ جن قلوب بنی آدم تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے طرح طرح کے وسوسے اور ناپاک خیالات قلب میں ڈال دیتے ہیں اور جو انسان ابلیس کے تابع ہو جائیں وہ ابلیس ہی کا کام انجام دینے کے لئے اس مہم میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک واوہام پیدا کرتے رہیں اور انکی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ دین اسلام، احکام اسلام اور اصول وعقائد میں ایسے ایسے شکوک پیدا کریں کہ مسلمان عقیدۂ توحید ایمان بالآخرۃ اور اصل ایمان ہی سے محروم ہو جاتے ایسے ہی شیاطین انس کے بارہ میں مولانا رومؒ فرما گئے۔

اے بسا ابلیس شکل آدم است

پس بہر دستے نباید داد دست

ان شیاطین انس کا وجود اور ظہور ہر زمانہ میں ہوتا ہے خصوصاً زمانۂ اخیر میں ایسے مفسدین اور فتنہ پردازوں کی کثرت احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان میں ایسے خطرناک فتنہ پرداز ہوں گے جن کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادؐ کہ اگر میں ان کا زمانہ پالوں تو ان کو اس طرح ہلاک کردوں گا جیسے عاد وثمود کی قومیں ہلاک کی گئیں جب دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ انکی کوئی علامت اور نشانی ہمیں بتا دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ لوگ ہم ہی جیسے ہوں گے صورت وشکل میں ہماری جیسی ہی باتیں کرتے ہوں گے ہماری جیسی زبان سے بولتے ہوں گے خیر البریہ کے اقوال کہتے ہوں گے قرآن اپنی زبان سے پڑھتے ہوں گے لیکن دین سے اس طرح قطعاً بے تعلق ہوں گے جس طرح کوئی تیر نشانہ اور شکار سے خطا کر جلتے اور بچ کر نکل جائے تو اس تیر پر اسکی نوک پر، کنارہ پر، پھلکے پر، گرہ پر، کہیں بھی شکار کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہوتا تو ایسا ہی ان فتنہ پردازوں اور گمراہ کرنے والوں —— کی زندگی ہیں یعنی ان کی معاشرت طور وطریق طرز زندگی میں کسی بھی رخ پر اسلام کا اثر نہیں آتے گا تو یہ ان ملحدین کا گروہ ہے جو دین اور اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انکے وسوسے شیاطین کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔

باقی حاشیہ صفحہ ۵۸۵ بیان فرمایا گیا وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ اور حدیث میں ہے ان الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن آدم کلما ذکر اللہ خنس تو شیطان کا انسان کے قلب سے ہٹ جانا استعاذہ اور ذکر اللہ سے اس کا خنوس ہے ۱۲ -

معوذتین کی تفسیر میں حکماء و عارفین کی تحقیق و تشریح

معوذتین کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ انسان اگر مہالک حسیہ اور مہالک باطنیہ سے پناہ حاصل کر سکتا ہے تو صرف اسی رب کی پناہ جو خالق کائنات ہے اسی کا حکم تمام کائنات اور حتیٰ کہ انسانوں کے قلوب پر بھی جاری ہے پہلی سورت میں جو آفات اور مہلکات حسی اور ظاہری ہیں ان سے پناہ مانگنے کے لیئے یہ عنوان قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ یعنی پناہ چاہتا ہوں میں رب الفلق کی ہر مخلوق کے شر سے اختیار فرمایا گیا۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ مخلوقات کے شر اور ان کے جملہ اقسام وانواع مادیت اور بہیمیت کی ظلمت وتاریکی ہیں اس وجہ سے مناسب ہے پناہ مانگنے میں رب کی صفت میں فلق کا لفظ ذکر کیا جاتے حق تعالےٰ شانہٗ کی یہ صفت ذکر کرنے کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی وہ چار چیزیں ہیں شَرِّ مَا خَلَقَ ہر مخلوق کے شر سے شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ رات کی تاریکی کا شر جس میں جملہ شرور وآفات رونما ہوا کرتے ہیں شَرِّ النَّفّٰثٰتِ جادوگروں کا شر شَرِّ حَاسِدٍ حاسدوں اور کمینہ خصلت انسانوں کا شر تو ان چار آفتوں سے پناہ حاصل کرنے کے لیئے رب کی ایک صفت رب فلق کے ساتھ اس تعوذ کو ذکر فرمایا گیا لیکن دوسری سورت میں ایک ہی شر وسواس سے تحفظ اور تعوذ کے لیئے رب کی تین صفات بیان کی گئیں ربِّ الناس میں ربوبیت مَلِكِ النَّاسِ میں بادشاہت اِلٰهِ النَّاسِ میں معبودیت تو ان صفتوں سے موصوف رب کی پناہ شر وسواس الخناس سے ذکر کی گئی۔

دونوں سورتوں کے عنوان سے ظاہر ہوا کہ شیاطین جن اور انس کے وسوسے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں اسی وجہ سے ایک شر سے تحفظ اور بچاؤ کے لیئے خداوند عالم کی تین صفتوں کے ذریعہ پناہ مانگی گئی جب کہ پہلی سورت میں جملہ مہلکات حسیہ سے پناہ کے لیئے رب کی ایک ہی صفت کے بیان پر اکتفاء فرمایا گیا۔

امام رازیؒ کی تحقیق منیف

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں بعض عارفین سے ان سورتوں کی تشریح میں عجیب حقائق اور بلند دقائق ذکر فرماتے سَمِعْتُ بعض العارفین کے عنوان سے جو تحقیق ذکر فرمائی اسکے اکثر مقدمات ابن سینا کے مقدمات سے کچھ ملتے جلتے ہیں فرمایا

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ جب کہ خدا تعالیٰ کی معبودیت کے متعلق جو امور تھے سورۃ اخلاص میں انکی

تمام و کمال شرح کردی گئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اب خالق سے اُتر کر ان دونوں سورتوں میں مخلوقات کے مراتب کی تفصیل کی جاوے اس لیئے شروع سورت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا کہ اس سورت میں مخلوق کے مدارج کا ذکر ہوگا کیونکہ فلق لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شق کر کے کوئی دوسری چیز اس میں سے برآمد ہو اور جیسا کہ رات کی تاریکی میں سے صبح کا نکلنا یا تخم میں سے درخت یا زمین اور پتھروں میں سے چشمہ صُلب پدر میں سے نطفہ یا رحم مادر میں سے بچہ برآمد ہوتا ہے اسی طرح تمام مخلوقات ظلماتِ عدم کی غیر متناہی پردوں کو پھاڑتے ہوتے وجود کے منور سطح پر برآمد ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے ربّ الفلق کے معنی ربّ جمیع الممکنات ہوتے۔

اب عالم ممکنات دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک ارواح مجردہ کا عالم جس کو عالم الامر کہتے ہیں اور دوسرا مادیات کا عالم جسکو عالم الخلق سے تعبیر کر سکتے ہیں ان میں سے پہلی قسم چونکہ خیر محض ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ نہیں اور دوسری قسم میں مادہ کے اقتران نے شرور کی بھی آمیزش پیدا کر دی ہے اس لیئے جناب باری عزاسمہٗ نے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کہہ کر عالم مادیات سے تعوذ کی تعلیم فرمائی لیکن یہ ظاہر ہے کہ کل اجسام دو قسم کی ہیں اجسام اثیریہ (علویہ) اور اجسام عنصریہ (سفلیہ) جس میں سے اجسام اثیریہ تو بطبعہا اختلال و فطور سے بری ہونے کی وجہ سے خیر ہی خیر ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ اور اجسام عنصریہ کی تین قسمیں (جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں) نکلتی ہیں جمادات، نباتات، حیوانات ان ہی تینوں اقسام کا احاطہ کرنے اور ماخلق کی مصداق میں سے بطریق تخصیص بعد التعمیم اجسام اثیریہ کو نکالنے کے واسطے یہ تین کلمات ارشاد ہوتے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ- کیونکہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے مراد اس جگہ شب دیجور ہے جس میں تہ برتہہ تاریکی چڑھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے جمادات شب دیجور کے ساتھ اس وجہ سے بہت پوری مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ جمیع قُویٰ نفسانیہ اور انوار کمالات سے بالکل خالی ہونے کی وجہ سے ظلمت خالص اپنے اندر لیئے ہوتے ہیں برخلاف نباتات کے کہ ان میں کم از کم قوت غاذیہ نباتیہ تو موجود ہوتی ہے جو ان کو طول، عرض عمق تین جانبوں میں بڑھاتی رہتی ہے جس کو اگر تنفث فی العقد الثلاثہ سے تعبیر کیا جاتے تو بالکل چسپاں ہے۔

باقی تیسری قسم حیوانات انکی حالت یہ ہے کہ تمام قویٰ حیوانیہ (حواس ظاہرہ، حواس باطنہ اور شہوت و غضب وغیرہ) روح انسانی کو انصباب الیٰ عالم الغیب اور امور آخرت میں اشتغال رکھنے سے روکنے میں مصروف رہتے ہیں اور جہاں تک موقع پاتے ہیں روح مقدس کو اوج سے حضیض کی طرف اور بلندی سے پستی کی طرف دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے انکی مثال بالکل ایسے دشمن اور

اور حاسد کی ہے کہ جو ہر وقت گھات میں لگا بیٹھا رہے اور جب موقع پائے آدبوچے تو قرآنِ حکیم نے تمام مخلوقات کے شرور سے استعاذہ کرنے کی تعلیم ایک ذرا سی سورت میں جمع کر دی اور اس طور پر ساری سورت کا مطلب یہ نکلا کہ اے ساری مخلوق کے پروردگار ہم تمام جسمانیات یعنی جمادات اور نباتات اور حیوانات کے شرور سے تیری بارگاہِ احدیت میں پناہ جوئی کرتے ہیں

مگر چونکہ اس سورت میں نفس انسانی مستعیذ تھا اور یہ جملہ مراتب مستعاذ منہ کے اندر بتلائے گئے ہیں تو ضرورت تھی کہ کسی دوسری جگہ خود نفس انسانی کے مراتب کی بھی تشریح کی جاتی اس لئے اس سے اگلی سورت میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا کیونکہ نفس انسانی کی سب سے پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اگرچہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے نقوشِ معرفت کے قبول کرنے کے لئے ہمیشہ سے مستعد ہے لیکن ابتداءِ پیدائش میں نظریات تو درکنار وہ علوم بدیہیہ کے حصول سے بھی مُعریٰ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان سب کو ایک ایسے رب (مُربّی) کی ضرورت ہے جو اسکو اولاً معارف بدیہیہ کی تلقین کرے۔

بعدہٗ جب وہ دوسری مرتبہ پہنچے اور بدیہیات کے حصول سے اسکے اندر ملکہ نظریات کی طرف منتقل ہونے کا پیدا ہو جاوے تو اب اسکو ایک ایسے ملک متصرّف کی حاجت ہے جو اسکو اس ملکہ سے کام لینا اور اپنی معلومات میں تصرف کرنے کے قواعد سکھاتے اور جب وہ ترقی کی دوڑ میں اس سے بھی آگے قدم بڑھانا چاہے تو لازم ہے کہ اس کے علوم کو قوت سے فعل میں لانے اور اسکو کمال تام عطا کرنے کے واسطے کوئی ایسی ہی کامل ذات اسکی سرپرستی کرے جس میں تمام کمالات بالفعل ہوں اور قوت و عدم کا نام و نشان تک نہ ہو۔

چنانچہ ان ہی تینوں مراتب نفس انسانی کی ترتیب کے مطابق خدا تعالیٰ نے اپنی تین صفات ربّ النّاس (لوگوں کے پروردگار) ملکِ النّاس (لوگوں کے بادشاہ) الٰہ النّاس (لوگوں کے معبود) کو پے درپے ذکر فرمایا اور نفوسِ انسانیہ کے ہر ایک مرتبہ کے مناسب اپنے اسماء میں سے ایک اسم کو منتخب کرلیا لیکن یہ بھی چونکہ معلوم تھا کہ نفسِ انسانی سے مزاحمت سب سے زیادہ کرنے والی قوت وہمیہ ہوتی ہے جسکو وسواس سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس بنا پر نفس انسانی کو خصوصیت سے اسکے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور اس وجہ سے کہ قوت وہمیہ بسا اوقات عقل کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے کھسک جاتی ہے تو اسکو خناس کا لقب دیا گیا الغرض حق تعالیٰ نے ان کلمات اور تعبیرات سے انسان کو خوب متنبہ کر دیا کہ سب سے بڑا دشمن یہی وسواس خناس ہے اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہی تعوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ سورۂ فلق میں مستعاذ بہ (یعنی جس کی پناہ حاصل کی جاتی ہے) ایک ہے اور مستعاذ منہ (یعنی جن سے پناہ مانگی جا رہی ہے) چار ہیں تو ان چاروں کے درمیان تعلق کیا ہے اور شَرِّ مَا خَلَقَ کا عنوان جب کہ مابعد کے تمام اقسام کو جامع ہے تو پھر بعد میں ان تینوں کو کس لئے بیان کیا گیا اور سورۂ ناس میں مستعاذ منہ صرف ایک ہی چیز ہے لیکن مستعاذ بہ تین اوصاف کے ساتھ مذکور رہے ہے

رَبِّ مَلِكِ، اِلٰهِ اور یہ تینوں ناس یعنی انسانوں کی طرف مضاف ہیں تو ان امور کی حکمت ذکر کرتے ہوئے امام رازیؒ اپنی تفسیر کے اخیر میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ اس سورۃ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) میں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ اس سے پہلی (سورۃ فلق) میں تو صرف ایک صفت (رب الفلق) سے بیان کیا گیا ہے اور مستعاذ منہ کی جانب میں تین قسم کی آفتیں (غاسق، نفاثات، حاسد) مذکور ہیں اور اس کے برعکس اس سورۃ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) میں مستعاذ بہ کی طرف تین صفتیں (رب الناس، ملک الناس، اِلٰہ الناس) بیان ہوتیں اور اور مستعاذ منہ فقط ایک ہی آفت (وسواس) کو قرار دیا گیا تو دونوں سورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ثناء ہر مقام میں بقدر مطلوب کی عظمت اور اہمیت کے کی گئی ہے اور معلوم ہے کہ پہلی سورۃ میں مستعیذ کا مقصود اپنے نفس اور بدن کو بچانا ہے اور دوسرے میں دین کو بچانا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے اپنے طرز کلام سے متنبہ کر دیا کہ دین کی تھوڑی سی بھی مضرۃ دنیا کی بڑی سے بڑی مضرتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ قابل احتراز اور قابل خیال ہے اور شَرِّ مَا خَلَقَ میں اگرچہ دنیا کی ہر چیز سے استعاذہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں غاسق، نفاثات اور حاسد کو ذکر کر کے یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ انواع شرور میں یہ تینوں قسمیں سب سے زیادہ مہلک اور شر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان تین اوصاف کے ذکر کرنے کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان تین صفتوں کو ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے دخل پانے کی آدمی میں تین راہیں ہیں شہوت، غضب اور عقیدۃ باطل کہ جس کو اصطلاح میں "ہوا" بھی کہتے ہیں ان میں سے شرِ شہوت کو دفع کرنے کے لئے اسم رب ہے اور شرِ غضب کے رد کرنے کے لئے اسم ملک ہے اور شر ہوا کے مقابلہ میں اسم اِلٰہ کو رکھا گیا ہے گویا یوں فرمایا گیا کہ اگر شیطان شہوت کی راہ سے تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے تو اس باری تعالیٰ کی ربوبیّت کو پیش نظر رکھو اور اگر وہ غضب کی راہ سے تمہارے سامنے آئے تو تم خدا کی شہنشاہی اور عدل وانتقام کو یاد کرو اور اگر ہوا کی راہ سے اپنا تصرف جمانا چاہے تو تم کو چاہیئے کہ مرتبۂ الوہیت کی طرف اپنی التجاء لے جاؤ اسکے بعد آگے چل کر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ان تینوں صفتوں (رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس) کی تفسیر اور انکو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ آدمی پر اسکی زندگی کے تین دور آتے ہیں عہد طفولیت میں وہ اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور بھوک اور پیاس کے وقت ایک اسی سے التجا کرتا ہے اور جب کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے اور اسی واسطے ان حالات میں بچہ فقط ماں باپ ہی کو بلاتا ہے اور انہی سے فریاد کرتا ہے بعدہٗ جوانی کی عمر میں پہنچ کر جب یہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ بھی میری طرح سے بادشاہ وقت یا امیر کے محتاج ہیں اور اسی سے روزی حاصل کرتے ہیں اور بلاؤں اور مصائب کے دفع کرنے

میں اسی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں تو ناچار اسکے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر ہی ہے اور اسی کا تقرب کارخانۂ وجود کے انتظام کا باعث ہے گویا اس حالت میں اس کا تمامی اعتماد اور بھروسہ فقط بادشاہ اور امیر پر ہوا لیکن جب وہ اس حالت سے بھی ترقی کرکے یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی بعض اوقات میں درماندہ اور عاجز ہوکر اپنی التجائیں عالم الغیب کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی طرف سے مطالب کے حاصل کرنے اور مرادوں کے برآنے میں مدد مانگتے ہیں تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ بادشاہ اور امیر بھی عاجز اور محتاج ہونے میں مجھ سے کچھ کم نہیں اور یہ کہ عالم کا سارا کارخانہ کسی دوسری ہستی کے ساتھ وابستہ ہے جس کو اِلٰہ اور معبود کہتے ہیں پس ان تین صفتوں کے لانے میں اس طرف اشارہ ہوا کہ اگر بندہ طفل مزاج ہے اور سوائے تربیت اور پرورش کے کسی دوسری چیز کو نہیں جانتا تو اسکو معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ صفت میں بھی رکھتا ہوں چاہیئے کہ وہ مجھ سے ہی التجا کرے کیونکہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت تمام آدمیوں پر حاوی ہے اور اگر بندہ کی عقل حدّ بلوغ کو پہنچ گئی اور اپنے بادشاہ اور امیر کو تمام امور کا مالک سمجھ گیا تو یہ صفت بھی بوجہ احسن میرے اندر موجود ہے کیونکہ میں تمام دنیا کا بادشاہ ہوں نہ خاص ایک اقلیم یا دو اقلیم کا اور اگر بندہ کو تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ بادشاہ و امیر اور مادر وپدر سب کے سب کسی دوسری ذات کے محتاج ہیں جس کو اِلٰہ اور معبود کہتے ہیں اور جس کا نام پاک صبح وشام وردِ زبان رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صفت تو (سرسری نظر میں بھی) کسی دوسرے میں میرے سوا موجود نہیں ہے غرضیکہ بندہ کو ہر حالت میں تمام وسائط و اسباب کو نظر انداز کرکے تنہا میری جناب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کا کلام معرفت التیام

معوذتین کی تفسیر میں علماء وحکماء نے حقائق ومعارف بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ بالخصوص حافظ ابن قیم امام رازی محقق ابن سینا اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارہم نے جو حقائق و لطائف ذکر فرماتے ہیں ان میں سے بطور نمونہ چند اشارات یا اقتباسات ان دونوں سورتوں کی تفصیل میں ذکر کر دیئے گئے ہیں لیکن میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قاسم العلوم والخیرات رح کی تحقیق ذکر فرمائی ہے وہ اپنی جگہ ایک عظیم شان رکھتی ہے۔

حضرت الاستاذ رح نے جس تعبیر اور سیاق وسباق سے اس تحقیق کو اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے یہ ناچیز اس تفسیر کے خاتمہ پر اسکو نقل کرتا ہے تاکہ اس تفسیر کے لئے حسن خاتمہ اور مؤلف کے لئے باعث سعادت ہو بطور تمثیل ہر دو سورت کے حقائق ومعارف اس طرح بیان فرماتے ہیں ؀:

یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودہ زمین کو شق کرتے ہوتے باہر نکلتا ہے تو باغبان اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حد کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اسکے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جاتے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جنکے انسداد کے لئے باغبان کو چار امور کی اشد ضرورت ہوتی ہے اول ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان ودہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جاتے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ اور گیاہ کا کھانا داخل ہے دوسرے کنوئیں یا نہر یا بارش کا پانی ہوا اور حرارت آفتاب غرضیکہ تمام اسباب زندگی وترقی کے پہنچنے کا پورا انتظام تیسرے اوپر سے برف

؀ ناچیز حضرت استاذ کا یہ کلام بعینہٖ انکی ہی عبارت میں نقل کر رہا ہے تاکہ حضرات قارئین اصل مضمون کے علاوہ نفس تعبیر میں جو حقائق ومعارف ہیں ان سے بھی مستفیض ہوں۔ ۱۲۰

ادلہ وغیرہ" جو اسکی حرارت غریزیہ کے احتقان اور رک جانے کا باعث ہو،، اس پر گرنے نہ پاتے کیونکہ یہ چیزیں اسکی نشو ونما اور ترقی کو روکنے والی ہیں چوتھے مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ و برگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اسکو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بند و بست باغبان نے کرلیا تو خدا سے امید رکھنا چاہیئے کہ وہ پودا بڑا ہوگا پھولے پھلے گا اور مخلوق اسکی پُرمیوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض و سماء سے (جو رب الفلق اور فالق الحب والنوٰی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک ہے) اپنے شجرِ وجود اور شجر ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنی چاہیئے جو اوپر مذکور ہوئیں پس معلوم کرنا چاہیئے کہ جس طرح اوّل قسم میں سبزہ خود جانوروں کی ضرر رسانی محض انکی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اسیطرح "شر،، کی اضافت "ماخلق،، کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطہ سے ثابت ہے اور اسکے صدور میں بجز انکی طبیعت اور پیدائشی دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع و بہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

اس کے بعد دوسرے درجہ میں "غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ،، سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے یا چاند ہے جب اسکو گھن لگ جاتے ان میں سے کوئی معنی ہو ایک اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اسکے وقوب (یعنی کسی چیز کے نیچے چھپ جانے پر) مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جاتے اور جو فوائد اسکے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں (کیونکہ مسبّب کا وجود اسباب کے وجود پر موقوف ہوتا ہے) اور ہر چیز کا بقاء اسی پر موقوف ہے کہ وہ مہلکات و حوادث سے محفوظ رہے اور اگر وہ لگا یا ہوا پودا اسباب بقاء و زندگی سے محروم ہو جاتے تو لا محالہ وہ کملا کر خشک ہو جاتے گا (تو آفات میں یہ دوسری قسم ہے آفت کی) اب اس کے بعد تیسرا تعوذ "نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ" سے کیا گیا جو ساحرانہ عمل ہے اور سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے اصل طبیعت کے آثار اصلیہ و طبیعیہ مغلوب ہو کر دب جاتے ہیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت مشابہ ہوگئی جو پودے پر برف وغیرہ کے گرنے اور حرارت غریزیہ کے مختنق (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا لبید بن الاعصم کے قصہ میں جو الفاظ آتے ہیں فقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کانما انشط من عِقَال ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز

نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی اب ان آفات میں سے تحرز (پرہیز کرنا) ضروری قرار دیا گیا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن بر بناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا اس کی شاخ و برگ کاٹ ڈالے تو شر کے اس مرتبہ کو مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن سے وہ خاص جوہر ہی چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی اور نشو و نما ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویدائے تخم" سے تعبیر کرتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابلِ نشو و نما نہیں رہتا شاید اسی کمی کی تلافی (یا مہلکات کی تکمیل) کے لئے دوسری سورت میں "الوسواس الخناس" کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ وسواس ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے علاوہ کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھیرا تو دفع وسواس کے واسطے ان ہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ایمان کے اصل مبادی و مناشی شمار کیئے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اول ایمان (انقیاد و تسلیم) کا نشو و نما حق تعالیٰ کی تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شاہنشاہِ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی و روحانی ضروریات کو بہم پہنچانے کے ہیں۔

اور یہ کام بجز اس ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑ سکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اور اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں اور لاریب اسکی یہ شان ہونی چاہیئے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ گویا مالکیت و ملکیت ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق کے ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت اور الوہیت کا سراغ بھی ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جاتے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروانہ کی جاتے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد و بندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اس لیئے

معبودیت اور الوہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہٗ لاشریک کے لیئے ثابت ہوگئی پڑھو! اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا:

غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء ہے وہ ربوبیت ہے اور اسکے بعد جو صفت ہے وہ ملکیت ہے اور ان سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیئے بارگاہِ الٰہی میں جو چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح اس نے بالترتیب اپنی صفات رب الناس، ملک الناس الٰہ الناس کو سورۃ "الناس" میں بیان فرما دیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہٖ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واؤ عطف اور بغیر اعادہ باجارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت بیان کی گئی ہیں اسکو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو الوہیت کے کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی الٰہ الناس ہے اور ملک و رب اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں اس طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہو جاتے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور انکے دستِ تعدی سے رعایا کو مصئون اور مامون بنانا بادشاہانِ وقت کا خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیئے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملک الناس کو رکھا جاتے اور اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اسکو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملک الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جاتے پھر دیکھیئے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہٖ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے (انتہیٰ کلامہٗ)۔

غرض حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سورتوں میں ہر قسم کی آفات اور ہلاکتوں سے بچنے کیلئے استعاذہ اور پناہ حاصل کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی۔

پہلی سورت میں رب فلق کی پناہ جن مہالک سے بیان کی انکی مناسبت سے سورۃ الناس میں حق تعالیٰ کی تین عظیم صفات رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کی پوری پوری مناسبت ظاہر ہوگئی اور یہ بھی ظاہر

سه اس ناچیز کا حضرت الاستاذ شیخ الاسلامؒ کی پر تحقیق اختتام تفسیر پر بعینہٖ ان ہی کی تعبیر اور کلمات میں نقل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ خود شیخ الاسلامؒ نے سورۃ والنجم کی آیات کی تفسیر اپنے استاذ خاتم المحدثین حضرت شاہ سید محمد انور قدس اللہ سرہٗ انکی عبارت اور کلمات میں نقل فرمائی جس کا استاذِ محترمؒ نے فتح الملہم میں بڑے اہتمام وعظمت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ۱۲

ہو گیا کہ فتنوں اور ہلاکتوں میں ایک حسی اور ظاہری فتنے ہیں اور ایسے جرائم و خباثت ہیں جو مادی اور حسی طور پر نہایت ہی ہیبت ناک ہیں جو شیطانِ اسود (کالے شیطان) کا اغواء و اضلال ہے یہ اغواء اضلال اگرچہ نہایت ہی قبیح و ہیبت ناک ہے جس میں قتل و غارت گری بدکاری جیسے موذی افعال ہیں لیکن ان سے بڑھ کر خطرناک فتنہ اور گمراہی شیطان ابیض (گورے شیطان) کی ہے جو عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کی گمراہی سے دنیا کو ہلاک اور تباہ کرتا ہے اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے ہوئے خدا کی تین صفتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس ہلاکت سے بچاؤ اسکی ربوبیت مالکیت اور الوہیت ہی کی صفت اور شان سے ہو سکتا ہے اس قسم کی تباہی اور ہلاکت وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا یصبح الرجل مؤمناً ویُمسی کافراً یمسی مؤمنا ویصبح کافراً کہ صبح کو اٹھے گا تو مؤمن ہوگا لیکن جب شام کا وقت آتے گا تو کافر ہوگا یا شام کو مؤمن ہے تو صبح کافر اُٹھے گا تو اس قدر جلد تبدیلی ایمان و کفر کی یہ ایسے وساوس سے ہی ہوتی ہے جو شیطان ابیض کی طرف سے گمراہی اور ہلاکت کا ذریعہ ہوتی ہے کہ عقیدہ اور نظریہ کا بگاڑ یہ اسکی حرکت ہے ورنہ انسان میں عملی گمراہی اس قدر جلد نہیں آتی اور کبھی ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ صبح کو ایک شخص عفیف و پاکدامن ہو اور شام کو چور، زانی، بدکار، اور شرابی نظر آتے اس وجہ سے اس ہلاکت کو اہم سمجھتے ہوئے اس سے تحفظ اور بچاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کی تین عظیم صفتوں کے ساتھ استعاذہ میں فرما دیا گیا۔ اللّٰھم احفظنا من الفتن ماظھر منھا وما بطن رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

کلمات دعائیہ

یہ ناچیز گناہگار اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہوئے اس رب کریم کا شکر ادا کرتا ہے جس کی محض توفیق وتیسیر سے تفسیر معارف القرآن کی تکمیل کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے اے اللہ تیرا شکر ہے کہ آج تیرے کلام پاک کی تفسیر تیرے ہی فضل وکرم سے اختتام پذیر ہو رہی ہے تیری بارگاہ قدس میں دست بدعا ہوں کہ اسکو قبول فرمالے درگذر کرتے ہوئے قبول فرمالے۔

اے میرے پروردگار میں معترف ہوں کہ نہ میں اخلاص کا حق ادا کرسکا اور نہ ہی اس عظیم خدمت کی عظمت وبرتری کے شایان شان کچھ ہو سکا بس یہی ہے جهد المقل دموعۂ ناتواں کی کوشش اسکے چند آنسو ہیں اے میرے پروردگار میں اپنی تمام تقصیرات وعیوب پر نادم وشرمندہ ہوں نہ میرے دامن میں علم ہے نہ ہی تقویٰ اور عمل صالح کا ذخیرہ ہے۔

اے اللہ میں اپنے قصور علم وفہم کی وجہ سے تیرے کلام پاک کے معارف وحقائق کے سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نکال کر پیش نہ کرسکا میری یہ کاوش بس ایک بے قیمت اور کھوٹی پونجی ہے جو میں تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے وہی التجاء کرتا ہوں جو تیرے پیغمبر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کی تھی وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا کہ ہم ایک کھوٹی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن اے یوسفؑ تو ہمارا پیمانہ بھر کر دیدے اور مزید انعام بھی فرما تو یوسف کریم ابن الکریمؑ کے ربّ کریم تیری بارگاہ میں یہی عرض ہے کہ یہ کھوٹی پونجی ہے مگر اس پر اجروثواب کے پیمانے بھر بھر کر عطا فرما دینا تُو تو رب کریم ہے اور میں ندامت وشرمندگی کے ساتھ تیری بارگاہ میں طالبِ عفو ہوں کہ میری تقصیرات معاف فرمادے میری توبہ قبول فرماتے ہوئے جس طرح اے رب العالمین تو تائبین کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اسی طرح جو میری برائیاں اور سیئات ہیں تو اپنے فضل وکرم سے انکو حسنات سے بدل دے۔ رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّي اِنَّكَ اَنْتَ السميع العليم وتب عَلَيَّ انّكَ انت التواب الرحيم. ربِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ رحمة انّك انت الوهّاب. رَبَّنَا اغفر لَنَا وَلِاخوانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْايمانِ وَلَا تجعل فِيْ قلوبنا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ امنُوا ربّنا انّكَ انت الرؤف رب اغفرلي ولِوالدي ولمن دخل بيتيَ مؤمِنًا وللمؤمنين والمؤمناتِ.

اے اللہ تو میرے والد محترم مولینا محمد ادریس کاندھلوی (قدس اللہ سرہٗ) وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ (اے تو نی حکایۃً لحال الماضی) وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا جن کی تفسیر کا یہ تکملہ میں آج پورا کر رہا ہوں انکو اپنی بے پایاں عنایات سے اور رحمتوں سے سرفراز فرما جنت الفردوس میں انکے درجات بلند فرما انکے علوم وفیوض سے مسلمانوں کو متمتع فرما آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

دُعَآءُ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

ناچیز عاصی وخاطی

محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ

یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر ۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیق نامہ

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

مکتبۃ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم (تکملہ) مصنفہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پارہ ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ کا متن قرآن کریم بغور پڑھا۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

عبد المنان شہداد پور
رجسٹرڈ پروف ریڈر برائے قرآن کریم
۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ
وھو السمیع العلیم
مکتبۃ المعارف
دار العلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان